معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد اوّل

کتاب الایمان

تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارُالاشاعت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹرایڈیشن : مارچ ۲۰۰۱ء
باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس : احمد پرنٹنگ کارپوریشن

﴿........ملنے کے پتے........﴾

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ
از نبیّے اُمیّے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں ـــــ جو

''نبی اُمّی'' سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی وابی ورُوحی وقلبی) پر

ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی

نجات کا یقین کرتے ہیں

اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر

آپؐ کے ارشادات سُنیں!

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لیے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین

تمت

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب و بے شمار احسانات فرمائے ہیں اُن میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح کے لئے نبوت و رسالت کا مقدس و مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب جب انسانوں کو آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی اُن ہی میں سے کسی بندہ کو اپنا نبی اور اُن کا ہادی بنا کر اپنی ہدایت کے ساتھ اُن میں بھیج دیا۔

انبیاء و مرسلین کی آمد کا یہ سلسلہ ہزاروں سال جاری رہا یہاں تک کہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرمادیا گیا اور آپ کے ذریعہ وہ آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت بھیج دی گئی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہونے والی ہے۔

خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ دنیا کو ملا اُس کے دو حصے ہیں ایک کتاب اللہ' قرآن مجید جو لفظاً و معنیً کلام اللہ ہے۔

دوسرے آپ کے وہ ارشادات اور آپ کی تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات جو آپ اللہ کے نبی و رسول اور اُس کی کتاب کے معلم و شارح اور اُس کی مرضی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے جس کو صحابہ کرام نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اُس کو پورے سلسلۂ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کردیا ---- آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا عنوان حدیث اور سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن انسانی دنیا کی ہمیشہ کے واسطے رہنمائی کے لئے اپنی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کے یہ دونوں حصے یعنی قرآن اور سنت اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے (اپنے اپنے درجہ کے مطابق) ہر دور میں محفوظ اور روشن رہنے کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے وہ ایک بڑی نشانی اور خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب وسنت کی جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اُس کا داعیہ پیدا کر کے اُن کو اُس طرف متوجہ فرمادیتے ہیں --- عہد نبوی سے لے کر اِس وقت تک قرآن و حدیث کی خدمتیں جن جن شکلوں میں انجام دی گئی ہیں، اگر کوئی تفکر کی نگاہ سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا ایک "خداوندی انتظام" تھا اور جن بندوں کے ذریعہ ہوا وہ گویا صرف آلہ کار تھے ؎

کار زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اس اجمال کی تفصیل اگرچہ بہت لذیذ اور ایمان افروز ہے مگر بہت طویل ہے اور اہل فہم کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہے اس لئے اسی پر اکتفا کر کے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے اِسی دور اور ہمارے ہی ملک میں اپنے بعض بندوں سے اُردو زبان میں قرآن مجید کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں خاص ضرورت تھی اور الحمد للہ کہ اُن بندگان خدا کی اُن محنتوں سے اُس وقت کی ضرورت پوری ہو گئی، اسی طرح اب سے قریباً بارہ برس پہلے (۱۳۶۱ھ میں) اس عاجز بندہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس زمانہ کے خاص حالات وضروریات کا لحاظ رکھ کر اُردو میں حدیث نبوی کی بھی ایک خدمت کی جائے اور اس کے لئے موجودہ کتب احادیث (صحاح یا مشکوٰۃ وغیرہ) میں سے کسی کی اُردو شرح لکھنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ کا ایک متوسط درجہ کا جدید مجموعہ خاص اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر خود ترتیب دیا جائے اور اپنے زمانے کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی، علمی اور ذہنی وفکری حالت اور عصر حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر عام فہم اُردو زبان میں حدیثوں کی تشریح کی جائے --- چنانچہ اس کام کا ایک خاکہ اور معیار سامنے رکھ کر بنام خدا اُسی سال یہ کام شروع بھی کر دیا۔ اور کبھی کبھی ماہوار رسالہ "الفرقان" میں اُس کے حصے "معارف الاحادیث" کے زیر عنوان شائع بھی ہوتے رہے۔

لیکن ان سالوں میں اس عاجز کے حالات مسلسل ایسے رہے کہ اس کام کی رفتار بہت سست رہی بلکہ درمیان میں زیادہ مدت اس حال میں گزری کہ میں اس کام کی طرف بالکل توجہ نہ کر سکا، یہاں تک کہ مجھے بالکل امید نہ رہی کہ میں اس کام کو کسی حد تک بھی پہنچا سکوں گا، لیکن کام لینے والے کا فیصلہ کام لینے کا تھا اس لئے بار بار کے انقطاع اور کئی کئی برس کے درمیانی وقفوں کے

باوجود کچھ نہ کچھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ یہ پہلی جلد جو اس وقت شائع ہو رہی ہے، اب سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے کسی طرح مکمل ہوئی، اس کے بعد نظر ثانی کے لئے فرصت کا انتظار رہا، خدا کے فضل و توفیق سے یہ کام بھی ہو گیا اور اُس کے بعد کتابت وطباعت کے مرحلے بھی اس کے کرم نے آسان فرما دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر اس کتاب کی تکمیل کی توفیق بخشی تو میرے سوچے ہوئے خاکے اور اندازے کے مطابق یہ انشاء اللہ ایسی ایسی پانچ جلدوں میں ختم ہو گی۔

یہ پہلی جلد "کتاب الایمان ہے" اس میں صرف اُن احادیث کو درج کیا گیا ہے جن کا تعلق ایمان سے ہے --- البتہ قیامت، آخرت، جنت اور دوزخ کے سلسلے کی احادیث کو کتب حدیث میں عام طور سے کتاب الایمان سے الگ درج کیا گیا ہے، اس عاجز نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو بھی کتاب الایمان ہی کا جزو بنایا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس جلد کی پوری نصف حدیثیں مابعد الموت یعنی برزخ و قبر اور قیامت و آخرت میں پیش آنے والے واقعات، حساب، کتاب اور جنت و دوزخ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں، گویا یہ وہ حدیثیں ہیں جن سے "ایمان بالیوم الآخر" کی تفصیل و تشریح معلوم ہو گی۔

اس کتاب میں حدیثیں عام طور سے "مشکوٰۃ المصابیح" ہی سے لی گئی ہیں۔ صرف چند حدیثیں (شروع کے ۸۰ صفحات کے اندر ہی اندر) ایسی بھی ہیں جو مشکوٰۃ سے نہیں لی گئی ہیں بلکہ براہ راست اُن کتابوں سے لی گئی ہیں جن سے اُن کی تخریج کی گئی ہے، پس اس کتاب کی جو حدیث مشکوٰۃ میں نہ پائی جائے یا مشکوٰۃ کی مندرجہ کسی حدیث اور اس کتاب کی منقولہ حدیث کے الفاظ میں کوئی فرق یا کمی بیشی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ یہ اصل کتاب سے براہ راست نقل کی گئی ہے۔

ناظرین کی سہولت کیلئے حدیثوں کو عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان میں سے اکثر عنوان احادیث کا مطلب و مقصد سمجھنے میں بھی ناظرین کی بہت کچھ مدد کرنے والے ہیں۔

کتاب چونکہ عام تعلیم یافتہ اردو خواں مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے حدیثوں کی ترتیب میں بھی بجائے درجہ رُوایت اور مرتبہ صحت کے اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ حدیثوں کا مقصد ومدعا سمجھنے میں ناظرین کو ترتیب سے بھی مدد ملے --- تاہم حدیث کی کسی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کتاب کے مرتب کرنے والے نے جس ترتیب سے

حدیثوں کو درج کیا ہے وہ اُس کی اپنی صوابدید ہے، ورنہ ہر حدیث بجائے خود ایک مستقل افادہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے ایک ہی صفحہ پر اور ایک ہی عنوان کے تحت برابر برابر درج ہونے والی دو حدیثوں میں سے ایک زمانۂ نبوت کے بالکل شروع کی ہو اور دوسری رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ حیات کی ہو۔

اسی طرح حدیث کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ زیادہ تر احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مجلسی ارشادات اور افادات ہیں یا آپ کے سامنے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات ہیں یا کسی وقتی مسئلہ سے متعلق ہدایات اور تنبیہات ہیں، اس لئے اُس موقع و ماحول اور مخاطبین کے احوال و خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر اُن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر احادیث کی اس حیثیت کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح ان پر بھی غور کیا جائے تو طرح طرح کی الجھنیں اور شکوک پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے گا تو انشاء اللہ کوئی الجھن اور کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔

چونکہ اس تالیف کا اصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی اُس تعلیم و ہدایت کی جو ذخیرۂ حدیث میں محفوظ ہے اس زمانہ کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو پہنچانا اور سمجھانا اور اُن کے لئے اتباع نبوی کی راہ آسان کرنا ہے اس لئے متن حدیث کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے بلکہ حدیث کے مقصد و مفہوم کا واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس واسطے ترجمہ و تشریح میں زبان بھی حتی الوسع آسان استعمال کی گئی ہے۔

جن حدیثوں کے بارے میں کسی طبقے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں یا کچھ گمراہ کن لوگ اُن کے ذریعہ مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں اُن کی تشریح میں اُن کے ازالہ کی خصوصیت سے کوشش کی گئی ہے مثلاً بعض حدیثوں میں صرف "لا الہ الا اللہ" کہنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، یا کلمہ پڑھنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض حدیثوں میں ایسے شخص کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے جو مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہو اور اُن کے قبلہ کو اپنا قبلہ مانتا ہو، اور اس کے برعکس بعض حدیثوں میں بعض گناہوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا کرنے والا مسلمان ہی نہیں اور ایمان میں اُس کا کوئی حصہ ہی نہیں --- الغرض اس طرح کی مشکل اور شرح طلب حدیثوں کی تشریح اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی خاص مدد سے ایسی ہوگئی ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے لئے مغالطہ کی گنجائش نہیں رہے گی، الا

یہ کہ کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور راست روی مقدر ہی نہ ہو اور اُس کے واسطے کج روی ہی کا فیصلہ من جانب اللہ ہو چکا ہو۔

حدیث نمبر ۱ سے لے کر نمبر ۷۰ تک یعنی شروع کتاب سے صفحہ نمبر ۱۵۰ تک کسی عنوان کے تحت متن حدیث سے پہلے کوئی تمہیدی نوٹ نہیں لکھا گیا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے --- لیکن آگے صفحہ ۱۵۱ سے آخر تک جو حدیثیں عالم برزخ، عذاب قبر، اور قیامت و آخرت سے متعلق ہیں اُن کی تفہیم کے لئے اصل حدیث سے پہلے جہاں جہاں تمہیدی اور تفہیمی نوٹ لکھنا ضروری معلوم ہوا ہے وہاں اس قسم کا نوٹ لکھ کر ناظرین کے ذہنوں کو صاف اور مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ برزخ، قیامت، صراط، میزان، حوض کوثر، شفاعت، جنت، دوزخ اور دیدار خداوندی سے متعلق جو مفصل تمہیدی نوٹ ان غیبی حقائق کے سلسلہ میں اصل حدیثوں کے درج کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں امید ہے کہ ناظرین کے لئے انشاء اللہ وہ بہت زیادہ اطمینان اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوں گے۔

آخری گزارش

اپنے با توفیق ناظرین سے یہ ہے

کہ حدیث کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے لئے ہر گز نہ کیا جائے بلکہ آنخضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور عمل کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے یا سنا جائے کہ گویا حضور کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں --- اگر ایسا کیا گیا تو اس کے انوار و برکات انشاء اللہ نقد نصیب ہونگے۔

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج اور طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ

مطابق ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء

دین میں حدیث وسنت کا مقام

مقدمہ سے پہلے ان سطروں کو پڑھ لیجئے

جو نئی نئی گمراہیاں ہمارے اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے جن کی آزادی پسند طبیعتوں کیلئے احکام شریعت کی پابندی سخت گراں اور شاق ہے یہ نعرہ لگانا شروع کیا ہے کہ --- دینی حجت بس قرآن ہی ہے، قرآن کے لانیوالے رسول کا کام بس قرآن پہنچادینا تھا، اب ہمارا کام بس قرآنی احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اُس سے باہر اور اُسکے علاوہ کوئی چیز حجتِ دینی نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجب الاتباع نہیں ہے یعنی احادیث نبوی اور اسوۂ حسنۂ رسالت پر کسی دینی مسئلہ اور کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ کسی ہستی کو اللہ کا نبی و رسول مان کر اُس کی تعلیمات و ہدایات اور اُس کے اسوۂ حسنہ کو دینی حجت اور واجب الاتباع نہ ماننا اس قدر مہمل اور ایسی غیر معقول بات ہے کہ اگر اس کے کہنے والے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے ہوتے اور اُن کی یہ باتیں خود اُن سے نہ سنی ہوتیں تو اس کا یقین کرنا بھی دشوار ہوتا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسی مہمل بات بھی کہہ سکتا ہے --- مگر کیا کیا جائے کہ دنیا کے اس عجائب خانہ میں جہاں اور بہت سے عجائبات ہیں اُن ہی میں سے ایک یہ اعجوبہ بھی ہے کہ بظاہر عقل و حواس رکھنے والے کچھ لکھے پڑھے لوگ سمجھ میں نہ آسکنے والی یہ بات بھی پورے زور سے اور چیخ چیخ کے کہہ رہے ہیں۔

اس فتنہ کو اپنی غیر معقولیت کی وجہ سے آپ اپنی موت مر جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اقوام مغرب کی سیادت و قیادت کی وجہ سے ہمارے اس زمانہ کی ہوا آزادی پسندی اور آوارہ مزاجی کے لئے ہمیشہ سے زیادہ سازگار بنی ہوئی ہے اس لئے یہ فتنہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ کسی نہ کسی رفتار سے کچھ بڑھ ہی رہا ہے۔ "معارف الحدیث" جو ذخیرۂ احادیث نبوی کا ایک انتخاب ہے --- جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور تعلیمات و ہدایات کو اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ اُردو خواں طبقہ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے --- مناسب سمجھا گیا کہ اس کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے اس کے لئے ناچیز مؤلف نے اپنے علمی محسن اور استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے استدعا کی، ممدوح نے اس کو قبول فرمایا اور یہ مقدمہ تحریر فرمایا جو آئندہ صفحہ سے شروع ہو رہا ہے۔

مؤلف

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلاشبہ قرآن پاک دین و شریعت کی اصل و اساس ہے اور ادلۂ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے، تفریع و تفصیل اور توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے۔

ہر باخبر جانتا ہے کہ قرآن کریم امت کو بلاواسطۂ رسول نہیں دیا گیا تھا کہ لو تم بذات خود یا اپنے ہی جیسے غیر نبی لوگوں کی مدد سے پڑھو اور سمجھو اور اس پر عمل کرو، بلکہ اس کے نزول سے پہلے ایک برگزیدہ رسول کو دنیا میں بھیج کر ان پر قرآن نازل کیا گیا اور یہ صرف اس لئے کیا گیا تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ صرف رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں اللہ کی اُس کتاب کو سمجھیں، چنانچہ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل—ع—٦)	اور نازل کیا ہم نے آپ کے پاس ذکر (کتاب کو) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو نازل کی گئی انکی طرف اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اور پھر قرآن ہی کے ذریعہ رسول کے فرائض اور ان کے منصب سے دنیا والوں کو آگاہ کیا گیا اور بار بار اعلان کیا گیا کہ یہی تم کو قرآن کے کلمات و حروف سنائیں اور یاد کرائیں گے اور یہی تم کو اس کے معانی و مطالب اور رموز و حِکَم بھی بتائیں گے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ — ع — ۱۸)	جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے کہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیتیں، اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب و حکمت اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	بہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
(ال عمران ۱۷)

کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور تعلیم کرتا ہے ان کو کتاب و حکمت اور بالیقین تھے وہ اس سے پہلے گمراہی میں۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
(جمعہ - ع - ۱)

وہی وہ ذات ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے کہ تلاوت کرتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور اُن کو پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی اُن کو تعلیم دیتا ہے بالیقین وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں۔

ان تینوں آیتوں میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں:

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب

پہلی چیز یعنی تلاوت آیات کا مطلب تو ظاہر ہے، ہاں تعلیم کتاب کی نسبت غور کرنا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ اگر اس کی مراد بھی قرآن پاک کے مرطوب و مرتب کلمات کو پڑھ کر سنانا اور یاد کرانا ہی ہے تو یہ تلاوت آیات سے الگ کوئی چیز نہیں ہوئی، حالانکہ وہ اس سے الگ ذکر کی گئی ہے۔ پس یقیناً اس سے مراد آیات کی تشریح، اس کے معانی و مطالب کی توضیح اور آیات کے حِکَم اور احکام کا بیان ہے۔

پس جب قرآن ہی سے یہ معلوم ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں جس طرح الفاظ و کلماتِ قرآن کی تلاوت و تبلیغ ہے اسی طرح اُس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائض رسالت میں داخل ہے، تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن حجت ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریحات بھی حجت اور واجب القبول ہیں، ورنہ آپ کو تعلیم کتاب کا مکلّف بنانا اور تعلیم کتاب کو آپ کا منصبی وظیفہ بتلانا بالکل بے معنی ہو گا --- الغرض ان قرآنی نصوص کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے "پیغام رساں" ہونے کے ساتھ اُس پیغام کے معلّم اور مبیّن بھی ہیں۔

اور جب قرآنی نصوص سے آپ کا معلم و مبیّنِ قرآن ہونا ثابت ہو چکا تو جو شخص آپ کی رسالت و نبوت پر ایمان رکھتا ہے جس طرح اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے متن قرآن

کی تلاوت و تبلیغ فرمائی اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے اس کی تعلیم و تبیین بھی فرمائی اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آنحضرت ﷺ اُس کے آخری نبی ہیں اور اب کوئی نئی کتاب اور کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس لئے آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک ہر دور میں محفوظ و باقی رہنا ضروری ہے اور جب اس کی بقا ضروری ہے تو اُس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آں حضرت ﷺ کی قولی و عملی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور میں منقول و متداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قرآنی نصوص کی رُو سے رسول خدا ﷺ قرآن کے معلم و شارح و مبیّن ہیں۔

(۲) آپ نے جس طرح متن قرآن کی تبلیغ کی اسی طرح اس کی شرح و تبیین بھی فرمائی۔

(۳) آپ کی تشریحات و بیان قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے۔

اسکے آگے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کی تعلیم دو طرح دی ہے: آپ نے اپنے فعل و عمل سے بھی اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی اور اس کا مفہوم سمجھایا ہے اور اس کی قولی تشریح بھی فرمائی ہے عملی تشریح کی صورت یہ تھی کہ قرآن میں ایک حکم نازل ہوا آپ نے اُس حکم پر عمل کر کے لوگوں کو دکھادیا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آگیا، مثلاً قرآن پاک میں اقامتِ صلوٰۃ کا تاکیدی حکم نازل ہوا اور اُس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی (مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ) کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا مگر ان اجزا کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی --- پس ان اجزا کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی۔

قرآن پاک میں "اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ" کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے اور اقامتِ صلوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ --- تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اُسی طرح نماز پڑھو گویا اسی سوال کا جواب ہے۔

نیز حکم "اَقِیْمُوْ الصَّلٰوۃَ" کی اس عملی تشریح کے علاوہ کبھی کبھی آپ نے اقامت صلوٰۃ کی ترکیب زبانی بھی ارشاد فرمائی ہے۔

اسی طرح مثلاً قرآن پاک میں حج کو فرض قرار دیا گیا مگر حج کا طریقہ اور ترتیب وار اس کے ارکان و مناسک نہیں بیان کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے حج کر کے دکھادیا کہ اس طرح اس فریضہ کی بجا آوری ہونی چاہئے اور اسی لئے کہ قرآن کی تشریح و تبیین صرف آپ ہی کے قول یا عمل سے ہو سکتی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جہاں سارے حجاج تھے اعلان فرمایا:

خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ لَعَلِّیْ لَا اَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا — لوگو! تم سب حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو! شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں

پھر قولی تشریح کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر یا اس کی طرف اشارہ کر کے اُس کی تفسیر یا اُس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اُس کو بیان فرماتے تھے اور دوسری صورت یہ تھی کہ اپنے وہبی علم اور فہم مخصوص کی بناء پر جو استنباط و استفادہ آپ نے قرآن کریم سے کیا اس کو آیت کا حوالہ دیئے اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان کر دیتے تھے۔

پہلی صورت کی کثیر التعداد مثالوں میں سے صرف تین مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو حق تعالیٰ پکارے گا وہ کہیں گے، "لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ یَا رَبِّ"۔ خدا پوچھے گا تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے، ہاں! اس کے بعد ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس نوح نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تب خدائے تعالیٰ حضرت نوح سے مخاطب ہو گا کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور اُن کی امت۔ اس کے بعد اُمت محمدیہ گواہی دے گی کہ حضرت نوح نے پیغام پہنچا دیا تھا اور امت کی گواہی کی تصدیق رسول کرے گا (یعنی میں کروں گا) آنحضرت نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد: وَجَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا میں یہی بیان ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر، بروایت ابو سعید خدری)

(۲) حضرت عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ اور اَلْخَیْطُ الْاَسْوَدُ سے دو دھاگے مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا "لَا بَلْ سَوَادُ اللَّیْلِ وَبَیَاضُ النَّهَارِ" نہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے (بخاری کتاب التفسیر)

(۳) حدیبیہ کے سفر میں حضرت کعب بن عجرہ کے سر میں بے انتہا جوئیں پڑ گئیں تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا ایک بکری تم پا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا سر منڈوا ڈالو، اور تین روزے رکھ لو، یا چھ مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع کے حساب سے صدقہ دیدو (بخاری کتاب التفسیر) اس واقعہ میں بظاہر آیت کا حوالہ یا اشارہ نہیں ہے مگر "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" کا نزول چونکہ اسی واقعہ میں ہوا ہے اس لئے ہم نے اس مثال کو بھی اسی ضمن میں ذکر کیا۔

قرآن پاک کی قولی تشریح کی دوسری صورت میں احادیث نبویہ کا اکثر حصہ یا ان کی بہت بڑی تعداد داخل ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ایسی حدیثوں کا قرآنی ماخذ اپنے علم و عقل کی کوتاہی اور قصورِ فہم کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی حدیثوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن کا قرآنی ماخذ تھوڑی سی توجہ اور تامل سے سمجھ میں آجاتا ہے کم از کم دو مثالیں ناظرین اس کی بھی ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) رسول خدا ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ

تم میں سے کوئی اُس وقت تک صاحب ایمان نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اُس تعلیم و ہدایت کا تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اِسکی نسبت بہت آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ارشاد قرآن کی حسب ذیل آیتوں سے مستفاد ہے

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(النساء. ع ۹)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اُٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

(احزاب ع ۵)

اور کام نہیں کسی ایمان والے مرد کا اور نہ ایمان والی عورت کا جبکہ فیصلہ کر دیں اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا یہ کہ ان کو رہے اختیار اپنے اس معاملہ میں (یعنی اللہ ورسول کے حکم

کے بعد ایمان والوں کا کام صرف تسلیم واطاعت ہے اس کے سوا کچھ نہیں)

(۲) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا	جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری پائے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچادے پھر بغیر حج کئے مر جائے تو اس پر کچھ مشکل نہیں کہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔

(رواه الترمذی عن علی ویؤید ما رواه الدارمی عن ابی امامة)

اس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ...... الآية" سے مستنبط ہے، مگر روایت میں چونکہ پوری آیت مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے لوگوں کو وجہ استنباط سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، پوری آیت سامنے ہو تو اس کے آخری حصے سے صاف وہ تہدید مفہوم ہوتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے، سنئے پوری آیت یوں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (ال عمران ع ۱۰)	اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا بیت اللہ کا اُن پر جو استطاعت رکھتے ہوں اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو کوئی کفر کا طریقہ اختیار کرے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

اس قسم کی اور بھی کثیر التعداد مثالیں پیش ہو سکتی ہیں، مگر اس وقت چونکہ ہمارا موضوع سخن یہ نہیں ہے اس لئے ان ہی دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تشریح یا تفصیل یا اس سے استنباط ہے جو "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" اور "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" جیسے نصوص کے بموجب آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں داخل ہے اور یہی قرآنی نصوص و بینات ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریحات و تفریعات اور استنباطات بھی واجب القبول اور واجب الاتباع ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی بیان کی ہوئی ایک اور حقیقت پر غور کیجئے۔

تعلیم حکمت

قرآن کریم نے تعلیم کتاب کیساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک فریضہ بتایا ہے، یہ حکمت کیا چیز ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے فکر صحیح اور فہم سلیم کی ضرورت ہے۔ حکمت کی مراد

معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کیجئے تو اس میں آپ کو ایسی متعدد آیات ملیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے اتارا اور نازل کیا ہے، مثلاً سورۂ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء ع ۱۷)	اور نازل کی اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو وہ جو تو نہیں جانتا تھا اور ہے اللہ کا فضل تجھ پر بڑا۔

سورۂ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُم وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (بقرہ ع ۲۹)	اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر اور جو نازل کی تم پر یعنی کتاب اور حکمت نصیحت کرتا ہے اللہ تم کو اس کے ساتھ۔

سورۂ احزاب کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہرات کے گھروں میں ہوتی تھی ارشاد ہے:

وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب ع ۴)	اور یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تم پر تمہارے گھروں میں یعنی اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی تھی؟ اور آنحضرت ﷺ ان کو قرآن کے علاوہ کیا سناتے تھے؟

اس سوال کا صرف یہی ایک جواب ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی حدیث اور آپ کی سنت تھی (یعنی آپ کے عام دینی نصائح اور دینی افادات وارشادات) اور چونکہ اس آیت میں حکمت کے ذکر کا (یعنی اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا) حکم ہے اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی تقریباً بدیہی اور مسلم ہے کہ علم وذکر وحفظ مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے مقصود ہیں اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت پر عمل کا واجب اور مامور بہ ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے تو اس سے پہلی آیتوں سے (جن میں کتاب کی طرح حکمت کو بھی منزل من اللہ فرمایا گیا ہے) ثابت ہوا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم معلم قرآن ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو جس طرح قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی (جس کا نام حکمت ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اُتاری ہے، اسی طرح معلم قرآن ﷺ کی تعلیمات بھی ہم کو یہی بتلاتی ہیں۔

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ — کہ مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اُس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اُس کے مثل دی گئی۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارمی عن المقدام بن معد یکرب)

کتاب و سنت کے انہیں نصوص کی بناء پر تمام ائمہ و علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ "یعلمهم الكتاب والحكمة" اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمۃ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالىٰ "انزل عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَحیین وَاَوْجَبَ عَلٰی عِبَادِهِ الْاِیْمَانَ بِهِمَا وَالعمل بِمَا فِيها وَهما الكِتٰب والحكمة" وَقال تعالىٰ "وانزل الله عليك الكتاب والحكمة" وقال تعالىٰ "هو الذى بعث فى الاميّينَ رسولا منهم يتلو عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة" وقال تعالىٰ "واذكرن مايتلىٰ عليكن فى بيوتكن من ايات الله والحكمة. والكتاب هو القرآن والحكمة هى السنة باتفاق السلف وما اخبر الرسول عن الله فهو فى وجوب تصديقه والايمان به كما اخبر به الرب تعالىٰ على لسان رسوله هذا اصل متفق عليه

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جاچکی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تنزیل و تعلیم کا ذکر اور ان کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں) : کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے، رسول نے اللہ سے پاکر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے اسکا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے

بین اھل الاسلام، لا ینکرہ الامن لیس منھم وقد قال النبی ﷺ انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ (ص ۹۲)	مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)

اسوۂ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تشریح و تبیین فرمائی اور وہ حکمت جو آپ پر نازل کی گئی ہر مومن بالقرآن کے لئے ان دونوں کا واجب القبول ہونا آپ معلوم کر چکے، ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری چیز جس کی پیروی ہر مومن پر قرآن نے لازمی قرار دی ہے، وہ ہے پوری اسلامی و مذہبی زندگی کا وہ نمونہ جو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں جلوہ گر تھا۔ سورہ احزاب میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا (احزاب ع ۳)	تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی چال رسول اللہ کی اس کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے زندگی کے ہر مرحلہ میں رسول خدا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ہم کو دیا ہے' ایسا نہیں ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں اور پریشانی کے موقع پر آپ کے صبر وضبط کی مثال سامنے رکھنے اور فقط اس کی پیروی کرنے کی تلقین کی گئی ہو، جیسا کہ اس آیت کے متعلق آج کل کے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، اسلئے کہ اس کی تو کوئی کمزور سے کمزور وجہ نہیں ہو سکتی کہ جنگ کے موقع پر تو آپ کا طرز عمل واجب الاتباع ہے مگر امن و صلح کے موقع پر آپ کا طرزِ عمل لازم الاتباع نہیں ہے، یا بابِ جہاد میں تو آپ کی ذات میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے مگر اقامتِ صلوٰۃ و ادائے حج کے باب میں آپ کی ذات میں ہمارے لئے کوئی قابل پیروی نمونہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ پر اس شخص کو جو خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم بالکل عموم واطلاق کے ساتھ دیا گیا، ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (ال عمران ع ۴)	کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے پیچھے چلو، اللہ تم سے محبت کریگا۔

یہاں اللہ کی محبت کا معیار مطلقاً نبی کا اتباع قرار دیا گیا، اگر رسول کی ذات اسوۂ عمل نہیں ہے اور قرآن کے ماننے والے اس کی پیروی کے مامور نہیں ہیں تو بتلایا جائے کہ اللہ نے اپنے نبی سے اپنی پیروی کرانے کو کیوں کہا؟

یہ کہنا تو عقل و فہم کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں کہ "میری پیروی کرو" کا مطلب صرف اتنا ہے کہ میں جو قرآن سناتا ہوں بس اُس کو سن لو، اس لئے کہ اتباع یا پیروی یا پیچھے چلنے کا یہ مطلب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہوتا، ان الفاظ کے معنی تو کسی کے طرز عمل کی تقلید اور کسی کے طور طریقہ پر کاربند ہونے ہی کے آتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ہر حق طلب اور حق پسند کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہو گی کہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو مجرد قرآن کے ماننے اور اپنے اپنے طور پر اس کو سمجھنے اور اپنے اپنے فہم کے مطابق اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ قرآن کے ساتھ حکمت کو بھی ماننے اور قبول کرنے اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ عمل قرار دینے کے بھی وہ مامور ہیں نیز قرآن پاک کو رسول سے بے نیاز ہو کر نہیں بلکہ انہیں کی تعلیم، تبیین اور تشریح کی روشنی میں سمجھنے کے وہ مکلف ہیں۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تبیین[1] فرمائی اور تعلیم دی اور وہ حکمت[2] جو آپ پر اُتاری گئی، نیز آپ کی پوری[3] زندگی جس کا مکمل نقشہ ان خوش قسمتوں نے ہمارے سامنے کھینچ کر رکھ دیا ہے جنہوں نے اس زندگی کا مشاہدہ کیا تھا انہیں تینوں چیزوں کا نام حدیث و سنت ہے۔ اور نصوص کتاب اللہ کی رو سے ان تینوں کے واجب القبول ہونے کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ قرآن' حدیث و سنت کو واجب القبول اور واجب الاتباع قرار دیتا ہے۔

حدیث کے حجت ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل

حدیث حجت ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی مسلمان نظر انداز کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ایک اور طریقہ سے بھی ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ بھی خود قرآن پاک کا بتایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے اتباع سبیل المومنین (مومنین اولین کے طریقہ پر چلنے) کو ضروری بتایا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ	اور جو کوئی خلاف کرے رسول کی بعد اس کے
مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ	کہ واضح ہو گئی اُس کے لئے ہدایت اور راہ

الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَائَتْ مَصِیْرًا — پکڑے مومنین کے راستہ سے الگ ہم حوالہ کریں گے اس کو اس راہ کے جن کی طرف
(النساء ع ۱۷)
اس نے رخ کیا ہے اور انجام کار ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں اور بُرا ہے وہ ٹھکانا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کو سخت وعید سُنائی ہے اور اس کو مستحقِ دوزخ قرار دیا ہے، پس ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں بھی یہ معلوم کیا جائے کہ مومنین اولین کا راستہ کیا تھا؟ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کو یا بلفظ دیگر حدیث و سنت کو حجت مانتے اور اس کو مشعل راہ قرار دیتے تھے یا نہیں؟---پس جب ہم اس باب میں مومنین اولین کی راہ و روش معلوم کرنے کے لئے اسلامی روایات اور اسلامی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم کو حسب ذیل حالات و واقعات ملتے ہیں۔

(۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی قضیہ آتا تھا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں نظر فرماتے تھے اگر کتاب اللہ میں ان کو فیصلہ مل جاتا تو وہی فیصلہ صادر فرماتے، اس میں ناکامی کی صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت اس باب میں انہیں معلوم ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر خود ان کو اس باب میں کسی سنت کا علم حاصل نہ ہوتا تو باہر نکل کر دوسرے مسلمانوں (صحابہ) سے دریافت فرماتے کہ ایک اس طرح کا معاملہ میرے پاس آیا ہے اگر تم کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے تو بتاؤ، پھر ایسا ہوتا تھا کہ بعض اوقات کئی کئی آدمی اٹھا ہو کر بتاتے تھے کہ ہاں اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا، اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْنَا مَنْ یَّحْفَظُ عَنْ نَبِیِّنَا — خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں

(۲) آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اور سب سے مشکل مسئلہ یہ سامنے آیا کہ آپ کا جانشیں کس کو مقرر کیا جائے تو اس مسئلہ کا حل بھی صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی سنت میں تلاش کیا۔

طبقات ابن سعد و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ (مسئلہ جانشینی) میں غور و فکر کیا تو ہم نے یہ پایا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو اپنی زندگی میں نماز کے لئے آگے بڑھایا (یعنی امام

مقرر کیا) تو جس کو آپ نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا (جانشین رسول منتخب کر لیا)۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت ابن مسعود کا بیان مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انصار کی زبانوں پر یہ بات آئی کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کے پاس جا کر کہا اے گروہِ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ کس کا دل گوارا کرتا ہے کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے، یہ سنتے ہی انصار کی آنکھیں کھل گئیں اور بول اُٹھے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ نَتَقَدَّمَ اَبَا بَکْرٍ

خدا کی پناہ ہم ابو بکر کے آگے بڑھیں

یعنی سنت نبی سامنے آجانے کے بعد تمام انصار مطمئن ہو گئے اور بے چون و چرا اس کو تسلیم کر لیا۔

نیز اسی کتاب میں ہے کہ وفات نبوی کے بعد انصار کے مجمع میں حضرت ابو بکر نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سعد! تم جانتے ہو، تم بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا قُرَیْشٌ وَلَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ (اس امر کے والی قریش ہیں) حضرت سعد بے تامل بولے کہ آپ نے سچ کہا، ہم وزیر و پشت پناہ ہوں گے، اور آپ لوگ امیر و والی (یعنی آنحضرت کا قول یاد دلانے کے بعد ان حضرات نے خلافت) کا خیال چھوڑ دیا۔

(۳) وفات نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ آپ کے دفن کا تھا، اس میں اختلاف رائے تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، اس کا فیصلہ بھی حدیث نبوی سے ہوا۔

اسی کتاب اور دوسری بہت سے کتب (مثلاً تاریخ کامل ص ۲۲۵ ج ۳) میں ہے کہ جب یہ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہر نبی اپنی اسی خواب گاہ کے نیچے مدفون ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو"۔ یہ سنتے ہی سارا اختلاف ختم ہو گیا، اور باتفاق رائے آنحضرت ﷺ اسی مقدس سرزمین میں جہاں آپ کی روحِ پاک قبض کی گئی تھی سپرد خاک کئے گئے۔

(۴) تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ جمع قرآن کا واقعہ ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ مشورہ دیا کہ پورا قرآن یکجا کر دیا جائے اور ابتدا سے انتہا تک یکجا لکھ کر ایک مصحف میں دو

لوحوں کے درمیان محفوظ کردیا جائے تو حضرت ابو بکر ابتداءً بار بار یہی فرماتے تھے کہ:

كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر جمع قرآن کی اہم خدمت ان کے سپرد کرنا چاہی تو ابتداء میں اُن کو بھی تامل ہوا اور وہ بھی بار بار یہی کہتے تھے كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ --- لیکن بعد میں اللہ نے ان کے سینہ کو بھی کھول دیا اور شیخین کی رائے کا حق ہونا ظاہر کردیا تو وہ اس خدمت کی انجام دہی پر کمربستہ ہو گئے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہے کہ اس سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو ہر کام پر اقدام کرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی سنت کی تلاش و جستجو ہوتی تھی یہی ان کی روش اور ان کا راستہ تھا۔

(۵) مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی کی وفات کے بعد اس کی دادی حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے آئی آپؓ نے فرمایا:

مالك في كتاب الله شيء وما علمت لك في سنة رسول الله شيئاً فارجعي حتى اسأل الناس	کتاب اللہ میں تیرا کچھ حق نہیں ہے، اور آنحضرت ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حق مجھے معلوم نہیں، لہٰذا اس وقت لوٹ جا، تا آنکہ میں اور لوگوں سے دریافت کروں۔

اس کے بعد اُنہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ نے بتایا کہ میری موجودگی میں آنحضرت ﷺ نے میت کی دادی کو سدس (چھٹا حصہ) دلوایا تھا حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر وہی بیان کیا، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کو سدس دلوایا۔

(۶) پارسیوں کا ملک اسلامی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق تھی کہ پارسیوں سے جزیہ لیا جائے یا نہیں (اس لئے کہ قرآن پاک میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے اور قرآن کی زبان میں اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں) تا آنکہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے، تب حضرت عمرؓ نے پارسیوں سے جزیہ لیا۔

(۷) صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی وفات کے صرف چالیس دن بعد بچہ جنا تو اس کی عدت پوری ہو گئی یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن پورے ہونے میں سے جو بعد میں واقع ہو گا اس سے عدت منقضی ہو گی، اس مجلس میں ابو سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کو ابو سلمہ نے کہا (قرآن میں ہے) :

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

حمل والی عورتوں کی عدت دفع حمل ہے

ابو سلمہؓ کا ملطب یہ تھا کہ صورت مسئولہ میں عدت پوری ہو گئی یہ سن کر حضرت ابو ہریرہؓ بولے کہ میں بھی اپنے بھتیجے ابو سلمہؓ سے اتفاق کرتا ہوں، تب حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا (انہوں نے سوال سن کر) فرمایا سبیعہ اسلمیہ حاملہ تھیں کہ اسی حالت میں ان کے شوہر شہید کر دیئے گئے واقعہ شہادت کے چالیس دن بعد سبیعہ کے بچہ پیدا ہوا اور نکاح کے پیغام آنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کرادیا۔

حافظ ابن حجر اس واقعہ کے تحت میں فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان عباسؓ کے شاگرد اور متبعین کا قول جماعت کے موافق ہے۔

اس واقعہ سے اختلاف رائے اور دو آیتوں میں بظاہر تعارض کے وقت صحابہؓ کا سنت کی طرف رجوع کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۸) ابو داؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رومی سلطنت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے ایک خاص مدت تک جنگ بندی تھی، جب وہ مدت قریب ختم ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج کے ساتھ دشمن کے ملک کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا، ان کا خیال تھا کہ مدت کے اندر جنگ تو شروع نہ کریں گے لیکن ان کے قریب پہنچ جائیں اور جب مدت ختم ہو جائے گی تو اچانک یکبارگی دھاوا بول دیں گے ایک دن حضرت معاویہؓ کو دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا، جو بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کرنا ہے، توڑنا نہیں ہے، لوگوں نے بغور دیکھا تو وہ سوار حضرت عمرو بن عبسہ صحابیؓ تھے، حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا ﷺ سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ

جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس عہد میں کوئی ردوبدل نہ کرے، جب تک کہ اس کی مدت نہ گذر جائے، یا اس قوم کو مطلع نہ کر دے، حضرت معاویہؓ یہ سن کر اپنی فوج کے ساتھ دارالاسلام کو واپس ہو گئے۔

(۹) تاریخ طبری و تاریخ کامل (ص ۳۹۲ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بار مدینہ سے بارادہ شام روانہ ہوئے جب مقام سرغ میں پہنچے تو امرائے لشکر نے آکر خبر دی کہ ملک شام میں اس وقت وباء پھوٹ پڑی ہے، طاعون بڑے زوروں کا پھیلا ہوا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر پہلے مہاجرین وانصار کو جو ساتھ میں تھے اکٹھا کر کے مشورہ کیا تو وہ مختلف الرائے ظاہر ہوئے، کچھ لوگوں نے کہا لوٹ چلئے اور کچھ نے کہا جب لوجہ اللہ آئے ہیں تو لوٹیں کیوں؟ حضرت عمرؓ نے یہ اختلاف دیکھ کر ان لوگوں سے اُٹھ جانے کو کہا اور فرمایا اب قریشی مہاجرین فتح کو بلاؤ، وہ آئے تو سب کے سب لوٹ جانے کے حق میں تھے، اس بنا پر حضرت عمر نے واپسی کا قصد کیا، مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے اس سے اختلاف ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف آپہنچے، وہ پہلے مشورہ میں شریک نہ ہو سکے تھے اور ان کو کچھ معلوم نہ تھا، اس لئے انہوں نے پوچھا کیا قصہ ہے، جب اُن کو بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا میرے پاس اس باب میں ایک علم ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ صاحبِ امانت اور قابلِ تصدیق ہیں، بتایئے وہ کیا علم ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سُنا ہے کہ:

> جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت، اور جب تمہارے جائے قیام میں وبا پھیل جائے تو بقصد فرار اس جگہ سے نکلو مت

یہ سنتے ہی سب اختلاف مٹ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب کو لے کر مدینہ لوٹ آئے۔

(۱۰) تاریخ کامل و تاریخ خلفاء وغیرہ تمام کتب تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور تمام صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کرنے کے بعد بایں الفاظ بیعت کی تھی:

نبايعك على كتاب الله وسنة رسوله وسنة الخليفتين بعده	ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، رسول کی سنت اور دونوں سابق خلفاء کی روش پر عمل کریں گے۔

یہ دس مثالیں بلا مبالغہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں، اس سے زیادہ کی ہم اس لئے ضرورت نہیں سمجھتے کہ ایک منصف مزاج کے لئے یہی کافی سے زیادہ ہیں اور ان کو سامنے رکھنے کے بعد

کوئی بھی منصف اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ مومنین اولین کا راستہ حدیث و سنت کے ساتھ احتجاج اور ہر باب میں اُس کو مشعل راہ قرار دینا تھا۔

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اوپر "سبیل المومنین" کے بیان کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا اس کا ماخذ حدیث و تاریخ کی کتابیں ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد لکھی گئی ہیں اور وہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو گذارش ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن پاک نیز اس کے احکام اور اس پر ایمان و عمل کا حکم باقی ہو اور "سبیل المومنین" کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اور اس کی کوئی صورت موجود نہ ہو، ایسا کہنا تو قرآن کو ناقابل عمل اور معطل قرار دینا ہے جس کی جرأت کوئی مومن تو مومن کوئی صاحب علم و انصاف غیر مومن بھی نہیں کر سکتا، قرآن پاک پر عمل کا دروازہ جب تک کھلا رہے گا اس وقت تک یہ راستہ بھی کھلا رہے گا اور اس راستہ کے پورے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع بھی موجود رہیں گے، اور جب ایسا ہے تو بتایا جائے کہ بجز مجامیع احادیث وکتب طبقات و اسماء الرجال اور کتب سیر و تاریخ کے اور کون سا ذریعہ ہے جس سے مومنین اولین کی راہ و روش کا تفصیلی علم حاصل ہو سکے، اگر کوئی دوسرا ذریعہ بھی ہے تو بتایا جائے، اور اگر نہیں ہے تو مذکورہ بالا چیزوں کو بالکلیہ جعلی، بے بنیاد اور بے اعتبار کہنا در حقیقت قرآن پاک پر عمل کا دروازہ بند کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلام اور مسلم قوم کو دوسرے مذاہب و اقوام عالم پر جو مخصوص تفوق و امتیاز حاصل ہے اس کو بھی برباد کرنا ہے اس لئے کہ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ مسلم قوم کی نہ کوئی تاریخ ہے، نہ اس کے علمی و عملی کارنامے ہیں اور نہ ان کارناموں کا کوئی ذریعہ علم دنیا میں موجود ہے، کیا ایسی بات کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں بعض منکرین حدیث کا یہ رویہ کس قدر عجیب و غریب اور کیسا ناقابل فہم ہے کہ وہ تاریخ پر تو اعتماد کرتے ہیں اور روایاتِ حدیث کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے حالانکہ کتب تاریخ کے تمام مصنفوں نے ہر ہر واقعہ کی نسبت نہ تو یہ بتانے کا التزام کیا ہے کہ وہ ان کو کس واسطہ اور کس سلسلہ سے معلوم ہوا، نہ ان واسطوں کی عدالت و ثقاہت وغیرہ اُن شرائط کی سختی سے پابندی کی ہے جن کی محدثین نے کی ہے، بایں ہمہ تاریخ تو قابل قبول اور لائق اعتماد ہو لیکن مجامیع احادیث جن میں ہر ہر قول و فعل رسول ﷺ یا آثار و احوال صحابہ کے لئے پورا پورا التزام ہے کہ مصنف کو جن واسطوں سے علم ہوا کہ ان کو سلسلہ وار اس طرح بتائے کہ کہیں انقطاع نہ ہو اور یہ واسطے بھی ایسے ہوں کہ ان کے معتبر، عادل اور ثقہ ہونے کا ثبوت موجود ہو غرض اس التزام و

احتیاط کے باوجود حدیث کے مجموعے قابل اعتبار نہ ہوں، یہ کتنی عجیب اور کیسی ستم ظریفی ہے۔

علاوہ ازیں پختہ اور کھری سندوں کے ساتھ بھی حدیثوں کے نہ ماننے اور ان کو بے اعتبار کہنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہی تو ہے کہ کتب احادیث کے مصنفوں نے محض بے بنیاد باتوں کو بالکل جعلی اور فرضی سندوں کے ساتھ کتابوں میں درج کر دیا ہے۔

ان حضرات کو خالص علمی طور پر کبھی تو سوچنا چاہئے کہ ایسا ممکن کیونکر ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اُس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعل سازی اور افترا پردازی کا مقابلہ کرتا؟ یا کم از کم اُس پر نکیر ہی کرتا۔

مثال کے طور پر میں مؤطا کا نام لیتا ہوں، حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابو طالب کی ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ کے بعد یعنی رسول خدا ﷺ کی وفات کے ایک "سو دس یا ایک" سو بیس برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الحوالک ص ۶) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۳، یا ۲۳ برس) پہلے تک آنحضرت ﷺ کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحابِ رسولؐ اس دنیا میں موجود تھے، اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابۂ رسول ﷺ کی صحبت کی سعادت پائی تھی اور بلادِ اسلام مثلاً بلادِ حجاز، شام، عراق اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑ یئے صرف مدینہ منورہ ہی کو لیجئے جہاں یہ کتاب وجود میں آئی اُسی میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے، مثال کے طور پر چند نام سنئے:

(۱) اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ المتوفی ۱۳۶ھ (۲) اسماعیل بن محمد بن زہری المتوفی ۱۳۴ھ
(۳) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن المتوفی ۱۲۹ھ (۴) زید بن اسلم المتوفی ۱۳۶ھ
(۵) سالم بن ابی امیہ المتوفی ۱۲۹ھ (۶) سعد بن اسحاق المتوفی بعد ۱۴۰ھ
(۷) سعید بن ابی سعید المقبری المتوفی ۱۲۳ھ (۸) سلمہ بن دینار المتوفی بعد ۱۴۰ھ
(۹) شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المتوفی بعد ۱۴۰ھ (۱۰) صالح بن کیسان المتوفی بعد ۱۴۰ھ
(۱۱) صفوان بن سلیم المتوفی ۱۲۴ھ (۱۲) عبداللہ بن ابی بکر بن ابی حزم المتوفی ۱۳۵ھ
(۱۳) عبداللہ بن دینار المتوفی ۱۲۷ھ (۱۴) ابوالزناد المتوفی ۱۳۰ھ
(۱۵) عبدر بن سعید المتوفی ۱۳۹ھ (۱۶) محمد بن المنکدر المتوفی ۱۳۱ھ
(۱۷) مخزمہ بن سلیمان المتوفی ۱۳۰ھ (۱۸) موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ
(۱۹) وہب بن کیسان المتوفی ۱۲۷ھ (۲۰) یحییٰ بن سعید قاضی مدینہ المتوفی ۱۴۳ھ

(۲۱) یزید بن رومان المتوفی ۱۳۰ھ (۲۲) یزید بن عبداللہ بن لیثی المتوفی ۱۳۹ھ

(۲۳) ہشام بن عروہ المتوفی ۱۴۵ھ (۲۴) مسور بن رفاعہ المتوفی ۱۳۸ھ

(۲۵) ابو طوالہ قاضی مدینہ المتوفی آخر ایام بنی امیہ (و آخر ایام بنی امیہ ۱۳۲ھ)

علمی سلسلہ کے علاوہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے بھی تابعین کی حیثیت آنخضرت ﷺ کی نسبت سے وہی تھی جو نسبی سلسلہ میں پوتوں کی حیثیت دادا کی نسبت سے ہوتی ہے، اس لئے اگر سلسلۂ اخذ و تعلیم نہ ہوتا تب بھی جس طرح دادا کے حالات اور کارنامے پوتوں کو اپنے گھروں میں معلوم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس عہد کے لوگوں کو باقاعدہ تعلیم کے بدون ہی آنخضرت کے بکثرت حالات اور کارناموں کا علم حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

اب غور کیجئے کہ ایسے عہد اور ایسی حالت میں اور ایسے لوگوں کی موجودگی میں پھر ایسی جگہ پر جہاں آنخضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دس سال گذرے ہیں اورجہاں کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کو آنخضرت سے وابستگی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو، اس سرزمین میں ایک شخص (امام مالک) آپ کی حدیثوں اور سنتوں کے بیان میں ایک مجموعہ تیار کر کے اسی سرزمین میں اس کو علی الاعلان سناتا ہے اور ہزاروں آدمی تمام بلادِ اسلامیہ سے رختِ سفر باندھ کر مدینہ آتے اور اس مجموعہ کو سن کر اور بہت سے لوگ اس کی نقلیں لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ان کا ہر آدمی اس کو سیکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں پھیلاتا ہے مگر مدینہ مقدسہ یا کسی جگہ کا ایک متنفس بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ ساری حدیثیں یا ان میں سے بہت سی جعلی ہیں --- کوئی صاحب عقل بتائے کہ اولاً ایسی حالت میں امام مالک کو اگر (معاذ اللہ وہ مفتری ہوتے) اس کی ہمت ہی کیسے ہوتی، اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو سارے اہل مدینہ اس "افترا پردازی" اور دین میں جعلی چیز کے اضافہ اور اس کی اشاعت کا خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے!

ما لکم کیف تحکمون

مزید براں یہ کہ اس مجموعہ میں امام مالک مذکورہ بالا پچیس اشخاص اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے باشندگان مدینہ کا نام لے کر فرماتے ہیں کہ انہیں لوگوں نے ہم سے یہ حدیثیں اور سنتیں بیان کی ہیں اگر بالفرض امام مالک نے غلط بیانی سے کام لیا ہوتا تو ناممکن ہے کہ جو لوگ اس وقت زندہ تھے اُن کی تکذیب نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ موطا یا دوسرے مجامیع حدیث اور ان کی اسنادوں کا بالکل بے سروپا کہنا صرف ضلالت ہی نہیں بلکہ قابل عبرت جہالت و حماقت بھی ہے۔ **ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور۔**

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ سے پہلے کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی، بلکہ اس کے برخلاف ان مجموعوں کے زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک ہر دور میں اصولی طور پر ان کو صحیح و ثابت اور واقعی چیز تسلیم کیا گیا اور ہر دور میں ان مجموعوں کو سیکڑوں ہزاروں اہل علم نے اپنے بڑوں سے سنا اور روایت کیا، خود امام مالک سے موطا کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے سُنا جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بُستان المحدثین ص ۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ اور سیوطی نے تنویر الحوالک کے مقدمہ میں تقریباً پچاس ایسے آدمیوں کا نام بنام ذکر کیا ہے جنہوں نے امام مالکؒ سے مؤطا کو سن کر روایت کیا ہے، پھر ان لوگوں سے آج تک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تواتر کے ساتھ اس کی روایت ہوتی آئی ہے۔

پھر حیرت ہے کہ یہ منکرین حدیث اس دیدہ دلیری سے حدیث کا انکار کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے اور کیوں اس پر غور نہیں کرتے کہ اپنے بزرگوں اور اکابر کے آثار کی حفاظت اور ان کے کارناموں کو زندہ اور ان کے سوانح کو یاد رکھنے کا جذبہ فطری طور پر ہر قوم میں ہوتا ہے اور دنیا میں ہر زندہ قوم اپنے بزرگوں کے آثار، بہادروں کے کارناموں اور شاعروں کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم قوم جو دنیا کی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ علم دوست، اور سب سے زیادہ محاسن کمالات اور زرین خصوصیات کی حامل ہے، اس نے اور تو اور خود اپنے پیغمبر و رسول ہی کی روایات انکے سیر و مغازی اور ان کے اخلاق و عادات کو نہ محفوظ رکھا ہو نہ دوسروں تک پہنچایا ہو، دنیا میں کون صاحب عقل ایسا کہہ سکتا ہے اور کون اس کو باور کر سکتا ہے؟

قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مطلب بھی روایات کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا

پھر اس بات پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ اگر قرآن پاک کے علاوہ اور کوئی مستند ذریعۂ معلومات نہ ہو اور احادیث و آثار کی روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو خود قرآن پاک کی بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مبہم اور بڑی حد تک تشنہ رہ جائے گا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب ع ۵)	پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی

کیا روایات کو یکسر نظر انداز کر دینے کے بعد قرآن مجید کے صرف ان الفاظ سے اُس واقعہ کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور کیا صرف قرآن سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور اُن کی بی بی کون تھیں اور قصہ کیا پیش آیا تھا۔ یا مثلاً ارشاد ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى (عبس)	تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اس کے پاس نابینا اور تجھ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا اور پاک صاف ہوتا۔

بتایا جائے کیا صرف قرآن سے یہ پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ یہ آنے والے الاعمیٰ کون تھے، اور وہ کون لوگ تھے جن کی طرف آنحضرت ﷺ اُن کے آنے کے وقت متوجہ تھے؟

اسی طرح غزوۂ احزاب و حنین وغیرہ کے جن واقعات کا ذکر قرآن پاک میں ہے بتایئے کہ روایات کے سارے ذخیرہ کو نامعتبر قرار دے کر ان واقعات کی ضروری تفصیل بھی کہاں سے معلوم کی جائے یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (انفال ع ۱)	اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے قبضہ میں آئیگی۔

کیا کوئی صرف قرآن سے یہ بتلا سکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور اللہ جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے وہ وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی آنحضرت پر آتی تھی۔

یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (انفال ع ۵)	جس وقت تم تھے ورے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے

کوئی مدعی صرف قرآن سے بتائے کہ یہ کہاں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور کس جگہ کے قریب و دور کے ناکے مراد ہیں؟ اور کس قافلہ کا نیچے اُترنا بیان ہوا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ (توبہ ع ۴) — مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت سے میدانوں میں

کیا روایات کا انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل کہیں سے معلوم ہو سکتی ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ع ٦) — اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا اس کو کافروں نے دو جان سے، جب دونوں تھے غار میں، جب کہنے لگا اپنے رفیق کو نہ غم کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

آنحضرت ﷺ کہاں سے نکالے گئے، یہ دوسرا آپ کا رفیق کون تھا؟ اور کس غار میں آپ اپنے رفیق کے ساتھ روپوش تھے؟ کیا صرف قرآن سے ان سوالات کا جواب مل سکتا ہے؟ کیا روایات کی طرف رجوع کے سوا کوئی دوسری صورت بھی ان باتوں کو معلوم کرنے کی ہے؟

علیٰ ہذا القیاس قرآن پاک میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (توبہ ع ۱۳) — جس مسجد کی بنیاد دھری پرہیزگاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اُس میں اس میں وہ مرد ہیں جن کو چاہت ہے پاک رہنے کی۔

یہ کس مسجد کا ذکر ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں جنکی اس آیت میں مدح ہو رہی ہے؟ اور اُن کی طہارت پسندی کا کیا خاص معیار تھا جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے؟ کیا ان باتوں کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (توبہ ع ۱۴) — اور اللہ کی مہربانی ہوئی ان تین شخصوں پر جن کے معاملہ کو ملتوی رکھا گیا تھا۔

یہ کون تین شخص ہیں اور ان کا کیا قصہ تھا۔ اور کیوں ان کا معاملہ ملتوی رکھا گیا؟ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مِنْ صَیَاصِیْھِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُھَا (احزاب ع ۳)	اور اُتار دیا اُنکو جو اُنکے رفیق ہوئے تھے اہل کتاب میں سے اُن کی گڑھیوں سے اور ڈالا اُنکے دلوں میں رعب، کتنوں کو تم مارنے لگے اور کتنوں کو قید کیا، اور وارث کیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گروں اور انکے مالوں کا اور ایک زمین جس پر نہیں ڈالے تم نے قدم۔

یہ مظاہرین کون تھے؟ اور ان کی زمین و جائداد کہاں تھی؟ نیز وہ دوسری زمین جہاں مسلمانوں کے قدم نہیں پہنچے تھے مگر اس کے وارث بنائے گئے کون سی تھی، کیا روایات سے قطع نظر کر کے ان باتوں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں بلا قصدِ استیعاب بیان کی گئی ہیں اس طرح کی ابھی بہت سی مثالیں ذکر کی جا سکتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ روایات کا انکار کر دینے کے بعد قرآن کی مذکورہ بالا آیات کا واضح اور متعین مفہوم سمجھنا اور سمجھانا قریباً ناممکن ہے۔

الغرض جو شخص قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانے اور اُس کا سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا ہر زمانہ کے اہل ایمان کے لئے ضروری سمجھے، اُس کو احادیث و سیر کے اُس ذخیرہ کو بھی ماننا پڑے گا جس کو پوری طرح جانچ پرکھ کے ائمہ محدثین و اہل سیر نے محفوظ کیا ہے، اور جس کے بہت بڑے حصے کی حیثیت یقیناً قرآن کے ضروری توضیحی ضمیمہ کی ہے۔

حدیث و سنت کے مثبت احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل

یہاں پہنچ کر حدیث و سنت کے مثبتِ احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل ذہن میں آ گئی اُس کو بھی یہیں عرض کرتا ہوں۔

جو حضرات واقعۃً کسی علمی مغالطہ ہی کی وجہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ دینی حجت بس قرآن ہی ہے اور قرآن کے سوا کسی اور ذریعہ سے شریعت کا کوئی حکم اور کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا اور رسول کا کام بس قرآن پہنچانا ہی تھا، وہ اگر ایک طالب حق اور جویائے ہدایت کی طرح قرآن مجید ہی کو غور سے دیکھیں تو اس میں اُن کو اس کی بہت سے مثالیں ملیں گی کہ بطور حکایت اور واقعہ

کے یا کسی اور سلسلہ میں کسی دینی عمل کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل زمانہ نزول قرآن میں ایک دینی عمل کی حیثیت سے ہوتا تھا حالانکہ قرآن مجید میں کہیں اُس عمل کا حکم نہیں دیا گیا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم ان کو سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا--- یہاں اس کی صرف دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن میں حکم ثابت بالسنۃ کے ذکر کی چند مثالیں

سورۂ توبہ میں رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے جنازوں کی نماز پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (توبہ ع ۱۱) — اُن میں سے جو کوئی مرے آپ کبھی اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ شروع ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ اموات کے جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جنازہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ نماز جنازہ کا حکم سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا۔

اسی طرح سورۂ جمعہ کی آیت وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا ا۪نْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا (جمعہ ع ۲) میں ایک حکایت اور شکایت کے ضمن میں جمعہ کے خطبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور قطع نظر اس سے ہمارا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے جو منکرین ہمارے مخاطب ہیں وہ غالباً اس کا انکار نہ کر سکیں گے کہ خطبۂ جمعہ ایک شرعی حکم اور دینی عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ خود دیا کرتے تھے اور اُمت میں اب تک اُسی طرح متوارث ہے-- لیکن کوئی قرآنی آیت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں اس خطبہ کا حکم دیا گیا ہو، پس لازماً یہی ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

علیٰ ہذا اپنے کو مسلمان کہنے والا کوئی آدمی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے گا کہ نماز سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے یہ ایک دینی عمل ہے اور عہد نبوت سے لے کر اب تک متوارث ہے اور قرآن مجید میں بھی واقعہ کی حکایت کے طور پر ایک جگہ اس اذان کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ مائدہ میں عقل کے دشمن کافروں کی اس جہالت اور شرارت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ "اذان کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اسکی نقل کر کے منہ چڑاتے ہیں" وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

وَلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (مائدہ ع ۹) اسی طرح سورۂ جمعہ میں ایک دوسرے حکم کے بیان کے سلسلہ میں جمعہ کی اذان کا ضمنی ذکر آیا ہے (اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ ع ۲) بہر حال ان آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں ان آیات کے نازل ہونے سے بھی پہلے سے اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے مروج تھی، اور قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں بتائی جاسکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ اذان کا حکم قرآن کے ذریعے نہیں بلکہ سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

اس کی مثالیں قرآن مجید سے اور بھی بہت سی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس مقدمہ کے محدود صفحات میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

حدیث و سنت کے حجت دینی اور واجب الاتباع ہونے پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اگرچہ الحمد للہ ایک طالب حق خداترس کے لیے وہ بھی بالکل کافی ہے لیکن آخر میں ایک اصولی بات عرض کر کے سلسلہ کلام ختم کیا جاتا ہے۔

رسول ﷺ کا صحیح مقام

ہمارے خیال میں حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسول کی اصل حیثیت اور اُس کے صحیح مقام کو نہیں سمجھا ہے، اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور نبی و رسول کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف قرآن ہی میں تدبر کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رساں ہی کی نہیں ہے، بلکہ آپ مطاع، متبوع، امام، ہادی، قاضی، حاکم، حکم وغیرہ وغیرہ بھی ہیں اور قرآن ہی نے آپ کی ان حیثیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

(۱) رسول مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔

قرآن مجید میں جابجا اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ — اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو

اس حکم میں "اطیعوا الرسول" کو "اطیعوا اللہ" سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اُس سے ہر وہ شخص جس کو عربی زبان کا کچھ

۱۔ النساء ع ۸ ۲۔ مائدہ ع ۱۲ ۳۔ النور ع ۷ ۴۔ محمد ع ۴ ۵۔ تغابن ع ۲

بھی ذوق ہو یہی سمجھے گا کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے، یعنی اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب رسول لائے ہیں اُس کو مانا جائے اور اُس کے حکموں پر چلا جائے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات کہنی ہوتی تو یہ تو "اَطِیْعُوا اللہَ" میں کہی جاچکی تھی پھر امر اطاعت کے مستقل اعادہ کے ساتھ "اطیعو الرسول" کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔

علاوہ ازیں خود قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی یہ بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ نساء کے پانچویں رکوع کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد ان منافقین کی مذمت کی گئی ہے جو اپنی غرض پرستی اور منافقت کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے اسی سلسلۂ بیان میں اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (نساء ع ۹)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو اے رسول! تو دیکھے گا اُن منافقوں کو کہ اعراض اور روگردانی کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں "ما انزل اللہ" یعنی کتاب اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ "رسول" کی طرف بلانے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کی نہایت روشن دلیل ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اطاعت رسول کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے اُس پر نازل ہونے والی کتاب کی اطاعت کرو بلکہ رسول کی اطاعت اُس سے الگ اور مستقل چیز ہے۔

اور اسی سورہ کے اسی رکوع میں دو ہی آیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ع ۹)

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اُسکے حکم پر چلا جائے اللہ کے فرمان سے۔

(۲) رسول منجانب اللہ ہادی اور امام ہوتے ہیں، ارشاد ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (انبیاء ع ۵)

اور ہم نے بنایا اُن کو امام و پیشوا، وہ ہدایت و رہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے

(۳) رسول اللہ ﷺ منجانب اللہ حاکم و حَکَم بھی قرار دیئے گئے تھے اور ہر اختلاف و نزاع میں

آپ کو حکم بنانا اور آپ کا فیصلہ دل و جان سے ماننا تمام اہل ایمان کے لئے فرض بلکہ شرطِ ایمان قرار دیا گیا تھا --- سورۂ نساء کی یہ آیت جو پہلے بھی ایک جگہ درج ہو چکی ہے) پھر پڑھئے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء ع ۹)

اے پیغمبر قسم تیرے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حکم بنائیں تجھے اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تو اپنا فیصلہ دیدے تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اس کو پوری طرح مان کر۔

اسی طرح سورہ احزاب کی آیت:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب ع ۵)

اور کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ شان نہیں ہے کہ جب حکم دیدے اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا تو رہے ان کا کچھ اختیار اپنے معاملہ میں۔

اور سورۂ نور کی آیت:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (نور ع ۷)

ایمان والوں کو جب بلایا جائے اللہ کی طرف اور اُس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ دیں اُن کے درمیان تو اُن کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا)

الغرض یہ سب آیتیں اس باب میں نص صریح ہیں کہ مسلمانوں کے جس معاملہ میں رسول جو فیصلہ کریں وہ واجب التسلیم ہے اور کسی مسلمان کو اُس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لئے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی اور بد بختی ہے اسی طرح رسول کی نافرمانی بھی موجب ضلالت و شقاوت ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (احزاب ع ۸)

جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اُس نے بڑی مراد پائی

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب ع ۵)

اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑا

نیز قرآن ہی میں بتایا گیا ہے کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح خدا کی نافرمانی

کرنے پر کفِ افسوس ملیں گے اور اپنا ماتم کریں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

وَيَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (احزاب ع ۸)	جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے اُن کے منہ آگ میں کہیں گے کاش! ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ (النساء ع ٦)	اُس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول کی نافرمانی کی کہ برابر کر دیئے جائیں زمین کے (یعنی خاک ہو کر زمین کا جزو بن جائیں اور عذاب سے بچ جائیں)

نیز مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہ کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ (مجادلہ ع ۲)	اے ایمان والو! جب تم چپکے چپکے آپس میں باتیں کرو تو گناہ اور ظلم و زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

(۵) رسول اللہ ﷺ جو دیں اُس کو قبول کرنا اور جس چیز سے روکیں اُس سے رُک جانا واجب ہے

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر ع ۱)	جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رک جاؤ۔

اگر اس آیت کا تعلق صرف اموال سے بھی مانا جائے تب بھی ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی اتنی بات تو آیت سے ثابت ہی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صوابدید سے جو تقسیم کریں وہ اہل ایمان کے لئے واجب التسلیم ہے اور کسی کو اُس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے

(٦) ایک مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اُس سے زیادہ اُس کی جان پر نبی کا حق ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب ع ۱)	نبی زیادہ حقدار ہے مومنوں کا ان کی جانوں سے

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اس آیت پر جو دو سطریں لکھی ہیں اُن کے نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے:

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا، اپنی جان دہکتی آگ میں

ڈالنی روا نہیں، اور نبی حکم کرے تو فرض ہے۔"

(۷) اللہ کے ساتھ اُس کے رسول کو بھی راضی کرنا ضروری اور شرط ایمان ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (توبہ ع ۸)

اور اللہ کو اور اُسکے رسول کو راضی کرنا ان کیلئے بہت زیادہ ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں

(۸) اللہ کی طرح اُس کے رسول کو بھی دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کریں وُہ فاسقین اور اللہ کی ہدایت سے محروم رہنے والے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ ع ۳)

اے پیغمبر کہو (مسلمانوں کو) اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری تجارت جس کے بند ہو جانے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ کرے اللہ اپنا فیصلہ اور (یاد رکھو کہ) اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق لوگوں کو۔

(۹) اللہ کے رسول جب کسی کام کے لئے دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن پر فرض ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال ع ۳)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول کا جب بلاوے تم کو اُس کام کی طرف جس میں تمہاری حیات ہو۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لئے لوگوں کو بلائیں تو بلا اجازت اُٹھ کر چلا جانا کسی مومن کے لئے جائز نہیں اور جو ایسا کریں گے اُن کے لئے "عذاب الیم" کا اندیشہ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (النور ع ۹)

ایمان والے وہی ہیں جنہوں نے مانا ہے اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور جن کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی کام میں اُسکے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہیں نہیں جاتے تاوقتیکہ

اُس سے اجازت نہ لے لیں۔

آگے اسی سلسلہ میں اُن لوگوں کے بارے میں جو بلا اجازت چپکے سے سرک جاتے تھے فرمایا گیا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور ع ۹)

پس ڈرنا چاہئے اُن لوگوں کو جو خلاف چلتے ہیں اُسکے حکم سے اس بات سے کہ مبتلا ہوں وہ کسی سخت فتنہ میں یا پہنچے اُن کو دردناک عذاب۔

رسول کے مقام و منصب کا بیان ایک مستقل موضوع ہے اور اگر اس پر شرح و بسط سے لکھا جائے تو جتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے بہت زیادہ لکھا جا سکتا ہے اور بلا مبالغہ سیکڑوں آیتیں اس سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں اس وقت ان ہی اشارات پر اکتفا کر کے میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن مجید سے آپ کا مطاع، متبوع، امام و ہادی، آمر و ناہی، حاکم و حَکَم وغیرہ وغیرہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ میں آپ کا ہر امر و نہی، ہر حکم و فیصلہ اور ہر قول و عمل واجب التسلیم اور لازم القبول ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے امت نے آپ کی اور آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی یہی حیثیت سمجھی اور آپ کے ارشادات کو بلاواسطہ سننے والے اور آپ کے اعمال و افعال کو بچشم خود دیکھنے والے صحابہ کرام نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی اہتمام اور شغف کے ساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا، پھر بعد کے قرنوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے بہترین افراد کو احادیث و سنن کے اس بے پایاں دفتر کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح، حفظ و اشاعت اور اُس سے متعلق بہت سے مستقل علوم و فنون[1] کی ایجاد اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تالیف و تصنیف وغیرہ سیکڑوں قسم کی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی ---اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاء ﷺ کو اس دنیا سے گئے ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی ہے لیکن آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی روشنی ہر راہ رو کیلئے آج بھی ایسی ہی موجود ہے جیسی کہ قرن اول میں تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم کر دیئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین ﷺ کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت کا یہ انتظام ہونا ضروری

---

[1] حدیث و سنت سے متعلق ساٹھ سے اوپر مستقل علوم و فنون ہیں جن میں سے بعض بعض پر بلا مبالغہ ہزاروں تصانیف ہیں اگر صرف علوم حدیث سے متعلق تصانیف کی کوئی مکمل فہرست تیار کی جائے تو کئی ہزار صفحات پر آئے گی۔ ۱۲

بھی تھا جبکہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر اب قیامت تک آنے والا نہیں ہے اور آپ ہی اس دینا کی آخری نسل تک کے لئے جب نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کا اسوۂ حسنہ اس دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے تاکہ ہر زمانہ کے طالبانِ ہدایت اُس سے وہ روشنی اور وہ نور حاصل کر سکیں جو آپ کے زمانہ میں آپ پر ایمان لانے والے خوش نصیب آپ کی مقدس اور منور ہستی سے حاصل کیا کرتے تھے --- آج کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلی ساڑھے تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہے گا اور اُس مقصد کے لئے جب جس خدمت کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندوں کو اس کی توفیق ملتی رہے گی۔

"معارف الحدیث" کی تالیف جس کی توفیق عزیز گرامی مولانا محمد منظور نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ کو ملی ہے اسی سلسلہ کی ایک تازہ خدمت اور محنت ہے۔

مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے کتاب پر کسی رسمی تبصرہ کے بجائے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور جو حصے ابھی باقی ہیں ان کی تکمیل کی مؤلف کو جلد توفیق عطا فرمائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ

لکھنؤ

معارف الحدیث

جلد اوّل

کتابُ الاُیمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بَشِیْراً وَّ نَذِیْراً م بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ ، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاھْتَدٰی وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشَّاکِرِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

صرف وہی عمل قابل قبول ہے جو اللہ کیلئے ہو

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِمْرَءَ ةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ: " سب انسانی اعمال کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا اور سول کی رضاجوئی واطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت در حقیقت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوئی (اور بیشک وہ اللہ ورسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا) اور جو کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر "مہاجر" بنا تو (اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے نہ ہو گی' بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی ہے عند اللہ بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیز ہے اور نفسِ مفہوم کے بیان کے لئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے مطالب وفوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح وفساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اُسی کی اللہ کے یہاں قدر وقیمت ہو گی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو "عمل صالح" کسی بُری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہو گا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہو گا، اگرچہ ظاہری نظر میں "صالح" ہی معلوم ہو--- حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اس کے یہاں ہر عمل کی قدر وقیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائیگی۔

ایک غلط فہمی

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دارومدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلاً، اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہو گا اُس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہ بُرے ہیں اور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے اُن میں حُسن نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور موجب غضب الٰہی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور اُن پر ثواب کی امید رکھنا شاید ان کی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو، کیونکہ یہ اللہ کے دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہو گا، بلکہ حدیث کا منشا "اعمال صالحہ" کے متعلق یہ جتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کسی بُری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر "اعمال صالحہ" نہیں رہیں گے، بلکہ بُری نیت کی وجہ سے ان کا انجام بُرا ہی ہو گا۔ مثلاً جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہے جس کو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہیں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے، تو اس حدیث کی رو سے اس کی یہ خشوع و خضوع والی نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، یا مثلاً ایک شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے، اور اس کے لئے ہجرت کی ساری مشقتیں اور مصیبتیں سہتا ہے لیکن اس کی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دُنیاوی غرض پوشیدہ ہے، مثلاً دار الہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش اس ہجرت کیلئے محرک ہوئی ہے تو یہ ہجرت ہجرتِ اسلام نہ ہو گی اور اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہ ہو گا، بلکہ اُلٹا گناہ ہو گا، بس یہی ہے اس حدیث کا اصل منشاء۔

بڑے سے بڑا عمل بھی اگر اخلاص اور للّٰہیت سے خالی ہو گا تو وہ جہنم ہی میں لے جائے گا

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالتِ الٰہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہو گی جو جہاد میں

شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا وہ اس کو یاد آجائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا خداوندا! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جانِ عزیز تک قربان کردی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہوچکا، پھر اللہ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح ایک "عالم دین" اور "عالم قرآن" حاضر عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کے لئے کیا، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری، اور مولانا کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا پھر بحکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا...... پھر اس کے بعد ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا، اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوندا میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضاجوئی کے لئے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دُنیا تجھ کو سخی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہولیا۔ پھر اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔
(مسلم) ــــــ (اللہ پناہ میں رکھے نیتوں کے فساد بالخصوص ریا و نفاق سے۔ آمین)

الغرض اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی محض رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہو، دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

قرآن مجید میں مخلصوں اور غیر مخلصوں کی ایک مثال

قرآن پاک کی ذیل کی دو آیتوں میں صدقات و خیرات کرنے والے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ لوگ جو مثلاً دنیا کے دکھاوے کیلئے اپنا مال مصارفِ خیر میں صرف کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو محض اللہ کی رضاجوئی کی نیت سے غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں، ان دونوں گروہوں کے ظاہری عمل میں قطعی یک رنگی ہے، اور ظاہر ہے کہ آنکھ ان کے درمیان کسی فرق کا حکم نہیں کرسکتی لیکن قرآن پاک بتلاتا ہے کہ چونکہ ان کی نیتیں مختلف ہیں اسلئے ان دونوں کے عمل کے نتیجے بھی مختلف ہیں، ایک کا عمل سراسر برکت ہے اور

دوسرے کا بالکل اکارت:

كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ط لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ط

اُس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے پتھر کی ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی آگئی ہو، (اور اس پر کچھ سبزہ جم گئے) پھر اس پر زوروں کی بارش گرے جو اس کو بالکل صاف کر دے، تو ایسے ریاکار لوگ اپنی کمائی کا کچھ بھی پھل نہ لے سکیں گے اور ان منکر لوگوں کو اللہ اپنی ہدایت اور اس کے میٹھے پھل سے محروم ہی رکھے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ م بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ

(بقرہ ع ۳۶)

اور اُن لوگوں کی مثال جو محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور اپنے نفسوں کو ایثار و انفاق، اور راہِ خدا میں قربانی کا خوگر بنانے کے لئے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس پھولنے پھلنے والے باغ کی سی ہے جو ٹیکری پر واقع ہو اُس پر جب زوروں کی بارش ہو تو دوگنا چوگنا پھل لائے۔

تو اگرچہ ان دونوں نے بظاہر یکساں طور پر اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں پر خرچ کیا، مگر چونکہ ایک کی نیت محض دکھاوے کی تھی اس لئے لوگوں کے دیکھ لینے یا زیادہ سے زیادہ اُن کی وقتی داد و تحسین کے سوا اس کو کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ اس کی غرض اس انفاق سے اس کے سوا کچھ اور تھی ہی نہیں--- لیکن دوسرے نے چونکہ اس ایثار و انفاق سے صرف اللہ کی رضامندی اور اس کا فضل و کرم چاہا تھا اس لئے اللہ نے اس کو اس کی نیت کے مطابق پھل دیا۔

بس یہی وہ سنت اللہ اور قانون خداوندی ہے جس کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے۔

اس دنیا میں صرف ظاہر پر تمام فیصلے کئے جاتے ہیں اور آخرت میں نیتوں پر کئے جائیں گے

یہ عالم جس میں ہم ہیں اور ہم کو جس میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے "عالم ظاہر" اور "عالم

شہادت" ہے اور ہمارے حواس وادراکات کا دائرہ بھی یہاں صرف ظاہر اور مظاہر ہی تک محدود ہے، یعنی یہاں ہم ہر شخص کا صرف ظاہری چال چلن دیکھ کر ہی اس کے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر اس کے ساتھ معاملہ کر سکتے ہیں، ظاہری اعمال پر سے ان کی نیتوں، دل کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کے دریافت کرنے سے ہم قاصر ہیں اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ (یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں) لیکن عالم آخرت میں فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہوگا اور وہاں اس کا فیصلہ نیتوں اور دل کے ارادوں کے لحاظ سے ہوگا، گویا احکام کے بارے میں جس طرح یہاں ظاہری اعمال اصل ہیں اور کسی کی نیت پر یہاں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، اور حق تعالیٰ کا فیصلہ نیتوں پر ہوگا، اور ظاہری اعمال کو ان کے تابع رکھا جائے گا۔

حدیث کی خصوصی اہمیت

یہ حدیث اُن "جوامع الکلم" میں سے یعنی رسول اللہ ﷺ کے اُن مختصر، مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اور "دریا بکوزہ" کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا ہے کہ "اسلام" کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آگیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان آئمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے 'کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان[۱] (یعنی اعتقادیات) اعمال[۲] اور اخلاص[۳]۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آگیا ہے---اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سلسلہ شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اس کا حاجتمند ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس کے سامنے ہو، اسی لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی "جامع صحیح" کو اور ان کے بعد امام بغویؒ نے "مصابیح" کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو "فاتحۃ الکتاب" بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اس کے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔ (فتح الباری)

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز نے بھی اسی لئے اس حدیث پاک سے اپنی اس کتاب کا آغاز کیا ہے، اللہ تعالیٰ بخیر اتمام کی توفیق دے اور قبول فرمائے نیز اس ناچیز کو اور کتاب کے تمام ناظرین کو اخلاص و حسنِ نیت نصیب فرمائے۔

[اسکے بعد ایک خاص ترتیب سے وہ حدیثیں درج ہوں گی جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان و اسلام کا بیان کے ارکان اور شعبوں کا بیان کے لوازم و شرائط کا بیان کے برکات و ثمرات کا یا انکے مفسدات و مناقضات کا ذکر فرمایا ہے ---اس سلسلے میں سب سے پہلے "حدیث جبرئیل" درج کی جارہی ہے جو اصولی طور پر دین کے سارے شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے "اُم السنہ" کہی جاتی ہے]

اسلام، ایمان اور احسان

(حدیث جبرئیل)

(۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرىٰ عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلىٰ فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِسْلَامَ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْ نِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنْ إِمَارَتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ أَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرَئِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت اُن سے خطاب فرمارہے تھے (فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے۔ اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نووارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہری آدمی ہے، تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر دوزانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے ملادیئے۔ اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد! مجھے بتلایئے کہ "اسلام" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اسلام" یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل وزبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ "اللہ" کے سوا کوئی "الٰہ" (کوئی ذات عبادت وبندگی کے لائق) نہیں، اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو، ---اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا --راوئ حدیث حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، ---اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلایئے کہ "ایمان" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی روز قیامت کو حق جانو، اور حق مانو اور ہر خیر وشر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا---اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت وبندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلایئے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جارہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک

دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے --- حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے، تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں۔

(یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں یہی واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)

(تشریح) اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام[۱]، دوسرے[۲] ایمان، تیسرے[۳] احسان، چوتھے[۴] قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقتِ خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں[۵] قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات ---- ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ تشریح طلب ہے۔

(۱) اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کردینا، اور بالکل اُسی کے تابع فرمان ہو جانا --- اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے "دین" کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اُس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کردیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے، اور یہی اصل حقیقت "دین اسلام" کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا "**وَاِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا**" (حج ع ۵) (تمہارا اللہ وہی اللہ واحد ہے، لہٰذا تم اسی کے "مسلم" یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے "**وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰه**" (نساء ع ۱۸) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح "مسلم بندہ" ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے "**وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ**" (آل عمران ع ۹) (یعنی جس نے "اسلام" کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہر گز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھاٹے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا) ---- بہر حال "اسلام" کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کردے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس "اسلام" کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس "حقیقتِ اسلام" کے "پیکر محسوس" کی سی ہوتی ہے، اور اس

حقیقت کا نشو نما اور اس کی تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی "ارکان" کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات "اسلام" کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اسلام" کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت --- نماز --- زکوٰۃ --- روزہ اور حج بیت اللہ کو "ارکان اسلام" قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ الخ" (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے)

بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں "اسلام" کے جواب میں بیان فرمایا "ارکان اسلام" ہیں اور یہی گویا "اسلام" کے لئے "پیکر محسوس" ہیں۔ اسی واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۲) "ایمان" کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔[۱] اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے[۲]۔ مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد، اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان

---

۱ في التنزيل وما انت بمومن لنا ولو كنا صادقين سورۂ یوسف ع ۱۲ ۲ اسی واسطے "ایمان" کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یومنون بالغیب ۳ جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لیے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔ ۱۲

فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔[۳] پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "كُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللهِ" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے --- لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفس ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآنِ پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

[۱] اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (بقرہ ع ۴۰)

[۲] وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (نساء ع ۲۰)

ان امور ششگانہ میں سے "تقدیر خیر و شر" کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

[۳] قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نساء ع ۱۰)

---

[۱] (ترجمہ) رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مومنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲

[۲] (ترجمہ) جو بھی اللہ اور اسکے ملائکہ اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲ [۳] اے پیغمبر! (بقیہ اگلے صفحے پر)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

لہ " فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا الآية" (انعام ع ۱۵)

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہٗ لاشریک خالقِ کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب و نقص کی ہر بات سے پاک، اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے[۲] بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء ع ۲) جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (۳ لَا يَعْصُوْنَ اللهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) (تحریم ع۱) ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

ملائکہ کے وجود پر یہ شبہ کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے سخت جاہلانہ شبہ ہے۔ دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو باوجود موجود ہونے کے ہم کو نظر نہیں آتیں، کیا زمانۂ حال کی خوردبینوں کی ایجاد سے پہلے کسی نے پانی میں 'ہوا میں اور خون کے قطرہ میں وہ جراثیم دیکھے تھے جن کو خوردبین سے آج ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے۔ اور کیا کسی آلہ سے بھی ہم اپنی روح کو دیکھ پاتے ہیں۔ تو جس طرح ہماری آنکھ خود اپنی روح کو دیکھنے سے اور بغیر خوردبین کے پانی وغیرہ کے جراثیم دیکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح فرشتوں کو دیکھنے سے بھی وہ قاصر ہے --- اور پھر کیا اس کی کوئی دلیل ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ موجود نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری آنکھوں اور ہمارے حواس نے کل عالم موجودات کا احاطہ کر لیا ہے؟ ایسی بات خاص کر اس زمانہ میں جب کہ

(..... گذشتہ سے پیوستہ) آپ اعلان فرما دیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے ۱۲

لہ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے "اسلام" کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے ۱۲

۲ بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲ ۳ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے' جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں ۱۲

روز روز نئے انکشافات ہو رہے ہیں، کوئی بڑا احمق ہی کہہ سکتا ہے، دراصل انسان کا علم اور اس کے علمی ذرائع بہت ہی ناقص اور محدود ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ہدایت نامے بھیجے، ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن مجید ہے۔ جو پہلی سب کتابوں کا مصدق اور مہیمن بھی ہے، یعنی اُن کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں جن کی تعلیم و تبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے وہ سب اس قرآن میں لے لی گئی ہیں، گویا یہ تمام کتب سماویہ کے ضروری مضامین پر حاوی اور سب سے مستغنی کر دینے والی خدا کی آخری کتاب ہے، اور چونکہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہیں اس لئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے۔ اور زمانۂ آخر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر ع ۱)

اور "اللہ کے رسولوں" پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس واقعہ حقیقت کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اور مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی "ہدایت" اور اپنی رضامندی کا دستور دے کر بھیجا ہے، اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچا دیا، اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کیں، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے (ان میں سے چند کے نام اور کچھ حالات بھی قرآن کریم میں ہم کو بتلائے گئے ہیں اور بہت سوں کے نہیں بتلائے گئے مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ع ۸)

بہر حال خدا کے ان سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبری ان کا پورا پورا احترام کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلۂ نبوت ورسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنِ اتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

اور "ایمان بالیوم الآخر" یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دُنیا ایک دن قطعی طور

پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے مُردوں کو جلائے گا اور یہاں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزا و سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب اور اسکی تعلیمات وہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے ہی کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا، اس لئے ہر مذہب میں خواہ وہ انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا، "جزا و سزا" کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے مذاہب میں اس کی شکل تناسخ وغیرہ تجویز کی گئی ہے، لیکن خدا کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذاہب کُل کے کُل اس پر متفق ہیں کہ اس کی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی جو اسلام بتلاتا ہے اور قرآن پاک میں اُس پر اس قدر استدلالی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق اور انتہائی قسم کا نا سمجھ ہی ہوگا جو اُن قرآنی دلائل و براہین کے سامنے آجانے کے بعد بھی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو ناممکن اور محال یا مستبعد بھی کہے۔

اور "ایمان بالقدر" یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ جس کو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دُنیا کا یہ کارخانہ اُس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی کے علی الرغم چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بیچارگی لازم آئے گی۔[۱]

(۳) "احسان" اسلام و ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ ﷺ سے "احسان"

[۱] یہاں اسی ایک خط کشیدہ فقرہ میں مسئلہ تقدیر کے مشکل ترین پہلو کو سمجھانے کیلئے سمجھ سکنے والوں کے واسطے ایک مختصر مگر کافی وافی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس مضمون کو پورے شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح "فتح الملہم" میں اسی "حدیث جبرئیل" کے ذیل میں امام غزالیؒ کا وہ کلام اور اس کے علاوہ امام ابن القیمؒ اور شاہ ولی اللہ سے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق نقل کیا ہے اہل علم کے لئے وہ سب قابل دید اور لائق استفادہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس سے زیادہ جامع اور طمانیت بخش کلام جس سے مسئلہ کی تمام مشکل گرہیں کھل جاتی ہوں، کہیں اور راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ جو اہل علم اس مسئلہ کے بارے میں اطمینان اور تشفی حاصل کرنا چاہیں وہ "فتح الملہم" ہی کی طرف رجوع فرمائیں۔ چونکہ عام اردو خواں حضرات کے لئے ان دقیق مباحث کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اس لئے ہم نے یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور جتنا کچھ سمجھنا ان کے لئے آسان ہو سکتا ہے وہ انشاء اللہ آئندہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تشریح میں لکھا جائے گا ۱۲۔

کے متعلق کیا تھا کہ "مَا الْاِحْسَانُ؟" یعنی "احسان" کی کیا حقیقت ہے؟

یہ "احسان" بھی ایمان و اسلام کی طرح خاص دینی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے "بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" (ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اس کے ساتھ "احسان" کا وصف بھی اس میں ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کے لئے خاص اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ" (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)۔

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو "احسان" کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں، لیکن یہاں جس "احسان" کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار و قدوس اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، عموماً اُن دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے، اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی ہو گی، جو اُس وقت میں نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور او راس احساس سے خالی ہو --- تو "احسان" یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

۱؎ حدیث کے اس ٹکڑے کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے (بلکہ وہی زیادہ مشہور ہے) (بقیہ اگلے صفحے پر)

(الاحسان) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔[1]

(ایک انتباہ) حدیث کے اس ٹکڑے کی تقریر و توضیح بہت سے حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ گویا اس کا تعلق خاص "نماز" ہی سے ہے، اور گویا اس کا مطلب بس یہ ہے کہ نماز پورے خضوع و خشوع سے پڑھی جائے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ میں اس خصوصیت کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، حدیث میں تو "تَعْبُدَ" کا لفظ ہے جس کے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں لہٰذا نماز کے ساتھ آنحضرت کے اس ارشاد کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں بجائے "تَعْبُدَ" کے "تَخْشَى" کا لفظ بھی آیا ہے یعنی (الاحسان) اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "احسان" یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اسکو دیکھ رہے ہو۔ الخ اور اسی واقعہ کی ایک روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "احسان" اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لئے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو" الخ۔ ان دونوں

(..... گذشتہ سے پیوستہ) اور وہ یہ ہے کہ عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام (مشاہدۂ حق کا) تمہیں حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اس طرح اور اس تصور کے ساتھ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیتے ہیں اُن کے نزدیک اس میں عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ عبادت "مشاہدۂ حق" کے ساتھ ہو (جو مقام ہے عرفاء کاملین کا) اور دوسرے یہ کہ عابد عبادت اس تصور کے ساتھ کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہو (یہ مقام ہے درجۂ دوم کے عابدوں اور عارفوں کا)۔

یہ مطلب اگرچہ بعض بڑے اور مشہور ترین شارحین حدیث نے بھی بیان کیا ہے، لیکن بخیالِ ناقص حدیث کے الفاظ اسکو ادا نہیں کرتے اور اقرب وہی مطلب ہے جس کو اس ناچیز نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور امام نووی نے "شرح مسلم" میں، نیز علامہ سندی نے "حواشی صحیح بخاری" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ٹھہرا ہے کہ: "احسان" یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے کہ اسکو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اسکو دیکھتے نہیں ہو، مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ اور جب وہ تم کو دیکھ رہا ہو تو پھر عبادت اور بندگی ایسی ہی ہونی چاہئے جیسے کہ مولیٰ کے سامنے ہوتے ہوئے ہونی چاہئے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ہوتے ہوئے اسی لئے تو کام اچھی طرح کرتا ہے کہ وہ آقا اسکو دیکھتا ہوتا ہے۔ بہر حال حسن عبادت میں اصل موثر مولیٰ کا بندہ کو دیکھنا ہے اور وہ متحقق ہی ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

روایتوں سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ "احسان" کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں ہے، بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔

(۴) "الساعۃ" یعنی "قیامت"، اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالوں کے بعد آنحضرت ﷺ سے سائل نے عرض کیا تھا "فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟" یعنی مجھے قیامت کی بابت بتلائیے کہ کب آئیگی؟ آپ نے جواب دیا "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" (یعنی جس سے سوال کیا جارہا ہے اسکو خود اس بارہ میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے) یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم جسطرح سائل کو نہیں ہے مجھے بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کی ابو ہریرہؓ والی روایت میں (جو صحیح بخاری میں بھی ہے) اس موقعہ پر یہ الفاظ اور ہیں "فِيْ خَمْسٍ[1] لا يعلمها الا الله اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ" (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں (یہ فرمانے کے بعد کہ میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ مزید افادہ فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنکے متعلق قرآن کریم کی اس آیت (اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَه الخ) میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ انکا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اسکے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ "مجھے اس کا علم نہیں" یہ پیرایۂ بیان (کہ اس بارے میں مسئول عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لئے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئول کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرما دیا۔

---

[1] (ترجمہ) قیامت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے) یقیناً صرف اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کے وقت خاص کا علم اور وہی نازل کرتا ہے بارش (یعنی اسکے علم میں ہے کہ بارش کب اور کہاں ہو گی) اور وہ جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہوتا ہے اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور کسی نفس کو خبر نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت آئے گی یقیناً اللہ ہی ان باتوں کا پورا جاننے والا ہے اور ان کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔ ۱۲

(۵) علامات قیامت: وقت قیامت کے متعلق مذکورۂ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ "فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا" (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے!) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی" اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہوگا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے، راقم کے نزدیک سب سے زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ قربِ قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں جنکی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے، وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زر خرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ "عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی"۔ یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ "بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے"۔ تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قربِ قیامت میں دنیوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان کے اہل نہ ہوں گے۔ اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہوگا اور اسی کو وہ سرمایۂ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے "اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ" (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔)

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ یہ سائل جبرئیل امین تھے اور اس لئے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعے صحابہؓ کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری و عمدۃ القاری)

گویا تئیس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل کے ان سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے صحابہؓ کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنا دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں: (۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنالے، اور اسی کا نام اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔ (۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔ (۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبۂ حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اُس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آگیا، اور اسی لئے اس حدیث کو علما نے "ام السنہ" بھی کہا ہے، گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطلب اور مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نام "ام الکتاب" ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے "ام السنہ" کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے، اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں "مصابیح" اور "شرح السنہ" کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمرؓ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابۂ کرام سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

ارکانِ اسلام

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسلام کی بنیاد[۵] پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک[۱] اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں -- دوسرے[۲] نماز قائم کرنا -- تیسرے[۳] زکوٰۃ ادا کرنا -- چوتھے[۴] حج کرنا -- پانچویں[۵] رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاری و مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے، جو چند ستونوں پر قائم ہو، اور بتلایا ہے کہ عمارتِ اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے، کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکانِ خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً **جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** وغیرہ، لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت اِن پانچ کو حاصل ہے، وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اس لئے اسلام کا رکن صرف اِن ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور خصوصیت و اہمیت وہی ہے جو پچھلے اوراق میں "حدیث جبرئیل" کی تشریح کے ضمن میں لکھی جاچکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ "ارکانِ خمسہ" اسلام کے لئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں، نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں، اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے، اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں، بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے، کہ اُن کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

اَرکانِ اسلام پر جنت کی بشارت!

(۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ اللّٰهُ اَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا زَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ، قَالَ ثُمَّ وَلّٰى وَقَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں' تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے' اور ہم سنیں۔ تو ان ہی ایام میں ایک بدوی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا' اور عرض کیا: "اے محمدؐ! تمہارا قاصد (یا مبلغ) ہمارے پاس پہنچا تھا' اس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟" حضورؐ نے فرمایا: "اس نے تم سے ٹھیک کہا۔" اس کے بعد اس بدوی نے کہا: "تو بتلاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ نے!" اس نے کہا: "زمین کس نے بنائی۔ آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کئے ہیں' اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ نے!" اس کے بعد اس بدوی سائل نے آپؐ سے کہا: "پس قسم ہے اس ذات کی' جس نے

آسمان بنایا، زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کئے، کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "بیشک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔" پھر اُس نے کہا: "تمہارے اُس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا، کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے تم سے ٹھیک کہا!" اُس بدوی نے کہا: "تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے!" پھر بدوی نے کہا: "اور آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے تم سے سچ کہا!" اعرابی نے کہا: "تو قسم ہے آپ کو بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!" پھر اُس اعرابی نے کہا، کہ: "آپؐ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے سچ کہا۔" اعرابی نے عرض کیا: "تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!" اُس کے بعد اعرابی نے کہا: "اور آپؐ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا، کہ ہم میں سے جو حج کے لئے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اُس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے سچ کہا۔" (راوی کا بیان ہے، کہ) یہ سوال و جواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا، اور چلتے ہوئے اُس نے کہا: "اُس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔" رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اگر یہ صادق ہے، تو ضرور جنت میں جائے گا!"

(تشریح) شروع حدیث میں "سوال کی ممانعت" کا جو ذکر آیا ہے، اُس کا اشارہ قرآن پاک کی آیت: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" کی طرف ہے، بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے، لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کا رجحان موشگافیوں ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور ان میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اور عمل اسی نسبت سے کم، نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اُس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد اُمت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرامؓ کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد وہ بہت ہی کم

سوال کرتے تھے، اور اس کے آرزومند رہا کرتے تھے، کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ سے کچھ پوچھے، تو ہم کو بھی کچھ سننے کو مل جائے، کیونکہ بیچارے بدویوں کے لئے حضور ﷺ کے یہاں بڑی وسعت تھی، اور اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ "بدوی آپ کے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے، اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے"۔ (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ)

صحیح بخاری کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آخر میں چلتے ہوئے سائل نے یہ بھی بتلایا کہ میں قبیلۂ بنی سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، اور میں اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ ہو کر آیا ہوں۔

نیز بخاری ہی کی روایت میں ہے کہ اُنہوں نے آکر پہلے ہی آنحضرت ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ:

اِنِّیْ سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِی الْمَسْئَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَالَكَ

میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، مگر سوال میں میرا رویہ سخت ہو گا تو آپ ﷺ مجھ پر خفانہ ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ "پوچھو جو تمہارے جی میں آئے۔"

اس کے بعد وہ سوال وجواب ہوئے جو حدیث میں مذکور ہوئے۔ اس سائل نے چلتے ہوئے آخر میں قسم کھا کر جو یہ کہا کہ:

لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ

کہ میں ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا

تو غالباً اس سے اُس کا مطلب یہی تھا کہ میں آپ کی اس تعلیم وہدایت کا پورا پورا اتباع کروں گا اور اپنی طبعیت اور اپنے جی سے اُس میں کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کا یہ پیغام جوں کا توں ہی اپنی قوم کو پہنچاؤں گا، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم میں پہنچ کر بڑے جوش اور سرگرمی کے ساتھ تبلیغ شروع کی، بُت پرستی کے خلاف اتنی کھل کر تقریریں کیں کہ اُن کے بعض عزیزوں نے ان سے کہا کہ:

يَا ضِمَامُ اتَّقِ الْبَرَصَ وَالْجُذَامَ اتَّقِ الْجُنُوْنَ

اے ضمام! برص، کوڑھ اور جنون سے ڈر (دیوتاؤں کی مخالفت سے کہیں تو کوڑھی اور

دیوانہ نہ بن جائے)

مگر اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں اتنی برکت دی کہ صبح کو جو لوگ ضمام کو کوڑھ اور دماغ کی خرابی سے ڈرا رہے تھے شام کو وہ بھی بُت پرستی سے بیزار اور توحید کے حلقہ بگوش ہوگئے، اور سارے قبیلے میں ایک متنفس بھی غیر مومن نہیں رہا۔ فرضی اللہ عنهم وعنا اجمعین۔

(۵) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ سَفَرٍ فَاَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهٖ (اَوْبِزِمَامِهَا) ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (اَوْیَامُحَمَّد) اَخْبِرْنِیْ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَکَفَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وُفِّقَ (اَوْ لَقَدْ هُدِیَ) قَالَ کَیْفَ قُلْتَ؟ فَاَعَادَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ایوبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، کہ ایک بدوی سامنے آکھڑا ہوا، اور اُس نے آپ کے ناقہ کی مُہار پکڑلی پھر کہا اے اللہ کے رسول! (یا آپ کا نام لے کر کہا کہ اے محمد!) مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رُک گئے (یعنی آپ نے اس سوال کا جواب دینے کیلئے اپنی ناقہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ نے دیکھا اور (اُن کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ "ہاں! ذرا پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دُہرایا (مجھے وہ بات بتادو، جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے) حضور ﷺ نے فرمایا "عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور صلۂ رحمی کرو۔ (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسبِ مراتب اچھا سلوک رکھو، اور اُنکے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت نے اُس بدوی سے فرمایا کہ "اب ہماری ناقہ کی مُہار چھوڑ دو۔" (مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ اور صلۂ رحمی ہی کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لئے بس یہی چار باتیں کافی ہیں، اور ان کے علاوہ جو فرائض وواجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں۔

ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موشگافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامتِ فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے۔ حدیث کے طالب علم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے لئے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں آپ کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں۔ اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اُس کے لئے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین و تعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اُس وقت اُتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ "مصنفوں" کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اُس کے تمام اطراف و جوانب اور مالہ وناعلیہ کو اُسی جگہ بیان کرتے ہیں کسی شفیق و معلم مربی کی تعلیم و تلقین میں بھی مصنفین وارباب فنون کا یہی طرز بیان تلاش کرنا در حقیقت خود اپنی بدذوقی ہے۔ پس روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر و ترغیب کی خاص ضرورت تھی، اور شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے، یعنی اقامتِ صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ اور صلۂ رحمی میں غفلت و کوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے اُن میں اُن کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز و زکوٰۃ اور صلۂ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں---ایسے آدمی تو شائد تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز و زکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے توکماحقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں، لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں، مگر نماز کے پابند نہیں، یا اگرچہ حج تو اُنہوں نے کرلیا ہے لیکن زکوٰۃ اور صلۂ رحم جیسے حقوق عباد کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں---الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اُس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم ہی کی اسی حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کرتا رہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔

اس حدیث کی روایت میں تین جگہ راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے:

۱۔ ایک یہ کہ ناقہ کی مہار کے لئے اُوپر کے راوی نے "خطام" کا لفظ بولا تھا یا "زمام" کا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ سائل نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے "یارسول اللہ" کہا تھا یا "یا محمد!"۔
۳۔ تیسرے یہ کہ حضور ﷺ نے اُس کی بابت صحابہؓ سے "لَقَدْ وُفِّقَ" کہا تھا یا "لَقَدْ هُدِیَ"۔

راوی کے اس اظہارِ شک سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے راویانِ حدیث نقل حدیث و روایت میں کس درجہ محتاط اور خداترس تھے، کہ تین جگہ صرف لفظوں میں اُن کو شک ہے کہ اُوپر کے راوی نے یہ لفظ بولا تھا یا یہ لفظ، تو اپنے اس شک کو بھی ظاہر کردیا، حالانکہ تینوں جگہ معنی میں خفیف سی کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوتی تھی۔

(ف) اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی شفقتِ پیغمبرانہ کا بھی کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ سفر میں ہیں ناقہ پر سوار چلے جارہے ہیں (اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا سفر یقیناً کسی دینی مہم ہی کے سلسلے کا سفر ہوگا) اثناء راہ میں ایک بالکل ناآشنا بدوی سامنے آکر ناقہ کی مہار پکڑ کے کھڑا ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ "مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دُور کرنے والی بات بتلاؤ۔" آپ ﷺ اُس کے اس طرزِ عمل سے ناراض نہیں ہوتے، بلکہ اُس کی دینی حرص کی ہمت افزائی فرماتے ہیں، اور اپنے رفقاءِ سفر کو متوجہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس کو اچھی توفیق ملی"۔ پھر اپنے ان رفیقوں کو بھی سائل کی زبان ہی سے اس کا سوال سُنوانے کے لئے اُس سے فرماتے ہیں۔ "ذرا پھر کہو، تم نے کیسے کہا؟" اس کے بعد جواب دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں "دَعِ النَّاقَةَ" (اچھا اب ہماری ناقہ کی مُہار چھوڑ دو) اللہ اکبر! پیغمبری کیا ہے، شفقت و رحمت کا ایک مجسم پیکر ہے۔ (فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعة رحمته ورافته) مگر یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ سائل ایک "اعرابی" تھا۔ ع " موسیا آداب دانا دیگر اند"

(۶) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُ هُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَلَهٗ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا، اور اُسکے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ ﷺ کی طرف کو آیا، ہم اُس کی بھنبھناہٹ (گونج) تو سنتے تھے مگر (آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے اور شاید فاصلے کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اُس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آگیا، اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اُس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ "مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لئے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے") آپ ﷺ نے فرمایا "پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے") اُس نے عرض کیا کہ "کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لئے لازم ہو گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو۔)" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اور سال میں پورے مہینے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)"۔ اُس نے عرض کیا "کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ بھی میرے لئے لازم ہو گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفلی روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو)۔" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص سے فریضۂ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا، اُس پر بھی اُس نے یہی کہا، کہ "کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لئے ضروری ہو گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔" راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے) میں اُس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اُس کی یہ بات سُن کر) فرمایا: "فلاح پائی اس نے اگر یہ سچا ہے۔"

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں بھی ارکان اسلام میں سے آخری رکن "حج" کا ذکر نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ حج فرض ہونے سے پہلے کا ہو، حج کی فرضیت کا حکم بنابر قولِ مشہور ۸ھ یا ۹ھ میں آیا ہے، پس ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔
اور دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس موقعہ پر حج کا اور اسلام کے دوسرے اہم احکام کا بھی ذکر فرمایا ہو، مگر روایت کے وقت صحابیؓ نے اختصار کر دیا ہو، اور واقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں نماز، اور زکوٰۃ کے ذکر کے بعد راوی حدیث طلحہ بن عبیداللہؓ کی طرف سے یہ الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں کہ "فَاَخْبَرَهٗ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ" رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو اسلام کے احکام بتلائے۔)

ارکانِ اسلام کی دعوت میں ترتیب و تدریج

(۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ اِنَّكَ سَتَاتِيْ قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ اِلٰى اَنْ يَّشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْ لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ
فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا، تو (رخصت کرتے ہوئے) اُن سے فرمایا:
"تم وہاں اہلِ کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے، پس جب تم اُن کے پاس جاؤ، تو (سب سے پہلے) اُن کو اس کی دعوت دینا، کہ وہ شہادت دیں (یعنی دل و زبان سے قبول کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں، اور یہ شہادت ادا کریں، تو پھر تم اُن کو بتلانا، کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں؟ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں، تو اس کے بعد تم اُن کو بتلانا، کہ

اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی، اور اسی کے فقراء و مساکین کو دے دی جائے گی، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں، تو پھر (زکوٰۃ وصول کرتے وقت چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا، اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا، کیونکہ اُسکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے"۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ھ میں، اور اکثریت علماء سیر و اہلِ مغازی کے نزدیک ۹ھ میں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور رخصت کرتے وقت، اہلِ یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں۔۔۔ بعض لوگوں کو اس حدیث میں بھی یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا، حالانکہ اُس وقت روزہ اور حج کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں، اس ناچیز کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرینِ قیاس توجیہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ ﷺ نے جو یہ ہدایت دی، اس سے آپ کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا نہ تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں، بلکہ آپ کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلّم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہیئے وہ حضرت معاذ کو بتلادیں، اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر و نواہی لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا اُن کے لئے بڑا مشکل ہوگا، بلکہ سب سے پہلے اُن کے سامنے توحید و رسالت کو پیش کیا جائے، جب وہ اس کو مان لیں، تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رب اور لاشریک مالک و مولیٰ ہے، اس نے ہم سب پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، پھر جب وہ اس کو مان لیں، تو ان کو بتلایا جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے وصول کی جائے گی، اور اُس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کردی جائے گی۔

بہر حال حضرت معاذ کو یہ ہدایت دینے سے حضور ﷺ کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا، باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذ کو معلوم ہی تھے، اس لئے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ ازیں اس میں بھی شبہ نہیں، کہ اسلام کے ارکان و فرائض میں نماز اور زکوٰۃ ہی سب سے زیادہ اہم ہیں، اور قرآن مجید میں انہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی

ہو سکتی ہے، کہ جو شخص ان دو کو ادا کرنے لگے، اُس کے لئے باقی تمام ارکان و فرائض کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے، نیز نفسِ انسانی کی طبیعت میں ان دونوں کو بہت خاص دخل ہے۔ اور غالباً اسی واسطے کتاب و سنت میں بہت سے مقامات پر صرف ان ہی دو رُکنوں کا ذکر کیا جاتا ہے........ مثلاً سورۂ بینہ میں فرمایا گیا:۔ وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ... اور سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ..... اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث آگے آنے والی ہے:۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ ....
پس ان آیات و احادیث میں ارکان اسلام میں سے صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذکر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو ایک نصیحت فرمائی، کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے، تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار، اور چوپایوں) میں سے بہتر بہتر زکوٰۃ میں لینے کے لئے چھانٹ لئے جائیں، بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ دیکھو! مظلوم کی بددعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو، دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دُعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُوْرُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ

مظلوم کی دُعا قبول ہی ہوتی ہے، اگرچہ وہ بدکار بھی ہو، تو اس کی بدکاری کا وبال اسکی ذات پر ہے۔ (فتح و عمدہ)

(یعنی فسق و فجور کے باوجود ظالم کے حق میں اُس کی بددعا قبول ہوتی ہے)۔
اور مسند احمد ہی میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ دُوْنَهٗ حِجَابٌ

مظلوم کی بدعا قبول ہوتی ہے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے کوئی روک نہیں ہے۔(عمدہ)

(ف) اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ماننے والے اہلِ کتاب کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور اپنے سابقہ ادیان پر قائم رہنا اب اُن کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں مسلمان کہلانے والوں میں سے بعض لکھے پڑھے جو اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ "یہود و نصاریٰ جیسی امتیں ان پرانی شریعتوں پر چل کر بھی اللہ کی رضا اور نجات حاصل کر سکتی ہیں اور ان کے لئے شریعتِ اسلام کا اتباع ضروری نہیں"۔ وہ یا تو دین اور اصولِ دین سے جاہل ہیں یا دراصل منافق ہیں، آئندہ حدیث میں یہی مسئلہ اور زیادہ صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے رسُول پر جو شخص ایمان نہ لائے، اور اُن کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، وہ نجات نہیں پا سکتا!

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قسم اُس ذاتِ پاک کی، جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے، اس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سُن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے، تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہو گا"۔ (رواہ مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے مُسلّم اہلِ کتاب بھی خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان

لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات نہیں پاسکتے، تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مضمون عام ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور صلعم کی بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت ورسالت کی دعوت پہنچ جائے، اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، اور اسی حال میں مر جائے، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اُس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے، اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں، ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ، معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

(۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارىٰ مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَرَجُلًامِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍ اَوْ نَصْرَانِيٍ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَفِي النَّارِ. (اخرجہ[1] الدار قطنی فی الافراد)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسنے سوال کیا، کہ "یارسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے، اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے، جو تورات کے احکام پر چلتا ہے، اور وہ اللہ پر اسکے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے، مگر اسکے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا، تو فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سُن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اسکے بعد بھی اسنے میری پیروی اختیار نہیں کی، تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔" (دار قطنی)

(تشریح) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ والی اوپر کی حدیث سے

---

[1] یہ حدیث مولانا بدرِ عالم صاحب نے "ترجمان السنۃ" جلد دوم میں نقل فرمائی ہے، اس ناچیز نے نظرِ ثانی کے وقت وہیں سے اس کا اضافہ کیا ہے۔

بھی زیادہ واضح ہے، اس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو اور اُس کے رسول کو مانتا بھی ہو (یعنی توحید کا قائل، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصدیق کرتا ہو) مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل ہی کی کرتا ہو، اور اسی کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہو، تو وہ نجات نہیں پاسکے گا"۔

اسی حقیقت کا اعلان قرآن مجید کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ یَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ"۔ (الِ عمران۔ ع۔ ۴)

(ترجمہ) اے نبی (جو لوگ آپ کی شریعت کا اتباع اختیار کئے بغیر اللہ کو چاہتے ہیں، اور اُسکی بخشش حاصل کرسکنے کی خام خیالی میں مبتلا ہیں، اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعتہً اللہ کو چاہتے ہو، تو (اسکے سوا اب اُس کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ) میری شریعت کی پیروی اختیار کرو (اگر ایسا کروگے، تو) اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخشدے گا۔ (اور اگر تم میری پیروی اختیار نہیں کروگے، تو اللہ کی محبت اور مغفرت کے تم مستحق نہیں ہوسکوگے)۔

سچا ایمان و اسلام نجات کی ضمانت ہے

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَوْعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ (شَكَّ الْاَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ یَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْاَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَاَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) اِفْعَلُوْا، قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَلٰكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللهَ لَهُمْ عَلَیْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللهَ اَنْ یَّجْعَلَ فِیْ ذَالِكَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) نَعَمْ فَدَعَا بِنِطْعٍ فَبَسَطَ ثُمَّ دَعٰى بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَجِیْئُ بِكَفِّ ذُرَةٍ قَالَ وَجَعَلَ وَیَجِیْئُ الْاٰخَرُبِكَفِّ تَمْرٍ قَالَ وَیُجِیْئُ الْاٰخَرُبِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطْعِ مِنْ ذَالِكَ شَیْئٌ یَّسِیْرٌ قَالَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِهِمْ حَتّٰى مَاتَرَكُوْ فِی الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّامَلَئُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ، لَا یَلْقَى اللهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَیْرُ شَاكٍّ فَیُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ.

(رواه مسلم)

(ترجمہ) (اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا تھا، یا (ابو سعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامانِ خوراک ختم ہو گیا، اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا، تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا، کہ: "حضرت! اگر اجازت دیں، تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کر لیں، پھر ان کو کھا بھی لیں، اور ان سے روغن بھی حاصل کر لیں"۔ حضور نے فرمایا: "اچھا کر لو!"۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی، اور لوگوں نے ذبح کر ڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کچھے سامانِ خوراک کے ساتھ بلا لیجئے، پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کر دینے کی دُعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرما دے گا"۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "ہاں ٹھیک ہے"۔ چنانچہ آپ نے چمڑے کا بڑا دستر خوان طلب فرمایا، پس وہ بچھا دیا گیا، پھر آپ نے لوگوں سے اُن کا بچا کچھا سامانِ خوراک منگوایا، پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لئے آ رہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے، اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آ رہا ہے، حتی کہ دستر خوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں، راوی کہتے ہیں، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دُعا فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھر لو"۔ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لئے، حتی کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا، راوی کہتے ہیں، کہ پھر سب نے کھایا، حتی کہ خوب سیر ہو گئے، اور کچھ فاضل بھی بچ رہا، اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک شبہ کے کامل یقین و اذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے، پھر وہ جنت سے روکا جائے"۔

(تشریح) حدیث کا مضمون ظاہر ہے، جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جزء سے ہے، جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے، اور شک شبہ کی کوئی بیماری اُسکے دل دماغ کو نہ ہو، اور اسی ایمانی حال میں اُس کو موت آئے، تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ ایسے

موقعوں پر "اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت" ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا، اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنا لینا ہوتا ہے اور اسی لئے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا، اور اسلام کو اپنا دین بنا لیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے، کہ جو شخص "لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ" کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے، اور اسلام کو اپنا دین بنا لے، اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو، تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا، تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے، بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے، یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے، اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر، اور صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے، دراصل یہ سب رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنا لینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں، انشاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کیجائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

(۱) اگر کوئی بڑا، حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے، اور کسی صاحبِ رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے، تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اس بڑے کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو، تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اُس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

(۲) دُعا کا قبول ہونا، اور بالخصوص اس قبولیت کا خرقِ عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی

نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں[۱] سے ہے، جس سے مومنین کے انشراح صدر اور اطمینانِ قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے (جیساکہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمۂ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعاماتِ الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف واستحقار کے لائق سمجھتے ہیں، اُن کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

(۱۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ: "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت وبندگی کے لائق نہیں ہے، اور محمد اُسکے رسول ہیں، تو اللہ نے اُس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے"۔

(تشریح) جیساکہ اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے، اس حدیث میں بھی "توحید ورسالت کی شہادت" مُراد، دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور اُس پر چلنا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ: "لاالٰه الا الله محمد رسول الله"۔ کی شہادت پورے اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے ادا کی، در حقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنالیا، اب اگر بالفرض اس سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی بھی ہوگی تو اس کا ایمانی شعور، کفارہ اور توبہ وغیرہ کے مقررہ طریقوں سے اس کی تلافی کرنے پر اس کو مجبور کرے گا، اور اسلئے انشاءاللہ وہ عذابِ دوزخ سے محفوظ ہی رہے گا۔

(۱۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤْخَرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

---

[۱] واضح رہے کہ خوراق کا ظہور، تعلق باللہ اور مقبولیت عنداللہ کی نشانی جب ہے کہ صاحبِ واقعہ مومن اور صاحبِ صلاح وتقویٰ ہو، ورنہ اگر کسی کھلے کافر یا فاسق وفاجر یا کسی داعیِ ضلال سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو، تو وہ دینی اصطلاح میں "استدراج" ہے، اور "کرامت" اور "استدراج" میں یہی سہل الادراک اور ظاہری فرق ہے، اسی ناچیز نے اپنی کتاب "دین وشریعت" میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ۱۲

وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَامَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِىْ مَاحَقُّ اللهِ عَزَّوَ جَلَّ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، ثُمَّ سَارَسَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِىْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. (رواه البخاری ومسلم واللفظ له)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا، اور میرے اور آپ کے درمیان کجاوے سے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ نے مجھے پکارا، اور فرمایا: معاذ بن جبل!۔۔۔ میں نے عرض کیا: "لبيك يا رسول الله وسعديك" (یعنی میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں)۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!۔۔۔ میں نے عرض کیا: "لبيك يا رسول الله وسعديك"۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!"۔۔۔۔ میں نے عرض کیا "لبيك يا رسول الله وسعديك"۔۔۔ (اس تیسری دفعہ میں) آپ نے ارشاد فرمایا: "تم جانتے ہو، کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟"۔۔۔۔ میں نے عرض کیا: "اللہ ورسول کو ہی زیادہ علم ہے"۔۔۔ ارشاد فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت وبندگی کریں، اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔۔۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!"۔۔۔ میں نے عرض کیا "لبيك يا رسول الله وسعديك"۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں، تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟"۔۔۔۔ میں نے عرض کیا: "اللہ ورسول ہی کو زیادہ علم ہے"۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: "یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے"۔

(تشریح) اس حدیث میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں:

(۱) حضرت معاذ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور ﷺ کیساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے، اور آپ کے پیچھے بالکل آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے، اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ حضور ﷺ کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذؓ پر تھی، اور بارگاہِ نبوی میں

جو خاص مقامِ قرب ان کو حاصل تھا، وہ سامعین کے پیشِ نظر رہے، تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں، کہ حضور نے حضرت معاذؓ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی، جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے، جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے، کہ ممکن ہے حضرت معاذؓ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو، یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے، کہ اُس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذ نے حضور کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

(۲) حضور ﷺ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذ کو تین دفعہ مخاطب کیا، اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اُس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا، اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا۔۔۔ اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے، کہ غالباً آنحضرت ﷺ اس طرح حضرت معاذ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے، تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سُنیں۔۔۔ دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور کو اس میں تردد اور توقف تھا، کہ حضرت معاذ سے بھی یہ بات بیان کردی جائے یا نہ کی جائی، اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا، اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ کا شرح صدر ہوگیا تب آپ نے بیان فرمایا۔۔ لیکن راقم کے نزدیک ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپ حضرت معاذ کو مخاطب کرتے تھے، اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہو جاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے، کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں، اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ کریں، اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کرینگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کر لیا ہے، کہ وہ انکو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

اس حدیث میں "اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے" سے مُراد بھی درحقیقت دینِ

توحید (یعنے اسلام) کو اختیار کرنا، اور اُس پر چلنا ہے، اور چونکہ اُس وقت اسلام و کفر کے درمیان سب سے بڑا اور واضح فرق و امتیاز توحید اور شرک ہی کا تھا، اسلئے اس حدیث میں (اور بعض، اور حدیثوں میں بھی) اسی عنوان کو ختیار کیا گیا ہے، نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا، اور شرک سے بچنا اسلام کی رُوح، اور اُس کا مرکزی مسئلہ ہے، اسلیئے بھی کبھی کبھی اسلام کے لئے یہ عنوان اختیار کرلیا جاتا ہے، اس بات کی تائید (کہ اس حدیث میں اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے سے مراد دینِ اسلام قبول کرنا ہے) اس سے بھی ہوتی ہے، کہ صحیحین (بخاری و مسلم) ہی میں حضرت معاذ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں (جو اگلے ہی نمبر پر ذکر کی جارہی ہے) توحید و رسالت دونوں پر ایمان لانے اور دونوں کی شہادت ادا کرنے کا ذکر ہے، اور ایک روایت میں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ نماز اور روزہ کا بھی ذکر ہے۔

(۱۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ يَا مَعَاذُ ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا، قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ، قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مَعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

(رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ کو جبکہ وہ حضور کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے، پکارا اور فرمایا: "یا معاذ!"۔ انھوں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک"۔۔۔ حضور نے پکارا: "یا معاذ!"۔ انھوں نے عرض کیا: "لبيك يا رسول الله وسعديك"۔۔۔ حضور نے پھر پکارا "یا معاذ!"۔ انھوں نے عرض کیا: "لبيك يا رسول الله وسعديك"۔۔۔ تین دفعہ ایسا ہوا، پھر حضور نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) "جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اسکے رسول ہیں، تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کردیا ہے"۔۔۔ حضرت معاذ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: "کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کردوں، تاکہ وہ سب خوش ہوجائیں؟"۔۔۔ حضور نے فرمایا: "پھر وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے"۔۔۔ پھر حضرت معاذ نے کتمانِ علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔

(تشریح) ان دونوں روایتوں (۱۲ و ۱۳) کے ابتدائی تمہیدی حصے کی مطابقت و یکسانیت سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے، اور فرق صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں دعوتِ اسلام قبول کرنے کے لئے اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا عنوان استعمال کیا گیا ہے، اور دوسری میں اسی حقیقت کو توحید و رسالت کی شہادت کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی بشارت کی تیسری روایت میں حضرت معاذ نے توحید کے ساتھ نماز اور روزہ کا بھی ذکر کیا ہے، یہ روایت "مشکوٰۃ" میں "مسند احمد" کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، اسکے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَ يُصَلِّي الْخَمْسَ وَ يَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَلَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا

جو شخص اللہ کے سامنے اس حال میں جائے گا، کہ شرک سے اُس کا دامن پاک ہو، اور وہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہو، اور روزے رکھتا ہو تو وہ بخش ہی دیا جائے گا (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: حضورؐ! اجازت ہو تو میں سبکو یہ بشارت سُنادوں؟ آپ نے فرمایا: "جانے دو، انہیں عمل کرنے دو!"

ان تینوں روایتوں کا عنوان اگر چہ مختلف ہے، اور ظاہری الفاظ میں اجمال و تفصیل کا کسی قدر فرق ہے۔ لیکن در حقیقت ہر روایت کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو کوئی دعوتِ ایمان و اسلام کو قبول کرلے گا (جس کے بنیادی اصول واحکام، شرک سے بچنا، توحید و رسالت کی شہادت دینا، اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نجات کا حتمی وعدہ ہے۔

پس جو لوگ اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں، کہ توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے اور شرک سے بچنے کے بعد آدمی خواہ کیسا ہی بد عقیدہ اور بد عمل کیوں نہ ہو، بہر حال وہ اللہ کے عذاب سے مامون و محفوظ ہی رہے گا، اور دوزخ کی آگ اس کو چھو ہی نہ سکے گی، وہ ان بشارتی حدیثوں کا صحیح مفہوم اور مدعا سمجھنے سے محروم ہیں، نیز دوسرے ابواب کی جو سینکڑوں حدیثیں (بلکہ قرآن کی آیتیں بھی) ان کی اس خام خیالی کے صریح خلاف ہیں، وہ ان سے منحرف ہیں۔

(اعاذنا الله من ذالك)

(۱۴) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ

الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ . (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینا، جنت کی کنجی ہے"۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث میں بھی صرف شہادتِ توحید کا ذکر ہے، اور یہ بھی دعوتِ ایمان کو قبول کر لینے، اور اسلام کو اپنا دین بنا لینے کی ایک تعبیر ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو محاورہ میں اسلام قبول کرنے کو "کلمہ پڑھ لینے" سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔۔ جس ماحول اور جس فضا کے رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات ہیں، اس میں مسلمان بھی اور غیر مسلم کافر، مشرک بھی "توحید و رسالت کی شہادت" اور لاالٰہ الا اللہ کی شہادت" کا مطلب ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہی سمجھتے تھے۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدْ اِسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذَالِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ، قَالَ وَ اِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ. (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں، کہ میں (ایک دن) حضور کی خدمت میں پہنچا، تو آپ اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے، پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا، تو آپ بیدار ہو چکے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا: "جو کوئی بندہ لاالٰہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اسکو موت آجائے، تو وہ جنت میں ضرور جائیگا"۔ ابوذر کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اور اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو!" (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا: "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟"۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) اگرچہ اُسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اُسنے چوری کی ہو!"۔ (ابوذرؓ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا، کہ: "(یارسول اللہ! لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائیگا) اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟"۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) ابوذر کے علی[1] الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو،

---

[1] عربی زبان کا یہ ایک خاص محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اگر یہ کام تمہیں ناگوار بھی ہو، اور تم اس کا ہونا، نہ بھی چاہتے ہو، جب بھی یہ ہو کر رہے گا۔ ۱۲۔

اگرچہ اُسنے چوری کی ہو!"۔

(تشریح) اس حدیث میں بھی " لا الٰہ الا اللہ " کہنے سے مراد پورے دینِ توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا، اور اس کو اختیار کرنا ہے، اور بیشک جو شخص اس دینِ توحید پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہو گا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اسنے گناہ بھی کئے ہوں گے، تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہو گا، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کر دے گا، اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہو گا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جا سکے گا، بہر حال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔۔۔ حضرت ابو ذرؓ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے جو بار بار اپنا سوال دُہرایا، تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا، کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جا سکیں گے، گویا اُس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذرؓ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لئے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے، اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶) عَنْ عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّے اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں مرا، کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔

(تشریح) اس حدیث میں بھی "لاالٰہ الا اللہ" پر یقین ہونے سے مراد وہی دینِ توحید پر ایمان رکھنا ہے، اور دخولِ جنت کا وعدہ کے مطلب بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں، یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحبِ ایمان جنت میں ضرور جائے گا۔

(۱۷) عَنْ عُتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْاَنْصَارِ) اَنَّهٗ اَتیٰ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا

رَسُوْلَ اللهِ قَدْ اَنْكَرْتُ بَصَرِیْ وَاَنَا اُصَلِّیْ لِقَوْمِیْ فَاِذَا كَانَتِ الْاَمْطَارُ سَالَ الْوَادِیْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اٰتِیَ مَسْجِدَهُمْ فَاُصَلِّیْ بِهِمْ وَوَدِدْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّكَ تَاْتِیْنِیْ فَتُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَّخِذُهٗ مُصَلًّی قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰی قَالَ عُتْبَانُ فَغَدَا عَلَیَّ وَاَبُوْ بَكْرٍ حِیْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَسْتَاذَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنْتُ لَهٗ فَلَمْ یَجْلِسْ حِیْنَ دَخَلَ الْبَیْتَ ثُمَّ قَالَ اَیْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّیَ مِنْ بَیْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهٗ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِنَ الْبَیْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ وَفَحَبَسْنَاهُ عَلٰی خَزِیْرَةٍ صَنَعْنَا هَالَهٗ قَالَ فَثَابَ فِیْ الْبَیْتِ رِجَالٌ مِنْ اَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْعَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اَیْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَیْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشَنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَالِكَ مُنَافِقٌ لَا یُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَاكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ یُرِیْدُ بِذَالِكَ وَجْهَ اللهِ؟ قَالَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّا نَرٰی وَجْهَهٗ وَنَصِیْحَتَهٗ اِلَی الْمُنَافِقِیْنَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ یَبْتَغِیْ بِذَالِكَ وَجْهَ اللهِ.

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) عتبان بن مالکؓ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ان اصحابؓ میں سے ہیں، جو انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ: "میری نگاہ میں فرق آگیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، سو جب بارشیں ہوتی ہیں، اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے، وہ بہنے لگتا ہے، تو میں اُن کی مسجد تک جاکر نماز نہیں پڑھا سکتا، اور یا رسول اللہ! میری یہ خواہش ہے، کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں، اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں"۔ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: "انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا"۔ (عتبان کہتے ہیں) کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ اور ابو بکرؓ میرے یہاں پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے آپ کو اجازت دی، پس جب آپ گھر میں تشریف لائے، تو بیٹھے نہیں، اور مجھ سے فرمایا: "تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو، کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟" کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کردیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، اور اللہ اکبر کہہ کر آپ

نے نماز شروع کردی، ہم بھی صف باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے، پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور سلام پھیر دیا، (عتبان کہتے ہیں) اور ہم نے آپ کو خزیرہ[1] کھانے کیلئے روک لیا، جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا، اور (آپ کی اطلاع پاکے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آکے جڑ گئے، پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا، کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا، کہ "وہ تو منافق ہے، اللہ اور اسکے رسول سے اُسے محبت ہی نہیں ہے"۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ" لا الہ الا اللہ " کا قائل ہے، اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے"۔ اس کہنے والے شخص نے کہا، کہ "اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، ہم تو اُس کا رخ اور اُس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یقیناً اللہ عزوجل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے، جس نے اخلاص کے ساتھ **لا الہ الا اللہ** کہا ہو، اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو"۔

(تشریح) اس حدیث میں بھی **لا الہ الا اللہ** کہنے والے پر آتشِ دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے، جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "**قال لا الہ الا اللہ**" کے "**یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ**" ہے۔ اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوتِ اسلام کو قبول کرنا، اور دینِ اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے، دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہدِ نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے، کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا، اُن کی نظر میں بھی مالک بن دخشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اسکے سوا نہ تھی، کہ اُن کے خیال میں مالک بن دخشن، منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کے ایمانی جذبے کا انداز ہوتا ہے، کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے، اور اس کو منافقت سمجھتے تھے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں، مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں، تو ان کے بارے میں ایسی بد گمانیاں اور اتنی

---

[1] خزیرہ ایک قسم کے کھانے کا نام ہے، جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر پکایا جاتا ہے، جب وہ پک چکتا ہے، تو اُس میں آٹا ڈال کر خوب پکاتے ہیں ۱۲

سخت باتیں کرنی جائز نہیں، بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابلِ لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔
یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسول اللہ ﷺ کے اُن صحابہ میں سے ہیں، جو عام غزوات میں حتی کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں، ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں، حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فِىْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا اَنْ يُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ...... اَبْتَغِىْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطًا لِلْاَنْصَارِ لِبَنِى النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِىْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِيْرٍ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ مَاشَانُكَ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَاْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَآءِ النَّاسُ وَرَائِىْ فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِىْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَىَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيْكَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرُ ، فَقَالَ مَاهَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ، فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِىْ بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَىَّ فَخَرَرْتُ لِاِسْتِىْ فَقَالَ اِرْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِىْ عُمَرُ وَاِذَاهُوَ عَلٰى اِثْرِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِىْ بَعَثْتَنِىْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَىَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاِسْتِىْ فَقَالَ ارْجِعْ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَاحَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اَبَعَثْتَ اَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِىَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ ، قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّىْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَخَلِّهِمْ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے، اور) آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکر و عمرؓ بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی، تو ہمیں ڈر ہوا، کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے)۔ پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی، اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے، اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا، جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا، اور میں نے اسکے چاروں طرف چکر لگایا، کہ اندر جانے کے لئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سے نہر) نظر پڑی، جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابوہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا، حضور نے فرمایا: "ابو ہریرہ!" میں نے عرض کیا: "ہاں! یا رسول اللہ میں ہی ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم کیسے آئے؟" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے، اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی، تو ہمیں خطرہ ہوا، کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے، اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے، اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا، یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا، اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا، تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے، میں (اس گول میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں، اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں"۔ پھر حضور نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "میرے یہ جوتے لے کر جاؤ، اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے، جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنت کی خوشخبری سنادو"۔ (ابوہریرہ کہتے ہیں، میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا: "ابوہریرہؓ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟"۔ میں نے کہا: "یہ حضور (ﷺ) کی نعلین مُبارک ہیں، حضور نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے، کہ جو کوئی بھی دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اُس کو جنت کی خوشخبری سنادوں"۔ (ابوہریرہؓ کہتے ہیں، کہ) پس عمر نے میرے سینے پر ایک

ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا، اور مجھ سے انھوں نے کہا: "پیچھے کو لوٹو"۔ میں روتا ہوا حضور کے پاس واپس آیا، اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے، رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: "ابوہریرہ! تمھیں کیا ہوا؟"۔ میں نے عرض کیا کہ: عمر مجھے ملے تھے، حضورؐ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا، میں نے وہ اُنہیں بتلایا، تو انھوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا، اور مجھ سے کہا، کہ پیچھے کو لوٹو"۔ رسول اللہ ﷺ نے عمر کو مخاطب کر کے فرمایا: "عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟" انھوں نے عرض کیا: حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اسلئے بھیجا تھا، کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ "**لاالٰہ الا اللہ**" کی شہادت دینے والا ان کو ملے، وہ اس کو جنت کی بشارت دیدیں؟" حضور نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا"۔ عمر نے عرض کیا: "حضور! ایسا نہ کیجئے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں، لہذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔" حضور نے فرمایا: "تو جانے دو!"۔

(**تشریح**) اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

(۱) رسول اللہ (ﷺ) نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی نعلینِ مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں، لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ نے جس بشارتِ عظمیٰ کے اعلان کے لئے بھیجا تھا، اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی اُن کیساتھ کر دینا مناسب سمجھا، اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لئے آپ اُن کو دے سکتے تھے، یہ نعلین مبارک ہی تھیں، اسلئے وہی آپ نے اُن کو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا، اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لئے حضرت عمرؓ کی اُس امتیازی حیثیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اُن کو حاصل تھی، یعنی وہ (اور حضرت ابو بکرؓ بھی) حضور (ﷺ) کے خاص شریک کار، محرمِ راز، مشیر خصوصی، اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے، اور صحابہ کرامؓ عام طور سے اُن کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے، اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا، اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسبِ ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت

کے لئے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے، پس حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کیساتھ جو تشدد کیا، وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا، لیکن وہ چونکہ تمام اہلِ ایمان کے لئے ایک بشارتِ عظمیٰ کا پروانہ لے کر آرہے تھے، اور اُن کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا، اور بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو واپس لوٹانے کے لئے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا، کیونکہ ان کو مقامِ نبوت اور شئونِ نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا، کہ اس بشارتِ عامہ کا مضر پہلو جب حضور (ﷺ) کے سامنے آئے گا، تو آپ بھی اس کو خلافِ مصلحت ہی سمجھیں گے، اور ابو ہریرہؓ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرمادینگے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تھی، کہ وہ سب مُسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادیں، تو حضور نے اجازت نہیں دی تھی، اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

(۳) اس حدیث میں بھی صرف " لا الٰہ الا اللہ " کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے، جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جاچکی ہے۔ ماسوا اُسکے، اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، کہ حضور (ﷺ) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی " لا الٰہ الا اللہ " کی شہادت دے، یعنی صدقِ دل سے دینِ توحید (اسلام) پر ایمان لائے، اُس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا، اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اسکے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ مقربین بارگاہِ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شانِ غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی، اور اُس خاص حال میں اُن کے ارشادات اِس طرح کے ہوتے ہیں، کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکے گا، جو وہ گناہ کرے گا، جنت کی ہوا بھی نہیں پاسکے گا،

وغیرہ وغیرہ......۔اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اسکے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر رجا اور امیدِ رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اُس عالم میں اُن کا ادراک واحساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرۂ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا، اور ایسے ہی احوال میں اُن حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں......۔اسی نکتے کو عارف شیرازیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے۔

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم بمانند کروبیاں صم و بکم

وگر دردہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

پس حدیث مندرجۂ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے، کہ حضرت ابوہریرہؓ جس وقت بنی النجار کے اُس باغ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے ہوں، تو اُس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شئونِ رحمت اور تجلیاتِ کرم کے مراقبے و مشاہدے میں مستغرق ہوں، اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بطور نشانی اپنی نعلینِ مبارک عطا فرما کر ہر شاہدِ توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازداں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے، اسلئے انھوں نے حضور ﷺ سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابوہریرہؓ کو اسکے اعلانِ عام سے روکا ہو، دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ پر اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک کی اُس خاص کیفیت (یعنی غلبۂ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا، اور اُن کو اپنے نورِ فراست سے اس بات کا یقین تھا، کہ جب آنحضرت ﷺ پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا، اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا، تو خود آپ اُس کو منع فرما دیں گے، جیسا کہ ظہور میں آیا......۔اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمرؓ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کو حدیثِ نبوی میں "مقامِ محدثیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک اور اصولی بات جس سے اس طرح کی بہت سی حدیثوں کا اشکال حل ہو جاتا ہے!

اس قسم کی آیات یا احادیث پر غور کرتے وقت ایک اصولی بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ اس قسم کی بشارتوں میں متکلم کا مقصد اور مطمحِ نظر کسی عمل خیر کی ذاتی خاصیت اور اس کا

اصلی اثر بتلانا ہوتا ہے، قطع نظر اس سے، کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اسکے خلاف ہو، تو پھر انجام کیا ہوگا......۔اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طب کی کتابوں میں اسی اصول پر دواؤں کے خواص بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً لکھا جاتا ہے، کہ جو شخص اطریفل استعمال کرتا رہے گا، وہ ہمیشہ نزلہ سے محفوظ رہے گا، اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شخص اطریفل کھانے کے ساتھ ساتھ تیل، ترشی وغیر انتہائی درجے کی نزلہ پیدا کرنے والی چیزیں بھی برابر کھاتا رہے، اُس کو بھی کبھی نزلہ نہ ہوگا، سخت نافہمی اور اطبا کے طرز کلام سے ناواقفی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں اس قسم کی حدیثوں کا مدعا صرف اتنا ہی ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت کا ذاتی اقتضاء یہی ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے، اور جنت میں جائے، لیکن اگر اُسنے اپنی بد بختی سے کچھ ایسے بداعمال بھی کئے ہیں جن کا ذاتی اقتضاء قرآن وحدیث میں عذاب پانا، اور دوزخ میں جانا ہی بتلایا گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہی دکھائیں گے۔

اگر یہ چھوٹا سا نکتہ ملحوظ رکھا جائے، تو وعدہ ووعید اور ترغیب وترہیب کے سلسلہ کی صدہا حدیثوں کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی اور اس کی وجہ سے جو الجھن ہوتی ہے، وہ انشاء اللہ نہ ہوگی۔

(۱۹) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ ذَرَّةً. **(رواہ البخاری و مسلم واللفظ لہ)**

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنھوں نے " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ " کہا، اور اُن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے " لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ " کہا، اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے برابر بھی بھلائی تھی اور اُسکے بعد وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے " لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ " کہا، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔

(تشریح) جیسا کہ بعض احادیثِ سابقہ کی تشریح میں مفصل اور مدلل طور پر لکھا جاچکا ہے

اُسی طرح اس حدیث میں بھی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے سے مراد "دینِ اسلام" قبول کرنا، اور اس کا اقرار کرنا ہے اور اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں، اور اپنے کو اسلام سے وابستہ کرتے ہوں، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر خیر (یعنی نورِ ایمان) ہو، تو وہ بالآخر دوزخ سے نکال ہی لئے جائیں گے، اس روایت میں تین جگہ 'خیر' کا لفظ آیا ہے، جس کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں (جس کو امام بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے) بجائے خیر کے ایمان کا لفظ بھی آیا ہے، جو اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں خیر سے مُراد نورِ ایمان ہی ہے۔

اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہلِ حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں، پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر اُن کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف، حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مومن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہیں، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ مضمون ان حضرات کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ وغیرہ متعدد صحابۂ کرام سے روایت کیا گیا ہے، بہر حال فنِ حدیث کی معرفت اور علومِ حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کے نزدیک یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی جو مفصل روایت ہے، اُس میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ جو گنہگار مسلمان دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اُن کے حق میں نجات یافتہ مومنین اللہ تعالیٰ سے بڑے الحاح کے ساتھ عفو و درگزر اور بخشش و کرم کی استدعا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کی اس استدعا و التجا کو قبول فرما کر اُنہی کو اجازت دیدیں گے، کہ جاؤ جس میں ایک دینار برابر بھی خیر تمہیں نظر آئے اس کو نکال لو، چنانچہ ایک بہت کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی،

پھر ان کو اجازت دی جائے گی کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن میں نصف دینار کے برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی پھر حکم ہو گا کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے اندر ذرہ برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ پھر بہت بڑی تعداد اس درجے کے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی، اور اسکے بعد یہ سفارش کرنے والے خود عرض کریں گے: رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا (خداوندا! اب دوزخ میں ہم نے کچھ بھی خیر رکھنے والا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ہے)...... اسکے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہو گا:

" شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ ".

(فرشتوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور نبیوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور مومنین کی بھی سفارش ہو چکی اور ان کی سفارشیں بھی قبول کی جا چکیں، اور اب بس ارحم الراحمین ہی کی باری رہ گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود اپنے مغفرت و رحمت کے ہاتھ سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لیں گے، جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہو گا)۔

آگے حضرت ابو سعید کی اسی حدیث کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق یہ بھی ہے کہ:

"هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ".

(یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہوئے ہوں گے اللہ اُن کو جنت میں داخل کرے گا بغیر عمل کے، جو انہوں نے کیا ہو، اور بغیر خیر کے جو انہوں نے پیش کیا ہو)۔

گویا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بہت ہی ضعیف اور نہایت ہی خفی ایمان کے سوا عملِ صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہو گا، مگر اللہ تعالیٰ بالآخر اُن کو بھی اپنے رحم و کرم سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مرجیہ اور خوارج نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی تھی، اور آج کل بھی بعض حلقوں کا رجحان افراط کی طرف اور بعض کا تفریط کی طرف ہو رہا ہے۔ اسلئے ہم نے حدیث کی نفسِ تشریح سے زیادہ چند سطریں لکھنی ضروری سمجھیں۔

وَاللهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اسلام لانے سے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں!

(۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلَاُ بَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهٗ فَقَبَضْتُ يَدِيْ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ يُغْفَرَلِيْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپ سے بیعت کروں، پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کردیا، پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ نے فرمایا: عمرو! تمھیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہ کہ میری خطائیں بخشدی جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کردیتی ہے۔ اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کردیتا ہے۔

(تشریح) آنحضرت ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرۃ اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اسلام تو اسلام، اُسکے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کردینے کی خاصیت ہے...... لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں، ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے، جبکہ یہ کام صدقِ نیت اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں...... دوسرے یہ کہ دلائلِ شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے، کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں، خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرۃ یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے، اُن کا معاملہ حقداروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْلَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ○"

(اے رسول! اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، کہ اگر وہ باز آجائیں، تو اُن کے پچھلے گناہ بخشد یئے جائیں گے)۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ یُکَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ کُلَّ سَیِّئَةٍ کَانَ زَلَّفَهَا وَکَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِأَةِ ضِعْفٍ وَالسَّیِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے، کہ: "جب بندہ اسلام قبول کرلیتا ہے اور اُسکا اسلام اچھا ہوتا ہے، تو جو بُرائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں، اللہ اسلام کی برکت سے اُن سب کو معاف کردیتا ہے، اور اُسکے بعد اُس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک ثواب دیا جاتا ہے، اور بُرائی کرنے پر وہ اُسی ایک بُرائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے"۔ (البخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے، اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اُسکا قلب و باطن نورِ اسلام سے منور، اور قالب و ظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے مُزین اور آراستہ ہو جائے۔...... "فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ" کا یہی مطلب ہے۔......

پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اسلام کے حُسن سے خالی رہی، اور اُسکے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا، تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اُس کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک دیئے جانے کا انعامی قانون بھی اُنہی بندوں کے لئے ہے جنھوں نے اسلام کا کچھ حُسن اپنے اندر پیدا کرلیا ہو، اور اس حُسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملے گا۔

ایمان لانے کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں

(۲۲) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّىْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللهِ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ" لا الٰہ الا اللّٰہ" کے قائل نہ ہو جائیں، پس جو شخص "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا قائل ہو گیا اسنے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُس کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) حضرت عمرؓ سے اس حدیث کی روایت اُس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں اُن کے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں بھی" لا الٰہ الا اللّٰہ" کہنے سے مُراد، دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہے، اور جس طرح مذکورہ سابق احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اُخروی نتیجہ عذابِ دوزخ سے نجات اور حصول جنت بتایا گیا ہے، اسی طرح اس حدیث میں قبول اسلام کا ایک دینوی اور قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہو جانا بتلایا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں، کہ اللہ کے بندوں کو اُس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے، اور اُن کو عذابِ ابدی سے نجات دلائی جائے، لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے، اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُسکے مقرر کئے ہوئے طریقۂ زندگی (دینِ اسلام) کو اپنا دین بنا لے، اسکے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"اِلَّا بِحَقِّهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اُسنے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جُرم کیا، کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا، تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دیجائے گی، اور " لا الٰہ الا اللّٰہ" کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں

بچ سکے گا۔

" وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے، کہ جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا، ہم اُس کو مومن اور مسلم تسلیم کر کے اُسکے خلاف جنگ بند کر دیں گے، اور اُس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے، لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی، اور اُسکے دل میں کوئی کھوٹ ہو گی، تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے، جو عَالِمُ الْغَيْب اور عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر ہے، وہ ہی اُس سے حساب کر لے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور طارق اشجعیؓ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے، جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے، ہم اُن میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

(۲۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِىْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ .

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی شہادت دیں، اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اُس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کر لیں، تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُن کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں " لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں "لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہی مُراد ہے۔

(۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّابِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اُسوقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور نماز قائم کرنے لگیں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے...... اور در حقیقت ان دو رکنوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشانی کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ یہاں بھی مُراد یہی ہے کہ اللہ کے دین پر ایمان لے آئیں، اور دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، جس کو حضرت ابو ہریرہؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں " ویومنوا بی وبما جئت به" (اور مجھ پر ایمان لاویں، اور جو ہدایت میں لایا ہوں اس پر ایمان لاویں) کے مختصر، مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

(۲۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ، فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلُّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَائُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے قائل ہو جائیں، پس جب وہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں، اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، تو اُن کے خون اور اُن کے مال ہم پر حرام ہو گئی سوائے اسکے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں شہادتِ توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رُخ کرنے اور اہلِ اسلام کی ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، در حقیقت ان تمام چیزوں کا

ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے، اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجۂ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے، کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر، اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہِ حق پر لانے کے لئے ہے، پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دینِ حق کی دعوت کو قبول کر لیں، اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے...... اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں، کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے، اور نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے لگے، اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا۔

اور اسی حدیث کی سنن ابی داؤد کی روایت میں "وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ" کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں: " لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ "۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ ان کے خلاف ختم ہو جائیگی، اور ان کے جان و مال کو امان حاصل ہو جائے گی، بلکہ پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔

ان حدیثوں کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہ ہوتا ہے، بعض شارحینِ حدیث نے خود ہی اس کو ذکر کر کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں، وہ شبہ یہ ہے، کہ اسلام میں جزیہ اور مناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کا اصول بھی مسلم ہے، اور ان دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف اُس وقت روکی جائے گی، جبکہ لوگ دعوتِ اسلام قبول کر لیں۔

راقم سطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے، کہ ان احادیث کا مقصد اور موضوع، جنگ کو روک دینے اور اُس کو ختم کر دینے کی صورتیں بتلانا نہیں ہے، بلکہ ان ارشادات میں حضور ﷺ کا مطمح نظر صرف دو[2] چیزوں کو واضح کرنا ہے، ایک[1] یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں، اور اس کی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں، یعنی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، اور دوسرے یہ کہ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں

گے، اُن کے جان و مال کو ہماری طرف سے قطعی امن ہوگا، بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں میں وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔

رہا جزیہ یا خاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سو اگرچہ یہ بھی جنگ ختم کردینے کی صورتیں ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے، کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں، بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصد یعنی دعوتِ اسلام کے لئے ایک پُر امن راہ کھل جاتی ہے، اسلئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔

ایمان واسلام کی چند ظاہری نشانیاں

(۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوْا اللهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے، اور اللہ کے رسول کی امان ہے، سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو، اس کی امان کے بارے میں"۔ (بخاری)

(تشریح) اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیشِ نظر رکھ لینی چاہئے، کہ حضور ﷺ کے عہدِ مسعود میں جب دعوتِ اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی، تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کرلیتے تھے، لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی، کہ شاید انھوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے، اور آپ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ جتلانا ہے، کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی علامتیں دیکھو، کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے، اور نماز میں قبلۂ مسلمین کی طرف ہی رُخ کرتا ہے، اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے، تو اُس کو مسلمان ہی سمجھو، اور اُسکے جان و مال کو اللہ اور اُسکے رسول کی امان میں سمجھو، یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بد گمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے، بلکہ اسنے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کرلیا ہے، اسکے خلاف کوئی اقدام نہ کرو، بہر حال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں

مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصدِ حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلافِ اسلام عقائد و خیالات رکھے، اور خواہ کیسے ہی کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرے، بہر حال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اِس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے، اور ایمان و اعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

مُسلمان کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

(۲۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَّلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ ، وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِىَ اللهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ (رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین باتیں اصولِ اسلام میں داخل ہیں: ایک[۱] یہ کہ جو شخص کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا قائل ہو، اسکے بارے میں زبان کو روکا جائے، یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اُس کی تکفیر نہ کی جائے، اور کسی بد عملی کی وجہ سے اُس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے...... دوسری[۲] چیز (اصولِ اسلام میں سے) جہاد ہے، وہ اُس وقت سے جاری ہے، جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا، اور اُس آخری زمانہ تک جاری رہے گا، جبکہ اس اُمت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمراں خواہ ظالم ہوں یا منصف، جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا، اور (اصولِ اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ (ابوداؤد)

(تشریح) اس حدیث میں تین[۳] باتوں کو اصولِ اسلام میں سے بتلایا گیا ہے، اول[۱] یہ کہ کسی

گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے، اور اُسکے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے، جو کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو،

اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا، پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہدِ نبوی میں کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا قائل ہو جانا، اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا، خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق "کلمہ پڑھ لینے" کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے "کلمہ گو" کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے، جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بد اعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بد عملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا، اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد و مدعا یہی ہے، کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا، اور اسلام کو اُسنے اپنا دین بنا لیا، تو اسکے بعد اگر اُس سے گناہ سر زد ہوں، اور وہ بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے...... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی شخص جو کلمہ پڑھ چکا ہے، اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے، قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے سے منکر ہے، یا قیامت اور آخرت کا انکار کرتا ہے، یا خدائی کا یا نبوت کا دعویدار ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہے گا، اور اُس کو لازماً کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ تکفیر کسی بد عملی اور فسق و فجور کی وجہ سے نہ ہو گی، بلکہ اصولِ دین کے انکار کی وجہ سے ہو گی۔

بہر حال ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ملحوظ رہنا چاہئے. بعض لوگ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس حدیث کو بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: میری بعثت سے لیکر وہ اُسوقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل وانصاف اس کو ختم نہیں کرے گا...... اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو، اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں، تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا، اور کسی کے لئے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے، بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بُروں کا بہر حال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین وایمان کے شعبے اور اُسکی شاخیں

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَدْنَا هَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں، اور ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو " لا الہ الا اللہ" کا قائل ہونا، یعنی توحید کی شہادت دینا ہے، اور اُن میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے"۔

(تشریح) اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لئے "ستر سے کچھ اُوپر" کا جو عدد استعمال کیا گیا ہے، اسکے متعلق بعض شارحین نے لکھا ہے کہ: "اس سے غالباً صرف کثرت مُراد ہے، اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لئے بھی ستر کا لفظ عام طور سے بولتے ہیں، اور ستر پر "جو کچھ اور" کا اضافہ اس حدیث میں کیا گیا ہے، یہ غالباً اور زیادہ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے[1]"...... لیکن بعض حضرات نے " بِضْعَ وَسَبْعُوْنَ" کے لفظ سے خاص عدد ستتر ۷۷ بھی سمجھا ہے، اس بنیاد پر کہ لفظ بِضع خاص سات ۷ کے عدد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور پھر ان حضرات نے اپنے اس خیال کے مطابق ایمان کے ان ستتر ۷۷ شعبوں کو متعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے[2]، لیکن ان میں غور کرنے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ محض تخمینے ہیں

---

[1] ذکرہ العینی فی العمدہ والقاری فی المرقاۃ۔ ۱۲

[2] ان کوششوں کے کچھ نتائج صحیح بخاری کی شروح فتح الباری اور عمدۃ القاری وغیرہ میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۲

جن میں بہت کچھ ردو قدح کی گنجائش ہے، اس لئے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا "بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ" کے لفظ سے کوئی خاص عدد معین کرنا نہیں ہے، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق صرف کثرت اور بہتات مُراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بہت زیادہ شعبے ہیں۔

اور ایک قرینہ اس کا یہ بھی ہے کہ اگر "بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ" سے آپ کا مطلب کوئی معیّن عدد نہیں ہوتا تو پھر آپ اس ابہام و اجمال پر اکتفانہ فرماتے، بلکہ اُن کی تفصیل بھی فرماتے، جیسا کہ موقع اور مقام کا تقاضا تھا۔

ایمان کے شعبوں سے مُراد وہ تمام اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی وہ سب احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد اُسکے نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر اُس میں پیدا ہو جانے چاہیں، جیسے کہ سر سبز و شاداب درخت میں برگ و بار نکلتے ہیں، اس طرح گویا تمام اعمالِ خیر و اخلاق حسنہ اور احوال صالحہ ایمان کے شعبے ہیں، البتہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" یعنی توحید کی شہادت کو بتلایا گیا ہے، اور اُسکے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیزوں کے ہٹانے کو قرار دیا ہے، اب ان کے درمیان جس قدر بھی اُمور، خیر کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اور ظاہر ہے کہ ان کا عدد سینکڑوں تک پہنچے گا۔

حدیث کے آخر میں حیا کے متعلق جو خصوصیت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ "وہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے" تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت کسی سے حیا میں کوئی کوتاہی ظاہر ہوئی تھی اس کی اصلاح کے لئے آپ نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحبِ حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اسلئے فرمائی گئی، کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی بُرائیوں سے روکتی ہے، اور اس وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہئے، وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے، عام لوگ بڑا بے حیا اور بے

ادب اُس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے، اور ان کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلاواسطہ سنتا ہے، اسکے سامنے وہ بُرے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خُلق پوری طرح بیدار اور کار فرما ہو، تو نہ صرف یہ کہ اسکے ہم جنسوں کی نظروں میں اسکی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہوگی، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اِسْتَحْيُوا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِىْ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ فَقَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاسَ وَمَاحَوىٰ وَالْبَطْنَ وَمَا وَعىٰ وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلىٰ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ اِسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءَ"

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہئے مخاطبین نے عرض کیا: الحمد للہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی، اور جو کچھ اُس میں بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت، اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اُس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (ترمذی)

ایمان کے بعض آثار و ثمرات

(۲۹) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاالْاِيْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ تْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ (رواه احمد)

(ترجمہ) حضرت ابُو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا،

کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو، اور بُرے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے، تو اُسکے دل کو فرحت و مسرت ہو، اور جب اس سے کوئی بُرا کام سرزد ہو جائے تو اُس کو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے، سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

ایمان کے تکمیلی عناصر اور خاص شرائط و لوازم

(۳۰) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عباس بن عبد المطلبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ: ایمان کا مزہ اُسنے چکھا، اور اُس کی لذت اُسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

(تشریح) اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح لذیز اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوتِ ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو، اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے، لیکن وہ اُن ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار، اور حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنا لیا ہو، اور اللہ کی بندگی، حضرت محمد کی اطاعت، اور طریقہ اسلام کی پیروی کو اُنکے دل نے اپنا لیا ہو، یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ اُن کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو، بلکہ اُن کے ساتھ دلی گرویدگی ہو، اسی حدیث میں "رضا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت حلاوت میں بھی اُس کا کوئی حصہ نہیں، اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

(۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ

حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَا هُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّالِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِى الْكُفْرِ كَمَايَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِى النَّارِ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین ۳ باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ ورسول کی محبت اُس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اُس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لئے ہو، اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کُفر کی طرف پلٹنے سے اُس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے، جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اُسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ ورسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ ورسول کی محبت ہو، اور اس محبت کا اُسکے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے، اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اُس سے پھرنے اور اُس کو چھوڑنے کا خیال اُس کے لئے آگ میں گر جانے کی برابر تکلیف دہ ہو۔

(۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مومن تب ہی ہو سکتا ہے، کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتی کہ اپنے ماں باپ، اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ (ﷺ) کی محبت ہو۔

اس سے پہلی حدیث میں تمام ماسوا سے زیادہ اللہ ورسول کی محبت اور اسلام کی محبت کو "حلاوتِ ایمانی" حاصل ہونے کی شرط بتلایا گیا تھا، اور اس حدیث میں صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر فرمایا گیا ہے...... بات یہ ہے کہ اللہ ورسول کی اور اسلام کی محبت میں باہم ایسا تعلق ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہرگز نہیں پائی جا سکتیں، اللہ تعالیٰ سے اور اسلام سے صحیح

محبت بغیر رسول کی محبت کے ناممکن ہے، اور اسی طرح اللہ کی اور اسلام کی محبت کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اللہ کے رسول سے جو محبت بحیثیت رسول کے ہو گی، وہ در حقیقت اللہ ہی کی وجہ سے اور اللہ ہی کے تعلق سے ہو گی، اور اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام سے بھی پوری محبت ہو گی، اسلئے اس حدیث میں کمالِ ایمان کی شرط کے طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر کر دیا گیا ہے لیکن مطلب وہی ہے کہ ایمانی انوار و برکات صرف اُن ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں پر اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت کا ایسا غلبہ ہو کہ دوسری تمام محبتیں اس سے دبی ہوئی ہوں۔

ان حدیثوں میں اللہ و رسول کی محبت کا جو مطالبہ کیا گیا ہے، اس کی مراد متعین کرنے میں شارحین حدیث کا کلام کچھ مختلف سا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لئے ان کا مطلب و مقصد سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ جو حقیقت ان حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ بالکل صاف اور سادہ ہے، محبت ایک معروف لفظ ہے، اور اسکے معنی بھی معروف و معلوم ہیں، اور وہی یہاں بھی مراد ہیں، البتہ اللہ و رسول کے ساتھ اہلِ ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ روحانی اور عقلی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسکے سوا دوسری وہ تمام محبتیں جو طبعی یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں اُس سے مغلوب ہو جاتی ہیں، اور اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے، جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

الغرض ان احادیث میں محبت سے مراد دل کی وہی خاص کیفیت ہے جس کو محبت کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، اور اُسی کا ہم سے مطالبہ ہے، اور وہی گویا ہمارے ایمان کی جان ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ	ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (بقرہ۔ع۔۲۰)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ	اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویوں، اور تمہارا کنبہ، قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ، وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ.

جسکو تم نے محنت سے کمایا ہے، اور تمھاری وہ چلتی ہوئی تجارت جسکی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، اور تمھارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (پس اگر دنیا کی یہ محبوب ومرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی راہ کی جدوجہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں، تو انتظار کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے، اور یاد رکھو کہ اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (توبہ۔ع۔۳)

پس قرآن مجید کی اس پُر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابلِ محبت چیزوں سے زیادہ، اللہ ورسول کی اور اسکے دین کی محبت ہونی چاہئے! اسکے بغیر اللہ کی رضا اور اُس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اس کے لئے ایمان کے سارے تقاضوں کا پورا کرنا، اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ میں جانِ عزیز تک دیدینے میں بھی وہ ایک لذّت محسوس کرے گا، اور اسکے برخلاف جس کے دل پر اللہ ورسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہوگا، اس کے لئے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو گی، اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی، تو اُس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہو گی، پس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ، جب تک اللہ ورسول کی محبت دوسری ساری چاہتوں اور محبتوں پر غالب نہ ہو جائے، ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہو سکتا، اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ.

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ ...... رَوَاهُ الْبَغَوِيُّ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ[۱].

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی

---

[۱] قال في المشكوة ، قال النووي في اربعينه هذا حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح . ۱۲

ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے، اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں، کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اُسکے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبوی کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

"ھَویٰ" (یعنی خواہشاتِ نفس) اور "ھُدیٰ" (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے، اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے، ہر گمراہی اور بد عملی اتباعِ ھَویٰ کا نتیجہ ہے، جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباعِ ھُدیٰ سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ ھَویٰ کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ھُدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے تابع کر دیا جائے) اور جس نے ھُدیٰ کو چھوڑ کر ھَویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا، تو گویا خود ہی اُسنے مقصدِ ایمان کو پامال کر دیا۔

قرآن پاک میں ایسوں ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انھوں نے خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے:

اَرَئَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (فرقان. ع. ٤)

کیا تم نے اُن بد بختوں کو دیکھا، جنہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (قصص. ع. ٥)

جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ گمراہ اور غلط اور کون ہو سکتا ہے، اللہ ظالم لوگوں کو اپنی راہ پر نہیں لگاتا۔

(۳۴) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے، اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو، اور اسکے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اتنی خیر خواہی ہو، کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے، اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے، اُس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرے، اسکے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اسی حدیث کی ابن حبان کی روایت میں "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ" کی جگہ "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ" روایت کیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں بھی "لَا يُؤمِنُ" کے لفظ سے ایمان کی قطعی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ کمال کی نفی مقصود ہے۔ اور اس طرح ناقص کو کالمعدوم قرار دے کر اس کی نفی کر دینا قریباً ہر زبان کا عام محاورہ ہے، مثلاً ہماری اردو زبان میں بھی کسی بُرے اور غلط آدمی کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ "اُس میں تو انسانیت ہی نہیں ہے" یا کہہ دیتے ہیں کہ "وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے"۔ حالانکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اچھا اور معقول آدمی نہیں ہے۔ پس اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو "لَا اِيْمَانَ" یا "لَا يُؤْمِنُ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تربیت و نصیحت (جو ان حدیثوں کا مقصد ہے) اُس کے لئے یہی طرزِ بیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے...... ایسے موقع پر منطقیوں والی موشگافیاں کرنا مزاجِ نبوت سے ناآشنائی کی دلیل اور بڑی ہی بد ذوقی کی بات ہے۔

(۳۵) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَ تُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ تَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ: ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا...... یہ کہ: بس اللہ ہی کیلئے کسی سے تمہاری محبت ہو، اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو، صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد

میں لگائے رکھو"۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اور کیا یارسول اللہ!" آپ نے فرمایا: اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی چاہو، اور وہی پسند کرو، جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو، اور ان کے لئے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔"　　(مسند احمد)

(تشریح) حضرت معاذؓ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا، جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی، دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا، تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے، وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے نہ چاہے۔

(۳۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ.　　(رواه ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی، اور اللہ ہی کیلئے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا، اور نہ دیا (جس کو منع کرنا، اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اسنے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔　　(رواہ ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لئے جوڑتا ہے، اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لئے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے، غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت، اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں، اور بجز رضاءِ الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اُسکے اعمال و افعال کے لئے نہ رہے، الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

(۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ ذَرٍّ اَیُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ.　　(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاریؓ سے فرمایا: "بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے) ابوذر نے عرض کیا، کہ "اللہ ورسول ہی کو زیادہ علم ہے،" (لہذا حضور (ﷺ) ہی ارشاد فرمائیں) آپ نے فرمایا: "اللہ کے لئے باہم تعلق و تعاون، اور اللہ واسطے کی کسی سے محبت، اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔"

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال واحوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو، خواہ موالات ہو یا ترکِ موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اُسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

(۳۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحبِ ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں، کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو، تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ، اور اُس کو عام کرو"۔ (رواہ مسلم)

(تشریح) اُوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ ورسول کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو، اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو، اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو، اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لئے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی چاہے، اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرے...... اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُن میں باہم محبت و مودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں، تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت

ایمان اور اُس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

(۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مِنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (رواہ الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: "مسلم وہ ہے جسکی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطر نہ ہو"۔ (ترمذی نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذار سانی کا ذکر اسلئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے، ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبّان کی اسی حدیث کی روایت میں " مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ " کے بجائے " مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ' وارد ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مُسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پُرامن اور بے آزار ہونا چاہئے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذار سانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے، وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو، ورنہ بشرطِ قدرت مجرموں کو سزا دینا، اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے، تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ شُرَيْحِ الْخُزَاعِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ وَمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ الَّذِیْ لَا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ کی وہ مومن نہیں"۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کون مومن نہیں؟ آپ نے فرمایا" وہ آدمی جس کے پڑوسی اُس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں"۔ (بخاری)

(تشریح) یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور ایسا شریفانہ برتاؤ کر اُن کو ہماری

طرف سے پورا اطمینان رہے، اور ہماری جانب سے کسی ظلم اور شرارت کا اندیشہ اُن کے دلوں میں نہ رہے، یہ ایمان کے اُن شرائط اور لوازم میں سے ہے جن کے بغیر ایمان گویا کالعدم ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے؛

وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُؤمِنًا (مسند احمد، ترمذی)

اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو تب تم ایمان والے ہو۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ. (بخاری و مسلم)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو (اور اسلئے اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح چاہتا ہو)

تو اُسے لازم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔

(۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤمِنُ بِالَّذِىْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ.

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ "وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اسکے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

(تشریح) یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے، اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

[ہم مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگانِ خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں]۔

(۴۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. (رواه ابو داؤد والدارمى)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔" (ابوداؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسنِ اخلاق پر ہے، پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہو گا، اسی قدر اس کا ایمان کامل ہو گا، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسنِ اخلاق کمالِ ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے، لہذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہو گا، اُسی کی نسبت سے اُسکے اخلاق بلند ہو نگے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو، لیکن اُسکے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

(۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ.

(رواه ابن ماجة والترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کی خوبی اور اسکے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔" (رواہ ابن ماجہ و ترمذی و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایا دیا گیا ہے، وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے، بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے...... یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے، اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے، اسلئے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اُس کو ایمان کا کمال حاصل ہو، اور اُسکے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو، تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے، اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو، یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں...... یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں، وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے، اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں، اس حقیقت کو جنھوں نے سمجھ لیا ہے، بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ

يَاخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کس امت میں بھیجا تو اسکے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے، جو اسکے طریقے پر چلتے، اور اسکے حکم کی پیروی کرتے تھے، پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے، اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام، وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے، کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخیت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لئے وہ جھوٹ بھی بولتے) اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا، ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اسکے اوامر واحکام پر تو وہ عامل نہ تھے، مگر وہ معصیات و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے۔) تو جس نے ان کے خلاف اپنے دست وبازو سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور جس نے (بدرجۂ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مومن ہے، لیکن اسکے بغیر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

(تشریح) حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بد کردار ہوں، جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں، لیکن خود بے عمل اور بد عمل ہوں، ان کے خلاف حسبِ استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا، اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے، اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو، اس کا دل ایمان کی حرارت اور اسکے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے..... لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ ۔کا یہی مطلب ہے، اور اگلی حدیث میں اسی کو "اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے

پر لانے کی کوشش کی جائے، اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لئے ان کی جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

(۴۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰیْ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے، تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو، تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

(تشریح) اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسبِ استطاعت جدوجہد کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا تھا، اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدرِ استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے، اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اسکے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱۔ اگر طاقت و اقتدار حاصل ہو، اور اسکے ذریعہ اس برائی کو روکا جا سکتا ہو، تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲۔ اگر طاقت و اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام و تفہیم اور پند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہلِ دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے، تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے۔ اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے، جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اسکے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا، اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا...... اس آخری درجے کو حدیث میں "اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" فرمایا گیا ہے...... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے، کہ اسکے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں، یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اسکے سامنے اس قسم کی ہوں، جو زور و قوت سے روکی جا سکتی ہوں، تو اگر اس کو وہ زور و قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے، اور اگر زور قوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام و تفہیم سے کام لے، اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اسکے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

(۴۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَاخَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَادِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا ہو، اور اُس میں یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ: "جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں، اس میں دین نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے، کیونکہ امانت اور ایفاء عہد ایمان و اسلام کے لوازم میں سے ہیں...... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے، اس طرح کی حدیثوں کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اسکے نور سے بے نصیب ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا، اور بے جان ہے۔

ایمان میں خرابی ڈالنے والے اخلاق واعمال!

(۴۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) در حقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے، جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے، اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اُسکے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

(۴۸) عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کیلئے، اور اُس کا ساتھ دینے کے لئے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

(تشریح) جب ظلم کا ساتھ دینا، اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ظلم خود ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے، اور اللہ و رسول کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

(۴۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْ.

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، اور نہ فحش گو اور بد کلام ہوتا ہے۔"

(ترمذی و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بد کلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زباندرازی، یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں، اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہئے۔

(۵۰) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا (رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

(ترجمہ) حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا،

کہ: کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی، اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا)۔"

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بُری عادتیں ہیں، لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں، کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں، لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے، کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

(۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَنْتَهِبُ نُهْبَةً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْهِ فِیْهَا اَبْصَارَهُمْ حِیْنَ یَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِیْنَ یَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِیَّاكُمْ اِیَّاكُمْ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زناکار، جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اُس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر اُس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو ---پس (اے ایمان والو! ان منافیِ ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے، اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے، یعنی اُس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: وَلَا یَقْتُلُ حِیْنَ یَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو)۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری، اور خیانت، یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں، اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اُسکے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا، یہ مطلب نہیں ہے، کہ وہ اسلام کے دائرہ سے بالکل

نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے --- خود امام بخاریؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْإِيْمَانِ	ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اُس وقت وہ پُورا مومن نہیں ہوتا، اور اُس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔
(صحیح بخاری کتاب الایمان)	

اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ ایمان دل کی جس خاص کیفیت کا نام ہے، وہ اگر جاندار اور بیدار ہو' اور دل اُس کے نور سے روشن ہو تو ہرگز آدمی سے ایسا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا، ایسے ناپاک گناہوں کے لئے آدمی کا قدم اُس وقت اُٹھ سکتا ہے جبکہ دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو، اور وہ خاص ایمانی کیفیت غائب ہو گئی ہو، یا کسی وجہ سے بیجان اور مضمحل ہو گئی ہو جو آدمی کو گناہوں سے بچانے والی طاقت ہے۔

بہر حال حدیث پڑھنے والے کو یہ اصولی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس قسم کی حدیثیں جن میں خاص خاص بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ جو لوگ ان کے مرتکب ہوں اُنمیں ایمان نہیں، یا یہ کہ وہ مومن نہیں، اور اسی طرح وہ حدیثیں جن میں بعض اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ جو شخص ان کا تارک ہو وہ ایمان سے خالی اور بے نصیب ہے، یا یہ کہ وہ مومن نہیں ہے' ان کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر اسلام کے بجائے کفر کے احکام جاری ہوں گے، اور آخرت میں اُس کے ساتھ ٹھیٹ کافروں والا معاملہ ہوگا، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اُس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے، اور جو اللہ کو محبوب ہے --- اور اس کے لئے نحوی ترکیب میں " کَامِلًا " یا "تَامًّا" جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں، بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے --- خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرزِ بیان زیادہ موزوں، اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے زنا اور چوری اور خونِ ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا" اگر بجائے اسکے آپ یوں فرماتے کہ "اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا" تو اس

میں کوئی زور اور وزن نہ ہوتا، اور ترہیب و تخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا -- یا مثلاً چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ" (جس میں امانت نہیں، اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اسکے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ "جس میں امانت نہیں وہ مومن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں" تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا، جو حدیث کے موجودہ الفاظ میں ہے --- بہر حال دعوت و موعظت اور انذار و ترہیب، جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اُس کے لئے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں و خوبصورت ہے۔

پس ان حدیثوں کو "کفر کے فتوے" اور فقہ کے "قانونی فیصلے" سمجھنا اور اس بنیاد پر ان گناہوں کے مرتکبین کو ملت اسلام سے خارج قرار دینا (جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کیا ہے) ان حدیثوں کے اصل مقصد اور رسول اللہ ﷺ کے طرز کلام کی خصوصیات سے ناواقفی اور نا آشنائی کا نتیجہ ہے۔ [۱]

بعض منافقانہ اعمال و عادات

(۵۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے،

---

[۱] اس موقعہ پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک افادہ قابلِ ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ: "احادیث میں جن اعمال یا خصائل کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا ہے، اور اُن کے ترک و فقدان کی صورت میں "لا ایمان" یا "لا یؤمن" جیسے الفاظ فرمائے گئے ہیں اُن کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ واجب ہیں' اور انکی جانب خلاف حرام"۔ (کتاب الایمان)

اور وہ اسی حال میں رہے گا، جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے --- وہ چاروں عادتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے، تو اُسمیں خیانت کرے، اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے، اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) حقیقی اور اصلی نفاق، انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے، وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مومن و مُسلم ظاہر کرتا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عبد اللہ ابن اُبی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا، یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے، اور ان ہی منافقین کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، کہ:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ه ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔

لیکن بعض بُری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں، جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل اُن ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، اور کسی صاحبِ ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ پس اگر بد قسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُس میں یہ منافقانہ عادت ہے، اور اگر کسی میں بد بختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے، جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اُسکے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے، مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے، اور ایک مسلمان کیلئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اِس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔ خیانت ۲۔ جھوٹ ۳۔ عہد شکنی ۴۔ بدزبانی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں اِن میں سے کوئی ایک خصلت ہو، اُس کو سمجھنا چاہئے کہ اُس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں، وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

(۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا، کہ نہ تو اُسنے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی، تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (مسلم)

(تشریح) یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو، یہ منافقوں کی زندگی ہے، اور جو اسی حال میں اس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

(۵۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ یَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْكُرُ اللّٰهَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلًا (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو گیا، اور اُسکے غروب کا وقت قریب آگیا تو نماز کو کھڑا ہوا، اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کر دی، اور اللہ کا ذکر بھی اُس میں بہت تھوڑا کیا۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے، اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لئے کھڑا ہو، اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربارِ عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خوب اللہ کو یاد کرے، اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے، لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آجانے پر بھی اُس کو ٹالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز کے لئے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سُورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور بس چڑیا کی سی چار چونچیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں، پس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مومنوں والی نہیں، بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

(۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ (رواه ابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں ہو، اور اذان ہو جائے اور وہ اُسکے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کے لئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہے، پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ "منافقِ عملی" ہے۔

وسوسے ایمان کے منافی نہیں اور اُن پر مواخذہ بھی نہیں!

(۵۶) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَاوَسْوَسَتْ بِهِ صَدْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهِ اَوْ تَتَكَلَّمْ

(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے بُرے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا، جب تک اُن پر عمل نہ ہو، اور زبان سے نہ کہا جائے۔

(تشریح) انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں، اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اِس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، ہاں! جب یہی خیالات، خطرات و وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں، تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہو گا۔

(۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لَاَنْ اَكُوْنَ حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ اَمْرَهُ اِلَى الْوَسْوَسَةِ (رواه ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ: "کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے

ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟"
آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی حمد اور اُس کا شکر ہے جس نے اُسکے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔" (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُسکے فضل و کرم اور اُس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچالیا ہے، اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

(۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسْأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ؟ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ؟ قَالُوْا نَعَم، قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہیکہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے بُرے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت بُرا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا واقعہ تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! یہی حال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا بُرا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

(۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِی الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے، کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاںتک پہنچے

تو چاہئے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے، اور رُک جائے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اِس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے، اور جو تمام موجودات کو وجود بخشنے والا ہے، اُس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(٦٠) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئاً فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون وچرا کا سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے، تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے، کہ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اُسکے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے، اسلئے میرے لئے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں، جس طرح کسی آنکھوں والے کیلئے یہ سوال قابلِ غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان واسلام کا خلاصہ اور اُس کا عطر

(٦١) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِیْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ (وَفِیْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ) قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (رواه مسلم)

(ترجمہ) سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "یارسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں" آپ نے ارشاد فرمایا: "کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اُس پر قائم رہو۔" (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الٰہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنا دو، اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث "جوامع الکلم" میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آگیا ہے "ایمان باللہ اور اُس پر استقامت" ہی اسلام کی غرض و غایت، بلکہ اُس کی روح ہے۔ "ایمان باللہ" کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل کی تشریح میں بیان کیا جاچکا ہے، اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی "صراط مستقیم" پر قائم رہنا، اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے، اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی لئے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلْإِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ — یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اُسکی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی، اور بس وہی انسان کے لئے کافی ہے، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف ع ۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے، تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں، اور نہ اُن کو رنج و غم ہوگا وہ سب جنتی ہیں، اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہینگے۔

بلکہ "اِرْجَاعُ السُنَّةِ اِلَی الْکِتَاب" کے اصول پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔ [۱]

(۶۲) عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ" قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِکِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت تمیم داری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین نام ہے "خلوص اور وفاداری" کا۔ ہم نے عرض کیا کہ: "کس کے ساتھ خلوص [۲] اور وفاداری؟" ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں پیشواؤں کے ساتھ اور اُن کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

(تشریح) یہ حدیث بھی "جوامع الکلم" میں سے ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے، اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشا کو ادا کر دینا ہے، کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ، ائمہ اُمت و پیشوایانِ ملت، اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے، اور یہی کُل دین ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے، اُس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اُس کی اطاعت و عبادت کی

---

[۱] بعض ائمہ اور علماء محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط ہوتے تھے، اور آپ کے ہر ارشاد کا مرجع و ماخذ قرآن پاک میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ سلف میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی یہ رائے نقل کی گئی ہے، اور ہمارے علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ نے "خیر کثیر" میں یہی رائے ظاہر فرمائی ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اِس طرح پر غور کیا تو "کتاب الصلوٰۃ" کی تمام احادیث کا مرجع اور ماخذ قرآن پاک میں مجھے مل گیا۔ کاش! شاہ صاحبؒ اس کام کو مکمل کر جاتے اور انکے اس غور و فکر......

[۲] اِس حدیث میں "نصیحت" کا لفظ جس مفہوم کا حامل ہے اُس کو ترجمہ میں اِس ناچیز نے "خلوص و وفاداری" سے ادا کیا ہے، اُردو زبان میں اِس مفہوم کی ادائیگی کیلئے اِس سے بہتر شاید کوئی لفظ نہ مل سکے۔ "نصیحت" نصح بمعنی خلوص سے مشتق ہے، یقال نصح الشیٔ اذا خلص و نصحت العسل اذا صفیته ـ ۱۲م

جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے، غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اُس کا حقِ عظمت ادا کیا جائے، اُس کا علم حاصل کیا جائے، اُس کا علم پھیلایا جائے، اُس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہٰذا رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی جائے، تعظیم و توقیر کی جائے، اُن سے اُن کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے، اور دل و جان سے اُن کی پیروی و غلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور ائمۂ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، اُن کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے، اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور اُن کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرقِ مراتب اُن کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اِس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو اِن مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے۔ اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

تقدیر کا ماننا بھی شرطِ ایمان ہے

[حدیث جبرئیل کے ضمن میں' اور بعض اور حدیثوں میں بھی تقدیر کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور اجمالاً معلوم ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات میں سے ہے، لیکن یہاں تقدیر کے متعلق چند حدیثیں مستقل طور سے ذکر کی جائیں گی، جن سے اس اہم مسئلہ کی اہمیت اور کچھ تفصیلات بھی معلوم ہو نگی۔]

(۶۳) عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئٌ مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِيْ، فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ ، وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْمُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ، قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَالِكَ (رواہ احمد و ابو داؤد، و ابن ماجة)

(ترجمہ) ابن الدیلمی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابی رسول) ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ: تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا آپ اسکے متعلق کچھ بیان فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (اور مجھے اس مسئلہ میں اطمینان نصیب ہو جائے)۔ انہوں نے فرمایا: سنو! اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے، تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہو گا، اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے، تو اسکی یہ رحمت اُن کے اعمال سے بہتر ہو گی، (یعنی ان پر یہ اس کا محض فضل و احسان ہو گا، اُن کے اعمال کا واجب حق نہ ہو گا...... اور سنو! ...... تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے، کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کر دو، تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہو گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، اور تمھارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے، تم کسی طرح اُس سے چھوٹ نہیں سکتے تھے، اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے، اور اس مقررہ پروگرام میں ذرہ برابر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اسکے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے، تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن الدیلمی کہتے ہیں، کہ ابی بن کعب سے یہ سُننے کے بعد میں عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، اسکے بعد میں حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، پھر میں زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے یہی بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان فرمائی۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(تشریح) تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جس کو شیطان کبھی کبھی بعض ایمان والوں کے

قلوب میں بھی ڈالتا ہے، یہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے تو پھر دنیا میں کوئی اچھے حال میں اور کوئی بُرے حال میں کیوں ہے، اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا!...... اگر کسی صاحب ایمان کے دل میں کبھی یہ وسوسہ آئے، تو اسکے دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر جو کامل اختیار حاصل ہے اُس کی یاد تازہ کرلی جائے، اور سوچا جائے کہ ایسا لاشریک مالک الملک اور عدم محض سے وجود میں لانے والا خالق و صانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے، بلاشبہ وہ اُس کا حقدار ہے، وہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے، تو کسی قانون سے اُس کو ظالم نہیں کہا جاسکتا، اور اگر سب کو رحمت سے نوازے، تو یہ رحمت اُس کی محض بخشش ہی ہوگی، کیونکہ جو نیکوکار لوگ نیک اعمال کرتے ہیں ان کی توفیق دینے والا، اور اعمال کرانے والا بھی وہی ہے...... بہر حال مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے، تو مومن کے دل سے تو یہ شبہ بالکل جاتا رہے گا، اور اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔

ابن الدیلمی بحمد اللہ چونکہ سچے مومن تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے، اسلئے ان صحابۂ کرام نے اسی کی یاد دہانی کے ذریعہ ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انہیں یہ بھی بتلادیا کہ تقدیر پر ایمان و اعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

بہر حال یہ ملحوظ رہنا چاہئے، کہ اس طریقہ سے صرف اہلِ ایمان ہی کے اس قسم کے وسوسے کا علاج کیا جاسکتا ہے دوسرے لوگوں کی طرف سے تقدیر کے متعلق جو شبہات کئے جاتے ہیں ان کے جواب کا طریقہ دوسرا ہے، اسکے معلوم کرنے کے لئے علم کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور کچھ مختصر اشارات انشاء اللہ آئندہ صفحات میں کئے جائیں گے۔

(۶۴) عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا؟ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ.

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابو خزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے

جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ کی قضاء و قدر کو لوٹا دیتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آوے گی، اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک، یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا...... اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس نہایت مختصر دو لفظی جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

(۲۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ، " فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)"۔ صحابہ نے عرض کیا: تو کیا ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو پھر ہم سعی و عمل کی دردسری کیوں مول لیں)۔ آپ نے فرمایا: "نہیں! عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، اور جو کوئی بدبختوں میں سے ہے اس کو

شقاوت اور بدبختی والے اعمالِ بد ہی کی توفیق ملتی ہے، اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (واللیل)

جس نے راہِ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی دعوتِ اسلام کو قبول کیا) تو اُس کو ہم چین وراحت کی زندگی، یعنی جنت حاصل کرنے کی توفیق دینگے، اور جس نے بخل سے کام لیا، اور مغرور وبے پرواہ رہا، اور اچھی بات کو یعنی دعوتِ ایمان کو جھٹلایا، تو اسکے واسطے ہم تکلیف کی اور دشواری والی زندگی (یعنی دوزخ) کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے، اور تقدیرِ الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بد اعمالیوں کی وجہ سے جائے گا، پس جنتیوں کے لئے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمالِ بد بھی مقدور و مقرر ہیں، اور اسلئے ناگزیر ہیں، حضور ﷺ کے اس جواب کا ماحصل بھی قریب قریب وہی ہے، جو اوپر والی حدیث میں آپ کے جواب کا تھا۔ ابھی عنقریب اس مضمون کی کچھ اور وضاحت اور تفصیل بھی کی جائے گی۔

(۶۶) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزَ وَالْكَيْسَ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور نا قابل ہونا، اور قابل وہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و نا قابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقلمندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا، اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء وقدر کے ماتحت ہے۔

(۶۷)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِیَٔ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا لْاَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَاتَنَازَعُوْا فِیْهِ.

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاء و قدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے، کہ اسی حال میں رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ بہت برافروختہ اور غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا، اور اس قدر سُرخ ہوا، کہ معلوم ہوتا تھا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے ہم سے فرمایا: کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لئے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء و قدر کے جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)۔ خبردار! تم سے پہلی امتیں اُسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ اُنہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں، کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

(تشریح) قضاء و قدر کا مسئلہ بلا شبہ مشکل و نازک مسئلہ ہے، لہٰذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل و دماغ کو اس پر مطمئن کر لے کہ اللہ کے صادق و مصدوق رسول نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے، پس جب اللہ کے سچے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لئے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اُن کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں، بلکہ اپنے قول اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی، کہ حضرت آپکی تعلیم و تربیت میں تھے، اور آپ سے براہِ راست دین حاصل کر رہے تھے، ان کو جب آپ نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا، تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم و مربی کی طرح آپ کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ: "تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا"۔ تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً اُن کی گمراہی ہے، قرآن و حدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس بنا پر آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں، جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے، پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مومن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینانِ قلبی کے لئے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے پہلی دو حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

(۶۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَتَبَ اللهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفِ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ۔ (رواہ مُسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں، اور فرمایا، کہ اس کا عرش پانی پر تھا"۔ (مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں، کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس سے ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ اس کے لئے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے، اس لئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اسکے افعال و صفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال و صفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں، ورنہ اُسکے اور ہمارے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابتِ تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی

حقیقت اور نوعیت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" سے اور قصاص کے حکم کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ" سے تعبیر کیا گیا ہے، پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں، اور جو کچھ ہونا ہے اُس کو مقرر فرمایا[1]۔ اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے، کہ بعض روایات میں بجائے "كُتِبَ کے" "قَدَّرَ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ کتابتِ تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں، وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے[2]۔

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے، کہ: "اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ، عرش اور پانی اُس وقت پیدا کئے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: جس طرح ہماری قوتِ خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں، اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوتِ خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہئے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو، غرض جو کچھ عالمِ وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا، گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱۶۶، ج ۱) ۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱۲

يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَاَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهُ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کا مادۂ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آجاتی ہے، اسی کو "نطفہ" کہا گیا ہے[۱]) پھر اسکے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہو جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اسکے اعمال اسکی مدت عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بد بخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتہ تقدیر آگے آجاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے، اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیقِ انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس نے انسان نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے، (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے، جس میں اسکے اعمال، اس کی مدتِ حیات اور وقتِ موت، اور روزی اور نیک بختی یا بد بختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ کا

---

[۱] و یسمی مالم یتغیر من صورة الدم تغیر افاحشاً نطفة. (حجة الله البالغه، ۱۶۸، ج ۱)

خاص منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرماتا ہے، کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے لیکن پھر ایک دم اُسکے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور وہ دوزخ میں لے جانے والے بُرے اعمال کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور اسکے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہلِ جنت میں لکھا ہوتا ہے، وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے، اور دوزخ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے، اور اہلِ جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اسکے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے، کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمالِ خیر کی توفیق کسی کو مل رہی ہے تو اس پر اسکو مطمئن نہ ہو جانا چاہئے، بلکہ برابر حسن خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

(۷۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّهَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ یُصَرِّفُهٗ کَیْفَ یَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، ایک دل کی طرح، وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے"۔

(تشریح) ابھی اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے، اسلئے مجبوراً اسکے لئے بھی ان ہی الفاظ و محاورات کا استعمال کیا جاتا ہے، جو دراصل انسانی افعال و صفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے، کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، تو اس کا مطلب صرف یہی

ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اسکے قبضہ تصرف میں ہیں، وہی جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجۂ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرمادیں، اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

(۲) انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں، اور نفخ روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اسکے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اسکی مدتِ عمر[۱] اسکے اعمال[۲] اسکا رزق[۳] اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا[۴]۔

(۳) ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الٰہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں، اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الٰہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سلجھا کر بیان فرمایا ہے، ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

تقدیر کے مختلف مدارج:

(۱) ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، زمین و آسمان، ہوا پانی، عرش و کرسی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا۔ پس اس دورِ ازل ہی میں اسنے ارادہ اور فیصلہ کیا، کہ اس تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے، میں عالم کو پیدا کروں گا، اور اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔ الغرض آئندہ وجود میں آنے والے عالم کے متعلق جو تفصیل و ترتیب اسکے ازلی علم میں تھی، اسنے ازل ہی میں طے فرمایا، کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤنگا۔ پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

(۲) پھر ایک وقت آیا، جبکہ پانی اور عرش پیدا کئے جا چکے تھے، مگر زمین و آسمان پیدا نہ ہوئے

تھے۔ (بلکہ حدیث نمبر ۶۸ کی تصریح کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں پہلی ازلی تقدیر کے مطابق لکھ دیں، (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: عرش کی قوتِ خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیلی تقدیر منعکس کردی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہو گیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

(۳) پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے، اور تین چلّے گزر جانے پر جب اُس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اسکے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے، جس میں اس کی مدتِ حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے، یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

(۴) پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۷۰ میں فرمایا، کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے، پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔

اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے سلسلہ کی مختلف احادیث کے مطالب و محامل کے سمجھنے میں انشاءاللہ مشکل پیش نہ آئے گی۔

مسئلہ تقدیر سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ:

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا نافہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اُن کے متعلق بھی کچھ عرض کردیا جائے۔ اس مسئلہ میں مندرجۂ ذیل تین اشکال مشہور ہیں۔

اول یہ کہ دنیا میں اچھا بُرا جو کچھ ہوتا ہے، اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے، اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام بُرائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرا یہ، کہ جب سب کچھ پہلے سے من جانب اللہ مقدر ہو چکا ہے، اور اس کی تقدیر اٹل ہے، تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں، لہٰذا انہیں کوئی جزا سزا نہ ملنی چاہئے۔

تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے جب وہ سب پہلے سے مقدر ہی ہو چکا ہے اور

اسکے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے، تو پھر کسی مقصد کے لئے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں لہذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لئے محنت اور کوشش فضول ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا، کہ یہ تینوں شبہے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی تقدیر اسکے علم ازلی کے مطابق، اور اس کارخانۂ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح، اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ اسکے علم ازلی میں تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمادیا ہے۔

اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کرے گا، وہ بغیر کسی شک شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کرے گا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا بُرے عمل کرتے ہیں، وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہو گا، کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے، کہ چاہیں تو اس کو کریں، اور چاہیں تو نہ کریں، پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادے اور اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اور اسی فیصلے کے مطابق عمل ہوتا ہے پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا، اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمایا، اور اس پورے سلسلے کے وجود کا فیصلہ فرمادیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے، بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آ چکا ہے، گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے، کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا بُرا کام کریگا، بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے، کہ فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ایسا کرے گا، پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے، پھر اُس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے، جسکی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں ہے، اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اُسی پر ہے، اور اُسی کی بناء پر انسان مکلّف ہے، اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد ہے۔

بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا، بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے، لہذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں، اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کے لئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دُنیا میں کرتے ہیں، تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی، بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دُنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے، تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔

بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا تقدیر میں اسباب و مُسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے وہ آپ سے آپ مل جائیگا، اور اس بناء پر اس عالمِ اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا اور دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے۔ حدیث نمبر ۶۴، ۶۵ میں بعض صحابہ کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے، تو انشاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○

مرنے کے بعد!

برزخ۔ قیامت۔ آخرت

چند اصولی باتیں:

مابعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور اُن کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کرلینی چاہئیں، ان باتوں کے مستحضر کرلینے کے بعد ان حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ وساوس، اور شبہات انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں

(۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے، جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے، یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، جس کو ہم اپنی آنکھوں کانوں سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کرسکتے، جس طرح دوربین رکھنے والا آدمی بہت دور کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے، جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

(۳) کسی نبی کو نبی مان لینے، اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کرلیا، اور پورے یقین کے ساتھ ان کو مان لیا اور قبول کرلیا، کہ وہ ایسی جو بات بتلاتا ہے جس کو ہم خود نہیں جانتے، اور نہیں دیکھتے، وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کرکے ہمیں بتلاتا ہے، اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے، جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ہماری عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں، بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے، اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کرسکتے ہوں، تو پھر اُن کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالمِ برزخ (عالمِ قبر) اور عالمِ آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

(۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک کان، عقل و فہم، ظاہر ہے کہ ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد سے ان کے ذریعہ بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آجاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً: پانی میں یا خون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں، اب خوردبین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہے، ریڈیو کی مدد سے کان ہزاروں میل دور تک کی آواز سن لیتے ہیں، اسی طرح کتابی معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسان کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہے، جتنا کہ آنکھ کان کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کر دینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی، بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(۷) انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جو ظاہر ہے اور نظر آتا ہے، دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اسکے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے، پھر انسان کے ان دونوں جزوں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف و مصیبت، یا راحت و لذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے وہ براہِ راست جسم پر آتی ہے، اور روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے، مثلاً: انسان کو چوٹ لگتی ہے، وہ زخمی ہوتا ہے، یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہوتا ہے، لیکن اسکے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی براہ راست جسم ہی کو ہوتی ہے، لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں انسان کے وجود اور اسکے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اسکے تابع ہے، لیکن قرآن و حدیث میں عالمِ برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری

واردات ہو گی وہ براہ راست اس کی روح پر ہو گی، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لئے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہے، اور وہ عالم رؤیا یعنی خواب ہے، عقل و ہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے، یا بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہے، تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح ہی کھا رہی ہے، یا خیالی قوت ہی کھا رہی ہے، بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا، تو وہ یہ نہیں دیکھتا، کہ اس کی روح کو مارا گیا، بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہے، کہ مار اسکے جسم پر پڑی ہے اور اسکے جسم پر اس وقت ویسی ہی چوٹ لگی، جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہے، حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گذرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گذرتا ہے، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اسکے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔ الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گذرتا ہے اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے، اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے، اسی لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اسکے جسم پر کوئی واردات گذرتے ہوئے نہیں دیکھتا، کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہے (جس کی بعض تفصیلات آگے آنے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں) اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا، اور جسم تبعاً اس میں شریک ہو گا، اور عالم رؤیا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس دنیا، اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہے اور وسوسے پیدا نہ ہوں گے، جو قبر کے سوال و جواب اور عذاب و ثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ (عالمِ قبر):

(۱۷) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَذَالِكَ قَوْلُهُ " يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بَالْقَوْلِ الثَّابِتِ الآيَه" قَالَ فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِىْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْلَهُ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ وَفَيُفْتَحُ لَهُ ، قَالَ فَيَاتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْتَحُ لَهُ فِيْهَا مُدَّبَصَرِهٖ. وَاَمَّاالْكَافِرُ فَذَكَرَمَوْتَهُ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهُ فِىْ جَسَدِهٖ وَيَاتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَا اَدْرِىْ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَا اَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَااَدْرِىْ ، فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَاتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهُ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهُ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ. **(رواہ احمد و ابو داؤد)**

(ترجمہ) حضرت براء بن عازب سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے (ایک سلسلۂ کلام میں مردہ کے سوال و جواب اور عالمِ برزخ یعنی قبر کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: (اللہ کا مومن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہنچتا ہے، یعنی قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو،) اسکے پاس اللہ کے دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (نبی کی حیثیت سے) کھڑا کیا گیا تھا، (یعنی حضرت محمد ﷺ) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ

سے ہوا؟) وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی (اسنے مجھے بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) تو میں ایمان لایا، اور میں نے ان کی تصدیق کی (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) مومن بندہ کا یہی جواب ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.	اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی پکی بات (یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح جواب) کی برکت سے ثابت رکھے گا، دنیا میں اور آخرت میں۔

یعنی وہ گمراہی سے، اور اسکے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک جوابات دے دیتا ہے) تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کرایا جاتا ہے) کہ میرے بندے نے ٹھیک بات کہی، اور صحیح صحیح جوابات دیئے، لہذا اس کے لئے جنت کا فرش کرو، اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ، اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور جنت میں اس کے لئے منتہائے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے (یعنی پردے اس طرح اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے، وہ جنت کی بہاروں اور اسکے نظاروں سے لذت اور فرحت حاصل کرتا رہے۔) (یہ حال تو رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا)، اس کے بعد ایمان نہ لانے والے (کافر) کی موت کا ذکر آپ نے کیا، اور فرمایا: (مرنے کے بعد) اس کی روح اسکے جسم میں لوٹائی جاتی ہے، اور اسکے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے بھی پوچھتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ (خدا ناشناس) کہتا ہے: "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ دین تیرا کیا تھا؟ وہ کہتا ہے، کہ "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا"۔ پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (بحیثیت نبی کے) مبعوث ہوا تھا، تمہارا اسکے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ پھر بھی یہی کہتا ہے: "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا"۔ (اس سوال و جواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اسنے جھوٹ کہا (یعنی اسنے فرشتوں کے سوال کے جواب میں اپنا بالکل انجان اور بے جرم ہونا ظاہر کیا یہ اسنے جھوٹ بولا، کیوں کہ واقعے میں وہ اللہ کی توحید کا، اسکے دین اسلام کا اور اسکے رسول برحق کا منکر تھا) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لئے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کا

ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ سب کچھ کر دیا جائے گا) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ :
"(دوزخ کے اس دروازے سے) اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی لپٹیں اور جلانے جھلسانے والی ہوائیں اسکے پاس آتی رہیں گی...... اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کر دی جائے گی، جس کی وجہ سے (اتنا دباؤ پڑے گا، کہ) اسکے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کے لئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا، نہ سنے گا، اسکے پاس لوہے کی ایسی مونگری ہوگی، کہ اگر اُس کی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، وہ فرشتہ اس مونگری سے اس پر ایک ضرب لگائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا، جس کو جن وانس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی، جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں، اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا، اسکے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔

(مسند احمد، ابوداؤد)

(۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اسکے ساتھ (یعنی اسکے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں، (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسکو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان کا یہ سوال رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہوتا ہے۔ پس جو سچا مومن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں، اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں، کہ وہ اللہ کے بندے، اور اسکے رسول برحق ہیں، (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اسکے، تمہارے لئے جنت میں ایک جگہ

عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اسکے سامنے کر دیئے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔ اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے، تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟) پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے، وہی میں بھی کہتا تھا، (اُسکے اس جواب پر) اس کو کہا جائے گا، کہ تونے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تونے پیروی کی، اور لوہے کے گرزوں سے اسکو مارا جائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن وانس کے علاوہ اسکے آس پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا، کہ مرنے والے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں، اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے، اور اسکے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے، اسلئے بعض حدیثوں میں صرف اسی ایک سوال کا ذکر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث کا طریقِ بیان یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اسکے بعض اجزاء ہی بیان کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ اصولی بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہے، اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں، بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں، اور کسی معلم اور مربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات پوری تفصیل سے بیان کیا جائے، اور کبھی اسکے صرف بعض اجزاء کا ذکر کر دیا جائے، بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

حضرت انس والی اس دوسری حدیث میں اس سوال جواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال و جواب صرف ان ہی مردوں سے مخصوص ہے، جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں، دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا، اور لوگ صرف اسی طریقے کو جانتے تھے، ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے، خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے۔ اور جیسا کہ

اوپر بتلایا جاچکا ہے یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو، اور کسی حال میں ہو، وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے، اور خواب کی مثال اسکے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اور خواب ہی کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال وجواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا، اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گذر جاتا ہے، وہ بات چیت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، لیکن اسکے برابر والوں کو کچھ بھی نہیں نظر آتا۔

اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال وجواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لئے جب کوئی اور راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا، تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں؟ یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق سمجھتے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لئے دروازے یا کھڑکی کی ضرورت نہیں، ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی ہیں اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ،۔

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. **(رواه البخاری ومسلم)**

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے تو ہر صبح وشام اسکے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے، تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح وشام اسکے سامنے کیا جاتا ہے، اور اسکو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح وشام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اسکے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا تیرا مستقل ٹھکانا (اور یہ اسوقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائیگا قیامت کے دن۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) قبر میں روزانہ صبح وشام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذّت ومسرت حاصل ہوا کرے گی، اور دوزخیوں کو دوزخ کو اپنا ٹھکانا دیکھ کر روزانہ صبح شام جو رنج وغم مزید ہوا کرے گا، اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔

(۷۴) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَ اِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ ان کا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے، تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنّت ودوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے، اور قبر کی وجہ سے اِس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا، تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا، تو اسکے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسُول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے، کہ: نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گذر ہوتا ہے، تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے یہ ارشادات یاد آجاتے ہیں، اور فکر وغم میں مبتلا کر کے مجھے رُلاتے ہیں۔

(۷۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ.

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عثمانؓ ہی سے روایت ہے، کہ رسُول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، کہ جب میّت کے دفن سے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے

لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو، اور یہ بھی استدعا کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (ابوداؤد)

(۷۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلىٰ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلاً ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلىٰ هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللهُ عَنْهُ. (رواه احمد)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُن کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا (آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ: "یا رسول اللہ! اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ: "اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرما دی، اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ (مسند احمد)

(**تشریح**) یہ سعد بن معاذ انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی، ۵ھ میں ان کا وصال ہوا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: "ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کے لئے کھولے گئے۔ باوجود اسکے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی وہ اٹھالی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کے لئے بڑا انتباہ اور بڑا سبق ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

(۷۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِيْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَالِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے

خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں اس آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا، تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اُٹھے اور ایک کہرام مچ گیا
(بخاری)

(۷۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلَىٰ بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی خچری پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے، اچانک آپ کی خچری راستے سے ہٹی، اور ٹیڑھی ہوئی (اور اسکی ایسی حالت ہوئی) کہ قریب تھا کہ آپ کو گرادے، اچانک نظر پڑی تو دیکھا کہ وہاں چھ یا پانچ قبریں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان قبر کے مردوں سے کون واقف ہے؟ (یعنی تم میں کوئی ہے جو ان لوگوں کو جانتا ہو، جو ان قبروں میں مدفون ہیں) ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں جانتا ہوں، آپ نے فرمایا: یہ لوگ کس زمانے میں مرے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا: زمانہ شرک میں۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں جتنا کچھ میں سن رہا ہوں وہ اس میں سے کچھ تم کو بھی سُنا دے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: (دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو: سب کی زبان سے نکلا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، آپ نے فرمایا: سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، ظاہری فتنوں سے بھی، اور باطنی فتنوں سے بھی۔ سب نے کہا: ہم سب ظاہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ

نے فرمایا، کہ: دجال کے (عظیم ترین) فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ہم دجالی فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں"۔ (مسلم)

(تشریح) اس سلسلہ کی بعض حدیثوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ (قبر) کے عذاب کو جن و انس سے مخفی رکھا ہے، اُن کو اس کا بالکل پتہ نہیں چلتا، لیکن انکے علاوہ دوسری مخلوقات کو اس کا ادراک و احساس کچھ ہوتا ہے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بنی نجار کے اس باغ میں جن لوگوں کی وہ چند قبریں تھیں ان پر جو عذاب ہو رہا تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و رفقاء کو اگرچہ اس کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ لیکن جس خچری پر آپ سوار تھے، اس کو اس کا احساس ہوا اور اس پر اثر پڑا۔ اس کی حکمت ظاہر ہے، مرنے والوں پر مرنے کے بعد جو کچھ گذرتا ہے، اگر ہم سب بھی اس کو دیکھ یا سن لیا کرتے، تو "ایمان بالغیب" نہ رہتا اور دنیا کا یہ نظام بھی نہ چل سکتا، جس وقت ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سخت تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو، ہم سے اس وقت کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کہیں قبروں کا عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا، تو کسی اور کام کا کیا ذکر، مائیں بچوں کو دودھ بھی نہ پلا سکتیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے جو چیخ پکار ان قبروں میں مچی ہوئی تھی، جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ والے صحابہ کرام بالکل نہیں سن رہے تھے، خود آپ اس کو سن رہے تھے۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ وحی کا فرشتہ جب وحی لے کر آتا تھا، تو بسا اوقات صحابہ کرام بھی اس وقت آپ کے قریب ہوتے تھے، لیکن آنے والے فرشتے کو ان کی آنکھیں عام طور سے نہیں دیکھ سکتی تھیں، نہ وہ اس کی آواز سنتے تھے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے اور اسکی آواز سنتے تھے، اہل مکاشفہ تو اس صورت حال کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، لیکن ہم جیسے عام بھی اس خواب والی مثال ہی سے کچھ سمجھ سکتے ہیں [1]۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ:

لَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ

(یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں سن رہا ہوں، اس میں سے کچھ وہ تم کو بھی سنا دے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی جو کیفیت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرما دی ہے، اور عذاب

---

[1] عام سنۃ اللہ اور عادۃ اللہ یہی ہے، کہ برزخ کی واردات کو جن و انس سے کلی طور پر مخفی رکھا جاتا ہے، نہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خرقِ عادت کے کسی مرنے والے کے برزخی عذاب یا ثواب کی کوئی جزوی کیفیت کسی، اور مصلحت (بقیہ اگلے صفحے پر)

اور عذاب دیئے جانے والوں کی چیخ و پکار، جو میں سن رہا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ وہ تمہیں بھی سنوادے، تو اس کا خطرہ ہے کہ تمہیں موت سے اتنی دہشت ہو جائے کہ مردوں کو دفن و کفن کا انتظام بھی نہ کر سکو، اس لئے میں اللہ سے دعا نہیں کرتا، کہ وہ تمہیں بھی سنادے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعوّذ (اللہ سے پناہ مانگنے) کی طرف متوجہ کیا۔ اس میں اس کی تعلیم ہے کہ مومنین کو چاہئے، کہ وہ قبر کے عذاب کو جاننے اور دیکھنے کی فکر کے بجائے اس سے بچنے کی فکر کریں، اور اس سے...... اور ہر قسم کے عذاب اور فتنہ سے بچانے والا بس اللہ ہی ہے، لہذا اس سے برابر پناہ مانگتے رہیں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں عذابِ قبر سے پناہ مانگیں، ظاہر و باطن کے سب فتنوں سے پناہ مانگیں خاص کر دجال کے عظیم فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ اور کفر و شرک اور ان سب فتنوں اور معصیتوں سے بچنے کی فکر رکھیں جو عذاب کو لانے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

قیامت:

(۷۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ. (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں“۔ (بخاری و مسلم)

(...... گذشتہ سے پیوستہ) کی بنا پر اپنے کسی بندے کو دکھلا دے۔ شیخ ابن القیمؒ نے ”کتاب الروح“ میں بڑے عبرت انگیز اس قسم کے بہت سے واقعات قریباً ۶،۵ صفحے پر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ”وهذه الاخبار رواضعا فها واضعاف اضعافها ممالا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه بعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عيانا واما روية المنام فلو ذكرنا ها لجاء ت عدة اسفار...... وليس عند الملاحدة والزنا دقة الاالتكذيب بمالم يحيطو بعلمه“. (کتاب الروح ص ۱۱۲). جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات جو میں نے یہاں ذکر کئے اس قسم کے اور بھی بیشمار واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں، یہ سب اسی قبیل سے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو قبر کے عذاب یا ثواب کا کبھی مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے، یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دکھا دیتا ہے۔ رہا خواب میں دیکھنا تو اسکے واقعات تو اتنے ہیں کہ اگر ان کو لکھا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں...... لیکن ملحد اور زندیق قسم کے لوگوں کا حال یہی ہے کہ جن حقیقتوں سے وہ نا آشنا اور جن کے علم و عرفان سے وہ محروم ہیں،، ان کو جھٹلاتے اور انکار کرتے ہیں۔ ۱۱۲

(تشریح) یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمۂ شہادت والی انگلی، اور اسکے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ کا مطلب یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ سب ختم ہوگئے، اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت پر ختم ہوگا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی امت پیدا ہوگی، اس لئے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروانہ ہونا چاہئے۔

(۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِثْلُ ھٰذِہِ الدُّنْیَا مِثْلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ فَبَقِیَ مُتَعَلِّقًا بِخَیْطٍ فِیْ اٰخِرِہٖ فَیُوْشَکُ ذَالِکَ الْخَیْطُ اَنْ یَّنْقَطِعَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: "اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا، اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹا ہی چاہتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس کی فکر اور اس کے لئے تیاری کی جائے۔

(۸۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ بِشَھْرٍ تَسْاَلُوْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ وَاِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰہِ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَۃٍ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَھِیَ حَیَّۃٌ یَوْمَئِذٍ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے، کہ: "تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اور اس کا (یعنی اسکے معین وقت کا) علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گذریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے"۔ (مسلم)

(تشریح) قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی، کہ بہت سے لوگ

رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے، کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اسکے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اسکے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے، یعنی وہی جانتا ہے، کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں، وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامتِ کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا، اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا، اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں، وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائینگے، اس لئے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آجائے گی۔

(۸۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہُ اَللّٰہُ. وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آجائے کہ) بالکل نہ کہا جائے دنیا میں اللہ اللہ۔ اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ: "قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر، جو کہتا ہو اللہ اللہ"[1] (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے، اور اللہ کو یاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہو جائے گی، اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری، اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ جب ایسا وقت آئے گا، اس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا، گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اسکے باقی رہنے کے لئے وجہ جواز ہے، جس دن ہماری یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہو جائے گی، اسی دن

---

[1] بعض علماء کرام نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اسکے ماثور ہونے پر استدلال کیا ہے، اور بلاشبہ یہ استدلال بہت صاف اور صحیح ہے۔ اللہ کی رحمت ہو حافظ ابن تیمیہ پر، اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اُن کی نظر غالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔ ۱۲

اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

(۸۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ. (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ:
"قیامت نہیں قائم ہوگی، مگر بدترین آدمیوں پر" (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگ جب سب ختم ہو جائینگے اور یہ دنیا جب صرف بدکرداروں اور خدا فراموشوں ہی کی دنیا رہ جائے گی، تب اللہ کے حکم سے قیامت آ جائے گی۔

(۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِىْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهُ ثُمَّ يَمْكُثُ فِى النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنَ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِىْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ، حَتّٰى تَقْبِضَهُ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِىْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُمْ فِىْ ذَالِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهٗ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ؟ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعِيْنَ، قَالَ فَذَالِكَ يَوْمٌ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا. وَذَالِكَ يَوْمُ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ. (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا، اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک" اس حدیث کو روایت کرنے

والے صحابی عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں، کہ میں نہیں جانتا کہ حضور (ﷺ) کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں، کہ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی ان کی شکل وصورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہو گی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اس کا تعاقب کریں گے، اور اس کو پاکر) اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ پھر (دجال کا خاتمہ کر دینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں اور ان کے ساتھ رہیں گے، اور (ان کی برکت سے لوگوں میں ایسا اتحاد واتفاق ہو جائے گا، کہ) دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے (ایک خاص قسم کی) ٹھنڈی ہوا چلائے گا، جسکا اثر یہ ہوگا، کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو، یا فرمایا: کہ ذرہ برابر ایمان ہو، (بہر حال اس ہوا سے تمام اہل ایمان، اور اہل خیر ختم ہو جائیں گے[۱]) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا، تو یہ ہوا وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کرے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ اسکے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں رہ جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں پرندوں والی تیزی اور پھرتی، اور درندوں والا ذہن جمع ہو گا (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے، کہ ان میں ظلم اور سفاکی تو درندوں کی سی ہو گی، اور اپنے ظالمانہ مقاصد اور اپنی ناپاک خواہشات کو پورا کرنے میں وہ ہلکے پھلکے برق رفتار پرندوں کی طرح تیز رو، اور پھرتیلے ہوں گے) نیکی اور بھلائی سے وہ مانوس نہ ہوں گے اور برائی کو وہ برائی نہ سمجھیں گے، (نہ اس کی مذمت کریں گے) پس شیطان ایک شکل بنا کر ان کے سامنے آئے گا، اور ان سے کہے گا، کیا تم شرم وحیا نہیں کرو گے، وہ کہیں گے کہ تم ہم کو کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی تم جو کہو، وہ ہم کریں) پس شیطان انہیں بتوں کی پرستش کا حکم دے گا (اور وہ اس کا اتباع کریں گے) اور وہ اس حال میں ہونگے، کہ رزق کی افراط اور بارش ہو گی، اور دنیوی زندگی بظاہر بڑی اچھی (عیش و نشاط والی زندگی) ہو گی۔ پھر صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی اس کو سُنے گا، اس کی جانب گردن ایک طرف کو جھک جائے گی اور ایک طرف کو اٹھ جائے گی (یعنی سر جسم پر سیدھا قائم نہ رہے گا، بلکہ ادھر یا ادھر کو لٹک جائے گا، جیسا کہ اس شخص کا حال ہو جاتا ہے جس پر اچانک کوئی ایسا دورہ پڑے جس سے اسکے رگ پٹھے بیکار اور بے جان ہو جائیں) اور سب سے پہلے جو شخص

---

[۱] یہ ہوا اہل ایمان کے لئے رحمت کی ہوا ہو گی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجی جائے گی، کہ سب اچھے بندوں کو قیامت سے پہلے اٹھا لیا جائے، تاکہ وہ قیامت کے شدائد سے محفوظ رہیں۔

صور کی آواز سنے گا(اور جس پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑے گا) وہ ایک آدمی ہوگا، جو اپنے اونٹ کے حوض کو مٹی سے درست کر رہا ہوگا، پس وہ بے ہوش اور بے جان ہو کر گر جائے گا(یعنی مر جائے گا)اور دوسرے سب لوگ بھی اسی طرح بے جان ہو کر گر جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک ہلکی سی) بارش بھیجے گا، گویا کہ وہ شبنم ہے، اس کے اثر سے انسانوں کے جسموں میں روئیدگی آجائے گی پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ تو ایک دم سب کے سب کھڑے ہوں گے دیکھتے ہوں گے، پھر کہا جائے گا، کہ اے لوگو! اپنے مالک اور رب کی طرف چلو (اور فرشتوں کو حکم ہوگا، کہ) انہیں (حساب کے میدان میں) کھڑا کرو، ان سے پوچھا جائے گا(اور انکے اعمال کا حساب کتاب ہوگا) پھر حکم ہوگا، کہ ان میں سے دوزخ کی فوج نکالو، عرض کیا جائے گا، کہ کتنے میں سے کتنے؟ حکم ہوگا، کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ہوگا وہ دن، جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور یہی ہے دن سخت مصیبت اور مشقت کا۔ (مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خروج دجال سے لیکر حشر تک کے بلکہ میدانِ حساب میں جمع ہونے تک کے، بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں قیامت سے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات، اور قیامت اور اسکے بعد کی منزلوں کا بیان اس سے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ، یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سینکڑوں، ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان ان میں کیا گیا ہے، جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے، انشاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارے میں بہت سے شبہات اور وساوس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے، کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا، کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم والے ہیں، دنیا میں مومنین اور غیر مومنین کا جو تناسب ہے، اور جو اکثر زمانوں میں رہا ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد ۹۹۹/۱۰۰۰ مستبعد نہیں معلوم ہوتی، تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے، کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی، جو اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے اہل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتَكَ اَرْجٰى عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا.

(۸۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدْ اِلْتَقَمَہٗ وَ اَصْغٰی سَمْعَہٗ وَحَنٰی جَبْھَتَہٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَااللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ.

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے، کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے، اور اپنا کان اسنے لگا رکھا ہے اور اسکی پیشانی خمیدہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صور کے پھونک دینے کا حکم ہو، اور وہ پھونک دے، (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے، تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان سے اور خوشی سے رہ سکتا ہوں)" صحابہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے، (ان کا مطلب یہ تھا، کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے، تو ہماری رہنمائی فرمایئے، کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں؟)" آپ نے ارشاد فرمایا: کہتے رہا کرو "حَسْبُنَااللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ".

(ترمذی)

(۸۶) عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُعِیْدُ اللّٰہُ الْخَلْقَ وَمَا اٰیَۃُ ذَالِکَ فِیْ خَلْقِہٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِیْ قَوْمِکَ جَدْ بًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِہٖ یَھْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْکَ اٰیَۃُ اللّٰہِ فِیْ خَلْقِہٖ کَذَالِکَ یُحْیِی اللّٰہُ الْمَوْتٰی.

(رواہ رزین)

(ترجمہ) ابو رزین عُقیلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا: "کیا تمہارے لئے ایسا کبھی نہیں ہوا، کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گذرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزے سے خالی اور خشک ہو، اور پھر کبھی ایسی حالت میں گذرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہار ہی ہو۔ (ابو رزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں (ایسا ہوا ہے، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ نے فرمایا "حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لئے) یہی اللہ کی نشانی اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کردے گا اللہ مردوں کو۔

(رزین)

(۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّهٗ رَأْیُ عَیْنٍ فَلْیَقْرَءُ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَالسَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَالسَّمَاءُ انْشَقَّتْ. (رواہ احمد و الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کی یہ خوشی ہو، یعنی جو یہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے، کہ گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، تو قرآن مجید کی سورۃ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ، وَاِذَالسَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَالسَّمَاءُ انْشَقَّتْ پڑھے۔"

(۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَااَخْبَارُهَا قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ وَاَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰی ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَیَّ کَذَا وَکَذَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا. (رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ زلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" (جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو، کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: اسکی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق شہادت دے گی، کہ اسنے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا، اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا، پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن وہ بیان کرے گی۔) (مسند احمد و ترمذی)

(تشریح) گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کو محفوظ رکھتا ہے، اور قیامت تک محفوظ رکھے گا، اور اللہ کے سامنے اس کی شہادت ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دن اس پر اس وقت کی رسوائیوں سے حفاظت فرمائے۔

اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لئے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن اب تو ریکارڈ وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا، اور ان پر یقین کرنا سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

صدق اللہ عزو جل سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم.

(۸۹) عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تُدْنٰی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَکُوْنَ مِنْهُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ فَیَکُوْنُ النَّاسُ

عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ یَّكُوْنُ اِلٰی كَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّكُوْنُ اِلٰی رُكْبَتَیْهِ وَمِنْهُم مَنْ یَّكُوْنَ اِلٰی حِقْوَیْهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ یُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقَ اِلْجَامًا وَاَشَارَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ اِلٰی فِیْهِ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت مقداد سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، "قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائے گا، اور (اس کی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے (یعنی جس کے اعمال جتنے بُرے ہوں گے، اسی قدر اس کو پسینہ زیادہ چھوٹے گا) پس بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا، اور بعض کا پسینہ انکے گھٹنوں تک ہو گا، اور بعض کا انکے کولھوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہونگے جن کا پسینہ ان کے منہ میں جارہا ہو گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا (کہ ان کا پسینہ یہاں تک پہنچ رہا ہو گا، اور ان کے اس منہ میں جارہا ہو گا)"۔ (مسلم)

(تشریح) قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کی جو واقعی نوعیت ہو گی اس کا اس دنیا میں صحیح تصور نہیں کیا جاسکتا، پورا انکشاف بس اسی وقت ہو گا، جبکہ یہ حقائق سامنے آئیں گے۔

(۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنفًا مُشَاةً وَصِنفًا رُكْبَانًا وَ صِنفًا عَلٰی وُجُوْهِهِمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللهِ كَیْفَ یَمْشُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاهُمْ عَلٰی اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَهُمْ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ یَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ. (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ "قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے، اور ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے"۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟" آپ نے فرمایا: "جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے"۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہر ٹیلے ٹھیرے، اور ہر کانٹے سے بچیں

گے۔ (ترمذی)

(تشریح) حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے، کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہو گا، اور دوسرا گروہ جو سواریوں پر ہو گا، وہ خاص مقربین اور عباد صالحین کا گروہ ہو گا، جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز و اکرام ہو گا، اور سر کے بل، اور منہ کے بل چلنے والے وہ بد نصیب ہوں گے، جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا، اور مرتے دم تک وہ الٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انہیں یہ ملے گی، کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ الٹے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اونچ نیچ سے، اور جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعہ بچ کر نکلتے ہیں، اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اونچ نیچ سے، اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چہروں ہی کے ذریعہ بچ کر نکلیں گے، یعنی یہاں پر جو کام پاؤں سے کئے جاتے ہیں، وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

(۹۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَا يَكُوْنُ اِزْدَادَ وَ اِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَا يَكُوْنَ نَزَعَ. (رواه الترمذى)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص بھی مرے گا، اس کو (مرنے کے بعد اپنی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہو گی"۔ عرض کیا گیا کہ: حضرت! اس کو ندامت کیوں ہو گی، اور اس کا کیا سبب ہو گا، آپ نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکوکار ہو گا، تو اس کو تو اس کی ندامت اور حسرت ہو گی، کہ اس نے نیکوکاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسنات وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہو گا، تو اس کو اس کی ندامت و حسرت ہو گی، کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا۔" (ترمذی)

اللہ کے حضور میں پیشی اور اعمال کی جانچ!

(۹۲)عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ)عدی بن حاتم سے روایت ہے ، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " (قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دوبدو کلام فرمائے گا، کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی پردہ حائل ہوگا (اس وقت بندہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ حیرت اور بے بسی سے ادھر اُدھر دیکھے گا)۔ پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب، تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا، اور جب سامنے نظر دوڑائے گا، تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا، پس اے لوگو! دوزخ کی اس آگ سے بچو، اگر چہ خشک کھجور کے ایک خشک ٹکڑے ہی کے ذریعہ اس سے بچنے کی فکر کرو"۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آتشِ دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ کرو، اور اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمہیں کچھ میسر نہ ہو تو راہ خدا میں وہی دے کے دوزخ سے بچنے کی فکر کرو۔

(فائدہ) قرآن مجید میں اور احادیث میں بھی جہاں جہاں قیامت کے حساب اور وہاں کے ہولناک منظروں کا اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس لئے ہے کہ بندے اس سے خبردار ہو کر اپنے کو اس سے بچانے کی فکر کریں، اس حدیث میں تو آخر میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کو بیان بھی فرمادیا گیا ہے لیکن جن حدیثوں میں اس مقصد کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو، ان کا مقصد بھی یہی سمجھنا چاہئے، اور اس سلسلہ کی تمام آیات واحادیث سے ہم کو یہی سبق لینا چاہئے۔

(۹۳)عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؟ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِىْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِى الظَّهِيْرَةِ لَيْسَتْ فِىْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ

تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِيْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَى الْعَبْدَ فَيَقُوْلُ اَيْ فُلْ اَلَمْ اُكْرِمْكَ اُسَوِّدْكَ وَ اُزَوِّجْكَ وَاُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْكَ تَرْاَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّكَ مُلَاقِيَّ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ فَاِنِّيْ قَدْ اَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِيْ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ ثُمَّ يَلْقَى الثَّالِثَ فَيَقُوْلُ لَهٗ مِثْلَ ذَالِكَ فَيَقُوْلُ لَهٗ مِثْلَ ذَالِكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَ تَصَدَّقْتُ وَيُثْنِيْ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُوْلُ هٰهُنَا اِذًا، ثُمَّ يُقَالُ اَلْاٰ نَ نَبْعَثُ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِيْ نَفْسِهٖ مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهٖ اِنْطِقِيْ فَتَنْطِقُ فَخِذُهٗ وَلَحْمُهٗ وَ عِظَامُهٗ بِعَمَلِهٖ وَذَالِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهٖ وَذَالِكَ الْمُنَافِقُ وَ ذَالِكَ الَّذِيْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ.　　　(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟" آپ نے فرمایا "کیا دوپہر کے وقت میں آفتاب کے دیکھنے میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش ہوتی ہے؟" انہوں نے عرض کیا، "نہیں!" پھر آپ نے فرمایا: "کیا چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش اور کوئی ردو کد ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا "نہیں!" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جس طرح چاند اور سورج کو بلا کسی کشمکش اور بغیر کسی اختلاف اور نزاع کے دیکھتے ہو، اسی طرح قیامت میں اپنے پروردگار کو دیکھو گے"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت میں جب اللہ سے ایک بندہ کا سامنا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، اے فلانے کیا میں نے دنیا میں تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا تجھے تیری قوم میں سرداری نہیں دی تھی، کیا تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی، اور کیا تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ (سواریوں) کو مسخر نہیں کیا تھا، اور کیا میں نے تجھے چھوڑے نہیں رکھا تھا، کہ تو ریاست اور سرداری کرے، اور مالِ غنیمت میں سے چوتھائی وصول کرے، وہ بندہ عرض کرے گا، ہاں! اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، تو کیا تجھے اس کا خیال اور گمان تھا، کہ تو ایک دن میرے سامنے آئے گا؟ وہ عرض کرے گا، میں یہ خیال نہیں کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج میں تجھے اپنے رحم و کرم

سے اسی طرح بھلاتا ہوں، جس طرح تو نے مجھے بھلائے رکھا تھا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے دوسرے ایک بندہ کا سامنا ہوگا، اور اس سے بھی حق تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ تیسرے ایک بندہ سے ملے گا، اور اس سے بھی اسی طرح فرمائے گا، یہ بندہ عرض کرے گا، کہ اے پروردگار! میں تجھ پر ایمان لایا، اور تیری کتاب پر، اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا، اور میں نے نمازیں پڑہیں، اور روزے رکھے، اور صدقہ بھی ادا کیا (اور اس کے علاوہ بھی) وہ بندہ خوب اپنے اچھے کارنامے بیان کرے گا، جہاں تک بھی بیان کر سکے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہاں ٹھہر! پھر اس سے کہا جائے گا، کہ ہم ابھی تجھ پر ایک گواہ قائم کرتے ہیں، اور وہ اپنے جی میں سوچے گا، کہ وہ کون ہوگا جو مجھ پر گواہی دے گا، پھر اسکے منہ پر مہر لگادی جائے گی اس کی ران کو حکم دیا جائے گا، کہ بول! تو اس کی ران اور اس کا گوشت، اور اسکی ہڈیاں اُس کے اعمال کی گواہی دیں گے، اور اللہ تعالیٰ یہ اس لئے کرے گا، کہ اس کا عذر باقی نہ رہے، اور یہ منافق ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (مسلم)

(تشریح) پوچھنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا پوچھا تھا، کہ کیا قیامت میں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے چاند اور سورج کی مثال دے کر یہ سمجھا دینا چاہا، کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اتنے واضح طریقے پر ہوگا جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہوگی، نیز یہ بھی آپ نے واضح فرمایا، کہ جس طرح چاند اور سورج کو مشرق ومغرب کے کروڑوں آدمی بیک وقت دیکھتے ہیں، اور بالکل یکساں طور پر دیکھتے ہیں، اور انکے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی، اسی طرح قیامت میں سب اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکیں گے۔ پھر مزید برآں آپ نے یہ بھی فرمادیا، کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑی بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھولے ہوئے ہیں، اور آخرت کی پیشی سے بالکل بے فکر ہوگئے ہیں، جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے انکا سامنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا، تو اس دن وہ کیسے لاجواب، اور کیسے ذلیل وخوار ہوں گے، اور ان میں سے جو دیدہ ور اور بے حیا منافق اس وقت غلط بیانی کریں گے، اللہ تعالیٰ خود انہیں کے اعضاء سے اور انہیں کے گوشت، اور انہیں کی ہڈیوں سے ان کے خلاف گواہی دلوا کر ان پر حجت قائم فرمادیں گے، اور اس طرح علی رؤس الاشہاد ان کے جھوٹ، اور ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل سوال سے زائد یہ بیان، سوال کرنے والے صحابہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا، کہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہی نہ ہوگا بلکہ حق تعالیٰ

نے جو نعمتیں جس کو دی ہیں اس وقت وہ ان کی بابت پوچھ گچھ بھی کرے گا۔(ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ)اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے بے پرواہو کر اور آخرت کی پیشی سے بے فکر رہ کر ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کیا ہو گا، وہ اس دن سیاہ ہوں گے، اور وہاں کسی کی مکاری اور عیاری بالکل پردہ پوشی نہ کر سکے گی۔

(۹۴)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَىْ رَبِّ! حَتّٰى قَدَّرَهُ بِذُنُوْبِهِ وَرَاٰى فِي نَفْسِهِ اَنَّهُ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا لَكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَاَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰى بِهِمْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ٥ (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو(اپنی رحمت سے) قریب کرے گا، اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا، اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا، پھر اس سے پوچھے گا، کہ کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ ، فلاں گناہ!(یعنی کیا تجھے یاد ہے، کہ تو نے یہ یہ گناہ کئے تھے ؟) وہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار! مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا، اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہو گا، کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں، تو اب میں کیسے چھٹکارا پاسکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا، اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معافی دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اسکے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا، اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کردیں گے) لیکن اہلِ کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہو گا، کہ ان کے متعلق بر سرِ عام پکارا جائے گا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا) خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔

(۹۵)عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ هَاؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ. (رواه ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا، اور وہ رونے لگیں، رسول ﷺ نے پوچھا، تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا، مجھے دوزخ یاد آئی، اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا) ایک وزنِ اعمال کے وقت، جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے، کہ اسکے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری، اور دوسرے اعمالناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مومن داہنے ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ پاکر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا، کہ پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے، کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ، آیا داہنے ہاتھ میں، یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں، اور تیسرے پُل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا، جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)۔ (ابو داؤد)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسہ نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہو گی، اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا، ایک وزن اعمال کا وقت، جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا، اور دوسرا وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے، اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہو گا، کہ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے، یا لعنت اور عذاب کا، اور تیسرے اس وقت، جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہو گا، تو یہ تین وقت ایسے نفسہ نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہو گا، اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے، کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے، اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

قیامت میں حقوق العباد کا انصاف

(۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَ يَعْصُوْنَنِيْ وَ اَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَ كَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَالَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَءُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ، فَقَالَ الرَّجُلُ مَا اَجِدُلِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بسااوقات وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانتیں بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں، اور میں (ان کی ان حرکتوں پر) کبھی انہیں گالیاں دیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں، پس کیا حال ہوگا میرا قیامت کے دن ان کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ میرا اور ان کا فیصلہ کس طرح فرمائے گا) رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب میں فرمایا: کہ "تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور نافرمانی کی ہوگی، اور تم سے جو جو جھوٹ بولے ہوں گے، اور پھر تم نے ان کو جو سزائیں دی ہونگی، قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیا جائے گا، پس اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہی ہوگی تو معاملہ برابر پر ختم ہو جائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں وہاں ملے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہوگی، تو تم سے اس کا بدلہ اور قصاص انکو دلوایا جائے گا (جب اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سُنا) تو آپ کے پاس سے ایک طرف کو ہٹکر رونے اور چلانے لگا (یعنی قیامت کے اس محاسبہ اور پھر وہاں کے عذاب کے

خوف سے جب اس پر گریہ غالب ہوا تو وہ ادب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے اٹھ گیا، اور ایک طرف کو ہٹ کر بے اختیار رونے اور چلانے لگا)۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس سے فرمایا، کیا تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝

اور ہم قائم کرینگے قیامت کے دن انصاف کی میزانیں، پس نہیں ظلم ہوگا، کسی نفس پر کچھ بھی، اور اگر ہوگا کسی کا عمل، یا حق، رائی کے ایک دانے کے برابر حاضر کرینگے ہم اُس کو بھی، اور کافی ہیں ہم حساب کرنیوالے۔ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (یہ سب کچھ سننے کے بعد) میں اپنے لئے اور ان کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں سمجھتا، کہ (لوجہ اللہ آزاد کر کے) ان کو اپنے سے الگ کردوں، میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا اور اب وہ آزاد ہیں۔

(تشریح) ایمان کی یہی شان ہے، اور سچے ایمان والوں کا طرزِ عمل یہی ہونا چاہئے کہ جس چیز میں آخرت کا خطرہ نظر آئے اس سے بچا جائے، اگرچہ دنیوی نقطۂ نظر سے اس میں اپنا کتنا ہی نقصان ہو۔

میزانِ اعمال میں اللہ کے نام کا وزن!

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحٰفِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَ فَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اِسْمِ اللهِ شَيْءٌ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا، اور اسکے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے، جن میں ہر دفتر کی لمبائی گویا حدِ نظر تک ہوگی، (یہ دفتر اسکے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا، کہ (تیرے جو اعمال ان دفتروں میں لکھے ہوئے ہیں) کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے، اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (اور غلط طور پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامے میں لکھ دیا ہے)۔ وہ عرض کرے گا نہیں پروردگار! (مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ یہ سب میرے کئے ہوئے اعمال ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے، وہ عرض کرے گا، خداوندا میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (یہاں تک کہ سوال و جواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہوگا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا، لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح ظہور ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے، ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے، اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا (اور اس نیکی کے فائدہ سے تجھے محروم نہیں کیا جائے گا)۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا۔ اس میں لکھا ہوگا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ اور اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کرا) وہ عرض کرے گا، خداوندا! ان دفتروں کے سامنے اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے، اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے (یعنی میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گا، اور کیا کروں گا، نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر، اور کہاں یہ ذرا سا پرزہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا، (بلکہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا، جس پرزہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا، اور آج اس کا، اور اس میں لکھے ہوئے ایمانی کلمہ کا وزن ظاہر ہوگا اور اسکا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا، اسلئے مایوس نہ ہو، اور میزان کے پاس جا کر وزن کو دیکھ) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، پس ہلکے ثابت ہوں گے وہ دفتر اور بھاری رہے گا وہ پرزہ، اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی، اللہ کے نام کے مقابلے میں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہوگا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لئے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لئے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہوگا، قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اسکے اثر

سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے پہلے بھی ایک حدیث گذر چکی ہے: "اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ" (یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پہلی زندگی میں آدمی نے کئے ہوں)۔

اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہو گا جو مدت دراز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے، پھر اللہ نے اسے توفیق دی وراسنے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمۂ شہادت اور کلمۂ ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کرلیا، اور اسی پر اس کو موت آگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آسان حساب

(۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ بَعْضِ صَلٰوٰتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِىَّ اللهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يُّنْظَرَ فِىْ كِتَابِهٖ فَيُتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ۔ (رواه احمد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سُنا:

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَّسِيْرًا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا "حضرت! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟" آپ نے فرمایا: "آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ، اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی، اے عائشہ (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

ایمان والوں کیلئے قیامت کا دن کیسا ہلکا اور مختصر ہو گا

(۹۹) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ مَنْ يَّقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِىْ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ " يَوْمَ يَقُوْمُ

النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ" فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ (رواه البيهقى فى البعث والنشور)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں، تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہوگی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ سکے گا جس کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ" سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کردیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کیلئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔ (البعث والنشور للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ابو سعید خدری کو جو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن میں بھی موجود ہے سورۂ مدثر میں فرمایا گیا ہے کہ:

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○	تو جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا ایمان نہ لانے والوں کے لئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا۔

راتوں کو اللہ کیلئے جاگنے والوں کا جنت میں بے حساب داخلہ

(۱۰۰) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِي صَعِيْدٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ سَائِرُ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(ترجمہ) اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کئے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہموار میدان میں جمع کئے جائیں

گے (یعنی سب میدانِ حشر میں جمع ہو جائینگے)" پھر اللہ کا منادی پکارے گا، کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہو گی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لئے حکم ہو گا کہ وہ حساب کے لئے حاضر ہوں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

اُمّتِ محمّدیہ کی بہت بڑی تعداد کا حساب کے بغیر جنت میں داخلہ

(۱۰۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِ رَبِّیْ.

(رواہ احمد والترمذی، وابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ "میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا، اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے۔ اور تین حثیے اور میرے پروردگا کے حثیات میں سے (میری امت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)"

(تشریح) جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے، تو عربی میں اُس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو اور ہندی میں لپ بھر کے دینا کہتے ہیں، تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے۔ اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا، اور یہ سب وہی ہونگے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہونگے۔

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

(انتباہ) اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی، جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی، اس دنیا میں تو ہمارا علم وادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے بھی ہم قاصر رہتے ہیں، جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں، مگر اس قسم کے واقعات کا بھی ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صَدَقَ رَبُّنَا عَزَّ وَ جَلَّ "وَمَا اُوْتِيْتُم مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ"

حوضِ کوثر، صراط اور میزان

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں، ایک حوضِ کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہلِ ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دستِ کرم سے اس کا نہایت سفید وشفاف اور بے انتہا لذیذ وشیریں پانی نوش جان کرینگے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول وعرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول وعرض میں ایک نہایت حسین وجمیل تالاب ہے جو جنّت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس جو نظام ہے اسنے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمد للہ سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

یہاں ایک چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیائی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے، مگر اسکے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ بھی اتنا ہوگا، کہ ایک راہرو اسکے ایک کنارے سے

دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہر حال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اسکی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا، ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر تو سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارے میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

(۱۰۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قُبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِىْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ. (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثنا میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا، میرا گذر ایک (عجیب وغریب) نہر پر ہوا، اسکے دونوں جانب "درِ مجوف" سے (یعنی اندر سے خالی کئے ہوئے موتیوں سے) تیار کئے ہوئے قبے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے بتلایا، کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اسکی تہہ میں تھی) وہ نہایت مہکنے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ (بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گذرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شب معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے" تو یہ قرآن مجید کی آیت "اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" کیطرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت، اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا اور آخرت میں آپ کی رفعتِ شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدانِ حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظِ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہرِ کوثر اور حوضِ کوثر کی شکل میں ہوگا،

جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیر اب ہونگے۔

(۱۰۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِىْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاءُهُ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَضْمَأُ اَبَدًا. (رواه البخاری مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوضِ کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل و عریض ہے کہ اسکی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اسکے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اسکا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے، اس کا طول و عرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اسکے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں) جو اس کا پانی پئے گا، وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَىَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا سَيَرِدَنَّ عَلَىَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِىْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّىْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِىْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِىْ.

(رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حوضِ کوثر پر تمہارا میر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جاکے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا، وہ آب کوثر سے پئے گا، اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا، اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے، لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں

فرق ڈالا اور اسکو گڑ بڑ کیا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اس کا تعین مشکل ہے، کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہوں گے اور نہ اسکا معلوم کرنے ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزو مند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی ردو بدل نہ کریں۔

(۱۰۵) عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِىْ مِنْ عَدَنَ اِلٰى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاءُه اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَاَكْوَابُهٗ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنُسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ثوبان سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: میرے حوض کی مسافت (اتنی ہے جتنی کہ) عَدَنْ سے عَمَّانَ بَلْقَاء تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اسکے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بیشمار) ہیں (اسکے پانی کی یہ صفت ہے کہ) جو اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا، اسے اسکے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوگی، اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے، پریشان و پراگندہ سروں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے، جن کا نکاح خوش حال و خوش عیش عورتوں سے نہیں ہو سکتا، اور جن کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا)۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) عَدَنْ مشہور مقام ہے، اور عَمَّانْ بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے، بَلْقَاء عمان کے قریب ایک بستی تھی، بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں "عمان بلقاء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی، اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے، کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں۔ بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے، اور مطلب یہ

ہے کہ حوض کی مسافت سیکڑوں میل کی ہو گی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہوں گے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ، ان کے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے، بلکہ بکھرے ہوئے اور الجھے ہوئے رہتے ہیں اور کپڑے بھی ان کے اچھے اجلے نہیں رہتے، بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں انکے نکاحوں میں نہ دی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں، تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور انکی شکل و صورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا حال یہ ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب و تنگدست ہو کر رہیں، نہ اپنی صورتوں کے بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دینوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرزِ عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے 'تقشف' اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔

ہر زمانہ کے کچھ امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلام صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زُہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانے میں (شاید اسکے ردِ عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(۱۰۶) عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً.

(ترمذی)

(ترجمہ) حضرت سَمُرہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہو گا، اور ان کے درمیان اس پر فخر ہو گا کہ ان میں سے کس کے پاس پہنے

والے زیادہ آتے ہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ پینے کے لئے میرے پاس آئیں گے (اور میرے حوض سے سیراب ہوں گے)۔ (ترمذی)

(۱۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَشْفَعَ لِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ اُطْلُبْنِیْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِیْ عَلَی الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَکَ عَلَی الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَالْمِیْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَکَ عِنْدَ الْمِیْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَالْحَوْضِ فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ ھٰذِہِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ. (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس (خادم رسول ﷺ) سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے روز آپ میری سفارش فرمائیے گا! آپ نے فرمایا، کہ میں تمہارا یہ کام کروں گا، میں نے عرض کیا تو (قیامت کے روز) میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے جب تمہیں میری تلاش ہو، تو صراط پر مجھے دیکھنا میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو صراط پر نہ پاسکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا! میں نے عرض کیا، اور اگر میں میزان کے پاس بھی آپ کو نہ پاسکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے حوض کے پاس دیکھنا! کیوں کہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہ جاؤں گا۔ (ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت کی شفاعت ایسی چیز ہے جسکی رسول ﷺ سے درخواست کی جاسکتی ہے اور اگر چہ اس حدیث میں حضور نے اپنے ملنے کے مقامات حضرت انس کو بتلائے ہیں، لیکن دراصل شفاعت کے سب حاجت مندوں کے لئے حضور نے اپنے ملنے کے یہ پتے بتلائے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَاَسْعِدْنَا بِشَفَاعَتِہٖ

(۱۰۸) عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَلَی الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ! (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ قیامت کے دن صراط پر اہل ایمان کا شعار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائی کلمہ ہوگا،" رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ "(اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامت رکھ، اور سلامتی کے ساتھ پار لگا)۔

صراط اور میزان کا ذکر بعض حدیثوں میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔

شفاعت

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ دی گئی ہے اور جن پر ایک مومن کو یقین لانا ضروری ہے، ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جبکہ سارے اہلِ محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی "نفسہ نفسی" کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے، تو اس وقت عام اہلِ محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ نیاز مندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو آپ کے شایان شان ہے) بارگاہِ رب العزت میں اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، کہ ان کو اسکی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔ بارگاہ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف آپ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کلام شروع ہو جائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہلِ محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو "شفاعتِ عظمیٰ" بھی کہتے ہیں، اسکے بعد آپ اپنی امت کے مختلف درجہ کے ان گنہگاروں کے بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کر دیا جائے، اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے، آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اسکے علاوہ کچھ صالحینِ امت کے لئے آپ اسکی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلۂ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں آپ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے، حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل

جانے کے بعد اور انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہلِ ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارشیں کریں گے، اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے۔ اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں ہی کے بہانہ ہوگی۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اسکی مرضی اور اجازت سے ہوں گی، ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے، یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے،

قرآن پاک میں ہے:

مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ. ع. ۳۴)　　کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔

دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (انبیاء. ع. ۲)　　اور وہ نہیں سفارش کر سکیں گے مگر صرف اس کے لئے جسکے لئے اس کی رضا ہو۔

بلکہ علماء کرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے۔ "یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" اس کی شان ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں باب شفاعت کی حدیثیں پڑھئے!

(۱۰۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُھُمْ فِیْ بَعْضٍ فَیَاْتُوْنَ آدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰی رَبِّکَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَلٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِاِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّہٗ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاھِیْمَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَلٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُوْسٰی فَاِنَّہٗ کَلِیْمُ اللّٰہِ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا

وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ، فَيَاتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَاتُوْنِىْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاسْتَاذِنُ عَلٰى رَبِّىْ فَيُؤْذَنُ لِىْ وَيُلْهِمُنِىْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِى الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِىْ اُمَّتِىْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِىْ اُمَّتِىْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِىْ اُمَّتِىْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِىْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ وَكِبْرِيَائِىْ وَعَظْمَتِىْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ: جب قیامت کا دن ہوگا (اور سب اولین و آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے) تو لوگوں میں سخت اضطراب اور اژدحام کی کیفیت ہو گی، پس وہ لوگ (یعنی اہلِ محشر کے کچھ نمائندے) آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، کہ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے (کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے) آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، لیکن تم کو چاہئے کہ ابراہیم کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں (شاید وہ تمہارے کام آ سکیں) پس وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے شفاعت کا اپنا سوال رکھیں گے) وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں موسیٰ کے پاس جانا چاہئے وہ اللہ کے کلیم ہیں (جنہیں اللہ نے بلا واسطہ اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا ہے) شاید وہ تمہارا کام کر سکیں، پس وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اپنی وہی عرض ان کے سامنے

رکھیں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے، وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں (یعنی اللہ نے انکو انسانی پیدائش کے عام مقررہ اسباب کے بغیر صرف اپنے حکم سے پیدا کیا ہے، اور ان کو غیر معمولی قسم کی روح اور روحانیت بخشی ہے) تم ان کی خدمت میں جاؤ، شاید وہ تمہارے لئے حق تعالیٰ سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں، پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، تم کو (اللہ کے آخری نبی) محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے، (اور شفاعت کے لئے مجھ سے کہیں گے) پس میں کہوں گا، کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہِ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی (میں وہاں حاضر ہو جاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لئے الہام فرمائیں گے (جو اسوقت مجھے معلوم نہیں ہیں) تو اس وقت میں انہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا (مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فرمایا جائے گا، کہ اے محمد! سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی، پاس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! (یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے) پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا، اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا، اس کو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، اے محمد! سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کی دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! تو مجھ سے فرمایا جائے گا، کہ جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے بقدر (یا فرمایا، کہ رائی کے دانہ کے بقدر) بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر، یا رائی کے دانہ کے برابر نورِ ایمان

ہو گا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف پھر لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اُس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائیگی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، میرے رب! میری امت، میری امت! پس مجھ سے فرمایا جائے گا، جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان کا نور ہو گا، ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اسکے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کیطرف لوٹ آؤں گا،، اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، کہ اے پروردگار! مجھے اجازت دیجئے کہ ان سب کے حق میں جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا، جنھوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو۔　　　(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں:

(۱) حدیث میں جو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر، اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد نورِ ایمان اور ثمراتِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں۔ جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کرلے گی، اور آپ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲) حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے تین دفعہ شفاعت فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو، اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے آپ کی دعوتِ توحید کو تو قبول کرلیا، اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اور اعمال کرنا چاہئے تھے، وہ انہوں نے بالکل نہیں کیئے، تو مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال

کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہینگے جن کے پاس کسی درجہ کا مجرد ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل خیر سے وہ بالکل خالی ہوں گے (بخاری و مسلم ہی کی ابو سعید خدری کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "لَمْ یَعْمَلُوْاخَیْرًا قَطُّ" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے " لَیْسَ ذَالِكَ لَكَ" یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کے لئے نہیں رکھا، یا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان" فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ" کے لئے ہی سزاوار ہے، اسلئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لاکر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے، اس درجہ کا عفوودرگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہلِ محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول للہ ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے آپ عام اہل محشر کے لئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے جس کو "شفاعتِ کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دئے جائیں گے، تو آپ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۴) اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی ڈالے گا، کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیمؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ (علیہم السلام) کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اسلئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہوجائے کہ اس شفاعت کا منصب اور "مقام محمود" اسکے آخری نبی کے لئے مخصوص ہے۔ بہرحال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعتِ مقام کے برسرِ محشر اظہار کے لئے ہوگا۔

(۱۱۰)عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنْ اُمَّتِیْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِیْ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) عمران بن حصین سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک گروہ میری امت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا، جن کو "جہنمیوں" کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ (بخاری)

(تشریح) یہ ان کی توہین و تنقیص نہ ہوگی، بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا، جو ان کے لئے خوشی کا باعث ہوگا، کیوں کہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا۔

(۱۱۱) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّیْ فَخَيَّرَنِیْ بَيْنَ اَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِی الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا. رواه الترمذی وابن ماجه)

(ترجمہ) عوف بن مالک سے رایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا، اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرلوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمادیں، یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے، تو میں نے حقِ شفاعت کو اختیار کرلیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی، جو (ایمان اور توحید کی میری دعوت کو قبول کرکے) اس حال میں مرے، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(۱۱۲)عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرمند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہا ہو۔ (بخاری)

(تشریح) اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا، یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا، ہاں اگر شرک سے پاک ہوگیا ہے، اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں، تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

(۱۱۳)عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ. (رواہ الترمذی وابو داؤد رواہ ابن ماجہ عن جابر)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، (ترمذی وابوداؤد) اس حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے حضرت انس کے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

(تشریح) اس قسم کی حدیثوں سے نڈر اور بے خوف ہو کر گناہوں پر اور زیادہ جری ہو جانا بڑا کمینہ پن ہے، حضور ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامتِ نفس سے گناہ ہو جائیں، وہ بھی مایوس اور ناامید نہ ہوں، میں ان کی شفاعت کروں گا اسلئے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو، اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

(۱۱۴)عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ اِبْرَاھِیْمَ رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَقَالَ عِیْسٰی اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ فَقَالَ اللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَکٰی فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا جِبْرَئِیْلُ اذْھَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ . وَرَبُّکَ اَعْلَمُ . فَسَلْہُ مَا یُبْکِیْہِ فَاَتَاہُ جِبْرَئِیْلُ فَسَأَلَہٗ فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰہُ لِجِبْرَئِیْلَ اِذْھَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُکَ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی:

"رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ"

(میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں، پس ان کے لئے تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے) اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا، جو قرآن پاک میں ہے:

"اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ"۔

(اے اللہ! اگر میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، یعنی آپ کو عذاب وسزا کا پورا حق ہے) یہ دونوں آیتیں تلاوت فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یاد کیا، اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور کہا: "اے میرے اللہ! میری امت، میری امت! اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو فرمایا، تم محمد کے پاس جاؤ۔ اور اگرچہ تمہارا رب سب کچھ خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو، کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہے۔ پس جبرئیل آپ کے پاس آئے، اور آپ سے پوچھا، آپ نے جبرئیل کو وہ بتلادیا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے، جبرئیل نے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو فرمایا، کہ محمد کے پاس جاؤ، اور ان کو ہماری طرف سے کہو، کہ تمہاری امت کے بارہ میں ہم تمہیں راضی اور خوش کردیں گے اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔ (مسلم)

(تشریح) حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی، ایک سورۂ ابراہیم کی آیت، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی امت کے بارے میں عرض کیا، کہ " فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں (اور میں ان کے لئے آپ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی، تو آپ غفور رحیم ہیں، چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں)۔ اور دوسری آیت سورۂ مائدہ کی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے، کہ وہ اپنے گمراہ امتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، کہ " اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (اگر آپ ان کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو بخشدیں تو آپ غالب ہیں (سب کچھ کر سکتے ہیں) اور حکیم ہیں (جو کچھ کریں گے حکمت کیمطابق ہی ہوگا)۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں جلیل القدر پیغمبروں نے پورے ادب، اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی امتوں کے خطاکار لوگوں کے لئے دبے لفظوں میں سفارش کی ہے۔

ان آیتوں کی تلاوت نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کا مسئلہ یاد دلایا، اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر اور رو کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی فکر کو عرض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا، کہ آپ کی امت کا مسئلہ آپ کی مرضی اور خوشی کے مطابق ہی طے کردیا جائے گا اور اس معاملہ کی وجہ سے

آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونا نہیں پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنی امت کے، بلکہ ہر مقتدا کو اپنے متبعین اور منتسبین کے ساتھ ایک خاص قسم کی شفقت کا تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا، اور اس تعلق کی وجہ سے ان کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پائیں، اور اس شفقت اور رأفت میں رسول اللہ ﷺ سب پیغمبروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اسلئے قدرتی طور پر آپ کی یہ بڑی خواہش ہے، جو مختلف موقعوں پر بار بار آپ سے ظاہر ہوئی کہ آپ کی امت دوزخ میں نہ جائے، اور جن کی بد عملی اس درجہ کی ہو، کہ ان کا دوزخ میں ڈالا جانا، اور کچھ عذاب پانا ناگزیر ہو ان کو کچھ سزا پانے کے بعد نکال لیا جائے، چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خواہش کو پورا فرمائیں گے، اور آپ کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے بچ جائیں گے، اور بہت سے ڈالے جانے کے بعد نکال لئے جائینگے۔

شفاعت کے سلسلے کی حدیثوں میں صحیح مسلم کی یہ حدیث ہم جیسے خطاکاروں، گنہگاروں کے لئے بڑا سہارا ہے، اور اس میں بڑی بشارت ہے، بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا: میں تو جب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

(ف) اللہ تعالیٰ کو بطور خود سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود رونے کا سبب پوچھنے کے لئے حضرت جبرئیل کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجنا صرف آپ کے اکرام و اعزاز کے طور پر تھا، کہ اپنے مقربین کے ساتھ بادشاہوں کا یہی طرز ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (رواه ابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے، انبیاء علیہم السلام، پھر دین کا علم رکھنے والے اور پھر شہداء۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تین گروہوں سے باہر کا کوئی شخص کسی کی

سفارش نہیں کر سکے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاص شفاعت انہی تین گروہ والوں کی ہو گی، لیکن انکے علاوہ بعض ان صالحین کو بھی اذن شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے، بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے، اور اعمالِ صالحہ کی بھی شفاعت ہو گی۔

(۱۱۶)عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْقَبِیْلَۃِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْعَصَبَۃِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰی یَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ)حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: میری امت میں بعض افراد وہ ہوں گے، جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہو گا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا، اور قوموں کے حق میں انکی سفارش قبول فرمائے گا)اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

(۱۱۷)عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَفُّ اَھْلُ النَّارِ فَیَمُرُّبِھِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْھُمْ یَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِیْ اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُکَ شَرْبَۃً وَقَالَ بَعْضُھُمْ اَنَا الَّذِیْ وَھَبْتُ لَکَ وَضُوْءً فَیَشْفَعُ لَہٗ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ. (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ)حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: آخرت میں صف باندھے کھڑے کیے جائیں گے اہلِ دوزخ (یعنی اہلِ ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے، وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے)پس ایک شخص اہلِ جنت میں اس کے پاس سے گذرے گا، تو صف والوں میں سے ایک شخص اس گذرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا، کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں، کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی پلایا تھا(یا شربت وغیرہ، پینے کی کوئی اچھی چیز پلائی تھی)اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا، کہ میں نے تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا، پس یہ شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا، اور ان کو جنت

میں داخل کرا دے گا۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ دنیا میں صالحین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی انشاء اللہ بہت کچھ کام آنے والا ہے، بشرطیکہ ایمان نصیب ہو، افسوس! ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے سخت تفریط میں مبتلا ہیں۔

جنت اور اس کی نعمتیں!

عالمِ آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہو سکتا، ان ہی میں سے جنت ودوزخ بھی ہیں، اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں، قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو صرف انہی سے اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہو جائے۔

اسی طرح کتبِ حدیث میں بھی جنت ودوزخ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی صدہا حدیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت ودوزخ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر، اور مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکے گا، جنت تو جنت ہے، اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا، اور وہاں کے باغوں اور گلزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے، تو اس کے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے، ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ وہ اصل کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے، بہر حال اس نفس الامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن وحدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہئے۔

دراصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے، کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اسکے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو

دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے، تا کہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں، جو جنت میں پہنچانے والے ہیں، اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں، پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

(۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُ وْ اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ.

(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے، اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت: "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ" (جس کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لئے (جو راہ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کو عبادتِ خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہے۔ (بخاری و مسلم)

(**تشریح**) یہ حدیثِ قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو "حدیثِ قدسی" کہتے ہیں، یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے، اس میں اللہ کے بندوں کے لئے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دارِ آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوئیں، بلکہ کسی آنکھ نے بھی انکو نہیں دیکھا، اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا، اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا، اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو، محبت وشفقت اور عنایت وکرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ " اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیْ " (میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں، الخ) قربان ہوں بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

(۱۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) اور حضرت ابوہریرہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) عرب کا یہ رواج تھا، کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا، تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا، وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی، اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا، تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد دراصل اتنی مختصر سی جگہ ہے، جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑا والے سوار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے، جس میں وہ اپنا بستر لگالے، یا خیمہ ڈال لے، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی تھوڑی سے تھوڑی جگہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اسکی ہر نعمت باقی ہے، اور فانی اور باقی کا کیا مقابلہ۔

(۱۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَلَوْاَنَّ اِمْرَاَةً مِنْ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَیْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَیْنَهُمَا رِیْحًا وَلَنَصِیْفُهَا عَلٰی رَأْسِهَا خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا. (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے، اور مہک اور خوشبو سے بھر جائے، اور اسکے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

(تشریح) حدیث کی ابتدائی حصے میں راہِ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمتِ دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اسلئے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیانی حصے میں خدمتِ دین کے کسی سلسلے میں جائے، تو یقیناً اسکے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے پھر حدیث کے دوسرے حصے میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن وجمال اور ان کے لباس کی قدر وقیمت کا ذکر کیا گیا

ہے۔ اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہلِ ایمان کو خدمتِ دین کے سلسلے کے کاموں کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دینا، اور یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنے گھروں اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لئے بھی راہِ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی بیویاں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری رفیق اور زندگی کی شریک رہیں گی، جن کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا جھانکے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور معطر ہو جائے، اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے، کہ صرف سر کی اوڑھنی اس دنیا و مافیہا سے بہتر اور بیش قیمت ہے۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِىْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابَ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اسکے سایے میں سو سال چلے اور پھر بھی اس کو پار نہ کر سکے، اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، یا غروب ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے مقابلے میں جنت اور اسکی نعمتوں کی بالاتری بیان فرما کے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور راحت کے جو سامان اپنے بندوں کے لئے جنت میں پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل و عریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع رقبہ پر پڑتا ہے، کہ سوار سو سال میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، ابھی اوپر عرب کے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترنا چاہتا تھا، تو اس جگہ اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا، تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا، اور اس طرح وہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے، جنت کی اتنی مختصر سی جگہ

بھی اس دنیا کی اس ساری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(۱۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَاْكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی، لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا، اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا، اور نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، تو کھانے کا کیا ہوگا؟ (یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا وہ آخر کہاں جائے گا؟) آپ نے فرمایا کہ ڈکار اور پسینہ مشک کے پسینہ کی طرح (یعنی غذا کا جو اثر نکلنا ہوگا، وہ انہی دو طریقوں سے نکل جایا کرے گا) اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی، جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔"

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کثیف مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی کہ پیٹ میں اسکا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ڈکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جایا کرے گا، اور کچھ پسینے کے راستے نکلا جایا کرے گا، لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی، اور اس دنیا میں جس طرح آپ سے آپ ہمارے اندر سے باہر، اور باہر سے اندر سانس کی آمد و رفت ہے، جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا، اور سبحان اللہ والحمد للہ، یا سبحان اللہ وبحمدہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

(۱۲۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنَادِيْ مُنَادٍ اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ سے روایت ہے، یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا، کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے، اور تندرستی ہی تمہارے لئے مقدر ہے،

اسلئے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے، اور یہاں تمہارے لئے زندگی اور حیات ہی ہے، اسلئے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی، اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا، اور تمہارے واسطے یہاں چین اور عیش ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔ (مسلم)

(تشریح) جنت صرف آرام اور راحت کا گھر ہے، اسلئے وہاں کسی تکلیف کا، اور کسی تکلیف دہ حالت کا گذر نہ ہوگا، نہ وہاں بیماری ہوگی، نہ موت آئے گی، نہ بڑھاپا کسی کو ستائے گا، نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی، اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کردیا جائے گا۔

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاءُ هَا قَالَ لِبْنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلِبْنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ و تُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُهَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُهُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ .

(رواہ احمد والترمذی والدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا، کہ جنت کس چیز سے بنی (یعنی اس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی یا اینٹوں سے، یا کس چیز سے؟) آپ نے فرمایا، اس کی تعمیر اس طرح ہے، کہ ایک اینٹ سونے کی، اور ایک اینٹ چاندی کی، اور اس کا مسالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبودار مشک ہے، اور وہاں کے سنگریزے جو بچھے ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں، اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے، جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے، ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے، اور کوئی تنگی، تکلیف، ان کو نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، وہاں ان کو موت نہیں آئے گی، اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے، اور ان کی جوانی کبھی زائل نہ ہوگی۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

(تشریح) حضرت ابوہریرہ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ عام مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا، اور پھر سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ" اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: " وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْئٍ حَيٍّ" جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش، اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ نے بیان فرمایا، اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدے ہی سے معلوم ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی عملے نے اسے بنایا ہو، جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنتی ہیں، بلکہ جنت اور اس کی ہر چیز معماروں اور صناعوں کے توسط کے بغیر اللہ کے حکم سے بنی ہے، جس طرح زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے، آفتاب و ماہتاب وغیرہ سب براہ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

"اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝"

اہلِ جنت کے لئے حق تعالیٰ کی دائمی رضا

(۱۲۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ اَلَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ؟ فَيَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (رواہ ابخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتیں ان کو عطا ہو جائیں گی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے، کہ اے اہل جنت! وہ عرض کرینگے، کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں، اور ساری خیر اور سب بھلائی آپ ہی کے قبضے میں ہے (جس کو چاہیں عطا فرمائیں، یا عطا نہ فرمایں) پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے، تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئی، تم ان سے راضی ہو؟) یہ جنتی بندے عرض کریں گے، اے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش، اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں، جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب

نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے!

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں!
وہ بندے عرض کریں گے کہ خداوندا! وہ کیا چیز ہے، جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضامندی، اور خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں، اسکے بعد اب میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اس رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا، کہ "تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟" بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے، اور پھر دائمی رضا کا تحفہ، اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان، کتنا بڑا انعام اور احسان ہے، اس سے جو لذت اور مسرت اہلِ جنت کو اس وقت حاصل ہوگی، اگر اس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کردیا جائے، تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے دلوں میں نہ رہے، بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اسکی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے، "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" اور لذت و مسرت میں اعلان رضا سے بڑھ کر صرف "دیدارِ الٰہی ہے"۔

جنت میں دیدارِ الٰہی

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل صحیح اور ذوق سلیم عطا کیا ہے، وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں، تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پا رہا ہے، اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنی نعمتیں پائے گا، لازماً اسکے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوگی کہ کسی طرح میں اپنے اس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا، جس نے مجھے وجود بخشا، اور جو اس طرح مجھ پر اپنی نعمتیں انڈیل رہا ہے۔ پس اگر اسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقیناً اس کی لذت و مسرت اور اسکے عیش میں بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندہ سے راضی ہو کر اس کو جنت میں پہنچائیں گے اس کو ہرگز اسے تشنہ اور محروم نہیں رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں صاف صاف اس کی خوش خبری دی ہے، اور تمام اہل ایمان

نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے، لیکن بعض ایسے طبقے، اور ایسے لوگ جو آخرت کی چیزوں کو بھی اس دنیا کے انداز سے سوچتے ہیں، اور یہاں کے اپنے محدود علم و تجربے کو، علم و تجربے کا آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں، انہیں اس مسئلہ میں شبہات پیش آتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اس چیز کو جا سکتا ہے جو جسم ہو، اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے آگے یا پیچھے کی کوئی جہت ہے، تو پھر اسکو دیکھا کیونکر جا سکتا ہے! حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے، اگر اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہوگا، جو صرف جسم کی، اور کسی رنگ دار چیز ہی کو دیکھ سکتی ہیں، اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا ادراک کر سکتی ہے، جو انکی سیدھ میں، یعنی سامنے ہو، تو بیشک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ میں صحیح ہوتا، لیکن نہ قرآن و حدیث نے یہ بتلایا ہے، اور نہ اہلِ حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہلِ حق، اہلِ السنۃ والجماعۃ جو قرآن و حدیث کے اتباع میں اسکے قائل ہیں، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ان بندوں کو نصیب ہوگا جو اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوں گے، وہ اسکے بھی قائل ہیں، کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے، جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی، جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہوگی، جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے، اور ان ہی آنکھوں سے اہلِ جنت کو اپنے اس رب قدوس کا دیدار نصیب ہوگا، جو نہ جسم ہے، نہ اسکا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے، بلکہ وہ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے، وہ نور ہے، سراسر نور ہے اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

اس توضیح کے بعد بھی رویتِ باری کے مسئلہ میں جن لوگوں کو عقلی استحالہ کا وسوسہ ہو، انہیں ذرا دیر کے لئے اس پر غور کرنا چاہئے، کہ اپنی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے، یا نہیں؟ اگر دیکھنا صرف ان ہی ذرائع سے، اور ان ہی شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جن سے ہم دیکھتے ہیں، تو پھر تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی کو نہ دیکھ سکتا ہو، کیونکہ نہ اسکی آنکھ ہے، اور نہ کوئی مخلوق اس کی نسبت سے کسی جہت میں ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے، اور ہماری آنکھیں جن چیزوں کو کسی طرح، اور کسی حال نہیں دیکھ سکتیں، وہ ان کو بھی دیکھتا ہے اور بغیر مقابلہ اور جہت کے دیکھتا ہے، انہیں رویتِ باری کے مسئلہ میں بھی اس قسم کا کوئی وسوسہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ و رسول کی اطلاعات اور بشارات پر یقین کرتے ہوئے

سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے ایسی آنکھیں نصیب فرمائیں گے، جو حق تعالیٰ شانہ کے جمال کے نظارہ کی لذت بھی حاصل کر سکیں گی۔

قرآن پاک میں اہلِ ایمان کو بشارت سنائی گئی ہے، کہ :"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (مطلب یہ ہے، کہ اہلِ جنت کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، وہ خوش و خرم اور شاد ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے)۔ اور اسکے بالمقابل دوسرے موقع پر مکذبین اور منکرین کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَاِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ" (یعنی یہ بد نصیب لوگ اس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، اس کی زیارت اور اس کی دید سے محروم رکھے جائیں گے)۔

جنت میں حق تعالیٰ کی رویت سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں، اور ایک مومن کے یقین کے لئے بالکل کافی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے صرف چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں:

(۱۲۶) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَتُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ فَيَرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا " لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ". **(رواه مسلم)**

(ترجمہ) حضرت صُہیب رومی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے، کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا، اس پر مزید اور اس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں)۔ وہ بندے عرض کریں گے، آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے (یعنی سرخروئی اور خوبروئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اسکے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا (یعنی ان کا آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا) پس وہ روئے حق، اور جمالِ الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے، پس ان کا حال یہ ہو گا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا، اس سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہے، یہ بیان فرما کے آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "لِلَّذِيْنَ

اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" ط (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری، ان کے لئے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت ومافیہا) اور اس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدارِ حق)۔
(مسلم)

(تشریح) آنکھوں سے پردہ اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعتہً ان کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرمادے گا، کہ وہ روئے حق کا نظارہ کرسکیں گی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَم۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی، اسکے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں " زِيَادَة " سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہے، جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ اور ان سے سوا ہے۔

(۱۲۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِىْ رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ، ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) جریر بن عبد اللہ بجلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھا، اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ، اور بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہوکر فرمایا، کہ: "یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے، جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اسکے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی، اور کوئی زحمت نہ ہوگی، پس اگر تم یہ کرسکو، کہ طلوعِ آفتاب سے پہلی نماز، اور غروبِ آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے میں کوئی چیز کبھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دلچسپی اور آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کرسکے) تو لازماً ایسا کرو (پھر انشاءاللہ دیدارِ حق اور نظارۂ جمالِ الٰہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی،) اسکے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:" وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا"۔ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو (یعنی اس کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو) سورج کے نکلنے سے پہلے، اور اسکے ڈوبنے سے پہلے)۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) دنیا میں جب کسی حسین وجمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہوجائیں

اور سب اسکے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں مشتاق ہوں، تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے، اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق و مغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثال سے سمجھایا، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اسکے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہوگا، اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا، سب کی آنکھیں بڑے سکون و اطمینان سے وہاں جمالِ حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی جو بندہ کو اس نعمت (دیدار حق) کا مستحق بنانے میں خاص اثر رکھتا ہے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں کا خصوصیت سے ایسا اہتمام، کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے، اگرچہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں، لیکن نصوص کتاب و سنت ہی سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیت: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا". پڑھ کر، ان دو نمازوں کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱۲۸) عَنْ اَبِىْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِىْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكُلُّنَا يَرٰى رَبَّهٗ مُخْلِيًا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ وَمَا آيَةُ ذَالِكَ؟ قَالَ يَا اَبَا رَزِيْنٍ اَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِيًا بِهٖ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ وَاللهُ اَجَلُّ وَ اَعْظَمُ. (رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) ابورزین عقیلی سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دیکھ سکے گا، میں نے عرض کیا: اور کیا اس کی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی ہے) آپ نے فرمایا: اے ابورزین! کیا چودھویں رات کو تم میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ: ہاں بے شک چاند کو تو ہم سب ہی اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: وہ تو اللہ کی مخلوق ہے، اور اللہ تو بڑی جلالت والا اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اس کے لئے کیا چیز مشکل

ہے)۔

(ابوداؤد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ.

دوزخ اور اُس کا عذاب

جس طرح جنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعلیٰ درجے کی ایسی لذتیں اور راحتیں ہیں، کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لذتوں اور راحتوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں، اور پھر وہ سب ابدی اور غیر فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کے متعلق قرآن وحدیث میں جو کچھ بتلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسی تکلیفیں اور ایسے دکھ ہیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے دکھوں اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش وراحت اور دوزخ کے دُکھ اور عذاب کا جو تصور اور جو نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ بھی اصل حقیقت سے بہت ناقص اور کمتر ہے، اور یہ اسلئے کہ ہماری زبان کے سارے الفاظ ہماری اسی دنیا کی چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں، مثلاً سیب یا انگور کے لفظوں سے ہمارا ذہن بس اسی قسم کے سیبوں یا انگوروں طرف جاسکتا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور چکھا ہے ہم جنت کے ان سیبوں اور انگوروں کی اصل حقیقت اور کیفیت کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔ جو اپنی خوبیوں میں یہاں کے سیبوں اور انگوروں سے ہزاروں درجہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں گے، اور جن کا کوئی نمونہ ہم نے یہاں نہیں دیکھا۔ اسی طرح مثلاً سانپ اور بچھو کے لفظ سے ہمارا ذہن اسی قسم کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جاسکتا ہے جو ہم نے اس دنیا میں دیکھے ہیں، دوزخ کے ان سانپوں اور بچھوؤں کا پورا نقشہ ہمارے ذہنوں میں کیسے آسکتا ہے جو اپنی جسامت اور خوفناکی اور زہریلے پن میں یہاں کے ان سانپوں اور بچھوؤں سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے، اور کبھی ہم نے ان کی تصویر تک نہیں دیکھی ہے۔

بہرحال قرآن وحدیث کے الفاظ سے بھی جنت ودوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت، اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے، بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا، کہ جنت کے عیش وراحت کے بارے میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا، ہمارا وہ علم بڑا ہی ناقص تھا، اور جنت میں تو اس سے ہزاروں درجہ عیش وراحت ہے، اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارہ میں

جو کچھ ہم نے سمجھا تھا اصل حقیقت کے مقابلے میں وہ بھی بہت ہی ناقص تھا، اور یہاں تو ہمارے سمجھے ہوئے سے ہزاروں گنا زیادہ دکھ اور عذاب ہے۔

اور جیسا کہ اس سے پہلے جنت کے بیان میں بتلایا جاچکا ہے، دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں، کہ جو کچھ وہاں پر پیش آنے والا ہے، اسکو ہم یہاں پوری طرح سمجھ لیں اور جان لیں، اور وہاں کے حالات کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آجائے، بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انزار ہے، یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا، اور اس مقصد کے لئے جنت و دوزخ سے متعلق قرآن و حدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے، پس اس سلسلے کی آیات و احادیث پر غور کرتے وقت ہمیں اسی خاص مقصد کو سامنے رکھنا چاہیے۔

(۱۲۹)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِنْ نَّارِ جَهَنَّمِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

(رواه البخاری ومسلم واللفظ للبخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہی (دنیا کی آگ) کافی تھی؟ آپ نے فرمایا: "دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں انہتر ۶۹ درجہ بڑھادی گئی ہے، اور ہر درجہ کی حرارت آتشِ دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔"

(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) اس دنیا کی آگ کی قسموں میں بھی درجۂ حرارت میں بعض بعض سے بہت بڑھی ہوئی ہیں، مثلاً لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی ہوتی ہے، اور مثلاً پتھر کے کوئلے کی آگ میں لکڑی کی آگ کے مقابلے میں بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے، اور بعض بموں سے جو آگ پیدا ہوتی ہے، وہ درجۂ حرارت میں ان سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اب تو آلات سے معلوم کرنا بھی آسان ہوگیا ہے کہ ایک آگ دوسری آگ کے مقابلہ میں کتنے درجہ کم یا زیادہ گرم ہے، پس اب حدیث کے اس مضمون کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہا، کہ "دوزخ

کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر درجہ زیادہ حرارت اپنے اندر رکھتی ہے"۔

اور جیسا کہ پہلے بھی کئی بار شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ عربی زبان میں ایسے موقعوں پر ستر کا عدد کسی چیز کی صرف زیادتی اور کثرت ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، پس ہو سکتا ہے، کہ اس حدیث میں بھی یہ عدد اسی محاورے کے مطابق استعمال کیا گیا ہو، اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہو گا کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی، اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دوزخ کی آگ کا یہ حال بیان فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ دنیا کی آگ کی حرارت ہی کافی تھی اس پر آپ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پھر پہلے ہی مضمون کو دہرایا، اسکے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا، غالباً اس طریق جواب سے آپ نے اس پر متنبہ فرمایا، کہ ہمیں اللہ کے افعال اور اسکے فیصلوں کے بارے میں ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں، جو کچھ اسنے کیا ہے، اور جو کچھ وہ کرے گا، وہی ٹھیک ہے۔

(۱۳۰)عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہو گا، جس کی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا، کہ جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے۔ اور اس میں جوش آتا ہے وہ نہیں خیال کرے گا، کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے (یعنی وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا) حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہو گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۳۱)عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صِبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ! وَيُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ

بُؤسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِيْ بُؤسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے کفر و شرک کی وجہ سے یا فسق و فجور کی وجہ سے دوزخ میں جانے والے ہوں گے) ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی نہایت عیش و آرام کے ساتھ گزاری ہوگی، اور پھر اس کو دوزخ کی آگ میں ایک غوطہ دلایا جائے گا (یعنی جس طرح کپڑے کو رنگتے وقت رنگ میں ڈال کر اور بس ایک ڈوب دے کر نکال لیتے ہیں، اسی طرح اس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے گا) پھر اس سے کہا جائے گا، کہ آدم کے فرزند! کیا تو نے کبھی خیریت اور اچھی حالت بھی دیکھی ہے، اور کیا کبھی عیش و آرام کا کوئی دور تجھ پر گذرا ہے؟ وہ کہے گا کبھی نہیں، قسم خدا کی اے پروردگار! اور ایک شخص اہل جنت میں سے (یعنی ان خوش نصیب بندوں میں سے جو اپنی ایمان والی زندگی کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے) ایسا لایا جائے گا جسکی زندگی دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف میں اور دکھ میں گزری ہوگی، اور اسکو ایک غوطہ جنت میں دیا جائے گا (یعنی جنت کی فضاؤں اور ہواؤں میں پہنچا کر فوراً نکال لیا جائے گا) اور اس سے کہا جائے گا، کہ اے آدم کے فرزند! کیا کبھی تو نے کوئی دکھ دیکھا۔ اور کیا تجھ پر کوئی دور شدت اور تکلیف کا گزرا ہے، پس وہ کہے گا نہیں، خدا کی قسم اے میرے پرودگار! مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہیں گذری، اور میں نے کبھی کسی تکلیف کا مزہ نہیں دیکھا! (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ عمر بھر کے عیش و راحت کو بھلادے گا، اور جنت میں وہ راحت اور عیش ہے کہ اس میں قدم رکھتے ہی آدمی عمر بھر کے سارے دکھ اور ساری کلفتیں بھول جائے گا۔

(۱۳۲) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) سمرۃ بن جندب سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دوزخیوں میں سے بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے ٹخنوں تک، اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے زانوؤں تک، اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی کمر تک، اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی ہنسلی تک۔ (مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں سب ایک درجہ میں اور ایک ہی حال میں نہیں ہوں گے، بلکہ جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کے عذاب میں کمی بیشی ہو گی، مثلاً کچھ لوگوں کا حال یہ ہو گا کہ آگ ان کے صرف ٹخنوں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر عذاب اس سے زیادہ ہو گا، اور آگ ان کے زانوؤں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر اس سے بھی زیادہ ہو گا، اور آگ ان کی کمر تک پہنچا کرے گی، اور کچھ لوگ ان سے بھی سخت تر اور بد تر حالت میں رہیں گے اور آگ ان کی گردن تک پہنچے گی۔ اللّٰھُمَّ احفظنا.

(۱۳۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی النَّارِ حَیَّاتٍ کَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدَا ھُنَّ اللَّسْعَۃَ فَیَجِدُ حَمْوَتَھَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا وَاِنَّ فِی النَّارِ عَقَارِبَ کَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْ کَفَۃِ تَلْسَعُ اِحْدَا ھُنَّ اللَّسْعَۃَ فَیَجِدُ حَمْوَتَھَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا. (رواہ احمد)

(ترجمہ) عبد اللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جہنم میں سانپ ہیں، جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں (جو جثہ میں عام اونٹوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں) اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا، تو چالیس سال کی مدت تک وہ اسکے زہر کا اثر پائے گا (اور تڑپے گا) اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں، جو (اپنی جسامت میں) پالان بندھے خچروں کی مانند ہیں (وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ) ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا، تو چالیس سال تک وہ اسکے زہر کی تکلیف پاوے گا۔ (مسند احمد)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ یُھْرَاقُ فِی الدُّنْیَا لَاَنْتَنَ اَھْلُ الدُّنْیَا. (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: "غساق (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی، اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی اهائی بھوک میں ان کی غذا ہو گی، وہ اس قدر بدبودار ہو گی کہ) اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا پر بہا دیا جائے، تو ساری دنیا (اس کی سڑاہند سے) بدبودار ہو جائے۔ (ترمذی)

(۱۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَءَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ "

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قَطَرَتْ فِیْ دَارِالدُّنْیَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ مَعَایِشَھُمْ فَکَیْفَ بِمَنْ یَکُوْنُ طَعَامُهٗ. (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اِتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ"۔ (اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مروگے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہوگے) (اور اللہ سے اسکے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ نے بیان فرمایا کہ " زَقُّوْم " (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے، اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے، تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامانِ زندگی کو خراب کردے، پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے، کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہوجائیں، اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہوجائیں، پس سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اس پر کیا گزرے گی۔

(۱۳۶) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ ابْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَتَبَاکُوْا فَاِنَّ اَھْلَ النَّارِ یَبْکُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی تَسِیْلُ دُمُوْعُھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ کَاَنَّھَا جَدَاوِلُ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِیْلُ الدِّمَاءُ فَتَقْرَحُ الْعُیُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِیَتْ فِیْھَا لَجَرَتْ. (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ: اے لوگو (اللہ اور اسکے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ، اور اگر تم یہ نہ کرسکو، یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو (کیونکہ وہ ایسی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو اپنے اندر پیدا کرسکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اسکے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ، اور رونے کی شکل بناؤ، کیوں کہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے، کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں، یہاں تک کہ آنسو ختم ہوجائیں گے، اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا اور پھر (اس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑجائیں

گے (اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا، اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ (شرح السنہ)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں اتنا دکھ اور ایسا عذاب ہوگا، کہ آنکھیں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر کے خون روئیں گی، اور اس مسلسل رونے سے ان میں زخم پڑ جائیں گے، پس وہاں کے اس دکھ اور عذاب سے، اور آنسوؤں کا اور خون کا دریا بہانے والے اس رونے سے بچنے کے لئے آدمیوں کو چاہئے، کہ وہ یہاں اپنے اندر خدا کا خوف پیدا کریں، اور روئیں، دوسری ایک حدیث میں ہے کہ "لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرعِ"[1] (یعنی جو یہاں اللہ کے خوف سے روئے گا، وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا) بہر حال اللہ کے خوف سے رونا اور اگر رونا نہ آئے، تو رونی صورت ہی بنانا، اللہ کے رحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاص ذریعہ ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والے خاص اعمال میں سے ہے۔

(۱۳۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَازَالَ يَقُوْلُهَا حَتَّى لَوْقَامَ فِي مَقَامِي هٰذَا سَمِعَهُ اَهْلُ السُّوْقِ وَحَتَّى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ.

(رواہ الدارمی)

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ (اپنے ایک خطاب میں) فرماتے تھے: میں نے تمہیں آتش دوزخ سے خبردار کر دیا ہے، میں نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ آپ یہی کلمہ بار بار فرماتے تھے (آگے حدیث کے راوی نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ یہ آپ یہ بات اتنی بلند آواز سے فرماتے) کہ اگر آپ اس جگہ ہوتے جہاں پر اس وقت میں ہوں (اور یہاں سے فرماتے) تو بازار والے بھی آپ کے اس ارشاد کو سن لیتے، اور (اس وقت آپ پر خود فراموشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی) یہاں تک کہ آپ کی کملی جو اس وقت آپ اوڑھے ہوئے تھے، آپ کے قدموں کے پاس آگری۔ (دارمی)

(تشریح) بعض خطابات کے وقت حضور ﷺ کی کوئی خاص کیفیت ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ اس کی کوشش فرماتے تھے کہ ان خطابات کی روایت کے وقت اس خاص کیفیت کو بھی کسی طرح

---

[1] رواہ الترمذی والنسائی عن ابی ہریرہ. (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

نقل کردیں، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر نے اس حدیث کے بیان میں جو اتنی تفصیل کی تو اس سے ان کا مقصد یہی تھا۔ کہ لوگوں کو یہ بات بتلادیں کہ اس خطاب کے وقت آپ کی یہ خاص حالت تھی، اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتے ہوئے آپ خود اتنے متاثر ہوتے تھے۔

جنت اور دوزخ کے بارے میں ایک اہم انتباہ!

(۱۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دوزخ شہوات ولذات سے گھیر دی گئی ہے۔ اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے"۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ معاصی، یعنی جو اعمال انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں، ان میں عموماً نفس کی شہوت و لذت کا بڑا سامان ہے، اور طاعات یعنی جو اعمال انسان کو جنت کا مستحق بنانے والے ہیں وہ عموماً نفسِ انسانی کے لئے شاق اور گراں ہیں پس جو شخص نفس کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور اللہ کا جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری کی مشقتوں کو برداشت کرے گا، اور خواہشات والی "خوشگوار اور لذیذ" زندگی کے بجائے احکام الٰہی کی اطاعت والی مجاہدہ کی زندگی گزارے گا، وہ جنت میں اپنا مقام حاصل کرلے گا۔ اس سے اگلی حدیث میں اسی حقیقت کو ایک اور عنوان سے، اور کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرَئِیْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا اَعَدَّ اللهُ لِاَهْلِهَا فِیْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا یَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ لِجِبْرَئِیْلَ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ لَا یَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللهُ النَّارَ قَالَ یَا جِبْرَئِیْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا یَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَیَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ یَا جِبْرَئِیْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا فَقَالَ، اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ

خَشِیْتُ اَنْ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جب اللہ نے جنت کو بنایا، تو اپنے مقرب فرشتے جبرئیل سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو دیکھو (کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے، اور اس میں کیسی کیسی نعمتیں پیدا کیں ہیں) چنانچہ وہ گئے، اور انہوں نے جاکر جنت کو اور راحت ولذت کے ان سامانوں کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کئے ہیں، اور پھر حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ خداوندا! آپ کی عزت وعظمت کی قسم (آپ نے تو جنت کو ایسا حسین بنایا ہے اور اس میں راحت ولذت کے ایسے ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سن پائے گا، وہ اس میں ضرور پہنچے گا (یعنی اس کا حال سن کر وہ دل وجان سے اس کا طالب بن جائے گا اور پھر اس میں پہنچنے کے لئے جو اچھے اعمال کرنے چاہئیں، وہ پوری مستعدی کے ساتھ وہی اعمال کرے گا، اور جن برے کاموں سے بچنا چاہئے ان سے پوری طرح بچے گا، اور اس طرح اس میں پہنچ ہی جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا (یعنی جنت کے گرد شرعی احکام کی پابندی کا باڑہ لگادیا، جو طبیعت اور نفس کے لئے بہت شاق اور گراں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پہنچنے کے لئے احکام کی اطاعت کی گھاٹی کو عبور کرنے کی شرط لگادی، جس میں طبیعتوں کو اور نفسوں کو بڑی سختی اور دشواری محسوس ہوتی ہے) اور پھر جبرئیل سے فرمایا، کہ اب پھر جاؤ، اور پھر اس جنت کو (اور اس کے گرداگرد لگائی ہوئی باڑہ کو) دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پھر گئے، اور جاکر پھر جنت کو دیکھا اور اس مرتبہ آکر فرمایا کہ: خداوندا قسم آپ کی عزت وعظمت کی، اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ اس میں کوئی بھی نہ جاسکے گا (مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے شرعی احکام کی پابندی کی گھاٹی کو عبور کرنے کی جو شرط آپ کی طرف سے لگائی گئی ہے، وہ نفس اور نفسانی خواہشات رکھنے والے انسان کے لئے اتنی شاق، اور اس قدر دشوار ہے کہ اس کو کوئی بھی پورا نہ کرسکے گا، اسلئے مجھے ڈر ہے کہ اب اس جنت کو شاید کوئی بھی حاصل نہ کرسکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو بنایا تو پھر جبرئیل سے فرمایا کہ: جاؤ اور ہماری بنائی ہوئی دوزخ کو (اور اس میں انواع واقسام کے عذاب کے جو سامان پیدا کئے ہیں، ان کو) دیکھو، چنانچہ وہ گئے، اور جاکر اس کو دیکھا، اور آکر عرض کیا، خداوندا! آپ کی عزت کی قسم (آپ نے دوزخ کو تو ایسا بنایا ہے، کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سنے گا وہ کبھی بھی اس میں نہ جائے گا (یعنی ایسے کاموں کے پاس نہیں جائے گا جو آدمی کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں)

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو شہوات اور نفسانی لذات سے گھیر دیا (مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات والے وہ اعمال جن میں انسان کی طبیعت اور نفس کے لئے بڑی کشش ہے، جہنم کے گرد ان کی باڑہ لگادی، اور اس طرح جہنم کی طرف جانے کیلئے بڑی کشش پیدا ہو گئی) اور پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا: اب پھر جاکر اس دوزخ کو دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل پھر گئے اور جاکر اس کو اور اسکے گرد شہوات ولذات کی جو باڑہ لگائی گئی تھی، اس کو) دیکھا اور آکر عرض کیا: خداوندا! آپ کی عزت وجلال کی قسم! اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ سب انسان اسی میں نہ پہنچ جائیں (مطلب یہ ہے کہ جن شہوات ولذات سے آپ نے جہنم کو گھیر دیا ہے ان میں نفس رکھنے والے انسانوں کے لئے اتنی زبردست کشش ہے کہ ان سے رکنا بہت مشکل ہے اور اسلئے خطرہ ہے کہ بے چاری ساری اولاد آدم نفسانی لذات و شہوات کی کشش سے مغلوب ہو کر دوزخ ہی میں نہ پہنچ جائے)۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد اور اس میں ہمارے لئے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور بڑی مرغوب ہیں۔ ہم جان لیں کہ ان کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے، جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیشوں کو بھلادے گا، اور احکام الٰہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے نفسوں کو گرانی اور سختی محسوس ہوتی ہے اس کا انجام اور منتہیٰ جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیش وراحت کے وہ سامان ہیں جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

(۱۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَا رِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کی کوئی خوفناک بلا، کہ سوتا ہو اس سے بھاگنے والا، اور نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کی کوئی مرغوب ومحبوب چیز، کہ سوتا ہو اس کا چاہنے والا۔ (ترمذی)

(تشریح) انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا سے مثلاً اپنی طرف آنے والے کسی خوفناک درندے سے، یا اپنا تعاقب کرنے والے کسی سخت ظالم اور طاقتور دشمن سے جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک کہ اطمینان نہ ہو جائے، نہ سوتا ہے اور نہ آرام کرتا ہے، اسی طرح جب کسی انتہائی محبوب ومرغوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے تو اثناء راہ میں نہ تو سوتا ہے، نہ چین سے بیٹھتا ہے۔ لیکن دوزخ اور جنت کے بارے

میں انسانوں کا عجب حال ہے، دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک بلا نہیں، مگر جن کو اس سے بچنے کے لئے بھاگنا چاہئے، وہ غفلت کی نیند سوتے ہیں، اور جنت جس کے حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے جدو جہد کرنا چاہئے، اس کے چاہنے والے بھی محو خواب ہیں۔

پردے غفلت کے پڑ گئے ہیں، بلا کی نیندیں امنڈ رہی ہیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے، کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلی جلد ختم ہوئی۔
فَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَا لِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ

اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی بھی تکمیل اور اشاعت کی توفیق دے

بندہ ناچیز:۔
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

جلد دوم

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتبخانہ الفرقان لکھنؤ

ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

"معارف الحدیث"

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کیساتھ

جو

اس زمانہ کے تعلیمیافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو

پیشِ نظر رکھکر ——— مرتب کیا گیا ہے!

جلد دوم

"کتاب الرقاق"

"کتاب الاخلاق"

تالیف: محمد منظور نعمانی

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان ——— لکھنؤ

(مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ)

قیمت مجلد ۵/۵۰ — سنہ ۱۳۷۸ھ

غیر مجلد ‎-/۱۱ — سنہ ۱۹۵۵ء

تکمۂ سنجان راصلائے عام دہ
از نبیٔ اُمیئے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں —— جو
"نبی اُمی" سیدنا حضرت محمدؐ عربی (فداہ اُمّی وابی وروحی وقلبی) پر
ایمان رکھتے ہیں
اور آپ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی نجات کا
یقین کرتے ہیں
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آیئے
علم و تصور ہی کے راستے سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر
آپ کے ارشادات سنیں!
اور
اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد دوم بتقید صفحہ

دیباچہ ــــــ از مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

"معارف الحدیث" کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے ــــــ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے اس دوسری جلد میں جو "کتاب الرقاق" اور "کتاب الاخلاق" پر مشتمل ہے دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ ان حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرة سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین اپنی کتابوں کے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بنا پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انہی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں سو حدیثیں سلسلۂ رقاق کی ہیں، اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلۂ اخلاق کی ــــــ رقاق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کی وقعت نظر میں کم ہوتی اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مومن کا مطمح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہئے، اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنا چاہئے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہئے، اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کار فرما وہ عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے، اس کا رُخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رُخ پر چلتی ہے، اور اس کا رُخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے "رقاق" کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رُخ کو صحیح کرتی ہیں، اور دل کا رُخ صحیح ہو جانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفۃ اللہ بنتا ہے، اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ) ــــــ بہرحال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بنا پر اس دوسری جلد میں "رقاق" اور "اخلاق" کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح سے لی گئی ہیں۔ چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں بھی انہی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی اُن ہی کتابوں سے لی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

لہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ مکارم الاخلاق کی تکمیل ہو۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۵ بحوالہ موطا امام مالک وغیرہ)

جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر اُن حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

احادیث کی ترتیب، ترجمہ و تشریح اور عنوانات میں وہ ساری باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے اس لئے اب یہاں اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث و سنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھولی ہے۔

اُمید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقل سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے اُن کو مقدمہ کے ان چند صفحات کے مطالعہ سے یہ یقین ان شاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سنت کی محفوظیت کا انکار اور اس کے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گذارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے ——— کہ

حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور اقدس کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں، اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں ——— اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو اُن انوار و برکات اور اُن روحانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اس سے حسن توفیق کی استدعا اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اُسکے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبگار
عاجز و گنہگار بندہ
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مقدمہ

(از۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، وہاں صراحتہً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:۔

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (الجمعہ ۱۶)	وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔
كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ ۔ ۱۸۶)	جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے، اور تمھیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دُنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوقِ آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دُنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت و اُلفت، حسنِ سلوک، ہمدردی، ہمدردی و مواسات، مکارمِ اخلاق اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دُعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی، اور انہیں خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام ان مقاصد و نتائجِ بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرنِ اوّل کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریقِ عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی اُمت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔۔۔۔۔۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کی زندگی و سیرت و اخلاق

(۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثتِ نبویؐ کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید اُمت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئتِ اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات سب ہی موجود ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیے سے دیا جلتا ہے۔ صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس سب کے ساتھ جو عالی اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ

تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اُس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز
اُن کے سامنے رہتی تھی۔ اُس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور اُن مجالس
اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور اُن ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید
ہوتے تھے۔ اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاجِ خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور
اُن کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ اُن پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور رُوح بھی تھی
حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارمِ اخلاق کے دقائق
بھی تھے۔

انھوں نے قرآن مجید سے "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا، اور "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ
خَاشِعُوْنَ" کی تعریف بھی سُنی تھی، مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اُسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ
نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی، جس کو انھوں نے "نَسْمَعُ لَهٗ أَزِيْزًا كَأَزِيْزِ
الْمِرْجَلِ" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سُنتے تھے جیسے ہنڈی میں اُبال آتا ہے) کے لفظوں
سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک
انھوں نے زبانِ نبوت سے "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور
بیقراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "أَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ" (بلال! اذان دے کر مجھے آرام
پہونچاؤ) نہیں سُنا، اُن کو نماز کے ساتھ اُس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انھوں نے
خاصانِ اُمت کے سلسلہ میں "وَقَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ" (اُن کا دل مسجد میں
اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے اُن کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سُنے اُن
کو مسجد اور قلبِ مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دُعا کی ترغیب دیکھی
تھی، دُعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سُنا تھا، اور تضرع و ابتہال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار)
کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اس کی حقیقت انھوں نے اُس وقت جانی جب انھوں نے
میدانِ بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سُنا کہ "اَللّٰهُمَّ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ

اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ"[1] (اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر تا) تو تیری عبادت نہ ہوگی) اور بیقراری کی وہ کیفیت، کبھی جو حضرت ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی، یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا "حَسْبُكَ" (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپؐ کو یہ کہتے سنا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِيْ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ اَسْاَلُكَ مَسْاَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے، اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور آنسو بہہ رہے ہوں

---

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی - ۱۲

وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ	اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے
لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ	ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو اے
اَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ	اللہ تو مجھے اپنے سے دُعا مانگنے میں ناکام نہ
بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّكُنْ لِيْ	رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت
رَءُوْفًا رَّحِيْمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ	رحم کرنے والا ہو جا اے سب مانگے جانے والوں سے
يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ [1]	بہتر اور اے سب دینے والوں سے اچھے

انھوں نے قرآن مجید میں دُنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (دُنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے، اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ اُن کو یاد تھے، مگر اُس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرزِ زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے، اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے [2]۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشاداتِ نبویؐ میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو انکے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ اُنکی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق، جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحبِ زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحبِ نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل، ان کو صرف اُس وقت معلوم ہوا جب اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سُنے، اُن کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس

[2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم صفحہ کتاب الرقاق زیرِ عنوان "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی"۔

انکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادتِ مریض، اتباعِ جنازہ، تشمیتِ عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی۔ اسی طرح والدین اور اہلِ حقوق کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے سلیم اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام تک پہونچا جس کا اظہار حدیث نبوی اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ بِرُّ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُوَلِّيَ (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسنِ سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والدین کے انتقال کے بعد انکے دوستوں اور اہلِ محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ایسے ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہونچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے "وربما ذبح الشاة ثم يقطعها في صدائق خديجة" (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے، اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کیلئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، نفسی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے، اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں۔ اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابلِ عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی اشتغالات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و جسمانی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والا

ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیتِ اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز اُمت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستہ میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی اہم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے اُمت کی نماز کس مقام تک پہونچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اور حدیث سے ان کے آداب، فضائل، معمولاتِ نبوی اور واقعاتِ زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب، فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے (اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے) تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بارآور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی

ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں۔ وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اسلئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا، اور ان مذاہب کو وہ دینی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروانِ مذاہب دینی نشو و نما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروانِ مذاہب نے پیرانِ طریقت کے واقعات وملفوظات سے پر کیا، مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعاتِ زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔[1] اسلام آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا۔ جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا، جس کی نسلوں اور صدیوں کے بعد ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتاً اُس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ مصروفِ تکلم اور صحابہؓ گوش بر آواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں اور عمل کی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے مناظر بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق، اور یقینِ آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت و معیشت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے سجدہ کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سُنا جا سکتا ہے۔ جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدمِ مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ "أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا" (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں، جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (خطباتِ مدراس خطبۂ تاریخیت۔ ۱۲

جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشتِ مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہِ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرضِ وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا، اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے اُبھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا، وہ مکارمِ اخلاق اور انسانیتِ کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا ——— پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز، ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بےنفسی و للّٰہیت اور ان پر نفسِ انسانی کے حملے، ان کا انتہائی کمال اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں۔ یہاں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے۔ غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لیکر قیامت تک کے لئے دورِ نبوی کو محفوظ کر دیا ہے ——— قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا ایک اعجاز اور ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی اُمت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عمل کی ترغیب اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوینِ حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی مصنوعی بات نہیں ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عہدِ نبوی ہی میں کتابتِ حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انہیں کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران، خراسان اور ترکستان کے طالبینِ علم کے سمندر کا اُمنڈ آنا، اس کا جمع و حفظِ حدیث سے عشق و شغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فنِ روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو مکمل ملکہ و اہم

اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر اُمت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالمِ اسلام میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمعِ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفۂ زندگی کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیاتِ طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور اُمت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہِ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح جس طرح عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہدِ صحابہؓ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور اُمت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں گذرنے پایا جب "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرامؓ کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتسابِ نفس، وہی شوقِ آخرت، وہی دُنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ اتباعِ سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا اُن لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اسی مشکوٰۃِ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراثِ نبوی سے حصہ پایا ہو۔ اُمت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرنِ اوّل سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہدِ الحاد و مادیت تک برابر قائم ہے۔ اور سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے لیکر مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی اور اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ عہدِ صحابہؓ کا ماحول محفوظ ہے۔ دین کا یہ صحیح ذوق و مذاق جس میں آخرت کا خیال، دنیا پرستی کا اثر، رسوم و رواج پر روحانیت کا اثر، مادیت پر غالب ہے، باقی رہے گا اور کبھی اس اُمت کو دنیا پرستی، سر تا پا مادیت، انکارِ آخرت اور بدعات و تحریفات کا اس طرح پر شکار نہیں ہونے دیگا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس اُمت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی، اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ اُمت کو زندگی، ہدایت اور

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوینِ حدیث" ص ... تا ص ...

قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرے کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہونچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم طریقہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس اُمت کو اسی طرح سے "محروم الارث" منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہؓ کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہِ راست صحبتِ نبویؐ سے پیدا ہوسکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیاتِ نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہو اور جس میں عہدِ نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کیساتھ حدیث کے ترجمہ اور اس کی ترتیب و اشاعت کا کام جاری رہا۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو (اشعۃ اللمعات) کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ فارسی کا دور ختم ہوجانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی صاحب بلہوریؒ (۱۲۷۱ھ) نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ مع تشریح اُردو میں "تحفۃ الاخیار" کے نام سے کیا۔ اس کے مابعد خاندانِ ولی اللّٰہی کے شاگردِ رشید نواب قطب الدین خانؒ (م ۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اُردو میں ترجمہ ضروری تشریح کیساتھ "مظاہرِ حق" کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس دور کے ختم ہوجانے کے بعد اُردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم آروی کا مجموعہ "طریق النجاۃ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ——— ہمارے اس زمانے میں اُردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ پیمانہ اور وسیع پیمانے پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں، ان کی زیر تالیف کتاب "ترجمان السنۃ" کی تین جلدیں تیار ہوکر شائع ہوچکی ہیں، ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحاب درس بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے لیکن اُردو میں حدیث کی قدیم و جدید ان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس

عہدِ انقلاب اور اس کی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) احادیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور احادیث کے انتخاب و ترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کو اذعان اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے بگاڑ کی اصلاح ہو ——— نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبیعتیں بھی مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے۔ یہ کام وہی کر سکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو اور اس کو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو، اس کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی افتادِ طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے عام علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خداداد فہم و قوتِ استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیقِ محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائی ہے لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں۔ اس وقت اُن کی کتاب "معارف الحدیث" کی (دوسری جلد) قارئین کے سامنے ہے، جس میں زہد و رقاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو مرتب کر کے اُردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاحِ قلوب، تزکیۂ نفوس اور تربیتِ اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۹ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ لکھنؤ

معارف الحدیث

جلد دوم
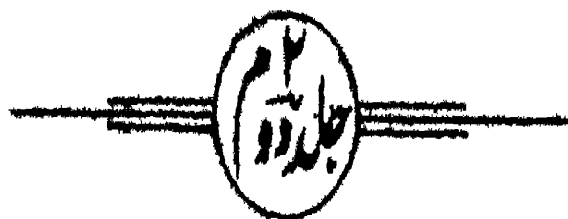
کتاب الرقاق

۱

کتاب الاخلاق

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَھَا وَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرُ فَقِیْہٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ ——

(رواہ الترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ——

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندے کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کرلے اور محفوظ رکھے، اور دوسروں تک اسے پہونچائے پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہونچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ ہوں —— (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں، اور دوسروں کو سُنا کر اور پہونچا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کے مصداق بنیں ——

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصّہ لینے کی توفیق دے!۔

کتابُ الرِّقاق

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتابُ الایمان، کتابُ الصلوٰۃ، کتابُ الزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت اِن ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتابُ الرّقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقّت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے دلبستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اِسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رُخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کُتُب حدیث میں "کتابُ الرّقاق" کے زیرِ عنوان درج ہوتا ہے، اِسلئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوّف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔

ہم اِس سلسلہ کو اُن حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن ارشادات کے جو اثرات اُن خوش نصیب اہلِ ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنھوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ ارشادات

سُنتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اُور فکرِ آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اُور فلاح کے مقام تک اُس کو پہونچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اُور آخرت کی فکر کو ہے، اِسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت میں اِن دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد اُور فضائل بیان فرماتے، اُور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں —— آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے اُس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہ تھا، اُور صحابۂ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اُور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو اُن کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں —— حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں جن کا مقصد خدا کا خوف اُور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلا شبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے —— یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالَمِ غیب ہم پر منکشف ہو جائے . . . .

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ

لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا ـــــــــــــــــــــــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـ قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہروجلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہوجائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہوجائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، اور اُسکے قہروجلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کردیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہوجائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہوجائے، تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ ـــــــ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَافِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَہٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ، وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ ـــــــ قَالَ اَبُوْذَرٍّ يَا لَيْتَنِیْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ ـــــــــــــــ

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ۔ میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے ۔ قسم ہے اُس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے ——— (اس حدیث کو نقل کر کے) ابو ذرؓ فرماتے ہیں: ۔ کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اُس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہونچائے، اور اُس پر ایمان لانے والے اُمتیوں کا مقام اور کام یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر اُن سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں، اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں ——— اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، اُن کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے، عالم غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے

اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو ـــــــ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ! اَللّٰہُ اَعْظَمُ! اَللّٰہُ اَجَلُّ!!! ـــــــ آگے حضورؐ نے فرمایا، کہ:۔ اگر
میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا
میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش
نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالۂ و فریاد اور گریۂ و زاری کرتے
پھرو ـــــــ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ
بعض اوقات اِس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل
جاتی تھی، کہ:۔ اے کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر
آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی

(ف) اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی
ممکن ہے کہ انسان اِس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اِسلئے وہ حقیقتیں اور
وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اِس
دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے
لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو
براٴیِ العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک
زندہ بھی نہیں رہ سکتے ـــــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص
کام لینا تھا، اُسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک
درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین
پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اِسلئے اِس قسم کے
بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمتِ خداوندی نے آپ کے
قلبِ مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اِس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے

تمام فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی
گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ
بن سکے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو:۔

(۳) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِصَلٰوةٍ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُوْنَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ
أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى الْمَوْتِ
فَأَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ
يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ
وَأَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ
قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَّمْشِي
عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذَا وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِي
بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا
دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا
أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَّمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذَا
وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِي بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ
عَلَيْهِ حَتّٰى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِهِ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ
وَيُقَيَّضُ لَهُ سَبْعُوْنَ تِنِّيْنًا لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِّنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ
مَا أَنْبَتَتْ شَيْئًا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَشْنَهُ وَيَخْدِشْنَهُ حَتّٰى

يُفْضٰى بِهٖ اِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ ــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُن کی اس حالت کی اصلاح کے لئے) ارشاد فرمایا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمھیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے، لہذا موت کو زیادہ یاد کیا کرو ـــــــــ

(اسکے بعد فرمایا) ـــــ حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جس کو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے ـــــــــ

(ظاہر ہے کہ زبانِ قال سے پکارتی ہے، اور اس کی اس پکار کو وہی سُن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبانِ حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر وہ بندہ ہر وقت سُن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ حال کی باتیں سُننے والے کان عطا فرمائے ہوں) ـــــــ

(اسکے بعد آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اُس زمین سے پڑتا ہے، اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز

اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدۂ و دل فرش راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے، کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے اُن میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے اور آج جب تم میرے سپرد کر دئیے گئے ہو اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مومن کیلئے حدِ نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کیواسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے ـــــــ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی، یا (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے اُن سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالے کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں ـــــ آپ نے فرمایا کہ ـــــ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہانتک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں ـــــ ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا ـــــ اسکے بعد فرمایا ـــــ پھر اُس پر ستر اژدہے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اگا سکے، پھر یہ اژدہے اُسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہونچا دیا جائے ـــــ ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ـــــ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ :- اسکے سوا کچھ نہیں، کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کیجا چکی ہے۔ اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اُن کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے۔ یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں ستر کا، یا اسی طرح کا کوئی دوسرا بڑا عدد آتا ہے تو اُس سے مراد صرف کثرت اور ہیبت بھی ہو سکتی ہے، الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس رُوح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلا شبہ یہ تیر بہدف علاج ہے صحابۂ کرام میں جو تقویٰ، جو خوفِ خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقِ علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنھوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

(۴) عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اُذْكُرُوا اللّٰهَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ ——— رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو آپ اُٹھتے، اور فرماتے:۔ اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے ہلا ڈالنے والا

قیامت کا بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اسکے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، اُن سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشا وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہلِ ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لئے اُس وقت آپ اُن کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے ——— بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے ——— آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کے لئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اُس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں :-

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَدْلَجَ وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ ——— رواه الترمذي

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یاد رکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے (ترمذی)

(تشریح) عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس کی وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت وعافیت اپنی منزل پر پہونچ جاتا ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملے سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافرِ آخرت کو چاہیئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہونچنے کیلئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزلِ مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے ـــــــ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ :- بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان ومال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے ـــــــ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ـــــــ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ـــــــ الاٰية ـــــــ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے اُن کے جان ومال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان ومال اللہ کی راہ میں قربان کردیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان ومال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کرنیوالے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں :-

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ وَاَکْثَرُھُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰئِکَ الْاَکْیَاسُ ذَھَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَکَرَامَۃِ الْاٰخِرَۃِ ــــــ

(رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- اے اللہ کے پیغمبر! بتلایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے ؟- آپ نے ارشاد فرمایا:- وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی - (معجم صغیر للطبرانی)

(تشریح) جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں -

(۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ ــــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے، جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

(تشریح) دنیا میں کَیِّس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو ——— اور اہل دنیا، جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کیلئے ہے، جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گذاریں ——— اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے ——— اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا لیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقل، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گذارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی

بات نہیں سمجھتے، کہ:۔

گندم از گندم بروید جو ز جو　　　از مکافات عمل غافل مشو

اِس حدیث میں اُن لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اِسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے اُمیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اِس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامرادی ہے ـــــ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی اُمید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو اُمید بے عملی اور بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاء محمود نہیں ہے، بلکہ نفس و شیطان کا فریب ہے۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے:۔

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ـــ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا، کہ:۔ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری

کرتے ہیں؟ ــــــ آپ نے فرمایا: اے میرے صدّیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی وابن ماجہ)

(**تشریح**) سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اِس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں) ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ: کیا اس سے مُراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے، بلکہ گناہگاری کے باوجود اُن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ نہیں! اس آیت سے مُراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گذار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، اور صدقہ وخیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اُنکے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں ــــــ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے "أُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ" (یہی بندے حقیقی بھلائیوں، اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اِس سلسلہ کی اِس آخری

آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش نجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کا قہر و جلال بس اسی ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عباد تگزار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا:۔

(۹) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ أَنَّ رَجُلاً يُجَرُّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى يَوْمِ يَمُوتُ فِي مَرْضَاةِ اللهِ لَحَقَرَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہوں گی، اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارا ہوگا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو، اس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی بازپرس ہوگی :-

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا ــــــــ

(رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔ اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُن کی بھی بازپرس ہونے والی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی بازپرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے ــــــــ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے، اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی اُمت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی

ضرورت ہے تو ہماشما کے لئے اس میں غفلت اور بے پرواہی کی کیا گنجائش ہے ـــــــ
حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے، اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی بازپرس ہونے والی ہے، ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے اور بھاگتے ہیں اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمت خداوندی سے اُمید:-

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَھُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُکَ قَالَ اَرْجُو اللّٰہَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَا یَرْجُوْہُ وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟۔ اُسنے عرض کیا کہ، یا رسول اللہ! میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی اُمید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ۔۔ یقین کرو جس دل میں اُمید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں)

جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اُس کو وہ ضرور عطا فرما دیں گے، جس کی اُس کو اللہ کی رحمت سے اُمید ہے، اور اُس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اُس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بیشک اللہ کا خوف اور اُس کے عذاب اور اُس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

جسکے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا، وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائے گا۔

(۴۲) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ ذِکْرُہٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ ـــــــ رواہ الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (اُن فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

(جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور للبیہقی)

(تشریح) کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اُس کا کوئی عمل بھی اُس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اسلئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان اُس کو نصیب تھا، لیکن گناہ اُسکے بہت تھے اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ اُسکے ساتھ نہیں تھا، بجز اسکے کہ اُسنے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی

موقع پر اسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت:۔

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ ——— رواه ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اُسکے چہرہ پر پہونچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو اُس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ کبھی اُس کو نہ لگ سکے گی ———

"کتاب الایمان" میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اُس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس کا تقاضا اسکے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اُس سے ہوا ہو، تو وہ اُس سے تائب

ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو ــــــــ یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت :۔

(۱۴) عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا۔

(رواہ البزار)

(ترجمہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ :۔ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(تشریح) خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے، کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو، تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے، کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے

جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اُسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا:۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصٰى بَنِيْهِ إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِى الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِى الْبَحْرِ فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ ـــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اُس کی موت کا وقت آیا، تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرکے اُس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہانتک کہ) اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مرجاؤں، تو تم مجھے جلاکر راکھ کردینا، پھر تم میری اُس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا، اور آدھی کہیں دریا میں بہادینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اُسنے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے

پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیگا۔۔۔۔ اسکے بعد جب وہ مرگیا، تو اُسکے بیٹوں نے اُس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اُس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اُڑا دیا، اُور کچھ دریا میں بہا دیا)۔۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اُور تری سے اُسکے اجزا جمع ہوئے (اُور اُس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اُس سے پوچھا گیا۔ تونے ایسا کیوں کیا؟ اُسنے عرض کیا۔ اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔۔۔۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، کہ) اللہ تعالیٰ نے اُس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اُور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اُور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اُس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اُسنے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کردی، اُور بیچارہ یہ سمجھا کہ میری راکھ کے اِس طرح خشکی اُور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی اِمکان نہیں رہے گا۔۔۔۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشاء اُور سبب چونکہ خدا کا خوف اُور اُسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ "لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ" کے بارہ میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اِس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

خدا کا خوف اُور تقویٰ ہی فضیلت اُور قرب کا معیار ہے:۔

(۴۶) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ

إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِّنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَى۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:۔ تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقوے، یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ، اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار بس تقوے ہے (یعنی خوفِ خدا، اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقوے میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اُتنا ہی بڑا اور بلند ہے ——— اسی حقیقت کو قرآن مجید نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"

(۱۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِيهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي تَحْتَ رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا وَقَبْرِي فَبَكَى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا ——— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ

حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی اُن کو کچھ نصیحتیں اُور وصیتیں فرماتے ہوئے اُن کے ساتھ چلے، اُس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اُور حضورؐ خود اُن کی سواری کے ساتھ نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اُور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ:- اے معاذ! شاید میری زندگی کے اِس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اَب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اُور میں عنقریب ہی اِس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا) اُور شاید ایسا ہو، کہ (اَب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ، تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اِس مسجد اُور میری قبر پر گذرو ۔۔۔۔ یہ سُنکر حضرت معاذ (حضورؐ کی وفات کے تصور، اُور) آپ کے فراق کے صدمے سے رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے منھ پھیر کے، اُور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:- مجھ سے بہت زیادہ قریب اُور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اُور تقوے والی زندگی گذارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اُور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضورؐ کے ارشاد کے اِس آخری حصّہ کا مطلب یہ ہے، کہ اصل چیز روحانی تعلق اُور قرب ہے، اُور میرے ساتھ اِس تعلق کا دار مدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنی ہی دُور یمن میں، یا دنیا کے کسی بھی حصّہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اُور تقوے نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اُور گویا میرے ساتھ ہے، اُور اِس کے برعکس کوئی شخص ظاہری اُور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اُور میں اُس سے دور ہوں ۔۔۔۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ

حضرت معاذ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقوے تمہارے دل، اور تمہاری رُوح کو نصیب ہے تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دُور نہ ہوگے ـــــ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقوے والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اُس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اِس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ غالباً اِسلئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہوگئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اِسلئے اُس وقت آپ نے اُن کی طرف سے مُنھ پھیر لیا ہو، محبّت و عقیدت کی دنیا میں اِس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کرا دیا، اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے ـــــ اِس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، اُن سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقوے ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے جس کی بشارت حضورؐ نے اِس حدیث میں دی ہے۔

خوف و خشیت اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے
رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جارہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام کا حال کیا تھا، اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے :-

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ ـــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچا سکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم ہی سے جنت میں جا سکوں گا، آپکے دل کی خوف و خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ "فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا" ـــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہو اُسکی بھلائی کا، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اُس کی بھلائی کا، اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہو اُسکے شر سے، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اُسکے شر سے) اور جب آسمان پر اَبر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گزر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی —— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اِس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا کو اور ابر کو دیکھ کر حضور کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ابر و باد اُس طرح کا ہو جو (حضرت ہود پیغمبر کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب اُن لوگوں نے اُس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابر ہمارے لئے بارش لانے والا ہے —— (حالانکہ وہ بارش والا اَبر نہ تھا، بلکہ آندھی کا ہلاکت خیز طوفان تھا، جو اُن کو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اِس حدیث کا ماحصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور کے قلب مبارک پر اللہ کے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اُسکے خیر کے حاصل ہونے کی اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اِس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت ہود کی سرکش قوم عاد پر اَبر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انھوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی

تھی ——— حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ نا تمام ہیں ——— آخری حصہ یہ ہے : بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلٰت، سورۂ عم یتساءلون، اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کورت) نے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی، اور قویٰ جیسے اچھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اُسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ:- حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا! آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے قرآن مجید کی اِن سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا ——— اِن سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اِس قدر متأثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اِسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا ——— اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلبِ مبارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِىَ اَدَقُّ فِىْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِىْ اَلْمُهْلِكَاتِ ـــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا:۔ تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اُور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا، اُور وہ آخرت کے حساب اور انجام سے اِس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اُور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اُور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اُور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۲۲) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ ـــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اُور میں نے پوچھا، کہ:۔ اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اُور اندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟۔ انھوں نے فرمایا:۔ اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا، کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُولُ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَالِكَ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابوبکر ملے اور انھوں نے پوچھا:۔ حنظلہ! کیا حال ہے؟۔ میں نے اُن سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔ پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا۔ بات یہ ہے کہ:۔ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں،

اُور آپ دوزخ اُور جنّت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اُور جنّت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اُور مشغول کر لیتے ہیں، اُور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے یہ سُن کر فرمایا، کہ:۔ اِس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اُور ابوبکر دونوں چلدیئے، اُور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، یہ کیا بات ہے؟۔ میں نے عرض کیا، کہ:۔ حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اُور آپ دوزخ اور جنّت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنّت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، اُور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں اُور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ قسم ہے اُس ذات کی! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمھارا حال ہمیشہ ویسا ہی رہے جو میرے پاس ہوتا ہے، اُور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمھارے بستروں پر اُور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ (اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

(ف) حضرت حنظلہ کی اِس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ صحابۂ کرام میں آخرت اُور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اُور ذرا سا انحطاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

(۲۴) عن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ قال قال لی عبد اللہ بن عمر ھل تدری ما قال ابی لابیک قال قلت لا قال فان ابی قال لابیک یا ابا موسیٰ ھل یسرک ان اسلامنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھجرتنا وجھادنا معہ وعملنا کلہ معہ برد لنا وان کل عمل عملنا بعدہ نجونا منہ کفافا رأسا برأس فقال ابوک لابی لا واللہ قد جاھدنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلینا وصمنا وعملنا خیرا کثیرا واسلم علی ایدینا بشر کثیر وانا لنرجو ذالک فقال ابی لکنی انا والذی نفس عمر بیدہ لوددت ان ذالک برد لنا وان کل شیء عملناہ بعدہ نجونا منہ کفافا رأسا برأس، فقلت ان اباک واللہ کان خیرا من ابی ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابوبردہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمھیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا، کہ اے ابوموسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلعم کیساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کئے وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کئے، ان سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پاجائیں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہیں ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب) ——— (عبداللہ بن عمر ابوبردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سُن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور اللہ

کی توفیق سے) انکے علاوہ بھی بہت سے اعمالِ خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری اُمید رکھتے ہیں (اسلئے میں تو آپکے خیال سے متفق نہیں ہوں) —— اس پر میرے والد (حضرت عمر) نے پھر فرمایا، کہ قسم اُس ذاتِ پاک کی جسکے قبضہ میں عمر کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو اُن کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپکے بعد کئے اُن سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں —— (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا، کہ :- خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمر) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

(**تشریح**) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی اُمید کیجاتی ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ اُمید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ صلعم کیساتھ جو اعمالِ خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرتؐ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہونگے، لیکن جو اعمال حضورؐ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہلِ معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی سلامتی وکامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ اُن پر عذاب نہ ثواب۔ ؎ طاعتِ ناقصِ ما موجبِ غفراں نشود ✿ راضیم گر مددِ علتِ عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جو یہ فرمایا، کہ خدا کی قسم! میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے، بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے اسلئے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر اُن پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں انکا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے "وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِي طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ"

(اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اُس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑالوں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سُنی ہیں ـــــــ سچ کہا ہے کہنے والے نے:۔ "قربیاں را بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تحقیر اور مذمت

رقاق کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے ـــــــ چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خالص دنیوی اور مادّی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف "رہبانیت اور غلط تصوف کی تبلیغ" کہہ دیتے ہیں اور جب اُن کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرین حدیث کی طرح ان حدیثوں ہی کے بارہ میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں ـــــــ اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید ایمانی مسلّمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

دنیا اور آخرت :-

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گزار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہونچ کر جنت و دوزخ کو اور اس عالم کی اُن تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے ——— الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے ——— ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بخلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہونچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرمادی جاوے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی اُن کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ"[1] اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر ہوگا، اُن کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جا بجا فرمایا گیا ہے:

[1] وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲

"خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا" [1] اور "وَمَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ" [2] اور "لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا" [3]

اِسی طرح اللہ کے پیغمبروں اُور اللہ کی کتابوں کی بتلائی ہوئی اِس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اُور لذّتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذّتیں اُور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذّتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اُور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی سخت سے سخت تکلیف اُور بڑے سے بڑے دکھ کو دوزخ کے ہلکے سے ہلکے درجے کے عذاب سے بھی کوئی نسبت نہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر وسعی بس آخرت ہی کے لئے ہو، اُور دنیا سے اُس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر رہو۔

(۳) لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت اُن کے سامنے ہے اُور آخرت سراسر غیب اُور آنکھوں سے اوجھل ہے، اِسلئے اکثر وبیشتر ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر وطلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے ـــــــ اُن کا حال اِس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اُور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اُور شاندار بنانے والے تعلیمی اُور تربیتی مشاغل اُن کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں، جن کے شفیق ماں باپ اُن کو سمجھا بجھا کر اُن اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لگ کر وہ کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اُور عزّت وعافیت کی زندگی حاصل کرسکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اُور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ

---

[1] وہ ہمیشہ اُسی جہنّم میں پڑے رہیں گے۔ ۱۲

[2] وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۲ [3] اُور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مرکر ہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اُور اُن کے عذاب میں کبھی تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۲

ہمیشہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی ہے، اور آخرت کے مقابل میں دنیا کا جو درجہ ہے، اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا جو مقام ہے وہ واضح کیا جاتا رہا ہے، مگر انسانوں سے اس بارہ میں غالباً ہمیشہ بچوں والی غلطی ہوتی رہی ہے ——— "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔"

(۵) قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے انسانوں کیلئے آخری ہدایت نامہ ہے، اسلئے اس میں اور بھی زیادہ زور اور اہمیت کے ساتھ جابجا مختلف عنوانات سے دنیا کی بے قیمتی اور ناپائداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا ہے :۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔

(النساء ع ۔ ۱۱)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا متاع تو بہت ہی قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا :۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

(الانعام ع ۔ ۴)

اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں۔

کہیں ارشاد ہوا :۔

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ

یہ دنیوی زندگانی (اور یہاں کا ساز و سامان) تو

لہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ۔ ۱۲

إِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۔۔۔ (المومن ع ۵)

بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

کہیں فرمایا گیا:۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحدید ع ۳)

اور آخرت میں (مجرموں اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے ۔۔۔ اور یہ دنیوی زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

(۶) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح وبہبود کے مقام تک پہونچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دُنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ جی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر وقیمت اور جو اہمیت ہے اُس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اُس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اُس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور " اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ " اُس کے دل اور اُس کی رُوح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسکا نقش کرتے تھے۔

لہ اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۷) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہونچنے کا زینہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت :-

(۲۵) عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ ـــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) روایت ہے مستورد بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کو نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی ـــــــ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے ـــــــ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلّم مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود اور غیر متناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

جب حقیقت یہ ہے تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کے لئے تو خوب جد و جہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ[1] مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ. قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بکری کے ایک بوچے مُردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے اُن سے آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اِس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انھوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا، قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مُردار بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مُردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھن سے منھ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اِس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ یہ مُردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اُسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے اس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

---

[1] یہ حدیث کے لفظ اَسَکّ کا ترجمہ ہے یعنی بن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اُسکے کان نہ ہوں یا بہت چھوٹے ہوں، یا کٹے ہوئے ہوں، ان تینوں صورتوں کیلئے اَسَکّ کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اُردو میں ان ہی معنی کیلئے "بوچا" استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

(۲۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر وقیمت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی خدا اور رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر وقیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر وقیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت :۔

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ـــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

(تشریح) قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ بیچارہ ناچار ہر

معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے ۔۔۔۔ اور اس کے برعکس جنّت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کے لئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گذارے گا، اور اس کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گذرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنّت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنّت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ	جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارا دل چاہے
تَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا	اور جسکے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت
خَالِدُونَ ﴿زخرف - ع - ۷﴾	و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ رہوگے

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا :۔

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا	جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے

پس اس عاجز کے نزدیک اِس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور یہ حقیقت پیشِ نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنّت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگاتا، اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اِس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اُس نے اِس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو۔

(۲۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی ــــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

(مسند احمد شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی، اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پس پشت ڈال دے گا، یا اس کے لئے بہت کم جد وجہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔
اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصل سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی، اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد وجہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ سکے گا، پس صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دُنیا لعنتی ہے :-

(۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اُس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اُس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردود ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اُس سے تعلق ہے، خاصکر علم دین کے عالمین اور متعلمین سو اُن پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور اور محروم اور قابل لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اسکے تعلق سے، اور دین کے علم اور اسکے تعلّم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دُنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا:۔

(۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ مِنْ اَحَدٍ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاہُ؟ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کَذٰلِکَ صَاحِبُ الدُّنْیَا لَا یَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ ____

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔ کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ ____ عرض کیا گیا: حضرتؐ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ اسی طرح دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) صاحب الدنیا (دنیادار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیادار نہ ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے:۔

(۳۲) عَنْ قَتَادَۃَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا حَمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یَظَلُّ اَحَدُکُمْ یَحْمِیْ سَقِیْمَہُ الْمَاءَ ____ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) قتادہ بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہونچتا ہو)۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو سرائے سمجھو:۔

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ـــــ

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ، دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گذر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس

دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے، اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اسی دنیا میں ہے ——— جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کرلی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت اسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہوگئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کرسکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی ——— اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:-

(۳۴) عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ——— رواہ الشافعی۔

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ:۔ سن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل

حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے
مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اُس کی
تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دُکھ اور اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں
——— پس خبردار خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے
وقت آخرت کے انجام کو پیشِ نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ
اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی،
وہ اُس کو بھی دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی
پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

(تشریح) انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے
کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گذارے، اور دینی
نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے ——— اور یہ
اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں
سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے
دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے،
اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب
کا یقین اُن کے دلوں میں اُتارنے کی کوشش کی جائے ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ
میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

(تنبیہ) یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت
میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح
اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت

کم ہوگیا ہے، گویا نہیں رہا ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اُسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔

دنیا سے نہ لپٹو، آخرت کے طالب بنو:-

(۴۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِي الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْاٰخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِ الْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- میں اپنی اُمت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، اُن میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہَوٰی اور طُولِ اَمَل ہے (ہَوٰی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے، اور طولِ اَمَل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارہ میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ہَوٰی تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُولِ اَمَل (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اُس کی فکر اور اُس کے لئے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد آپ نے

ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دمبدم چلی جارہی ہے، گذر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آرہی ہے، اور ان دونوں کے بچے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کرسکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دار العمل سمجھو) تم اس وقت دار العمل میں ہو (یہاں تمھیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کرکے) دار آخرت میں پہونچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا)۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور اُمت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ھوٰی، اور دوسرے طُولِ اَمَل ——— غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے اُمت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جو لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ھوٰی کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طولِ اَمَل اور حبِ دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج بس یہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا ——— یعنی اُن کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے ——— جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی

(۳۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے، کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انھوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے، جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل مقصدِ زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا ـــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا ـــــــ اس حدیث میں آپ نے ازراہِ شفقت امت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آجانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے

ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔
آپ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنا فتنہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اِس اُمت کا خاص فتنہ دولت ہے:۔

(۳۷) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ ۔ ــــــــــــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہو گی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی، کہ وہی اس اُمت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہو گا ــــــ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے)۔
ــــــ اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبوی سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہو گا، کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہ ہی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔
بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

ــــــــــــــــ

حبِّ مال اور حبِّ جاہ دین کیلئے قاتل ہیں :-

(۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ ـــــــ رواہ الترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ وہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزّت وجاہ کی حرص کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حبِّ مال اور حبِّ جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوٹے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے :-

(۳۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اِثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقتور ہوتی رہتی ہیں ــــــ ایک دولت کی حرص، اور

دوسری زیادتیٔ عمر کی حرص۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا "پاسبانِ عقل" کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑجاتی ہے، تو ان خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں "ہوس" کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے کہنے والے نے صحیح کہا ہے:۔

بیخہائے خوئے بد محکم شدہ   قوتِ برکندنِ آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کرلی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ الْأَمَلِ ـــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ بوڑھے آدمی کا دل دوؔ چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

(تشریح) جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین

نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاءِ الٰہی اور نعمائے اُخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی :۔

(۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ ۔۔۔۔۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس ختم نہ ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جاکر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کرلے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جاکر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے ۔۔۔۔۔ البتہ جو بندے

دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رُخ اللہ کی طرف کرلیں، اور اُس سے تعلق جوڑ لیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اِس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

طالب آخرت کا قلب مطمئن رہتا ہے، اور طالب دنیا کا دل پراگندہ اور غیر مطمئن:-

(۴۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَلَا يَاتِيْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ ـــــــ رواه الترمذی ورواه احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اُس کا مقصدِ اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی نامحتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرما دیں گے، اور اُس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے، اور دنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی، اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہو گا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اور اُس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے، اور اُس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہو گی) اور (ساری تگ و دو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اُتنی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے

مقدر ہو چکی ہو گی۔

(اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے
اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے
حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اُس کو قناعت نصیب فرما کر اُس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرما دی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اُس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اُس کے پاس آجاتا ہے ——— اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشاں حالی اُس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اُس کے چہرے پر اور اُس کی پیشانی میں اُس کے آثار نظر آتے ہیں اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اُس طالب دنیا کو بس وہی ملتا ہے، جو پہلے ہی سے اُس کے لئے مقدر ہے ——— پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اُس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے ؟ :-

(۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِیْ مَالِیْ وَاِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَالِهٖ ثَلٰثٌ مَا اَكَلَ فَاَفْنٰی اَوْلَبِسَ فَاَبْلٰی اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پُرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعۃً اور حقیقۃً اُس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ درحقیقت اُس کا نہیں ہے بلکہ اُن وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا:- ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی

مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا:۔ جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کے لئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کے لئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سلنت سینت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے)

(صحیح بخاری)

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلٰئِکَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْا دَمَ مَا خَلَّفَ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمالِ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا؟۔

(شعب الایمان للبیہقی)

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم:۔

(۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:- بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دُور رہے۔ (ترمذی)

(تشریح) جو لوگ مال و دولت اور روپے پیسے اور درہم کے پرستار ہیں اور انھوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنا لیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بد دعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دُور رہیں۔
مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اُس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضورؐ کا ارشاد، کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

(۴۷) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُونَ مِنَ التَّاجِرِينَ وَلٰكِنْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السّٰجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ○ ——— رواہ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) جُبَیر بن نُفَیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا:- مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں ——— بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید

---

[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں، اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث اُن کو پہونچی ہوتی ہے اُن کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مُرسَل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو "ارسال" کہتے ہیں ۱۲۔

میں مشغول رہو، اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کئے جا بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

(تشریح) جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانتداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں ــــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرما دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو ان ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ کے امتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرزِ زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت ان کو میسر ہو، تو ان کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جن کا یہ حال نہ ہو، ان کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاص کر ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش، اور آپ کی فقر پسندی:۔

(۴۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِيَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ

وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ ــــ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اس کے سنگریزوں کو) سونا بنادے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ ایک دن پیٹ بھر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی جس حالت میں زندگی گذاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائینگی)۔

سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ:-

(۴۹) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَغْبَطُ اَوْلِيَائِيْ عِنْدِيْ لَمُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ

لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلَى ذَالِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے سازوسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اس کی روزی بھی بقدرِ کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو ـــــــ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان واحوال مختلف ہیں، لیکن ان میں بہت زیادہ قابلِ رشک زندگی ان اہلِ ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے سازوسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، اگر نماز اور عبادات میں ان کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا

کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدر کفاف لیکن وہ اس پہ دل سے صابر و قانع ——— جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابلِ رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

خوش حالی چاہنے والی بیوی کو ابوالدرداءؓ کا جواب :-

(۵۰) عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِی الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ ———

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداء سے کہا، کہ:- کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ :- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ :- تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے، اُس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کرسکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اُس گھاٹی کو عبور کرنے کے لئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دورِ حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالبین اور اہلِ حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور اُن کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے اُن کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا ـــــ لیکن بعض صحابہ کرامؓ اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، اُن ہی میں سے حضرت ابو الدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصّہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشوار گذار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لاد لیں گے، وہ آسانی سے اُن گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو:ـ

(۱۵) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ ـــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ـ دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ موت مؤمن کے لئے فتنے سے بہتر ہے، اور دوسری وہ مال کی کمی اور نادانی کو

نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے، حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے ــــــ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

عفیف اور عیالدار مفلس بندہ اللہ کا محبوب ہے:۔

(۵۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ ــــــ رواہ ابن ماجہ۔

(ترجمہ) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مومن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود با عفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

(تشریح) بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مشتبہات

سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگان خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) والی جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی اُن کے لئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ:۔

(۵۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص بھوکا ہو، یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کرکے اُن سے سوال نہ کرے) تو اللہ عزّ و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمالیا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اُسکی شانِ کریمی پر

دل کے پورے یقین کے ساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زہد اور اُسکے ثمرات و برکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت کچھ دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے، اور بندوں کے، محبوب بن جاؤ گے :۔

(۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ وَازْهَدْ فِيْ مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلائیے کہ جب میں اُس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں ــــــ آپ نے فرمایا کہ :۔ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اُس سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو، تو

مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ ـــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رُخی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے، تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القا ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اِسلئے اُسکی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے ـــــ قرآن مجید میں حکمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ :-

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔	جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ :-

(۵۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَأَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهُ وَبَصَّرَهُ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا وَأَخْرَجَهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ ـــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :- جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیش و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھائے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القاء کی جاتی ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں :-

اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِىْ قَلْبِهٖ   اللہ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشو و نما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا ان کو آنکھوں سے دکھا دیئے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے ــــــ اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے، اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے :-

(۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ ـــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا، تو نصیحت فرمائی، کہ :- معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا۔ اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ

جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے، تو اُس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی، اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے :-

(۵۸) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِتِلْکَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ

لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ ــــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے۔ تو کشادہ کر دیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کے لئے اُس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔ نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھُل جاتا ہے۔ ــــــــ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اچاٹ ہو جانا (یعنی زندگی میں زہد کی صفت آجانا) اور آخرت جو ہمیشہ قیام کی جگہ ہے، طبیعت کا اُس کی طرف رجوع ہو جانا، اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جانا (یعنی توبہ و استغفار، اور معاصی سے اجتناب، اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبۂ ربّانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کے لئے کھُل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اُس کی تیاری یہ ساری چیزیں اُس کی زندگی میں اُبھر جاتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہو گیا، اور جذبۂ ربّانی اسکے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس اُمّت کے صلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے :-

(۵۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْیَقِیْنُ وَالزُّھْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِھَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) روایت ہے عمرو بن شعیب سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے، اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- اس امّت کی پہلی نیکی اور بہتری یقین اور زُہد ہے اور اس کی پہلی خرابی بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اس امّت کی صلاح و فلاح اور اسکے کمالات و ترقیات کی بنیاد اس کی دو صفتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زُہد، اور جب اُمّت میں بگاڑ شروع ہوگا، تو سب سے پہلے یہ ہی دو صفتیں اس میں سے جائیں گی، اور ان کی ضد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی: اور اس کے بعد خرابیوں اور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اُمّت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے :- اس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے، اور جو اچھی یا بُری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے[۱] ـــــ اور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں آتا ہے "اللھم انی اسئلک ایمانا دائما یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انہ لا یصیبنی الا ما کتبت لی" اور ایک اور دعا کے الفاظ ہیں "اللھم اقسم لنا ... من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا" ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔۱۲

معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان و مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا، یعنی صاحب یقین اور زاہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے، اور اللہ کی راہ میں، زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے ——— اور جب مومن اِن صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اُس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہوگا تو زندگی اچھی گذرے گی، اور مال نہ ہوگا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور بخل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں اَمَل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور اَمَل پیدا ہو جانے کے بعد مومن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خاص غرض و غایت اور اس میں اُمت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ اُمت کی صلاح و فلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی، اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جد و جہد کی جائے، اور بخل اور اَمَل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، اُمت کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں ہے:۔

(۶۰) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ

فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِي يَدَيِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی (جو خاص ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے پر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس اور تمھارے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گواری پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تمھارے دل میں زیادہ ہو بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(تشریح) بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ نہ کبھی لذیذ کھانا کھائے، نہ ٹھنڈا پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے، اور اگر کہیں سے کچھ آجائے، تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے پر حرام کرلے، اور اگر روپیہ پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کردے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو

اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، اور اس کے مقابلے میں اللہ کے غیر فانی غیبی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے، اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہونچ جائے تو اس کے اُخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہونچنے کی آرزو سے زیادہ ہو، یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دل اُس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہونچی ہوتی، اس کے دل کا احساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاء اللہ وہ تکلیف نہ پہونچنے کے مقابلے میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا ——— اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو ——— اور یہی زہد کی اصل و اساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے! دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے، اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استدعا کیا کرو (سَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذرؓ کی مندرجۂ بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعا یا تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہونچ جائے، تو پھر مومن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اس کے نہ پہونچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو، اِن دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہدِ نبویؐ

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی :۔

(۶۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ ـــــــ رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان رواہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ :۔ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا، اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی وشعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے، تو آپ نے عرض کیا کہ :۔ نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا، اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام ومنصب تھا، اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لئے یہ فقر ومسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب وبہتر تھی ـــــــ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت وطمانیت اور رضا وتسلیم نصیب فرمائے، تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر سے

بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَفِیْ رِوَايَةٍ كَفَافًا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ۔ اے اللہ! محمدؐ کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قُوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشاں حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے ——— احادیث وسیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی طرح گذری۔

حضورؐ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن جَو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضورؐ اس دنیا سے اُٹھا لئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۴) عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ ــــــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) سعید مقبری حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور اُن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، اُن لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ صلعم نے دنیا میں جو تکلیفیں اُٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اُٹھائیں

(۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ

وَمَالِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَّاْکُلُہٗ ذُوْکَبِدٍ اِلَّا شَیْئٌ یُّوَارِیْہِ اِبْطُ بِلَالٍ ــــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سبق دینے کیلئے یہ آپ بیتی سنائی، کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہونچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گذرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گذرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اُٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اِس حالت میں گذر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اُسی پر گذارہ کرنا پڑا۔

دو دو مہینے تک حضورؐ کا چولھا ٹھنڈا رہتا تھا:۔

(۶۶) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ لِعُرْوَۃَ اِبْنَ اُخْتِیْ اِنْ کُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَی الْھِلَالِ ثَلٰثَۃَ اَھِلَّۃٍ فِیْ شَھْرَیْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ

فِي أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا
كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ اَلْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّهُ
قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْرَانٌ مِنَ
الْاَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِيْنَاهُ ۔۔۔۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا:۔ میرے بھانجے! ہم (اہلبیت نبوت اِس طرح گذارہ کرتے تھے، کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گذر جاتے تھے) اور حضورؐ کے گھروں میں چولھا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) ۔۔۔۔۔۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے، اُن کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اِس قدر تھی کہ حضورؐ کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گذر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولھا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضورؐ کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیٹوں میں پہونچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!۔

آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے :-

(۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَإِنَّمَا كَانَ عَشَاءُهُمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ .... رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گذرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو اُن کا رات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

جب آپ کی وفات ہوئی، تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی :-

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جَو قریب ڈھائی مَن کے ہوئے .... حدیث کا

مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف بیمار جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت:-

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جا سکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں:- ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے، اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ ان سے اٹھائیں، اس لئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں ان کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں، اور ایمان اور رضاء الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں —— چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا

یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کو آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اسلئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو بغیر لئے نہیں جاؤں گا، چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گذر گیا اور رات بھی گذر گئی، اور حضورؐ نے اس دوران میں اس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشا، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ نہیں ہلا، بعض صحابہ کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے چپکے چپکے اس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گذرنے کے بعد اس یہودی نے کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا تھا، کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو توراۃ میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبیؐ موعود ہیں، اسکے بعد اُسنے کلمۂ شہادت پڑھا، اور اپنی ساری دولت حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا: ”هٰذَا مَالِي فَاحْكُمْ فِيهِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ“ یہ میرا سارا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اسکے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔

(مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپکا جواب:-

(۶۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ

قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا
لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ
فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ
اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ
طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ
لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتّوں سے بُنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اُس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں، اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا، کہ: حضورؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امّت کو فراغی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراغی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں: آپ نے فرمایا:۔ اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اسلئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ اُن کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں - اور ایک روایت میں حضورؐ کا جواب اِس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپنے فرمایا:۔ اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اُن کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور

ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دُکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضورؐ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اسلئے عرض یہ کیا، کہ حضورؐ اپنی اُمت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں، اور اسکے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کردیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے، کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی اُمت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی اِس گذارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ، اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! ———

روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر للچانا، اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام!۔

میں اِس دُنیا میں اُس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کیلئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو:-

(۷۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَامَ عَلَى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَ لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا ——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعود نے عرض کیا، کہ اگر حضور فرمادیں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا انتظام کریں، اور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا۔ مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے، جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا، اور پھر اس کو اپنی جگہ چھوڑ کے منزل کی طرف چل دیا۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے ——— اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اِسکے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا ——— اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے

اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کار حماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کے لئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

دولت اگر صلاح و تقوے کیساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے:۔

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زہد کی فضیلت میں گذر چکی ہیں، اگرچہ اُن کی تشریح میں جا بجا اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے ـــــ لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے، تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے ـــــ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷) عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَاْسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ ـــــــــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے سر مبارک پر اسوقت پانی کا

اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا :- یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا، اور دل بہت خوش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا :- ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہلِ مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری، اور دین اور آخرت کے لئے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا، کہ :- جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے) ۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکامِ شریعت کی پابندی نصیب ہو، تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہونچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ ان کے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقعوں پر ان کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں ـــــــ البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکرِ آخرت اور اتباعِ شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں ۔ ع

" چوں بدولت برسی مست نگردی مردی "

(۷۲) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔ (مسلم)

(تشریح) "چھپا ہوا" ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ تقوے میں بھی اس بندۂ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت:۔

(۷۳) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰی أَهْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا مُکَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی وَهُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابو نعیم فی الحلیۃ۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل

کرنا چاہیے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اِس شان کے ساتھ حاضر ہوگا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا ——— اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعے سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھا سکے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لئے داد و دہش کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اِس حال میں حاضر ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اُس پر سخت غضبناک ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی و حلیہ ابی نعیم)

(**تشریح**) معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہوگا جس کے نتیجہ میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۴۷) عَنْ اَبِیْ کَبْشَةَ الْاَنْمَارِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا

فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ
مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَیْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ
بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهَا
بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا
لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ یَتَّقِیْ فِیْهِ
رَبَّهٗ وَیَصِلُ رَحِمَهٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰهِ فِیْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ
الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ
صَادِقُ النِّیَّةِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ
فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ یَرْزُقْهُ عِلْمًا
فَهُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْهِ رَبَّهٗ وَلَا یَصِلُ
فِیْهِ رَحِمَهٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ
وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ
لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِیَّتِهٖ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) ابوکبشہ انماری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے، کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم
کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان
کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کرلیجیو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا
ہوں، اُن میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں
ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی
مفلس ونادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا

کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانۂ غیب سے اُس کو دیتا رہے گا)۔
اُور (دُوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کبھی بندہ پر ایسا ظلم
جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اسکے عوض بڑھا دے گا
اُس کی عزّت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر
ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو ستایا جائے، اُور وہ بندہ صبر کرے،
تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض اس کی عزّت و رفعت دنیا میں بھی بڑھائے گا)۔
اُور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ،
مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے
ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ
فقر و محتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔
اسکے بعد آپ نے فرمایا) ـــــ اُور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے
بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اُور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ
دُنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی
ہیں) ـــــ ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اُور صحیح طریق بندگی
کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے
ڈرتے ہیں، اُور اسکے ذریعہ صلۂ رحمی (یعنی اپنے اعزّہ و اقارب کے ساتھ سلوک
اُور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اُور اس میں جو عمل اُور تصرّف کرنا چاہیئے
اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل
مرتبہ پر فائز ہیں ـــــ اُور (دُوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے
صحیح علم (اُور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا، پس اُنکی

نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں، (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو حُسنِ نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا) ——— اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ طلائی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلۂ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اُس کو صرف و استعمال کرنا چاہیئے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں ——— اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس یہی اُن کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو اُنکی بُری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا، جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے نفسِ مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دی گئی ہے، البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گو یا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق، اور اپنی طرف سے

اسکے کر گذرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اِس درجہ کی ہوگی، تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معصیت کی زندگی کیساتھ اگر دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے:۔

(۷۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اُس کے حق میں استدراج ہے ——— یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الاٰية :۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ——— جب انھوں نے بھلا دیا اُن باتوں کو، جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے کھول دیئے اُن پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے اور اترائے، تو ہم نے ایک دم

ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کیلئے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔ (مسند امام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں، جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک "استدراج" بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گذارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسّی اور دراز کر دی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس غفلت فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے —— دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے —— پس مندرجۂ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گذار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں، اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر اُنڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسّی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو:-

(۷۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَاقٍ

بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِى النَّارَ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اُس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں ــــــــ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس "قاتل" سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بیچارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنہ)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے، تو شیطان اُسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے ــــــــ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہیے، ان بیچاروں، بدبختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو بیتنا

پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کرکے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُسنے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے۔

اِس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہلِ دنیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ	ساری حمد و ستائش اُس اللہ کیلئے ہے،
مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ	جسنے مجھے اِس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں
عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔	اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے
	مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اُس کو حقیر نہ سمجھو:-

(۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَا رَأْيُكَ

فِیْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِیٌّ
اِنْ خَطَبَ اَنْ یُّنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ یُّشَفَّعَ، قَالَ فَسَکَتَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْیُکَ فِیْ هٰذَا؟ فَقَالَ
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ هٰذَا حَرِیٌّ
اِنْ خَطَبَ اَنْ لَّا یُنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَّا یُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ
اَنْ لَّا یُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ :- اِس گذرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے ؟ - انھوں نے عرض کیا کہ :- حضرت! یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے ـــــ
سہل بن سعد کہتے ہیں، کہ یہ جواب سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گذرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ :- اِس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے ؟ - انھوں نے عرض کیا :- یا رسول اللہ یہ بیچارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا

پیام دے، تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔ اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات بھی نہ سُنی جائے۔ (اُن کا یہ جواب سُن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ پہلے والے اُس آدمی کے مثل اگر زمین بھر ہوں، تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں۔ اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اُس سے خالی ہوں (اگرچہ اُن کے پاس ایمان اور حُسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہلِ دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اِس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے اُن کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گذرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گذرے وہ دنیا کی دولت و وجاہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گذرے، وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر ـــــــ اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے، تو بھی بعد میں گذرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے ـــــــ اللہ اکبر! دین، اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!۔

(۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ
لَاَبَرَّہٗ ــــــــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک اُن کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں، تو اُن کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔

(مسلم)

(تشریح) اِس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو مَیلا کچیلا، خستہ حال، اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کے لئے اپنے کو مٹا کر اُسکے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ویسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پراگندہ بالی اور گرد آلودگی اور مَیلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اِس حال میں دیکھا، کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انھوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے، تو آپ نے اُن کو اپنی اِس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اِس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے، کہ لوگ

پراگندہ بال، میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے رہا کریں، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں ——— پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے ان کے ساتھ ملنے جلنے اور اُن کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ اُنکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے:۔

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ ———

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست، وغیرہ، ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں، وہ اُن کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُنکے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ تمہاری صلاحیتوں اور

قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ تم میں جو بیچارے کمزور اور خستہ حال ہیں،
اُن کی برکت اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

(تشریح) حضرت سعد کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی اسلئے
اس کی اصلاح اور اس کے علاج کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تم جن
مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں،
اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو
آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت
کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

(ف) اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ
اس طرح ہیں:- "اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاُمَّةَ بِضَعِیْفِھِمْ بِدَعْوَتِھِمْ وَصَلٰوتِھِمْ
وَاِخْلَاصِھِمْ" ______ ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اور مطلب میں صحیح بخاری
کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ
سَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْہِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ
فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْہُ ______ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:- جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی
بناوٹ، یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے
اسکے دل میں حرص وطمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہیے کہ کسی ایسے
بندہ کو دیکھے، جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص وطمع اور

...... ضعفاء کی دعاؤں اور نمازوں اور ان کے اخلاص ہی کی وجہ سے کرتا ہے۔

شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو) (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور اُن کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت، اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدَى بِهِ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ اللهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا ـــــــ رواه الترمذی

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملہ میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے، جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور

دنیا کے معاملہ میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اِن بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا ـــــــ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے، اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے، اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

(تشریح) شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں، تو اس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھرپور مل گئی ـــــــ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنا لے، کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے بندوں پر نظر رکھا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاق میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے، جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں، اور اُن کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دی گئی ہے اس کو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

اگر حُسنِ عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۸۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ

شَرٌّ؛ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ ــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی، اور اسکے اعمال اچھے رہے ــــــــ پھر اسی سائل نے عرض کیا، کہ:۔ آدمیوں میں زیادہ برا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اسکے برے رہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اسی قدر اسکے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جس کے اعمال واخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے، اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۸۳) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ صَلٰوتُهٗ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

(ترجمہ) عبید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہو گئے، پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا، کہ:۔ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انھوں نے عرض کیا، کہ:۔ ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب ورضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہونچا کے) اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کرے (تا کہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) —— یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے، جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اسکے وہ روزے کہاں گئے، جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے —— (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے، جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ کر دے حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے، اور جو دوسرے اعمالِ خیر کئے، تمھیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلا شبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے ——— نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی، اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے، اسلئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر نے ان کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِيْ عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفِلُنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا، فَكَانُوْا

عِنْدَهُ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ أَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْآخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهِ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِرَاشِهِ أَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتُشْهِدَ آخِرًا يَلِيْهِ وَأَوَّلُهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَقَالَ وَمَا أَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ؟ لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ ــــــــ رواہ احمد

(**ترجمہ**) عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عُذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام لائے (اور حضورؐ کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابۂ کرام سے) فرمایا، کہ :- ان نومسلم مسافروں کی خبرگیری میری طرف سے کون اپنے ذمّہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا، کہ :- میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہوگئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا، تو ایک دوسرے ساتھی اُس میں چلے گئے، اور وہ بھی جاکر شہید ہوگئے۔ پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہوگیا ــــــ (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں، کہ طلحہ نے ذکر کیا، کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے، وہ سب سے

آگے ہیں، اور ان کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(**تشریح**) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے ——— اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے، تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے، جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گذارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے، وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

(۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ـــــــ رواہ احمد والترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ: تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، دارمی)

(تشریح) تقوے کی اصل خدا کا خوف اور اسکے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے، اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے ـــــــ لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا، کہ جب کوئی غلطی اور بُرائی ہو جائے تو اسکے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کر دیگا اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔

(نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں) ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حُسنِ اخلاق کا ہو ——— معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکفیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاء الٰہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

(۸۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ وَّلَا تَکَلَّمْ بِکَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْہُ غَدًا وَّاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے، اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہیے تم ہر نماز ویسی پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جسکی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے، اور تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کرلو (یعنی تمہاری اُمیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی اُمیدوں کو بالکل منقطع کرلو)۔

(مسند احمد)

(۸۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَا وَالْفَقْرِ، وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کردینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں:۔ ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے، حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں، اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں ــــــ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں:۔ وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے)۔ اور آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے، اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے، اور اسی طرح بعض خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلّم اور مربّی کا طرز یہی ہونا بھی چاہئے) ــــــ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے، اور حضور کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اُس کا شعار ہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے،

اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے ——— اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے ——— آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اسلئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے ——— اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِىْ طُعْمَةٍ ———

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں، تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھاٹا نہیں۔- امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسنِ اخلاق، اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی محتاط اور پرہیزگار ہو یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور

مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اس کی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

(۸۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَہٗ سَلِیْمًا وَّلِسَانَہٗ صَادِقًا وَّ نَفْسَہٗ مُطْمَئِنَّۃً وَّخَلِیْقَتَہٗ مُسْتَقِیْمَۃً وَّجَعَلَ اُذُنَہٗ مُسْتَمِعَۃً وَّ عَیْنَہٗ نَاظِرَۃً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقَمِعٌ وَاَمَّا الْعَیْنُ فَمُقِرَّۃٌ لِّمَا یُوْعَی الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَہٗ وَاعِیًا ـــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اسکے قلب کو صحیح و سالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اسکے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اسکے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اسکے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اسکے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس

کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اسکے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہونچانے والی، اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور بامراد اور کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کے آخر حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے :-

"فاما الاذن فقمع الخ" جس کے ترجمہ پر امتیاز کے لئے خط لگا دیا گیا ہے، اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہونچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہونچتی ہیں، اسلئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اسکے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنا دے ____ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یاب اور بامراد ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا" ____ مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہونچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہونچیں اُن سے بھی منزلِ سعادت تک جب ہی پہونچا جا سکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اسلئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دارومدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

(۹۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ

قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اُٹھانا چاہیئے وہ اُٹھالو ـــــــ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے، اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اِسلئے اُس کو چاہیئے، کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے، تو اس کو غنیمت، اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہو اُس وقت کرلے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کرسکنے کے قابل رہے گا، یا نہیں ـــــــ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اُٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اور رسائی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کرلے، اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشاں حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کرلے اور کام لے لے، اور زندگی کے بعد بہرحال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کر دینے والی ہے، اور اسکے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اِسلئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھے، اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

(۹۱) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا

يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ اِلَّا غِنًى مُطْغِيًا اَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْهَرَمًا مُفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ــــــــــ

(رواہ الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اُور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اُور محتاجی کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھو دینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک آنے والی اُور فنا کر دینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دجال کے ــــــ اُور دجال بدترین غائب ہے، جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اُور قیامت بڑا سخت حادثہ اُور بڑا کڑوا گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اُور فراغت کو غنیمت نہیں سمجھتے، اُور اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ رضاء الٰہی اُور فلاحِ اُخروی کے لئے عملی جد و جہد سے غافل ہو کر تن آسانی میں اپنا وقت گذار رہے ہیں، گویا وہ اِسکے منتظر ہیں کہ مذکورۂ بالا بلاؤں اُور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اُور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اُور اُسوقت آخرت کی فکر اُور تیاری کرینگے۔

(۹۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ ــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ قیامت کے دن (جب حساب کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جبتک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے گا ـــــ ایک اُس کی پوری زندگی اُور عمر کے بارے میں، کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا ـــــ اُور دُوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اُور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں، کہ کن مشاغل میں جوانی اُور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اُور پُرانا کیا، اُور تیسرا اُور چوتھا مال و دولت کے بارے میں، کہ کہاں سے اُور کن طریقوں اُور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا، اُور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا، اُور پانچواں سوال یہ ہوگا، کہ جو کچھ معلوم تھا اُسکے بارے میں کیا عمل کیا؟۔ (جامع ترمذی)

(ف) ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اُور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے، اُور ذرا سوچے، کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کر کے جب مجھ سے سرِ محشر یہ سوالات کئے جائیں گے، تو میرا حال اُور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اُور اپنے کرم سے آسانی فرمائے، ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اُور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہونچنے سے پہلے اِسی دنیا میں تیاری کرلیں، اُور زندگی اس طرح گذاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اُور سرخرو ہو سکیں۔

(۹۳) عَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِهٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ قُلِ السَّلَامُ

عَلَيْكَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ
اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَاِنْ اَصَابَكَ عَامُ
سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ اَنْبَتَهَا لَكَ وَاِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ
فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اِعْهَدْ اِلَیَّ
قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَّلَا عَبْدًا
وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ
وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذَالِكَ
مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰی نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ
اَبَيْتَ فَاِلَی الْكَعْبَيْنِ وَاِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا
مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَاِنِ امْرَءٌ
شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ
فَاِنَّمَا وَبَالُ ذَالِكَ عَلَيْهِ ـــــــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) ابوجُرَی جابر بن سُلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہونچا (اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اُس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُسکے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن کو جو کچھ بتا دیتا ہے اُس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اُس کو دل وجان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا، کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، پس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا "عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!" یہ میں نے دو دفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلَامُ" نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے۔ (یعنی اہل جاہلیت اِس طرح مُردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اِس کے)

"السلام علیک" کہو۔ میں نے عرض کیا:۔ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی دُکھ اُور تکلیف ہو، اُور تم اُس سے دُعا کرو، تو وہ تمہارے دُکھ کو دُور کر دے، اُور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اُور تم اُس سے دعا کرو تو تمہارے لئے وہ زمین سے پیداوار پیدا کر دے، اُور جب تم کسی جنگل بیابان میں اُور لق و دق میدان میں ہو، اُور تمہاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اُور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری سواری کے اُس جانور کو تمہارے پاس پہونچا دے ——— (حدیث کے راوی جابر بن سُلیم کہتے ہیں، کہ) میں نے آپ سے عرض کیا، کہ:۔ مجھے کچھ نصیحت اُور وصیت فرمائیے! ——— آپ نے ارشاد فرمایا:۔ (تمھیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں اسکے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اسکے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضورؐ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اُور تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک طرح کا احسان اُور حُسنِ سلوک ہے، اُور اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اُور تہبند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے، اُور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اُور اگر کوئی تمہیں گالی دے اُور تمہاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کر کے تم کو عار دلائے، جو وہ تمہارے بارے میں جانتا ہو، تو تم ایسا نہ کرو، اِس صورت میں اُسکی اِس ساری زباندرازی کا پورا وبال اُسی پر ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(۹۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ

يعلمهن؟ قلت أنا يا رسول الله فأخذ بيدي فعد خمسا فقال
اتق المحارم تكن أعبد الناس وارض بما قسم الله لك تكن
أغنى الناس وأحسن إلى جارك تكن مؤمنا وأحب للناس
ما تحب لنفسك تكن مسلما ولا تكثر الضحك فإن كثرة
الضحك تميت القلب ــــــــ رواه احمد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:۔ کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟۔ میں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں ــــــ تو آپ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں ــــــ فرمایا:۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو، اور اُن سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو (اور یہ عبادت نفلی عبادات کی کثرت سے افضل ہے) ــــــ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ:۔ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولتمند ہو جاؤ گے ــــــ اور تیسری بات یہ کہ:۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم مومنِ کامل ہو جاؤ گے ــــــ اور چوتھی بات یہ کہ:۔ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے، تو حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے ــــــ اور پانچویں بات یہ ہے کہ:۔ زیادہ مت ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کے لئے، اور اُن کے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا، کہ:۔ میں اِس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون اِن کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اُس کو ان باتوں کا یہ حق اُدا کرنا ہوگا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اُس پر دو حق ہیں، ایک تو یہ کہ خود ان پر عمل کرے، اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہونچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے، تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں، وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔
پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ:۔ بڑا عبادت گذار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نفلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو ——— دوسری بات یہ فرمائی، کہ:۔ اللہ کی طرف سے جو مقسوم اور مقدر ہے اُس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے ——— تیسری بات یہ، کہ:۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمالِ ایمان کی شرط ہے ———
چوتھی بات یہ، کہ:۔ کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور بہی خواہ ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے ——— اور پانچویں بات یہ، کہ:۔ زیادہ نہ ہنسا جائے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اُس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کاربند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، دور و قریب کے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اُس کو ملیں گی اُن کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو

بس وہیں جاکر معلوم ہوگی۔

(۹۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ، اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْاَلَ اَحَدًا شَیْئًا وَّاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا، وَّاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ـــــ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے: مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا، اور اُن سے قریب رہنے کا ـــــ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ، دنیا میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نیچے درجے کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجے کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ـــــ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے، کہ: میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی اُن کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں ـــــ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے، کہ: کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے

اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ :- میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے کڑوی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بُری لگے) ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ :- میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے برا کہیں، لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں) ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ :- میں کلمۂ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اس خزانے کے قیمتی جواہرات ہیں، جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابلِ ذکر ہے، کہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" جس کی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ "گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے" یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شاملِ حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات سے بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اسکے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کے لئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی

زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ، وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ، وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ، وَاَنْ يَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَّنُطْقِیْ ذِكْرًا، وَنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَ قِيْلَ بِالْمَعْرُوْفِ ــــــــــ رواہ رزین۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مجھے میرے پروردگار نے ان نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ــــــ ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور جلوت میں۔ اور عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اس پر غصہ ہو تو اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی ہو تو اس کی بیجا حمایت اور طرفداری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے)۔ اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی و ناداری و فراخدستی و دولتمندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے، تو بے صبری اور پریشاں حالی کا اظہار نہ ہو، اور جب وہ فراخدستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش درمیانی رکھی جائے یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ

میں ان اہلِ قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوقِ قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتۂ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنھوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابلِ تفکر ہیں اُن میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اسکے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں، اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثنا و صفت ہو، یا اسکے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ ذکر ہی کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی نظر ہو، (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔ (رزین)

(تشریح) ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے ——— صرف ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (وَآمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ) اُن نو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرما دیا، جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے

مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص الخاص فرضِ منصبی ہے، یعنی "امر بالمعروف" جس میں نہی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی منفی صورت ہے ——— یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرما دیں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

(۹۷) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ، قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ، وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَأَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ، وَأَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا، وَأَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا:- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے ——— اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کے نکل جاؤ ——— اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑ دی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا ——— اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے،

(اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصّہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے، تو تم وہیں جمے رہو (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔ اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے ان کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔ اور ادب دینے کے لئے ان پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے، اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے، اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا، تو مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے اس وقت جان بچالی جائے ـــــ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضور نے ان کو نصیحت فرمائی، کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ ـــــ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ اگر وہ اہل و عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ بھی ولی اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ ان کے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے ـــــ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ـــــ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواجب مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضاکارانہ طور پر اولاد ایسا کرے،

(اُور کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اُور بڑی بلند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی، اُس کیلئے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا —— یہ اُن حدیثوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ اُور بعض دوسرے ائمہ نے تارکِ صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالک اُور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکمِ اسلام اس کو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اُور قید کردے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اُور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے۔

حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اُولاد کی خبرگیری اُور ان کی تادیب و تربیت سے ہے، اُور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضورؐ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے "وَاَخِفْهُمْ فِى اللّٰهِ" یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کے لئے جو تدبیریں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اُور ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔

(۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْئٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ ——

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں آئے، وہاں انھوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا:۔ تمھارے اِس رونے کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ:۔ مجھے ایک بات رُلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، میں نے آپ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی، تو اُسنے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی، اور بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن نیکو کار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نا معروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دے کر اپنے پاس نہ بلائے، اُن کے دل ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی آندھیوں میں سے۔

(سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔

پہلی بات یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، درحقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں ــــــ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاوٹ آ ہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہیئے وہ نصیب نہیں ہوا۔

غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے، کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تنبیہ یہ فرمائی تھی، کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو اُن کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی اُن خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اُور اُس کے غضب اُور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا، کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکوکار اُور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی اُن کے اس امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گمنام اُور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو اُن کی فکر اُور تلاش نہ ہو، اُور موجود ہوں تو کوئی اُن کو مدعو نہ کرے، اُن کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اُور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں[1]۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً ان کے اس احساس کو بھی دخل ہوگا کہ افسوس ہم ایسے گمنام اُور نامعروف نہیں رہے، اُور ہماری زندگی ایسی غربت اُور کس مپرسی کی نہیں رہی، اُور ممکن ہے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اُور اُس کو میری ذات سے کوئی ایذا بھی نہ پہنچ گئی ہو۔

(۹۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ! قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ!

---

[1] اکثر شارحینِ مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے "یَخْرُجُوْنَ مِنْ کُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَۃٍ" کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ "اللہ کے وہ بندے تاریک اُور گرد آلود مکانوں میں سے برآمد ہوتے ہیں، یعنی اُن کے رہنے کے مکانات اندھیرے اُور گرد آلود ہوتے ہیں"۔ اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "غبراء مظلمۃ" سے مراد فتنوں کی کالی آندھیاں ہیں، اسلئے اس عاجز نے ترجمہ اُور تشریح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِي الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحْكِ فَإِنَّهُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَ يَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ ______

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:- میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسکے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے، یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ کے تقوے کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کر دینے والا اور سنوار دینے والا ہے تمھارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ، حضرت! اور وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمھارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہوگا تمھارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا: حضرت مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد

دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:۔ زیادہ ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہمیشہ حق اور سچی بات کہو اگرچہ (لوگوں کے لئے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقوے کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقوے کو اپنا شعار بنا لے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا ـــــــ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔ اسکے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملاءِ اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے، کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور در اصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے' اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہونچا سکتا ہے، جھوٹ غیبت' بہتان، گالی گلوج، چغل خوری وغیرہ یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ "آدمیوں کو جہنم میں منھ کے بل اُن کی زبانوں کی بیباکیاں ہی ڈلوائیں گی"۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے' وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا، واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو' اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث گذر چکی ہے' کہ:۔ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' کہ:۔ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے' اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آجاتی ہے' اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابوذر کو یہ فرمائی، کہ:۔ اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو' اس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہیئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو' بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا، اور اپنے نفس کا ایک سچے مومن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو

سب سے زیادہ قصوروار اور گناہگار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں، جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔ ؎

غافل اند ایں خلق از خود بے خبر
لاجرم گویند عیبِ یکدگر

(۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مَؤُوْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو ــــــ تو حضرت ام المومنین نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:۔

سلام ہو تم پر ــــ اما بعد ــــ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے، لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے، تو اللہ مستغنی کر دے گا اسکو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے اور خود اس کیلئے کافی ہو جائیگا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اس کو سپرد کر دے گا لوگوں کے ــــ والسلام

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاصکر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے وہ لوگ خفا ہوتے ہیں جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں، اور اگر وہ ان لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاء الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور اُن کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے اور ان بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصولِ حیات بنائے، اور اس کے قلبِ مومن کی صدا یہ ہو۔ ؎

با خدا داریم کار و با خلائق کار نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔

كِتَابُ الأخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (وَیُزَکِّیْهِمْ) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ: میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاحِ اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے ——— اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی ——— یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد

والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسنِ اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بداخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اوّل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت:-

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا ــــــــ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(بخاری ومسلم)

(۱۰۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا ــــ رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

(ابوداؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اُسکے اخلاق لازمًا بہت اچھے ہوں گے، اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اُس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا ___ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتّٰی کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لئے ایمان بمنزلۂ روح اور جان کے ہے اس لئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اسلئے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ ___ رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اسکے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْاِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ ___

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان والبغوی فی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)

(ترجمہ) قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپنے ارشاد فرمایا کہ "اچھے اخلاق" ___ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام جو ان ارشادات کے مخاطب تھے اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء رہتے ہیں اُن میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں، اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے اُن شب بیداروں عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرُ مَا وَصَّانِيْ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ

خُلُقَكَ لِلنَّاسِ ـــــــــــــــ رواہ مالک

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا:۔ لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مؤطا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ:۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حُسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

(ف) یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔ شاید اسکے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو اور بجائے میرے میری مسجد اور میری قبر پر تمہارا گذر ہو ـــــ اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اسلئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضورؐ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا

یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی، کہ: "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ کی واپسی حضور کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبرِ مبارک ہی کو پایا۔

(۱۰۷) عَنْ مَالِکٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ ——— رواہ فی الموطا ورواہ احمد عن ابی ہریرۃ۔

(ترجمہ) حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضورؐ کی یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہونچا دوں ——— (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصدِ بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جزء ہے۔

(۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَحْسَنَکُمْ

اخلاقاً۔ (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حُسنِ اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حُسنِ اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی پڑھ لیجیے، اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجیے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِىْ فَاَحْسِنْ خُلُقِىْ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے "اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کردے"۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُسنِ اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی ——— یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجیے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دورانِ نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں اُن میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔

وَاهْدِنِىْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ	اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر
لَا يَهْدِىْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا	اخلاق کی رہنمائی کر تیرے سوا کوئی
اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّىْ سَيِّئَهَا	بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کرسکتا،
لَا يَصْرِفُ عَنِّىْ سَيِّئَهَا	اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے

لا یصرف عنی سیئھا الا انت ـــــــــ ہٹا دے ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حُسنِ اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی :۔

رحمت ـــــــ دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمٰن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اُسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانیوالے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں :۔

(۱۱۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "النّاس" کا لفظ عام ہے، جو مومن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے

بڑا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اسکے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا (سنن ابی داؤد وجامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاسے کُتّے کو پانی پلانے پر بخشدیا گیا:۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ

مَثَلُ الَّذِیْ کَانَ یَلْغَثُ فِیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهٗ ثُمَّ اَمْسَکَهٗ بِفِیْهِ فَسَقَی الْکَلْبَ فَشَکَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَلَهٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگی، چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا، وہ اُسکے اندر اُترا، اور پانی پی کر باہر نکل آیا، کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُسنے دیکھا کہ ایک کُتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے، اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اِس کُتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی، اور وہ اُس کُتے پر رحم کھا کر پھر اُس کنوئیں میں اُترا، اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُسنے اُس کو اپنے مُنہ سے تھاما، اور کنوئیں سے نکل آیا، اور اُس کُتے کو وہ پانی اُسنے پلادیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس رحمدلی اور اِس محنت کی قدر فرمائی اور اِسی عمل پر اُس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔۔۔۔۔ بعض صحابہ نے حضورؐ سے یہ واقعہ سُن کر دریافت کیا، کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر و ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے، اور اُس کا کرنے والا اُسی پر بخشدیا جاتا ہے، اِس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کو پیاس لگی ہے، اِسی حالت میں اُس کو ایک کنواں

نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسّی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اسلئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اُتر گیا، وہیں پانی پیا اور نکل آیا، اب اُس کی نظر ایک کتّے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا، اُس کو اُس کی حالت پر ترس آیا، اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اُس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں، اور منزل پر جلدی پہونچ کے آرام کروں، اور دوسری طرف اُسکے جذبۂ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اس کشمکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبۂ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اور مُنھ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اور اُس پیاسے کتّے کو پلایا، تو اُس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا، اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اِس فیصلہ کا تعلق صرف کتّے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اُسنے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا گیا۔

(۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَهٗ اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِيَّاهَا؟ فَاِنَّهٗ شَكٰى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ ـــــــ رواہ ابو داؤد۔

(ترجمہ) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اُسنے نکالی جیسی بچے کے جدا ہوجانے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے قریب تشریف لیگئے، اور آپ نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہوگیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ:- یہ اونٹ کس کا ہے؟ اِس کا مالک کون ہے؟۔ ایک انصاری نوجوان آئے اور انھوں نے عرض کیا، حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اِسنے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِس کو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم اِس کو بہت دکھ پہونچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے ــــــــ

اِس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، بظاہر وہ اِسی قبیل سے ہے، اور گویا حضورؐ کا ایک معجزہ ہے ــــــــ

حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسکے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُب سے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

(۲۱۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ــــــ وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اس اثناء میں ہماری نظر ایک چھوٹی سی سرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اُس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اُن بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: کس نے اسکے بچے پکڑ کے اِسے ستایا ہے؟ اِسکے بچے اس کو واپس کردو ــــــ اور آپ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا:۔ کس نے اِن کو آگ سے جلایا ہے؟۔ ہم نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ ہم نے ہی یہ آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے

کہ اُن کو بلا وجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَتِ امْرَأَۃٌ النَّارَ فِیْ ھِرَّۃٍ رَبَطَتْھَا فَلَمْ تُطْعِمْھَا وَلَمْ تَدَعْھَا تَأْکُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے جہنم میں ڈالی گئی کہ اُسنے ایک بلّی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا، اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابر کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں، یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بیدردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اللھم احفظنا!۔

(۱۱۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَۃُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ ـــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بدبخت کے دل سے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِیْنَ ــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوتِ قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

(مسند احمد)

(تشریح) سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کرکے آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے، کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کرلے، انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہوجائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرتِ ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہرحال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبۂ رحم کے آثار میں سے ہے،

لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے تو انشاء اللہ اُس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل :-

سخاوت یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے ———— ان دونوں کے بارہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُنئے :-

(۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ ــ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ ———— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اُس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں، اور اُس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے ———— اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلاشبہ ایک

بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۱۱۹) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ ——— رواہ البخاری و مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور ازلی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اُن کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ——— رواہ البخاری و مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو، اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ عِنْدِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهٗ لِدَیْنٍ ———

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں، کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اسکے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔

(بخاری ومسلم)

(۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا ـــــــ

(رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حرص وبخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے (یعنی بخیلی وکنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں بخل دیکھا جائے، تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے ـــــــ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل ایمان ویقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

(۱۲۳) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ ـــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ دھوکہ باز، بخیل اور احسان

جتانے والا آدمی جنّت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) اُن خطرناک اور تباہ کُن عادات میں سے ہیں جو جنّت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اسلئے جو بندے جنّت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، اُن کو چاہیئے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا:۔

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے، اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے ــــــ چند ہی ورق پہلے "کتاب الرّقاق" کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ مجھے میرے ربّ نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور اُن میں ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی، کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اُس کو معاف کر دیا کروں ــــــ اِس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجیے:۔

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَکْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ یَتَعَجَّبُ وَیَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَکْثَرَ رَدَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَکْرٍ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَانَ یَشْتِمُنِیْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ کَانَ مَعَکَ مَلَکٌ یَرُدُّ عَلَیْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَیْهِ وَقَعَ الشَّیْطَانُ، ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ ثَلٰثٌ کُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَیُغْضِیْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا

اَعَزَّ اللّٰہُ بِھَا نَصْرَہٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِیَّۃٍ یُرِیْدُ بِھَا صِلَۃً اِلَّا زَادَ اللّٰہُ بِھَا کَثْرَۃً وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ یُرِیْدُ بِھَا کَثْرَۃً اِلَّا زَادَ اللّٰہُ بِھَا قِلَّۃً ـــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور ابوبکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور تبسم فرما رہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابوبکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر اُلٹ دیا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے (حضرت ابوبکر کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضورؐ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے) پس ابوبکر آپ کے پاس پہونچے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اُٹھ آئے! ـــــــــ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے، تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جوابدہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو (وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور) شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے اُمید ہو گئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا) ـــــــــ اسکے بعد آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! تین باتیں ہیں، جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کیجائے اور وہ محض اللہ عزّ وجل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے)، تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اُس کو

عزت دیں گے) ـــــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسکے عوض اُس کو اور بہت زیادہ دیں گے ـــــــ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں، بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کردیں گے۔ (مسند احمد)

(تشریح) انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کردے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ اخص الخواص میں سے تھے، اسلئے آپ نے اُن کی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پسند نہیں فرمایا ـــــــ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے :۔

وَجَزٰٓءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	اور برائی کا (قانونی) بدلہ اُسی کی مثل
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ	برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی
عَلَى اللّٰهِ ـــــــ	کسی نے کی اُسکے بدلے میں اسکے ساتھ
(شوریٰ ـ ع ـ ۴)	اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے

لیکن) اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے، اور معاف کردے، اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

(۱۲۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ـــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپکے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں

زیادہ باعزّت ہیں ؟ ۔ ارشاد فرمایا ۔ وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں ۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصور وار کا قصور معاف کرنے کی اِس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے ، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر سزا مقرر ہے اُس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے ـــــــ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے آپ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنیوالوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن اللہ کی حدود کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ۔

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِىْ شَيْئٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ [1]

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ـــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور عرض کیا : ۔ یا رسول اللہ ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں ؟ ۔ آپ نے اُس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے ۔ اُسنے پھر وہی عرض کیا ، کہ : ۔ یا رسول اللہ ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں ؟ ۔ آپ نے ارشاد فرمایا : ۔ ہر روز ستّر دفعہ ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے ،

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی ، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا ، تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے ۔

تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ ——
آپ نے جواب دیا کہ:۔ اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو —— حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے، بلکہ حُسنِ اخلاق اور ترحّم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے، تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

(ف) جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاصکر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان:۔

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یا یوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے، یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے، اس کو آرام پہونچایا جائے، یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

(۱۲۷) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ —— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریاتِ حیات کا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل وعیال کی روزی اور اُنکی ضروریات کا

مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے
جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

(تشریح) ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کیساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

(ف) یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کیساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نوازوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں، یا دوسرے ناقابلِ معافی جرائم بطورِ پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

(۱۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا ـــــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو، کہ کہنے لگو کہ اگر

اُور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اُور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رُویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے، بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکّا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اُور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اُور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو) ۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں خواہ احسان اُور حُسنِ سلوک کا چلن ہو یا ظلم اُور بدسلوکی کا دُور دُورہ ہو، اہلِ ایمان کو چاہئے کہ اُن کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اُور حُسنِ سلوک ہی کا رہے ــــــ نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رُویہ رکھیں ــــــ "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلۂ رحمی کروں، اُور جو مجھے نہ دے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے، تو میں اُس کو بھی دوں "

(۱۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِىْ حَاجَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِىْ وَمَنْ سَرَّنِىْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی اُمتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اُس کا دل خوش کرنے کے لئے، تو اُس نے مجھے خوش کیا اُور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اُور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنّت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُمتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اُس کا اندازہ اِس حدیث سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی اُمتی کو خوش کرنے کے لئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُسکے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ ——————

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجتمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو ——— راوی کہتے ہیں ——— اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:- اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاصکر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُسکے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اسکے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے۔

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُحَقِّرَنَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیَلْقَ اَخَاہُ بِوَجْہٍ طَلِیْقٍ وَّاِذَا اشْتَرَیْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَکْثِرْ مَرَقَتَہٗ وَاغْرِفْ لِجَارِکَ مِنْہُ ۔۔۔۔۔ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خرید دیا ہانڈی پکاؤ تو اس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر کچھ اس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکالا کرو (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزّہ واقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرے حسبِ استطاعت اُن کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ اُن سے ملا کرے، یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے، اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت وتعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اُس میں شوربا کچھ زیادہ کرلیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حُسنِ سلوک کی اِن آخری صورتوں کا ذکر حضورؐ نے بطور مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

(۱۳۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ ـــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ تم حُسنِ سلوک کی کسی صورت اُور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اُس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ رُوئی کے ساتھ ملو، اُور یہ بھی (حُسنِ سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اُور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اُور مدد تم کر سکتے ہو اُور اُس کو جو آرام تم پہونچا سکتے ہو، اُور جس طرح تم اُسکے کام آ سکتے ہو، اُس میں دریغ نہ کرو۔ اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مؤدت کی فضا ہو، اُور کیسا بھائی چارہ ہو ـــــ اِن حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دولتمندی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اِس فضیلت میں غربا بھی اپنی غربت اُور ناداری کے ساتھ اُمیروں کے شریک ہو سکتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار :۔

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا

حاجتمند اُسکے سامنے آجائے تو وہ چیز اُس کو دیدے اور خود تکلیف اُٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

(۱۳۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكْسُوْكَ هٰذِهٖ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا اِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَاٰهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَحْسَنَ هٰذِهٖ فَاكْسُنِيْهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهٗ اَصْحَابُهٗ قَالُوْا مَا اَحْسَنْتَ حِيْنَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مُحْتَاجًا اِلَيْهَا ثُمَّ سَاَلْتَهٗ اِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ اَنَّهٗ لَا يُسْاَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهٗ فَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّيْ اُكَفَّنُ فِيْهَا ——————— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی، اور عرض کیا کہ، حضرت! میں یہ چادر آپ کو اُڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اُس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اُسی وقت اُتار کر اُن صاحب کو دیدی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مجلس سے اُٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا یہ تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود

اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجتمندی کی حالت میں یہ چادر اُس خاتون سے قبول کی تھی، اسکے باوجود تم نے حضورؐ سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے، آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا:۔ میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے اُمید ہے کہ یہی مبارک چادر میرا کفن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُخْرٰی فَقَالَتْ مِثْلَ ذَالِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَالِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یُّضَیِّفُهٗ یَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُقَالُ لَهٗ اَبُوْطَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰی رَحْلِهٖ فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَیْئٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْیَانِیْ قَالَ فَعَلِّلِیْهِمْ بِشَیْئٍ وَنَوِّمِیْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَیْفُنَا فَاَرِیْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰی بِیَدِهٖ لِیَاْكُلَ فَقُوْمِیْ اِلَی السِّرَاجِ كَیْ تُصْلِحِیْهِ فَاَطْفِئِیْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّیْفُ وَبَاتَا طَاوِیَیْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ ـــــــــــــ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا:۔ میں بڑا دکھی فقیر ہوں

(مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے)۔ آپ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا
(کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیجدو) وہاں سے جواب
ملا کہ قسم اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں
اِس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے
گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں
میں کہلا کے بھیجا، (اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اِس وقت پانی کے سوا
کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد)
آپ نے صحابۂ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ تم میں سے کون اِس بندہ کو اپنا مہمان
بنا سکتا ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی!۔ انصار میں سے ابو طلحہ نامی
ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں
چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اِس وقت ایک
مہمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟۔ بیوی نے جواب دیا کہ، بس اپنے بچوں کا
کھانا ہے اسکے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرا اور تمہارے کھانے کے لئے بھی
کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا:۔ تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے
(بلا کھلائے) سُلا دو، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے، تو (اپنے طرزِ عمل سے)
اُس پر یہ ظاہر کیجیو اور ایسا دکھائیو کہ (اُسکے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ
کھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے
بہانے چراغ کے پاس جائیو اور اُس کو گُل کر دیجیو (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور
مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُسکے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی
کیا، پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا، اور ان دونوں میاں
بیوی نے بھوکے رہ کر رات گذاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ :- اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا ــــ راوی کو شک ہے کہ آپ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے "عَجِبَ اللّٰہُ" کا لفظ بولا تھا ــــ یا "ضَحِکَ اللّٰہُ" کا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونے نے صحابۂ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے "وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[1] (سورۂ حشر ع ۱)۔

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص خاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مجاز یا استعارہ کے "عَجِبَ" یا "ضَحِکَ" کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے، اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی ہر خصلت بلا شبہ ایمانی خصلت ہے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ ــــ

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

[1] (ترجمہ) وہ دوسرے ضرورت مندوں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن کو فاقہ ہی ہو۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مسند احمد وشعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہونچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے ـــــــ اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں ـــــ البتہ مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اسکے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت :۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے، بلا شبہ بہت اونچا مقام ہے "کتاب الایمان" میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا :۔ کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے:۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ ــــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ جس بندہ نے بھی اللہ کے لئے کسی بندہ سے محبت کی، اسنے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں:۔

(۱۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِىْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِىَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِىَّ ــــــــ

(رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جُڑ کر بیٹھیں، اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالکؒ)

(تشریح) اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت وچاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اسکے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں ـــــــ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ (اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم جُڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

(۱۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا، قَالَ أَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ أُرِيْدُ أَخًا لِي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ قَالَ فَإِنِّي

رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا اَحْبَبْتَہٗ فِیْہِ ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے ـــــ جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ـــــ ملاقات کے لئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا، تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا۔ تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟۔ اُسنے کہا:۔ میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا:۔ کیا اُس پر تمھارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا:۔ نہیں! میرے جانے کا باعث اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا، کہ:۔ میں تمھیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اُسکے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی اُمت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دوبدو کرسکتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اِس واقعہ کی اصل رُوح اور اسکے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اِس حقیقت کا واضح کرنا تھا، کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور

اس للّٰہی محبّت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنیوالے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبّت کا پیغام پہونچاتا ہے۔ فَطُوبٰى لَهُمْ وَبُشْرٰى لَهُمْ (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کیلئے محبّت کرنیوالوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز:۔

(۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ـــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں، جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ہمیں بتلا دیجئے کہ وہ کون بندے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی لین دین کے رُوحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبّت کی ـــــ پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہونگے

بلکہ سراسر نور ہوں گے، اُور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اُور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اُور مطمئن ہوں گے، اُور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے۔ اُور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی :- اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ :
(معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اللہ کے دوست اُور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس دنیا میں خونی رشتہ اُور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اُور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیئے اُور تحفے دیتا ہے تو اس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے ۔۔۔ لیکن کسی رشتہ اُور قرابت کے بغیر اُور کسی مالی لین دین اُور کسی ہدیے اُور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جو کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اُور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔ اُور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اُور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اُور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اُور بلند تر ہوں گے ۔۔۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اسلئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف

ان الفاظ میں کرایا گیا ہے :۔ "ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ" اِس لفظ رُوْحٌ کو ر کے پیش کے ساتھ رُوْحٌ بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ رَوْحٌ بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اِس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے جنھوں نے اِس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی ۔۔۔۔۔۔ دین اُس اُخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ رُوْح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور رَوْحٌ کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اِس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا" ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے شاداں وفرحاں ہوں گے۔ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔"

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں :۔

(۱۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِي الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي ۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت ومحبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اُپنے ان بندوں کو اپنے

سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ ــــ دراصل استفہام و استفسار کے لئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اسلئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اوّلین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے۔ اور سب سُن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے ــــ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبّت ذریعۂ قرب و معیّت :-

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔ حضورؐ کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا، کہ:۔ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسکے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ، کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح

اُور متقی بندہ سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اُور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اُور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ ——— اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود اُن بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لئے اُور دین کے تعلق سے محبت تھی ——— اِس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

(۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّعْمَلَ کَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ یَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ———

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اُسی کیساتھ ہوگے۔ ابوذر نے عرض کیا:۔ حضرت! مجھے تو اللہ اُور اُسکے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سُن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دہرائی اُور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ حضرت! قیامت کب آئے گی؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وائے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اسکے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ ــــــ اُس نے عرض کیا:۔ میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے ــــــ آپ نے فرمایا:۔ تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی معیت نصیب ہوگی ــــــ حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضورؐ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:۔

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْئٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِہٖ	ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہؓ کو)
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ	کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی
مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ	جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	"اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ" (تم جس سے
وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ	محبت کرتے ہو اسی کیساتھ ہو) پس
اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ	میں بحمداللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ
وَاِنْ لَمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَهُمْ	صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکرؓ و عمرؓ سے

اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال اُن حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہییں۔

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اول یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا۔ بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم

دوسری بات یہ کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اسکے رسول سے محبت ہو، اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو، پس جو لوگ آزادی اور بےفکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہلِ محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ — حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیانِ محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:—

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْہِرُ حُبَّہٗ ۔۔۔ ھٰذَا الْعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٗ

لَوْکَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٗ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اُس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل وقیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات دل وجان سے مانا کرتا ہے)۔

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کے لئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت ورفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے ـــــ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ہ (النساء ع ۔ ۷)۔

پس اس آیت اور مندرجۂ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے ـــــ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔ . . . حاصل اس کا یہ ہے کہ:۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ:۔

یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پہ ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں

تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضرِ خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہونچ کر انبیاء علیہم السّلام کے بلند مقام پر پہونچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنّت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو ہو نہ سکے گی، اسلئے آخرت میں حضورؐ کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کی اِس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی :-

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ	اور اُسکے رسول کی، پس وہ اللہ کے
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّ	ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہوں گے
يْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ	جن پر اللہ کا خاص انعام ہو یعنی انبیاء
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ـــ	صدیقین، شہداء، اور صالحین، اور
(سورۂ نساء)	یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبّ صادق کو اور دوسرے تمام اہلِ محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبّت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیشِ نظر نہیں رکھتے، اسلئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی ـــــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ ۔ (اے اللہ ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن

بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آبِ رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنادی گئی ہے، اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، قلبی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے —— اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا "معاشرت" کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مودّت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے۔

(۱۳۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَىٰ عُضْوًا تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى —— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے، اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اسکے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودّت، ایسی ہمدردی، اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ ان کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں ——— اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے ——— ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

(۱۴۶) عَنْ اَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ——— (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ :- ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم

پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو۔

(بخاری و مسلم)

باہم نفرت و عداوت بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت وغیرہ کی ممانعت:۔

مندرجۂ بالا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اسکے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہونچانے اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکید کیساتھ ممانعت فرمائی ہے ——— اس سلسلے کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بیجا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے یہ سب وہ ہیں جو

دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرکے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں ـــــــ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُسکے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر بعض اسی وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی اَن ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا رَدِّعمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَکْذَبُ الْحَدِیْث" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا، کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے اُسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:۔

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد وابوداؤد، عن ابی ہریرۃ)۔

پھر بدگمانی کے بعد اور جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے ـــــــ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کے اُس پر حسد کرنا اور اُس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ ـــــــ ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت وعداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اُخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے: "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوٰى هٰهُنَا ـــــ وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ ـــــ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ ـــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اسکے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر ہے کہ اسکے دل میں تقویٰ ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اسکے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقوے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو اسلئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اسکے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اسلئے ناحق اس کا خون گرانا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبرو ریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ——— ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور رسوا کرنیوالوں کو سخت تنبیہ:۔

(۱۳۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:۔ اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے مسلمان بندوں کو ستانے سے، اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارہ میں محتاط ہو جاتا ہے، خاصکر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہیں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، اُن کا دل دکھانے، ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے اُن کو شرمندہ کرنے، اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں، تو آدمی کا حال اسکے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈھتا ہے، خاصکر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے، جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، اُن کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، اُن کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور اُن کے مقام کو گرانے، اور اُن کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے شغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے، اور ذلت و رسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے، تو اللہ اُن کو اُن کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

حسد کے بارے میں خاص انتباہ:۔

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ـــــــ تم حسد کے مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپہ رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہونچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلادی جائیں گی ـــــــ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

(۱۵۱) عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ ـــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کردینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کردیتی ہے دین کا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) صحابۂ کرام کے متعلق اللہ علیم وخبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" ـــــــ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں، اور وہ پرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں ـــــ فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا۔ (آل عمران ع۔ ۱۱)۔

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا خاص انعام ہے، کہ جس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (انفال ع۔ ۸)

بہرحال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابۂ کرام کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسلئے اس حدیث "دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ" کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سی امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا ہے وہ میری امت کی طرف بھی چلی آ رہی ہے، لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بغض اور کینہ کی نحوست:۔

(۱۵۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ مَّرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَہٗ

وَبَيْنَ اَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيئَا۔۔۔۔۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندۂ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں پس اُن کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں اور دلوں کو صاف نہ کرلیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ: ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو جس نے اللہ سے بخشش اور معافی مانگی ہوتی ہے اس کو معافی دی جاتی ہے، اور جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کرلے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

شماتت کی سزا:۔

(۱۵۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِأَخِيكَ فَيُعَافِيهِ اللهُ وَيَبْتَلِيكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کروگے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اُس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اُور تم کو مبتلا کردے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کر کے دشمنی اُور عداوت کی حد تک پہونچ جاتا ہے، تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے اس کو شماتت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کے اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اُور درشت خوئی:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اُور درشتی اُور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے:۔

(۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ ـــــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ :- اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اُس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اسکے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور مہربان، اور نا آشنایانِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کاربراری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا، کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اس کو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۵۵) عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ ـــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو اس سے محروم رہا گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

(۱۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ـــــــ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا، اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

(۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ ـــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے لئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہونچاتا ہے اسکے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے، مگر یہ کہ ضرر پہونچاتا ہے ان کو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کے لئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کے لئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے، جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرضکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل عذاب ہوگی ——— اور اسکے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا، اور دوسروں کیلئے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اسکے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی،

——— سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں اور

اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان کے بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ـــــــ ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بعید عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لئے کافی ہیں۔

(۱۵۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ ـــــــ

(رواه ابوداؤد والترمذي)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کیلئے حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔

(تشریح) اس حدیث میں هَيِّنٌ، لَيِّنٌ، قَرِيْبٌ، سَهْلٌ یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دور اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جنتی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابۂ کرام کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اسلئے اس قسم کی بشارتوں کیساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ (اور بشارت کے موضوع کیلئے یہی مناسب ہے) لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہیئے، یہ ایک مسلّمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۵۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ ۔۔۔۔۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

(ابوداؤد)

(تشریح) حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی بُرائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شانِ ایمان کے خلاف، اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے، اسلئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہیئے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں،

اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مومنین کی طرح اور اُن کے ساتھ جنت میں جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی :۔

(۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ بِالْمَدِیْنَۃِ وَاَنَا غُلَامٌ لَیْسَ کُلُّ اَمْرِیْ کَمَا یَشْتَھِیْ صَاحِبِیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْہِ مَا قَالَ لِیْ فِیْھَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِیْ لِمَ فَعَلْتَ ھٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ ھٰذَا ـــــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، اور میں نو عمر لڑکا تھا اس لئے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نو عمری کی وجہ سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا کیوں نہیں کیا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ اُمِّ سُلیم نے اُن کو مستقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روزِ حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نو عمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا ـــــــــــ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم اُمتیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم وبردباری یعنے غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جن اخلاق کی تاکید واہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے اُن میں سے ایک حلم وبردباری بھی ہے :-

(۱۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ ـــــ رواہ البخاری ـــــ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ :- حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- غصہ مت کیا کرو ـــــ اُس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ :- حضرت مجھے اور وصیت فرمائیے ـــــ مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ :- غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کرنیوالے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے اُن کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہوسکتی تھی کہ "غصہ نہ کیا کرو" اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بدانجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کبھی دوسری حالت میں نہیں چلتا، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی

بکنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور بالکل ہی کڑوا کر دیتا ہے" (یہ حدیث "کتاب الایمان" میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور جلالِ خداوندی کا عکس ہے۔

غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے:۔

(۱۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: "اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اسلئے فرمایا گیا ہے کہ طاقتور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار

وہی مردِ خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اسکے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظؔ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

غصہ کے وقت کیا کیا جائے :-

(۱۶۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ ——— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اسکے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے جو بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

(۱۶۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو، اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کرلے، یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(مسند احمد ومعجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) غصہ کے بُرے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے، تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کرلے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا، اور بات آگے نہ بڑھے گی۔ (اس حدیث میں

(۱۶۵) عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ ــــــ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے۔ تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرلے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے، اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ

(تعلیم دین میں آسانی پیدا کرو)

کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اُٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرلیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا، اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہِ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا صلہ :-

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى ـــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اُس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

(تشریح) غصہ کو پی جانا جس طرح اُردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اُردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:-

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ـــــــ	غصہ کو پی جانیوالے اور دوسرے کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے

(۱۶۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ أَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

(ترجمہ) سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کرسکتا ہے (لیکن اسکے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے، اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کرلے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حوران جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لئے انتخاب کرلو۔

(۱۶۸) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اسکے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا، اور پی جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمادے گا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

حلم وبردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے :-

(۱۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں:۔ ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینۂ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور کی خدمت میں پہونچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انھوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

اس رویہ کو پسند فرمایا، اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ:۔ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں:۔ ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اَناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام متانت اور وقار کیساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب:

(۱۷۰) عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے، اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ ________ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی

عادت، اور میانہ روی ایک حصّہ ہے نبوت کے چوبیس حصّوں میں سے۔

(جامع ترمذی)

(**تشریح**) حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے ـــــ اور نبوت کے حصّوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصّہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصّوں میں سے ایک حصّہ یہ تین چیزیں ہیں:۔ یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی۔

میانہ روی "میانہ روی" ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گذاری کا ارادہ کیا، یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی ـــــ بہرحال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے ـــــ "کتاب الرقاق" کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "اَلْاِقْتِصَادُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى" کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی اور بد زبانی :-

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اسکے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بد زبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے :-

(۱۷۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ یَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَیْکُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ قَالَ مَهْلًا یَا عَائِشَةُ عَلَیْكِ بِالرِّفْقِ وَاِیَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ ——— ——— رواه البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انھوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا: "اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ" (جو در اصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (ایسی سختی نہیں!) زبان رد کو نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بد زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند

نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۷۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِيٍّ ۔۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بدگو، اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، کتاب الایمان میں وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

(۱۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوْا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ وَدَعَهُ اَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهِ ۔۔

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد واللفظ لہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ:۔

یا رسول اللہ! آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پہلے آپ نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلہ کا بہت برا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجے کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو، جب بھی اس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک بہت برا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں :۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے برے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو غالباً اسلئے دی تھی کہ وہ اسکے سامنے محتاط ہو کر بات کریں، اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور برے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيهِ لِكَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ" (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اس کا لوگوں سے ذکر کر دو، تاکہ اللہ کے بندے اسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ کنز العمال

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور برا ہونا معلوم ہو اس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ

اِلَیْہِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے ________ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ "اِنَّا لَنَکْشِرُ فِیْ وُجُوْہِ اَقْوَامٍ وَاِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُھُمْ" یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

البتہ اگر کسی خاص موقع پر سختی اور اظہارِ ناراضی ہی میں مصلحت نظر آئے، تو وہاں سختی کا رویہ اختیار کرنا بھی صحیح ہوگا۔

(۳) اس حدیث کی ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اُس سے آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: "یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ" یعنی اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا، مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کردیتی ہے، لہٰذا میں کیسے اس کا مرتکب ہوسکتا ہوں۔

(۱۷۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ ________ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ:- اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث

کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے ـــــ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اسکے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

کم بولنا اور بری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا:۔

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے، بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو تو خاموش ہی رہا جائے ـــــ یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دارومدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن وقبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات "کتاب الرقاق" میں گزر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں:۔

(۱۷۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيْمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَ

تَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ بِرَاْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذُرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ۔ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جس کی وجہ سے میں جنت میں پہونچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا۔ تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دیدے) ـــ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور رمضان کے روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا:- کیا میں تمھیں خیر کے دروازے بھی

بتا دوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے اسکے بعد آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمہیں خیر کے اور دروازے بتلادوں! غالباً اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذ کی طلب دیکھ کر آپ نے اُن سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابواب خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے) اسکے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی[1] تَتَجَافىٰ جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ——— پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سرا اور اسکا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟ (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: حضرت ضرور بتا دیں! آپ نے فرمایا: دین کا سر یا سرا اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے ———

پھر آپ نے فرمایا:- کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتا دوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت

---

[1] اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کے ساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کے لئے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردۂ غیب میں رکھا گیا ہے اس کو کوئی نفس نہیں جانتا، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔

وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے ؛ پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا :۔ اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو) معاذ کہتے ہیں میں نے عرض کیا ، حضرت ! ہم جو باتیں کرتے ہیں ، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا ؟ آپ نے فرمایا ۔ اے معاذ ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منھ کے بل ، یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں ارکانِ اسلام کے بعد آپ نے ابوابِ خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے ، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے ، اور اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے ۔۔۔ پھر آپ نے اسلام کو " راس الامر " یعنی دین کا سر بتلایا ہے ، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے ، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے اور اسکے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو ، پھر نماز کو آپ نے دین کا ستون بتلایا ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا ، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں ، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا ، ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے ۔۔۔۔ حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے ، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دارومدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے ، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمال حسنہ کو بے وزن اور بے نور کر دیتی ہیں ۔۔۔۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا ، اور انھوں نے دریافت کیا ، کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی ؟ تو آپ نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور

بیبا کیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے ۔ ۔۔۔۔۔ آج بھی ہر دیکھنے والا بچشم خود دیکھ سکتا ہے، کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے ؎

ہرچہ بر آدمی رسد ز زیاں ہمہ از آفتِ زباں برسد

(۱۷۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا ۔۔۔۔۔۔

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اسکے سارے اعضا عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تونے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضا میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی ۔۔۔۔۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبان حال یا بزبان قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اسلئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاء انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "اِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اسکے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اسکے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس کی خاص ترجمان ہے، اسلئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد اور کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

---

(۱۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص ذمہ لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کے لئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا، اور شہوتِ نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں اس کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہلِ ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحبِ ایمان ہوں اور ایمان کے

بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں ۔

(۱۷۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ وَقَالَ هٰذَا

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کے فرمایا کہ :- سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہٰذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو ـــــ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبداللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا ـــــ

(رواه احمد والترمذی، والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جو چپ رہا وہ نجات پا گیا ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بیباکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے ۔

(۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ ــــــــ (رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، کہ:۔ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گُر کیا ہے؟ (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جا نہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ "تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کا کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو، بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو ــــــ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

(۱۸۲) عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا ــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں

بتا دوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ :۔ یا رسول اللہ وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلا دیجئے! آپ نے فرمایا: زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حُسنِ اخلاق ۔ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے، کہ بے ضرورت اور نامناسب و ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرزِ عمل ہوگا، قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اسکے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرامؓ نے آپکا حال یہ بیان فرمایا ہے، کہ "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَوِیْلَ الصَّمْتِ[1]" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خاموش رہتے تھے) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا فِیْمَا یَرْجُوْا ثَوَابَہٗ[2]" (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)

(۱۸۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَیْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُہٗ فِی الْمَسْجِدِ مُحْتَبِیًا بِکِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَہٗ فَقُلْتُ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا

---

[1] رواہ البغوی فی شرح السنہ عن جابر بن سمرۃ۔ مشکوۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ

[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن الحسن بن علی فی صفاتہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمع الفوائد)

هٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ ـــــ رواه البيهقي في شعب الايمان۔

(ترجمہ) عمران بن حطّان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابو ذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے اُن کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ابو ذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے!) انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "بُرے ساتھیوں کی ہمنشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بُری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کیساتھ آگئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے وہ بُری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اس طرح یہ بات بھی صراحت سے آگئی ہے کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہمنشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

(ف) یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور انکی استعدادیں اور انکے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں، مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں اُن سے [illegible] اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط

رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاری نے اس حدیث میں فرمایا، اور جس پر خود اُن کا عمل تھا ـــــ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں اُنکی بھی اصلاح اور درستی کیلئے اُن سے ملنا جلنا اور انکے بُرے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُنکی خدمتیں کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرزِ عمل کی [illegible] فرمائی ہے، اور اکثر صحابہ کرام جو حضرت ابوذر کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرزِ عمل وہی تھا ـــ پس صحابہ کرام کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہلِ ایمان اور اہلِ صلاح کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگا رنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے ـــــ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، درحقیقت انھوں نے دین کی وسعت تعلیمِ نبوی کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

ترکِ مالایعنی :-

(۱۸۳) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ ـــــ

رواہ مالک واحمد ورواہ ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان عنہما۔

(ترجمہ) حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کی اسلامیت کے حُسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اُس کے لئے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔"

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسینؓ

سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً و مسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمالِ ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترک مالا یعنی" ہے۔

چغلخوری :—

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین جرم اور گناہِ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے انہیں سے ایک چغلخوری بھی ہے ——— یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کردے، اسی بُری عادت کا نام چغلخوری ہے ——— چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حسنِ معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیمِ نبویؐ کے مقاصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اسلئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہرحال چغلخوری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اسکے بُرے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

(۱۸۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ——— رواه البخاری فی روایۃ مسلم نمّام۔

(ترجمہ) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ چغلخور آدمی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ چغلخوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کیساتھ جنت میں نہ جاسکے گا، ہاں

اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کرکے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کردے، تو اسکے بعد داخلہ ہوسکے گا۔

(۱۸۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غُنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ ـــــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن غنمؓ اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اسکے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ انکے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادۃً چغلخور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں ـــــ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اسکے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں، اور ان کو بدنام کرنا، اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے، اور انکے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

(۱۸۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ ـــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا۔ میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ امت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اسکے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان :-

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغلخوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں ــــــ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسکے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، جسکے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دوررس نکلتے ہیں اسلئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اسکی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں "اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے" سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے ــــــ بہر حال غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھٹیا بد اخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے ــــــ اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی برائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اسکے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں ــــــ اس تمہید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چند حدیثیں پڑھئے !:-

(۱۸۸) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ لَا تَغْتَابُوا

الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی انکے دلوں میں نہیں اترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور انکے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور انکی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اسکے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اسکے گھر میں ذلیل کرے گا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اسکے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے انکے دلوں میں گھر نہ کیا ہو

(۱۸۹) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ ـــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور انکی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) نُحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اُس کو بھی نُحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "نُحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنّم کی آگ میں تپے ہوئے سُرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے ——— ان کیلئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اسلئے تجویز کی گئی کہ دُنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب شغل تھا۔

(۱۹۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا. قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ الْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِي فَيَتُوبُ فَيَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِ (وَ فِي رِوَايَةٍ فَيَتُوبُ فَيَغْفِرُ اللهُ لَهُ) وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرَهَا لَهُ صَاحِبُهُ ——— رواه البيهقي في شعب الايمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اسکی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف کر دے جس کی اسنے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ ——— رواه مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا:۔ اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ تمھارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اُس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہی۔ کسی نے عرض کیا کہ: حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی بُرائی ذکر کروں جو واقعۃً اُس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:۔ غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ بُرائی اُس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ بُرائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اُس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

(ف) یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیرخواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی بُرائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اسکے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اُس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اسکے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علماءِ حق کا اہلِ باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دو رخے پن کی ممانعت :-

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا دو گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو "دو زبان" "دو رخا" کہتے ہیں، اور عربی میں ذو الوجہین کہا جاتا ہے - - اور ظاہر ہے کہ یہ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۱۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ ـــــــــ رواه البخاری ومسلم

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح) قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے

(۱۹۳) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ ـ

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا میں جو شخص دورخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح بُرے اعمال اور بُرے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دورخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!۔ واضح رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہم سب کے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے)۔ یہ بُری عادت (دورخا پن) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق و امانت اور کذب و خیانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اخلاقِ حسنہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور جن کو لازمۂ ایمان و اسلام قرار دیا ہے اُن میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث "کتاب الایمان" میں گذر چکی ہے کہ جھوٹ بولنا اور امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ بُرائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جا چکی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مومن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا"

اب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے براہِ راست سچائی اور امانت داری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(١٩٤) عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بالصدق فان الصدق يهدي الى البر وان البر يهدي الى الجنة وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا واياكم والكذب فان الكذب يهدي الى الفجور وان الفجور يهدي الى النار وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله

کَذَّابًا ۔۔۔۔۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سچائی کو لازم پکڑ لو۔ اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے، اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے ۔۔۔۔ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذاتِ خود بھی نیک عادت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے، اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا بذاتِ خود بھی ایک خبیث خصلت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اور اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

(۱۹۵) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ

إذا حدّث وليؤدّ أمانته إذا ائتمن وليحسن جوار من جاوره.

رواه البيهقي في شعب الإيمان.

ترجمہ) عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہؓ وضو کا پانی لے لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر ملنے لگے، آپ نے فرمایا "تم کو اس چیز پر اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت! اُن کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:- جس شخص کی یہ خوشی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ و رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ و رسول اُس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اُسے بغیر خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

(۱۹۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِيْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔

(رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور اُن کی ذمہ داری لے لو

تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو (یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے)، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورۂ بالا چھ بنیادی اخلاق (صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنا لیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ و رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق و امانت :-

(۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ

(رواہ الترمذی والدارمی والدارقطنی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن دارقطنی)

(تشریح) اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لئے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ و رسول کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی

کے ذریعہ آخرت میں حضرات انبیاء اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہو۔

(۱۹۸) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی۔

(ترجمہ) عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ نیکی اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں :۔

(۱۹۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی ہے دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری

عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھ جانا چاہئے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے، تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنا چاہئے

جھوٹ کی گندگی اور سڑاہند :-

(۲۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ

(رواه الترمذى)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت :-

(۲۰۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَسِيْدٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ ــــــــ

(رواه ابوداؤد)

(ترجمہ) سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے:۔ یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات جھوٹی بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہرحال گناہ ہے اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اس کی یہ سنگینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کے اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اس کو دھوکا دو۔

جھوٹی گواہی:۔

(۲۰۲) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ——— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

(ترجمہ) خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ:۔ جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کر دی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (بتوں کی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو

اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور بعض صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعہ کسی اللہ کے بندہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورہ حج کی مذکورۂ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور دونوں سے بچنے کی تاکید کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اسی طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی، اور کھڑے ہو کر ایک خاص جلالی انداز میں ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا۔ "کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا"۔ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے ۔۔۔ یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لیے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم :-

(۲۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ـــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان آدمی کا مال مارلے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس بدبخت پر غضبناک اور ناراض ہوں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۰۴) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ :جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور سے مارلیا، تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کردی ہے اور جنت کو اس پر حرام کردیا ہے ـــــــ حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ:- یارسول اللہ! اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی

سی چیز قسم کھا کر نا جائز طور سے حاصل کر لی، تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لیے واجب اور جنت اُس پر حرام ہو گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:- ہاں اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

(تشریح) یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کسی کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

(۲۰۵) عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ اَحَدٌ مَالًا بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ ــــــ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہو گا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان تینوں حدیثوں میں اُس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مارلے حضرت عبداللہ بن مسعود والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہو گی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو گا ــــــ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ ــــــ اور حضرت ابوامامہ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے، اور دوزخ کا اس کے لیے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے ــــــ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہو گا ــــــ اللہ کی پناہ کتنی سخت ہیں یہ تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے، لہٰذا اگر یہ شخص اس گناہِ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے دنیا سے نہیں گیا ہے۔ تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا، اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر اور خدا کو گواہ بنا کر اقرار و بیان جھوٹ بولنا، اور کسی بندہ کا مال مارنے کے لیے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لیے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا، بے ہی ایسا ہی بڑا گناہ کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

(۲۰۷) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اُن سے ہم کلام ہوگا، نہ اُن پر عنایت کی نظر کرے گا، اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاری رضؓ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے، حضورؐ! یہ تین کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح حاکم اور جج کے سامنے کسی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح اپنے سودے کو بیچنے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اس کو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے، اس لیے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ

کی ہم کلامی اور اُس کی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی بعض خفی قسمیں:-

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے۔

(۲۰۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ أُمِّيْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ أُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيْهِ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ

(رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا:- تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد تم اس بچے کو کوئی چیز نہ دیتیں، تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے

کے لیے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہ چاہیے علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ ان کا مقصد صرف بہلانا ہی ہو، پھر بھی بچے اُن سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

(۲۰۸) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان میں جھوٹ بولے اُس پر افسوس! اُس پر افسوس۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بُری بات اور بُری عادت ہے، اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے جھوٹی باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہیئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ——— رواه مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سُنے اُسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر سُنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا ــــــ بہر حال مومن کو چاہیے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی بعض خفی قسمیں :-

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلہ میں ذیل کی حدیثیں پڑھیے:-

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِی الْهَیْثَمِ بْنِ التَّیِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ابو الہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ابو الہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا، اس موقع پر آپ نے ان سے ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اُسے چاہیے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسہ کے قابل سمجھ کر اُس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے، لہذا

اُسے چاہئے کہ حقِ امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجہ کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

(۲۱۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے کہ اس کو راز رکھنا، لیکن اس کے کسی طرزِ انداز سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے، اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے امانت میں یہ خیانت ہوگی، اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن ذیل والی دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ:- اگر کسی بندہ کے ناحق قتل یا اُس کی آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے کی کوئی سازش تمہارے علم میں آئے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:-

(۲۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں، (یعنی کسی مجلس میں رازداری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہلِ مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں:۔ ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خونِ ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورہ سے ہو، اور تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان تین باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشا یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کے لئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے، اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانت داری اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے جن کو اس سے باخبر کرنا تم ضروری سمجھو، ان کو ضرور باخبر کردو، اگر ایسا نہ کروگے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کیلئے اپنی طرف سے کچھ کہہ دینا جھوٹ نہیں:۔

(۲۱۲) عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا ۔ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس سلسلہ میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے، اور

(اچھا اثر ڈالنے والی، اچھی باتیں کرے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسکے نتیجہ میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے، ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسر جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کی باتیں پہنچائے جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے، جو واقعہ میں اُس فریق نے نہ کہی ہوں، تو اس مخلص بندہ کا ایسا کرنا اُس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو معصیت اور گناہِ کبیرہ ہے — بس یہی اِس حدیث کا منشا ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولہ کا کہ :۔ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی :۔

وعدہ کرکے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے، اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کرکے فرمایا کہ :۔ جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اُس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔

اور "کتاب الایمان" میں "شعب الایمان" کے حوالے سے حضرت انسؓ کی وہ حدیث گذر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے، کہ:۔ جو شخص اپنے کئے عہد کا پابند نہیں، اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں —— اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں:۔

(۲۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ———— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں:۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے، تو اس کو پورا نہ کرے، اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے، تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے "کتاب الایمان" میں بھی گذر چکی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ان باتوں کے منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے —— وہاں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت، اور وعدہ خلافی در اصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بُری عادتیں موجود ہوں، وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو، لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اسی حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: "وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ" یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو، پھر بھی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہرحال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلایا گیا ہے۔

(۲۱۴) عَنْ عَلِیٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِدَةُ دَيْنٌ ۔ ———

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ) حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہیے)۔ (معجم اوسط للطبرانی)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے ——— لیکن اگر بالفرض کسی بُرے کام میں ساتھ دینے کا، یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے، یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اسکے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتباعِ شریعت کا ثواب ہوگا۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ اَنْ اٰتِيَهُ بِهَا فِيْ مَكَانِهِ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِيْ مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ ———

(رواہ ابوداؤد)

(**ترجمہ**) عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا، اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہونچا) تو

دیکھا، کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ: "تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا، اور بڑی زحمت دی ہیں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے ——— واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اسکے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں جو "خلق عظیم" ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

(۲۱۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ أَحَدُهُمَا إِلَىٰ وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِيْ جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ———

(رواہ رزین)

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک اُن میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پہ مقررہ جگہ پر پہونچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لئے مقررہ جگہ سے چلا گیا، تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

(رزین)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اُسنے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو

اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا۔ اور یہ گناہگار نہیں ہوگا۔

(۲۱۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِيَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۔۔۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا، اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عنداللہ گناہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع وخاکساری اور غرور وتکبّر:۔

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری اُن خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن وکمال یہی ہے کہ اُسکے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اُسکے بالکل برعکس تکبّر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شانِ بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔

(۲۱۸) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱۹) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا:۔ لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا ——— اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں

میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(۲۲۰) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکڑنے والا اور) سخت نہ ہو، بلکہ عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو، اور اسلئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھا لے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے ـــــــ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے، اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیونکہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ ـــــــ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے) ـــــــ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے

دب جائے، اور اسلئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبالیا کریں ——— اسی لئے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عتل، جو آظ مستکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور و انکبار اور اکڑپن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اسکے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھائے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا۔ یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا، تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

(۲۲۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ ——— ——— رواہ مسلم والبخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا۔ (مسلم و بخاری)

(تشریح) کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذاتِ پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت و ذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اسکے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ اور اسی کے لئے کبریائی اور بڑائی ہے

وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔ (جاثیہ ع-۴)

پس اب جو بد بخت و غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے، کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بدعملی یا بداخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جا سکے گا، ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بدعملی یا بداخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہونچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے، بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اسی اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہاں آگ میں تپا کے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا جائے گا، تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جا سکے گا۔

(۲۲۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ——— وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ ——— وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ ـــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا ـــــ اور ایک روایت میں یہ بھی ہو کہ اُنکی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا ـــــ اور اُن کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا فرمانروا، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) بعض معصیتیں بذات خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر اُن کا صدور ہو، تو اُن کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہو، مثلاً چوری بذات خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو، یا سرکاری سپاہی اور چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا، اور اُس کو قابلِ معافی نہیں سمجھا جائے گا ـــــ اِس حدیث میں اِسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبختوں بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعا ہم کلام نہ ہوگا، اور اُن کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا، اور آخرت میں یہ مجرم ربِّ کریم کی نظرِ کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے ـــــ ایک بوڑھا زناکار، دوسرا جھوٹا فرمانروا، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبّر کرنے والا ـــــ اور یہ اِسلئے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا، تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ درگذر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے ـــــ لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے، تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے، اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لئے جھوٹ بول جائے، تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ معافی ہو سکتا ہے، لیکن ایک صاحب اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اُس کی طبیعت

کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے ــــــ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔ ع

"چو بدولت برسی مست نہ گردی مردی"

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلا شبہ یہ انکی انتہائی رذالت اور کمینہ پن ہے ـ ـ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے، اور صرف عقیدہ یا بعض اعمال صالحہ کی بنیاد پر ان کو مومنین صالحین کیساتھ شامل نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم

شرم و حیا :-

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے :-

(۲۲۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ ــــ

رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ

عَنْ اَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ

(ترجمہ) زید بن طلحہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔

(مؤطا امام مالک۔ سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ ان کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور عفو و درگزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعتِ انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ابنائے جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ

کی۔ اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اُسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اُسکے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اُس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے، اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہوجائے۔ تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہو (یعنی اُن صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے)۔

(۲۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِى الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر، انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اُس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اُس سے فرمایا، کہ:۔ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ حیا تو ایمان کا جزیا ایمان کا پھل ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات

میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ اہلِ حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور اُن کے کوئی بھائی تھے، جو اُن کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی اُن صاحبِ حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اِس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں بھائیوں پر گذر ہوا، اور آپ نے اُن کی باتیں سُن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا، کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے، اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

(۲۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ ——— رواه احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح) اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیا شجرِ ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے) فرمایا گیا ہے "وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہرحال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں ——— اور اُسی کی ایک تعبیر

وہ بھی ہے جو اس سے بعد والی حدیث میں آرہی ہے۔

(۲۲۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ ——— رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

(۲۲۷) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ ———

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ حیا صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم وحیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم وحیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتّٰی کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطۂ نظر

سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے، اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے ——— لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے، انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اِس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں کر پاتے۔

(۲۲۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ——— رواه البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اُس میں سے ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ:۔ جب تم میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو۔" (صحیح بخاری)

(تشریح) انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں، لیکن اُن کی کچھ سچی پکی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبولِ عام اور مشہورِ عام ہو گئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گذرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زدِ خلائق رہیں، انھیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور کے زمانہ تک بطور ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بے حیا باش وہرچہ خواہی کن" ——— رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

(۲۲۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِىْ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ــــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہیے۔ مخاطبین نے عرض کیا:۔ الحمدللہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہے اُس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو، اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا،

پس جس نے یہ سب کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیا کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انھوں نے اپنا مطمح نظر بنا لیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں، اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اُس نے اللہ سے حیا کا حق ادا نہیں کیا۔

قناعت و استغناء اور حرص و طمع :-

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اُس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا ـــــ اسکے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ ـــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اِس قدرِ کفاف روزی پر قانع بھی بنا دیا (صحیح مسلم)

(تشریح) بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں گذارے کا کچھ ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اُسکے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ——— یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے۔ ع

ایں کیمیائے ہستی قارون کند گدا را

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور "ھل من مزید" ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اُسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا برخلاف اسکے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی ——— اِس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(۲۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ دولتمندی مال و اسباب سے حاصل

نہیں ہوتی۔ بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی:۔

(۲۳۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ تَقُوْلُ کَثْرَۃُ الْمَالِ الْغِنٰی قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ تَقُوْلُ قِلَّۃُ الْمَالِ الْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذٰلِکَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ اَلْغِنٰی فِی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِی الْقَلْبِ ــــــــ

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا:۔ ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضورؐ! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ نے فرمایا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضورؐ! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی ــــ اسکے بعد ارشاد فرمایا۔ اصلی دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔

(معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے، اگر دل غنی اور بے نیاز ہے، تو آدمی بخت اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص و طمع کا گرفتار ہے، تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج و پریشاں حال ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور قول ہے:۔

"تونگری بدل ست نہ بہ مال"

(۲۳۳) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرما دیا (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انھوں نے پھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرما دیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب ختم ہوگیا، اور کچھ نہ رہا، تو آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا، سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہوگا اور کہیں سے آئے گا، میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا، اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب سمجھ لو، کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اس کو نصیب

ہوجاتی ہو) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اِس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دستِ سوال دراز کرنا نہ پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں، تو اُسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہو کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی"۔ واقعہ یہی ہو کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہو، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" میں "صبر" کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی مقدم کیا گیا ہے۔

(۴۳) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا ———

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا،

آپ نے پھر عطا فرما دیا پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ :- اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص و طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اسکے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اُسکے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اُس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے ــــــــ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے) ــــــــ۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضورؐ کی یہ نصیحت سُن کر) میں نے عرض کیا :- یا رسول اللہ! قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اُس کو پھر ایسا نبا ہا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بُلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے ــــــــ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت و امارت میں بھی انھوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ اَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ

خفف جزوا ـــــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ :۔ حرص و طمع سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو بخل کرنے کو کہا تو انھوں نے بخل اختیار کیا اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کے لئے کہا تو انھوں نے قطع رحمی اختیار کی، اسنے ان کو بدکاری کے لئے کہا تو انھوں نے بدکاریاں کیں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی حرص و طمع صرف ایک بری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

(۲۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِیْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ :۔ انسان میں سب سے بری بات کڑھا دینے والی حرص اور گھبرا دینے والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر:-

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے ۔۔۔۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اسلئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

۔۔۔۔ اس سلسلہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:-

(۲۳۷) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسکے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اُسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

(مسلم)

(تشریح) اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا صرف اُن اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں ——— اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

(۲۳۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ ——— رواہ ابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔

(ابن ماجہ)

(تشریح) جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گذرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اسلئے صبر در اصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا تعالیٰ راضی نہ ہوگا ——— اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا ——— گویا اس صبر کی وجہ سے بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہونگے۔

(ف) جب کسی بندہ کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرلے تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۲۳۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔

رواه الطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:- جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں

مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو

اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے (معجم اوسط طبرانی)

(تشریح) صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی بخشش کا ذمہ لیا ہے ـــــــ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲۳۹) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اِنَّ اِبْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِءُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اسکے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے، الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے

لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہیئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اٹھ کر چل دیئے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بعض اور لوگ بھی آپکے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، اسکے اس حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا:۔ حضرت یہ کیا؟ ۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

(بخاری و مسلم)

(**تشریح**) حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے ——

باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضور کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب کے ساتھ سوال اسلئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی

کہ دل کا یہ تأثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴۰) عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ: "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعْظَمَ اللهُ لَكَ الْأَجْرَ وَأَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَّوَاهِبِ اللهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِأَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى إِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَّلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَأَنْ قَدْ. وَالسَّلَامُ ـــــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــــ اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام ـــــــ میں پہلے اُس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــــ (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا

موقع دیا، اور جب اس کی مشیت ہوئی یعنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے۔ اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا پس اے معاذ! صبر کرو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع تمہارے اجر کو غارت کر دے، (ورنہ تمہیں ندامت ہو کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی ہوئی) اور یقین رکھو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا، اور نہ اس سے دل کا رنج وغم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے ـــــــــــــ والسلام۔

(معجم کبیر ومعجم اوسط)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے: "أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی، اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے"۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحب ایمان بندے کے لئے تعزیت ونصیحت اور تسلی وتشفی کا پورا سامان ہے، جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت ونصیحت سے سکون حاصل کریں اور صبر وشکر کو اپنا شعار بنائیں۔

(۲۳۱) عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ سَمِعْتُ

اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى اِنِّىْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ فَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِىْ وَعِلْمِىْ۔۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے شوہر ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمّت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبۂ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور جب اُن پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ اُن میں ذکوئی خاص درجہ کی بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی ــــــ

حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا کہ:۔ جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی تو اُن سے خوشحالیوں میں شکر اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصّہ دوں گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا"۔ اب اگر کسی اُمّت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر

شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور قرونِ مابعد کے صلحا، مومنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور اُن کے اِس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُسنے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرّے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں، اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اِس اُمّت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اسکے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انھوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اُسکے نتیجہ میں ایک ایسی اُمّت کی اُمّت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہوگی

توکّل اور رضا بالقضا:۔

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں اُن کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصّہ نہیں ہے، اِسی طرح اس عالمِ وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے

اِس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر

اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے اُمید یا خوف ہونا، اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکّل ہے ـــــ

توکّل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکّل کیلئے لازم نہیں ہے ـــــ حضرات انبیاء علیہم السّلام خاص کر سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اور ہر دَور کے عارفین کاملین کا توکّل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیساکہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکّل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لئے شرط ہے، ہاں اگر غلبۂ حال سے اللہ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابلِ اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہ کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لئے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کیلئے کوئی بندۂ خدا ترکِ اسباب کا رویّہ اختیار کرلے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکّل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثنا کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکّل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکّل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے

پھر توکّل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی

اچھے یا برے احوال آئیں وہ یہ یقین کرنے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے، اسکے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اسکے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ . .

"ہرچہ از دوست میرسد نیکوست"

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھئے :۔۔

(۲۴۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ ــــــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ، وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، اور شگونِ بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں ۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں ۔۔۔۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا اُن کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے، تو اُس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اسلئے پھر اس کو

نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے ——
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگون بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہٰذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کارفرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہٰذا کسی مقصد کے لئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرکے منتر اور شگونِ بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کرکے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگونِ بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں —— پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لئے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے (بقیہ ص ۳۱۱ پر)

البتہ توکل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے، اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اِس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف اُن کی ہے جو اس فضیلت کے درجۂ اول میں مستحق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے ——— علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

(۲۳۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا ———

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

(صفحہ ۳۱۰ کا بقیہ حاشیہ) کے بعد لکھتے ہیں ——— اقول انما وصفھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمعنی الرقی بقولہ ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون الخ) اعلاماً بان اثر التوکل ترک الاسباب التی نھی الشرع عنہا لا ترک الاسباب التی سنہا اللہ تعالیٰ لعبادہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ :- اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور
اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ
پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے
واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ
کریں، جیسا کہ انھیں کرنا چاہئے، تو اللہ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے
رزق دیتا ہے کہ انھیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے،
صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر
اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اور انھیں زیادہ کدو کاوش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ
اب اٹھانی پڑتی ہے۔

(۲۴۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ
كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ۔

(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر
میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب
شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو
پرواہ نہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ
کرے (اور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنادے)
تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کے اطمینان

سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہے)۔

(تشریح) حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، ماحصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل و اعتماد کرے، اور اسکے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اسکے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کے لئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۲۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ ـــــــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اسکے احکام کی تعمیل اور اسکے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج ہو

طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو دل میں بٹھا لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جُڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اُسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے اسکے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اسکے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا، اٹھو چکے قلم اور خشک بھی ہو چلے صحیفے

(مسند احمد و جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسکے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان، یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اُسکے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے ——— ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے، لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اُس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اسکے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمھیں یاد رکھے گا اور تمھاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ "تقدیر" کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اِسلئے اس شبہ اور وسوسہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو

اس بارے میں خلجان ہو تو معارف الحدیث جلد اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

(۲۴۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ ——————

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الرُّوْحُ الْاَمِیْن نے اور ایک روایت میں ہے کہ رُوح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق

پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اسکے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمھیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اسکے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(شرح السنۃ، شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امینؑ نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا، اور اسکے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہئے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری

ہی کے راستہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اسکے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کرلے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کے رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۲۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِّيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَى فَوَضَعَتْهَا وَإِلَى التَّنُّورِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى التَّنُّورِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا قَالَتِ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحَى فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوْلَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ______ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں، کہ:۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچا جب اسنے ان کو فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لئے) جنگل کی طرف چل دیا، جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا کہ شوہر

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے اس نے تیاری شروع کردی) وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جاسکے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اسنے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک! ہمیں رزق دے! ـ اب اسکے بعد اسنے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لئے جو جگہ بنی ہوتی ہے (جس کو چکی کا گرانڈا اور کہیں کہیں چکی کی پھر بھی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اسکے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہ راست خزانۂ غیب سے اس طرح ملا ہے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔

(مسند احمد)

(**تشریح**) اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں ـــــ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ـــــ پھر اس قسم کے واقعات

اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے کسی متبع اُمتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو، تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کرکے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آگیا، اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں، لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے اُن کے لئے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ـــــ ـــ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے: "وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (سورۂ طلاق)۔ اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کے لئے اور اسکے کام بنانے کے لئے کافی ہے۔

(۲۴۸) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللهُ لَهُ ـــــ ـــــ ـــــ رواه احمد والترمذي

(ترجمہ) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جو فیصلہ ہو وہ اُس پر راضی رہے، اور آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بدنصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناخوش ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین کرتے ہوئے اسکے فیصلہ پر راضی رہے ۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" (ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اسمیں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو) ۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اسکے نزدیک بندہ کے لئے جو خیر ہو اسی کا اس کے لئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے ——— اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بدنصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اسکے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو ۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اُن صفات کمال و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اسکے دل میں رچ بس گئی ہو ——— ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے ۔ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اخلاص و للّٰہیت اور نام و نمود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاق حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اُس کی تکمیل اخلاص و للّٰہیت کی تعلیم سے ہوتی ہے یعنی اخلاص و للّٰہیت کتاب اخلاق کا آخری تکمیلی سبق اور روحانی و اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔

اس اخلاص و للّٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اسلئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور لعنت سے ہم محفوظ رہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ تمام اچھے اعمال و اخلاق کی رُوح اور جان یہی اخلاص نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضاء الٰہی نہ ہو، بلکہ نام و نمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک انکی کوئی قیمت نہیں اور اُن پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں —— اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اُخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو، اور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو ——— اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، اپنے معاملات میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے ——— فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اُس کا یہ برتاؤ اپنی فلاں ذاتی

غرض کے لئے ہو، یا آپ کسی دوست یا عزیز و قریب سے وہ اسلوک کا معاملہ کیا جاتا ہو اور صرف اس کے دکھانے کیلئے آپکے ساتھ اُس کا یہ برتاؤ ہے، تو چونکہ آپکے دل میں اس کی اور اسکے اس برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی بس یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے، فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ سب کے دلوں اور نیتوں کا حال جانتا ہے، پس اُس کے جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اُسکی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے ان اعمال کو قبول کرکے ان سے راضی ہوتا اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت جو دار الجزا ہے اس میں اُسکی اس رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہوگا ... اور جو لوگ اپنے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی کے لئے یا ایسی ہی دوسری اغراض و مقاصد کیلئے کرتے ہیں اُن کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت سے محروم رہیں گے، اور ان کی اس محرومی کا پورا پورا ظہور بھی آخرت ہی میں ہوگا۔

اس باب میں اصل بنیاد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الحديث" ہے جو جلد اوّل کے بالکل شروع میں درج کی جا چکی ہے اور وہیں اسکی تشریح بھی بسط و تفصیل سے کی جا چکی ہے، اسلئے یہاں اُسکے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اُسکے علاوہ اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں، اور انہی حدیثوں پر یہ سلسلہ دوم ختم ہو رہا ہے۔

(٢٣٩) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، ولیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح :- مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل وصورت یا اُس کی دولت مندی نہیں ہے بلکہ اس کی درستی اور نیک کرداری ہے وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل وصورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اسکے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رُخ اور اُس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورۂ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں :-

إِنَّ اللهَ لَا يَنظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ	اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو
وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ	اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا
يَنظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ[1] ـــــ	بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے ـــــ

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دارومدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت :-

(۲۵۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا اِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهٗ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وُلْدِيْ وَاَنَّهٗ قَدْ نَاٰى

---

[1] جمع الفوائد جلد دوم ص ۱۶۰

فِي الشَّجَرِ فَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ
كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا أَكْرَهُ
أَنْ أُوقِظَهُمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ
عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ
كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً
نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتَّى يَرَوْنَ السَّمَاءَ وَقَالَ الثَّانِي
اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ
النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ
فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ
بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ
فَقُمْتُ عَنْهَا اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ
وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ
اللّٰهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰى
عَمَلَهُ قَالَ أَعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَتَرَكَهُ وَ
رَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا
فَجَاءَنِي فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ
اذْهَبْ إِلَى الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَأْ بِي فَقُلْتُ
إِنِّي لَا أَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذٰلِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا فَأَخَذَهُ فَانْطَلَقَ
بِهَا فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ
مَا بَقِيَ فَفَرَجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ــــــــــــ رواه البخاري ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ "تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ انکو مینھ نے آلیا۔ وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا، اپنے اُن نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لئے کئے ہوں، اور اُس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو۔ اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کر دے۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا یہانتک کہ شام ہو گئی۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا پھر دودھ کا برتن لیکر ماں باپ کے پاس پہنچا، اور اُن کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھ کو اُن کو جگانا بھی بُرا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں۔ بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے، اور میں دودھ لئے کھڑا تھا۔ صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ لئے کھڑا رہا، اور بچے روتے رہے، اور ماں باپ پڑے سوتے رہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کیلئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی میں اُس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کبھی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اُس سے جماع کی خواہش

ظاہر کی، اُسنے کہا کہ سب تک سو اشرفی نہ دوگے ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے کوشش شروع کی، اور سو اشرفیاں جمع کرلیں، اور اُن کو لیکر میں اسکے پاس پہنچا، پھر یب میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کیلئے) تو اُسنے کہا کہ اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مُہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری رضا مندی اور خوشنودی کیلئے تھا، تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا، تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا، ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر، جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلوایئے؟ میں اُس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا، اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کردی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور اُن کے چرواہے جمع کرلئے، پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے حوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اُسنے کہا بندے خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اُسنے اُن سب کو جمع کیا اور لیکر چلا گیا اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری خوشنودی اور رضا مندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا، اور راستہ کھول دیا۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے اُمتی تھے، حضورؐ نے اپنی اُمت کی سبق آموزی کیلئے اس قصّہ کو

بیان فرمایا   اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش
کر کے اس سے دعا کی ہے ان کی چند خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحۃ ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف
اللہ کی رضا جوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں
ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی
چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں   ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدۂ نفس کتنا
سخت ہے، دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے، اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے، قدرتی طور پر
اس کا جی سونے کو بہت چاہتا ہوگا، بلکہ وہ سونے کیلئے مضطر اور بیقرار ہوگا، لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ
پئے سو گئے تھے، اور یہ اللہ کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے انکی آنکھ کھلے، یہ اُن کو دودھ
پلادے، اسلئے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا۔   اور پھر
اسکے بچے اسکے قدموں میں پڑے، بھوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اسنے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر
اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو
بھی دودھ نہ پلایا، یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہوگئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے، ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے
اور جب ایک بیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے اور کسی طرح وہ رقم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی
کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اُسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی تو ٹھیک
اُس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کئے بغیر اللہ سے ڈر کر اور
اس کی رضا طلبی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔   ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا
سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ——— ایک مزدور کے چند سیر

چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے، اُسنے اُنہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اُسنے اُسی مزدور کی ملکیت قرار دیکر اُسی کے حساب میں اُس کو اگاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہوگئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہوگیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اُس مزدور کے حوالہ کردی۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ اُسوقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اُس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضائے الٰہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بیچارے مزدور کے حوالے کردی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبادت نہیں ہے بلکہ ایک کا تعلق باب معاشرت سے ہے ایک کا باب معاملت سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اُس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اُسنے فراہم کرلئے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُس کو پیش کرسکتا ہے۔

ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے:-

اخلاص و للّٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریا و سمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

(۲۵۱) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ ——

(رواہ احمد)

(ترجمہ) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اُسنے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اُسنے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ خیرات کیا اُسنے شرک کیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اسکے افعال اور اسکے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ شرکِ حقیقی اور "شرک جلی" اور "شرک اکبر" ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا —— لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کر شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے، اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرے یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار اور نیکوکار سمجھیں اور اسکے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرک خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرک اصغر" کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور انکی نظروں میں معزز و محترم بننے کے لئے یا اُن سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا

شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

(۲۵۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ ——————

(رواہ ابن ماجۃ)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرۂ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا:۔ کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے عرض کیا:۔ حضورؐ! ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے!۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ شرکِ خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اسلئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کے لئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کے لئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اسلئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریا والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ ـــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "شرک اصغر" کا کیا مطلب ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔ (مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشا اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے عملوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا۔

(۲۵۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ـــــ

وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا مِنْہُ بَرِیْءٌ ھُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَہٗ ــــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں اس طرح میں راضی نہیں ہوتا، اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے (یعنی اُس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اُس کو اور اُسکے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں ــــ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں، بلکہ) صرف اس دوسرے کے لئے ہے جس کے لئے اُسنے کیا (یعنی جس کو اُسنے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَۃَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰہُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَہٗ لِلّٰہِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَہٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ ــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) ابوسعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جسکے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین وآخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ

جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اُسی دوسرے سے جاکر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکا سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اُسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اُسکے سوا کسی کو بھی اُس میں شریک نہ کیا گیا ہو، اور اِسکے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو اُن اعمال کا ہے جو اللہ کے لئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو "نیک اعمال" محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دیے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا:-

(۲۵۶) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِيْ اللّٰهُ بِهٖ ــــــــــ ...

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا، اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا انکے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ انکی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لئے کیا کرتے تھے ۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سرِ محشر انکی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بدباطنی دکھا دی جائے گی۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ :-

(۲۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّيْنِ أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَبِي يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ فَبِي حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلَى أُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ ۔ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے۔ وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہونگے۔ (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں۔ پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر

اُنہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو اُن میں کے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس اُن خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اِس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب:۔

(۲۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَمِائَةِ مَرَّةٍ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا؟ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُونَ بِأَعْمَالِهِمْ ــــــ رواه الترمذي

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ تم لوگ "جُبُّ الْحُزْنِ" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ حضرت! جُبُّ الْحُزْنِ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا بُرا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ بڑے عبادت گذار اور یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جہنم کے اس خندق "جُبُّ الحُزن" میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "القُرّاء" کا لفظ بولا ہے، اسکے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔۔۔ پس حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادتگذار ہونگے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادتگذاری ریاکارانہ ہوگی

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارہ میں کیا جائیگا:۔

(۲۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُّقَالَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ

فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ بِهِ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ ــــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا شخص جسکے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا، ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا۔ یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا پھر خداوند تعالیٰ اُس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا! (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اسلئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور (دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو لئے، پھر اُس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ــــــ اور اسی کیساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جسنے علم دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتلائے گا، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا

کے لئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تونے یہ بات جھوٹ کہی، تونے تو علم دین اسلئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اسلئے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ______

اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں تبلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تونے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا)۔ وہ عرض کرے گا خداوندا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تونے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تونے اسلئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہوگیا، اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) العظمۃ للہ کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بیہوش ہو جاتے تھے ______ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں، لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!۔

اعمالِ صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے:۔

(۲۶۰) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ـــــ وَفِي رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ـــــ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ ـــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ ـــــ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ یہ تو مومن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابۂ کرام کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جب نیک

عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اسکی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں۔ تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ مل ہی گیا۔ ۔ ۔ ۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا جسکے جواب میں آپنے فرمایا "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اسکی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اور اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اسی حال میں ایک شخص آیا اور اسنے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپنے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اسلئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتدا کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا و سمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ آمین! ۔ (جلد ثانی ختم ہوئی)

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

معارف الحدیث

جلد سوم

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

مَعَارِفُ الْحَدِيْث

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد سوم

کتابُ الطّہارۃ و کتابُ الصّلوٰۃ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

بار اوّل ۱۰۰۰

رمضان ۸۴ھ جنوری ۶۵ء

مطبع تنویر پریس لکھنؤ

قیمت مجلد ۱۲/۵۰

غیر مجلد ۱۳/۵۰

نکتہ سنجاں را صلائے عام "
از نبئ اُمّی پیغام "

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں ——— جو
"نبیِ اُمّی سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی و ابی و روحی و قلبی)" پر
ایمان رکھتے ہیں
اور آپ کی ہدایت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی
نجات کا یقین کرتے ہیں
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آیئے
علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر
آپ کے ارشادات سنیں،
اور
اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں!

———

عاجز دعا
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین معارف الحدیث (جلد سوم) بقیہ صفحہ

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اسلام میں بلکہ کسی بھی مذہب میں جس کو مذہب کہا جا سکتا ہو — نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نبی اور رسول ہی براہِ راست ہدایت کا نزول ہوتا ہے، وہی بندوں کو اللہ کی ہدایت پہونچاتا ہے، نبی اس کے اصولوں کی تشریح کرتا اور احکام کی عملی شکلیں بتاتا ہے، پھر اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ضروری سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ اسلئے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی اور بنیادی ہے، اور وہی انسانوں کے لئے ہدایت کا ماخذ ہے، اور اس لئے اس پر ایمان لانا اور اس کو اللہ کا مقرر کیا ہوا راہنما ماننا نجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے۔ — — ہمارے اس دور کے لئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن یعنی قیامت تک کے لئے اور پورے عالم انسانی کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ اُن کے خاتم النبیین ہونے کا یہی مطلب ہے کہ اب قیامت تک انہی کی نبوت و رسالت کا دور ہے، اب اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کی راہ صرف وہی ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی قرآن مجید میں خود آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: — —

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝" ——— (آل عمران۔ ع ۴)

(اے پیغمبر! تم صاف صاف بتا دو کہ اے لوگو اگر تم خدا کو چاہتے ہو اور اس کی رضا و رحمت اور اس کے پیار کے طلبگار ہو تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری بتائی ہوئی

راہ پر چلو، صرف اسی طرح تم اُس کی بخشش اور اُسکے پیار سے حصّہ پاسکو گے ــــــ اے رسول!
تم کہدو کہ اے لوگو اللہ اور اُسکے رسول کی یعنی میری فرمانبرداری کرو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کی محبت
اور اس کا پیار کبھی حاصل نہیں ہوگا نہ ماننے والوں کو)۔

جب آپ پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونے والے
سارے انسانوں کے لئے نجات اور رضائے الٰہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ یا تو آپ کو اس دُنیا کے
خاتمہ تک زندہ رکھا جاتا تاکہ ہدایت و رہنمائی کے لئے بہ نفس نفیس آپ کی طرف رجوع کیا جا سکتا یا آپ کی
پوری تعلیم و ہدایت، اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس طرح محفوظ کردیا جاتا کہ بعد میں آنے والے بھی پورے علمی اعتماد
اور قلبی اطمینان کے ساتھ اُسی طرح آپ سے تعلیم و ہدایت لے سکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و اطمینان کیساتھ
آپ کے زمانہ کے لوگ لیتے تھے۔

قیامت تک آپ کو زندہ و باقی رکھنا حکمت الٰہی کے خلاف تھا، اسلئے دوسرا بندوبست فرمایا گیا۔
آپ کی لائی ہوئی ہدایت کا ایک حصّہ جو اساسی قانون اور بنیادی دستور کی حیثیت رکھتا ہے جس کے الفاظ
بھی آسمانی اور الہامی ہیں یعنی قرآن مجید اُس کو تو اللہ تعالیٰ نے لفظ بہ لفظ محفوظ کرادیا۔ تاریخ سے واقفیت
رکھنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اس کا لفظ لفظ محفوظ ہے ــــــ اسکے علاوہ زندگی کے مختلف
شعبوں سے متعلق آپ کی تفصیلی ہدایات، آپ کے راہنما ارشادات و خطبات، آپ کے اعمال و افعال اور
اخلاق و عادات گویا آپ کی پوری زندگی جو در اصل قرآن مجید کی تشریح و تفسیر اور اسکی ہدایت و تعلیم کی عملی
تصویر ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت سے حدیث کی تدوین اور حفاظت کا معجزانہ کام لیکر ایسا
محفوظ کرادیا کہ قریباً چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی پوری پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ اس طرح موجود
اور محفوظ ہے کہ گویا اپنی خصوصیات کے ساتھ آپ خود اس دُنیا میں رونق افروز ہیں۔ ــــــ اگر
کسی باتوفیق بندے کی حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمانی
رابطہ بھی نصیب ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ گویا حدیث کے آئینہ میں اس کی نظر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی پوری زندگی کی عکسی تصویر ہے، وہ آپ کو اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہنستے بولتے، نماز پڑھتے،
لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے، اللہ کے حضور میں دعا کرتے، اس میں زار زار روتے اور آنسو بہاتے، احرام باندھے
حج کرتے، حج میں طواف اور سعی کرتے، قربانی کرتے اور حلق کراتے، مسجد کے صحن میں نزاعات کا تصفیہ کرتے،

مجرموں کے لئے سزاؤں کے احکام جاری فرماتے اور میدانِ جنگ میں مجاہدین کی صفوں کی قیادت کرتے دیکھے گا، اپنے دل کے کانوں سے آپ کے ارشادات سُنے گا۔ جلوت اور عام مجالس کے علاوہ خلوت کی آپ کی ایسی بہت سی باتیں بھی اسکے علم میں آئیں گی جو اپنے قریب ترین عزیزوں دوستوں حتیٰ کہ اپنے ماں باپ کی بھی وہ نہ جانتا ہوگا۔

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے اپنے مُلک کے ایک مشہور و معروف غیر مسلم فاضل سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی زندگی کے محفوظ ہونے ہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اُن کی بعض غلط فہمیوں اور عقلی اُلجھنوں کو دُور کرنے کے لئے مجھے کہنا پڑا تھا کہ: "میرے والد ماجدؒ کا انتقال جس وقت ہوا اُس وقت میری عُمر قریباً بیالیسؔ سال کی تھی، گویا میں فہم و شعور کے ساتھ قریباً ۳۰ سال اپنے والد ماجدؒ کے زیرِ سایہ رہا ہوں، لیکن میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کے ذریعہ جتنا کچھ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جانتا ہوں اتنا اپنے والد ماجدؒ کے بارے میں نہیں جانتا"۔ ———— الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ یہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔

صحابۂ کرامؓ جن کو دولتِ ایمان کے علاوہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کی نسبت بھی نصیب تھی، جو کچھ آپ سے سُنتے تھے اور جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے اس کو یاد رکھتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اسکے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق و محبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اس کو اپنی اہم ذمہ داری بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے ———— بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آپؐ کے ارشادات خود آپؐ کی اجازت سے قلمبند بھی کرتے تھے[1]۔

پھر جن لوگوں کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نصیب نہیں ہوا، اور انھوں نے آپ کے فیضیافتہ صحابۂ کرامؓ کو پایا انھوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ اُن سے حاصل کیا۔ اس دَور میں (یعنی دَورِ تابعین میں) خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابۂ کرام کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا[2]۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ اور مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں خود عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس کی اجازت چاہی تھی اور آپ نے مجھے اس کی اجازت دی تھی ۱۲۔ [2] عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینۂ طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی (بقیہ صـ۱۲ پر)

چنانچہ ابن شہاب زہری اور ہمام بن منبہ جیسے علماء تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ پھر ان کے تلامذہ میں اس کا عام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالکؒ کی مؤطا آج تک متداول ہے۔ اس کے علاوہ و بہت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعد کے تیار شدہ مجموعوں میں وہ پورا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا ہے۔

اس دور کے بعد امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، اور حافظ الحدیث حُمیدی جیسے سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاری، امام مسلم اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں وہ کام کیا جو اُن کی مرتب کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

ان کے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ راویوں کی تنقید اور جرح و تعدیل کا کام بھی خاص اہتمام سے ہوتا رہا، اور اسکے نتیجہ میں چالیس ہزار سے زیادہ راویانِ حدیث کے احوال سے متعلق اسماء الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن اور ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اسی کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا ابتدائی نمونہ امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور امام بخاری کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماءِ اُمت نے احادیث کے ان مجموعوں یا انہی سے مرتب ہونے والی دوسری مؤلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا، اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق اُن کی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(صلا کا بقیہ حاشیہ)

ابوبکر بن حزم کو لکھا تھا:- انظروا ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء۔ (صحیح بخاری)۔

ہمارے اس زمانہ کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کے طرزِ فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے اسلئے تعلیمات محمدیؐ کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اُس وقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوادی تھی۔ اُن کی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اسلئے اس میں دوسری شروح حدیث کی نسبت زیادہ استفادہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اس کی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی ایک خصوصیت تو یہی ہے کہ اُس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں اسکے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں اُمت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی و اجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد ابواب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں اُن مسائل سے متعلق بھی ناظرین کرام پڑھیں گے جن میں فقہاء کے مسالک مختلف ہیں، اس عاجز نے

ان کی تشریح میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق کچھ ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق، اور دوسری میں تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کر کے پیش کی گئی تھیں، اس تیسری جلد میں اسلام کے پورے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اذکار و دعوات کے ابواب کی حدیثیں جمع کر کے نذرِ ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہو گئے اس لئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا، باقی حصہ انشاء اللہ چوتھی جلد میں پیش ہو گا، اندازہ یہ ہے کہ اس کی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اس کے ۳ سال بعد ۱۳۷۶ھ میں شائع ہو گئی تھی، یہ تیسری جلد بعض خاص رکاوٹوں کی وجہ سے تقریباً ۸ سال کے وقفہ سے اب شائع ہو رہی ہے، لیکن اسکے بعد والی جلد کے بارے میں اُمید ہے کہ وہ انشاء اللہ آنے والے سال ہی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاسکے گی۔

طہارت چونکہ بہت سی عبادات کے لئے خاص کر نماز کے لئے شرط قرار دیگئی ہے، اسلئے عام محدثین کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں نماز اور دوسری عبادات کی حدیثوں سے پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اسی طریقے کی پیروی میں اس جلد میں بھی پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں درج کی گئی ہیں جن کی تعداد صرف ستر ہے، اسکے بعد ابواب نماز کی حدیثیں ہیں جن کی تعداد ۲۵۱ ہے —— ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے۔ حدیث پر نظر اور دورِ حاضر کے علمی و دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کرینگے کہ ترجمہ اور تشریح سے قطع نظر یہ انتخاب و ترتیب بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔

اس سے پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی عظمت اور

قدر و قیمت کو سمجھیں اور اُن کے اندر اُسکے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اُس نور ہدایت روشنی سے وہ بھی حصہ لے سکیں جس سے آپ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعہ صحابۂ کرامؓ کو حصہ ملا تھا۔ اسلئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے دانستہ بچا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا بس مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر حسب ضرورت اس کی رُوح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آمین اور رفع یدین جیسے اختلافی مسائل کے بارے میں ناظرین کو ذہنی انتشار اور پریشان دماغی سے بچانے کے لئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اس کی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے ——— اب اس میں جو صحیح اور صواب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جو غلط ہے وہ اس ناقص العلم کے علم و فہم کا قصور ہے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر "مشکوٰۃ المصابیح" سے لی گئی ہیں اور تخریج میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے نیز اسی کی پیروی میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ جو حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم سے لی گئی ہے وہ حدیث کی اگرچہ دوسری کتابوں میں بھی ہو لیکن حوالہ صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم ہی کا دیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان میں سے کسی ایک میں ہونا بھی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے ——— بعض حدیثیں "جمع الفوائد" سے بھی لی گئی ہیں اور چند "کنز العمال" سے بھی، لیکن اُن کے لئے کنز العمال کا حوالہ التزاماً دیا گیا ہے ——— بعض حدیثیں براہ راست صحاح کی کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہی حدیثیں ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ یا جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی لکھا جا چکا ہے چونکہ اس سلسلہ (معارف الحدیث) کا اصل مقصد دعوت اور تذکیر و تفہیم ہے اسلئے متن حدیث کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ حدیث کے مقصد اور پیام کو واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی حدیث کو مقدم یا مؤخر کیا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی، اور اب بھی یہی ہے ـــ کہ

حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں ـــ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگا، جو عہد نبوی کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست رُوحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی ـــ

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کیلئے حُسنِ توفیق کی

استدعا ـــ اور

غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!

اللہ کی رحمت اور اسکے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یکم رمضان ۱۳۸۴ھ ـــ ۵ جنوری ۱۹۶۵ء

کِتَابُ الطَّهَارَة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طہارت و پاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوت قرآن، اور طواف کعبہ جیسی عبادات کے لیے لازمی شرط ہے، بلکہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے۔ قرآن مجید کی آیت "إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ"[1] (اللہ تو بہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے)

اور قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد۔

"فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ"[2] (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب پاک و صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے) ـــــ صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ

---

[1] بقرہ۔ ع ۲۸ [2] توبہ۔ ع ۱۳

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے چلتے ہی نمبر پر مسلم کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کے پہلے فقرے "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" کا گویا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ طہارت و پاکیزگی اسلام کا صرف ایک حکم ہی نہیں ہے بلکہ وہ دین و ایمان کا اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس کو "نصف ایمان" فرمایا گیا ہے۔

ہمارے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ایک نفیس تحقیق یہاں قابل ذکر ہے۔ اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ:-

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں۔ لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں۔ طہارت، اخبات، سماحت، عدالت[1]۔

پھر شاہ صاحبؒ نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔

یہاں ہم شاہ صاحبؒ کے کلام کے صرف اس حصہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں

ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں

---

[1] باب الاصول التی یرجع الیہا تحصیل الطریقۃ الثانیہ۔ ملخصاً

سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اُسکو پیشاب یا پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض و تکدر اور گرانی و بے لطفی اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کا جو سخت تقاضا تھا اس سے وہ فارغ ہو جاتا ہے اور اچھی طرح استنجا و طہارت کر لیتا ہے، یا اگر وہ جماع سے فارغ ہوا تھا تو غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور سرور و فرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے ...... پس دراصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام "حدث" (ناپاکی) اور دوسری کا نام "طہارت" (پاکی و پاکیزگی) ہے، اور انسانوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں کے فرق کو واضح طور سے محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے تقاضے سے "حدث" کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو (یعنی "طہارت" کی حالت کو) پسند کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملأ اعلیٰ یعنی ملٰئکۃ اللہ کی حالت سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے، کیونکہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے پاک صاف اور اپنی نورانی کیفیات سے شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ اور اسی لیے حسب امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور الہامات و منامات کے ذریعہ ملأ اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے اور اس کے برعکس جب آدمی حدث

اور ناپاکی کی حالت میں وہ دبا رہتا ہے تو اُس کو شیاطین سے ایک مناسبت سی حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد و صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ج ۱)

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدث دراصل انسانی روح اور طبیعت کی مذکورہ بالا دو حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدث ... یا طہارت یا پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب و موجبات ہیں اور شریعت انہی اسباب پر احکام جاری کرتی اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

امید ہے کہ طہارت کی حقیقت اور روح انسانی کے لیے اس کی ضرورت و اہمیت سمجھنے کے لیے شاہ صاحبؒ کا یہ کلام ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ نیز اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طہارت و پاکیزگی شریعت کا پورا چوتھائی (¼) حصہ ہے۔

پھر اسی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے ایک دوسرے مقام پر[1] جہاں طہارت کے احکام اور اُن کے اسرار ہی کا بیان ہے فرماتے ہیں:-

طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک[1] حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب یا مستحب ہے، اُن حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا) ——— دوسرے[2] ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم یا اپنے کپڑوں کو یا جگہ کو پاک کرنا ——— تیسرے[3] جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل کچیل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی صفائی کرنا (جیسے دانتوں کی صفائی، ناک کے نتھنوں کی صفائی، ناخن اور زیر ناف بالوں کی صفائی)

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الطہارۃ صفحہ ۱۷۳/۱

آگے طہارت کے متعلق جو حدیثیں درج ہوں گی ان میں سے بعض کا تعلق مطلق طہارت سے ہوگا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے۔ اور بعض کا تعلق کسی ایک خاص قسم سے ہوگا۔ اس تمہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے متعلق حدیثیں پڑھیے:

طہارت جزو ایمان ہے:

(۱) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا

رواہ مسلم

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان اعمال کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں آسمانوں کو اور زمین کو۔ اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برہان ہے اور صبر اُجالا ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف۔ ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں۔ اس کا صرف پہلا جزو اور

پہلا فقرہ (اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی کی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطہارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں، بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذیؒ نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ" ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر و نصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اس کا اہم شعبہ اور حصہ ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اُس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا اجر و ثواب اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اُس یقین کا اظہار اور اس کی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اُس بات سے پاک اور برتر ہے جو اس کی شانِ الوہیت کے مناسب نہ ہو ——— اور تحمید یعنی الحمد للہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد و ثنا کی جا سکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہیں اور اس لیے ساری حمد و ستائش بس اسی کے لیے ہے۔ یہی تسبیح و تحمید حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود اُن ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ" (خداوندا! ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔)

---

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۱ ج ۲۔

پس انسانوں کے لیے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم کے خالق و پروردگار کی حمد و تسبیح کریں۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی ترغیب کے لیے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان اعمال کو بھر دیتا ہے۔ اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

"سبحان اللہ" سے میزانِ اعمال کا بھر جانا اور "سبحان اللہ والحمد للہ" سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا، یہ اُن حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حاسہ یہاں ہم سب کو نہیں دیا گیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرما دیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، ان کا یقین کریں اور اُن سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارہ میں فرمایا ہے کہ "وہ نور ہے" اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں، پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچا ہوا چلتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" (بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اُجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "نُورُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ" (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب اُن کے اعمال کا نور دوڑتا ہوگا)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے۔ اس دنیا میں صدقہ کے برہان ہونے کا مطلب ظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مومن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے۔ "گر زر طلبی سخن درین است"۔ اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندہ کے صدقہ کو اس کے ایمان اور اس کی خدا پرستی کی دلیل اور نشانی مان کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ "ضیاء" یعنی روشنی اور اجالا ہے۔ بعض حضرات نے نماز اور روزہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے روزہ مراد لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصلی اور وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصلی معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ کی تلخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا"۔ اس لحاظ سے گویا پوری دینی زندگی اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ اور حج اور جہاد اور ان کے علاوہ اللہ کے لیے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہیں، اور اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "صبر ضیاء" ہے۔ قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو "ضیاء" فرمایا گیا ہے "هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا" (یونس۔ ع ۱) اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی روشنیوں میں وہ نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے

کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل و حجت ہے یا تمہارے خلاف! ــــ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا ہدایت نامہ ہے۔ اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت و احترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہیے تو وہ تمہارے لیے شاہد و دلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اس کے برخلاف ہوگا تو پھر اس کی شہادت تمہارے خلاف ہوگی

ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دُنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا ضرور کرتا ہے، پھر یا تو وہ اس کو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے؟ ــــ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے۔ اگر وہ اللہ کی بندگی اور منشا کے مطابق والی زندگی گزارتا ہے، تو اپنی ذات کے لیے بڑی اونچی کمائی کر رہا ہے اور وہ اس کی نجات کا سامان کر رہا ہے اور اگر اس کے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزارتا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاکی سے عذابِ قبر:

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيدَةً

رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً
قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ
يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا ۔۔۔۔ (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں اُن پر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا) بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیے جا رہے ہیں جس سے بچنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا، ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ کی یا پاک صاف رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ وہ چغلیاں لگاتا پھرا کرتا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے کس مقصد سے کیا؟ آپ نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عذاب قبر کے بارے میں اصولی بحث اس سلسلہ کی پہلی جلد میں کی جا چکی ہے اور وہیں وہ حدیثیں بھی ذکر کی جا چکی ہیں جن میں صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی چیخ پکار کو آس پاس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے۔ لیکن جن و انس عام طور سے نہیں سنتے اور وہیں اس کی حکمت بھی تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کی جا چکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلع

ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے ـــــ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے ـــــ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا اور بہت سی ایسی آوازیں سنوا دیتا ہے جن کو عام انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور اُن کے کان نہیں سنتے ـــــ بہرحال یہ بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے، ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا پھرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافرانہ خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿﴾ (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ تورات میں چغلخوری کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔[۱]

اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا تھا (لَا يَسْتَتِرُ اور لَا يَسْتَنْزِهُ) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس موقع پر لَا يَسْتَبْرِئُ بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اس میں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے جس کی سزا آدمی کو قبر میں بھگتنی پڑے گی۔

---

[۱] اور مت مانو اس شخص کی بات جو جھوٹ بولنے میں بے باک اور بے تحاشا قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور چغلخوری جس کا شغل ہے [۲] ذکرہ الشیخ عبد الحق فی شرح المشکوٰۃ۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبروں پر گاڑ دیا۔ اور بعض صحابہ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اُس وقت تک کے لیے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی تو ــــ اس کی ایک توجیہ بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا نمی رہتی ہے اُس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اُس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے ـــــ گویا قرآن مجید کی آیت "وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اس کی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے ـــــ بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپ نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اس لیے گاڑے کہ ان کی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپ نے ان ٹکڑوں کے خشک ہونے تک تخفیف عذاب کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بھی بس یہی تھی ـــــ لیکن اکثر شارحین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ مہمل ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ نے یہ کام اس نقطۂ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ چیر کے آپ اس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ تو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپ ان قبروں پر کوئی پودا نصب کرا دیتے جو برسہا برس تک ہرا رہتا ـــ دوسری واضح دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام نے آپ کا منشا اور نقطۂ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب ایسا ہی کیا کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرتے بلکہ درخت لگانے کا اس دور میں عام رواج ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بہر حال حضورؐ کے اس عمل

اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے، اور پھر اس توجیہ کی بنیاد پر بزرگانِ دین کے مزارات پر ہار پھول پڑھانے کی مشرکانہ رسم کا جواز نکالنا تو روحِ اسلامی پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اُن مُردوں کے لیے تخفیفِ عذاب کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا کہ آپ اس طرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑھ دیجئے، جب تک ان میں تری رہے گی اس وقت تک کے لیے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی ـــــ صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے اور وہ دوسرا واقعہ ہے۔ وہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضور نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ ان دو درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال آؤ! حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اور جب آپ سے اس کی بابت میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیفِ عذاب کی استدعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اتنی بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی ـــــ بہر حال حضرت جابر کی اس روایت سے یہ بات صراحۃً معلوم ہو گئی کہ ہری شاخوں کو یا ان کی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی خاص دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپ کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کے لیے ان کے عذاب میں تخفیف کر دیں گے ۔ پس اصلی چیز یعنی حضورؐ کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بنا پر ایک محدود مدت تک کے لیے تخفیف کا فیصلہ۔

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے مسلمانوں کی تھیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، اس کا ایک واضح قرینہ

خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ نے عذاب کا سبب چغلخوری کی عادت اور پیشاب کے معاملہ میں بے احتیاطی اور لاپروائی بتایا ہے، حالانکہ اگر یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سب سے بڑا سبب اُن کا کفر اور شرک تبلایا جاتا ___ علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپ نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا۔ اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے ___ بہرحال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں ___ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کا خاص سبق اور اس کی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور چغلخوری جیسی منافقانہ و مفسدانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ قبر میں بھگتنا ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا! ___

قضاءِ حاجت اور استنجے سے متعلق ہدایات :-

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُکُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا، وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ وَنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ۔ ___ رواہ ابن ماجہ والدارمی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں تم لوگوں کے لیے مثل ایک باپ کے ہوں

اپنی اولاد کے لیے (یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور ان کو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے۔ اسی لیے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اس کی طرف پشت کر کے (بلکہ اس طرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ ہو) ___ (حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ) اور آپ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا، اور منع فرمایا استنجے میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے۔ اور منع فرمایا داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے ___ (سنن ابن ماجہ، دارمی)

(۴) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيْلَ لَهُ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ فَقَالَ اَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ ___ رواہ مسلم

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تو (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی!۔ حضرت سلمان نے ان سے کہا ہاں بیشک (انھوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے۔ اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انھوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رُخ کریں۔ یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں، یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں۔ یا یہ کہ

ہم استنجا کریں زاونٹ ، گھوڑے یا بیل وغیرہ کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ نبی برحق سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور دوسرے شعبوں میں ہدایات دیں اسی طرح پاخانہ و پیشاب اور طہارت و استنجا کے بارے میں بھی بتایا کہ یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست ـــــــ

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات اس باب میں دی ہیں وہ چار ہیں۔

ایک یہ کہ پاخانہ پیشاب کے لیے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ ـــــــ یہ قبلہ کے ادب واحترام کا تقاضا ہے۔ ہر انسان جس کو ادب کی حقیقتوں کا کچھ بھی شعور و احساس ہو، پیشاب پاخانہ کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے بیٹھنا بے ادبی اور گنوارپن سمجھتا ہے۔

دوسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور سے کھانے پینے، لکھنے، پکڑنے لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلہ میں زیادہ صلاحیت اور خاص توفیق بخشی ہے اس کو استنجے کی گندگی کی صفائی کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور و احساس ہے، اپنے بچوں کو یہ بات سکھانی ضروری سمجھتا ہے۔

تیسری ہدایت آپ نے یہ دی ہے کہ استنجے میں صفائی کے لیے کم سے کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں، کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اس کو صفائی کے لیے تین سے زیادہ پتھروں یا ڈھیلوں کے استعمال

کرنے کی ضرورت ہے تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے ـــــ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجے کے لیے خاص پتھر کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جا سکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو۔ اور اس کا استعمال اس کام کے لیے نامناسب نہ ہو۔

چوتھی ہدایت آپ نے اس سلسلہ میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی ہڈی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجا نہ کیا جائے ـــ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کر لیا کرتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً اس سے منع فرما دیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا ہر سلیم الفطرت اور صاحبِ تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوار پن کی بات ہے۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ ـــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لا کے دیتا تھا۔ پانی کے برتن تور میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپ اُس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر میں دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپ وضو فرماتے تھے (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے

بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے۔ پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے ۔۔۔ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے استنجے اور وضو کے لیے پانی لا کر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی ۔۔۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا آپ کی عادتِ مبارکہ یہی تھی کہ قضائے حاجت اور استنجے سے فارغ ہو کر وضو بھی فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ وضو کرنا صرف اولیٰ و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپ نے اس کو ترک بھی کیا ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وضو کے لیے پانی لے کر کھڑے ہو گئے ۔۔۔ آپ نے فرمایا "عمر یہ کیا ہے، کس لیے پانی لیے کھڑے ہو؟" حضرت عمر نے عرض کیا، آپ کے وضو کے لیے پانی لایا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لیے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضرور ہی وضو کروں، اور اگر میں ایسی پابندی اور مداومت کروں تو امت کے لیے ایک قانون اور دستور بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ کی صحیح نوعیت اپنے عمل سے واضح کرنے کے لیے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کے لیے کبھی کبھی اولیٰ اور افضل کو ترک بھی فرما دیتے تھے۔

(۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَجَابِرٍ وَاَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ

قَالُوا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِىْ بِالْمَاءِ
قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ ــــــــــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے یہ تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی "فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بہت پاکیزگی پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند بندوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس مسجد میں نمازیں پڑھنے والے اور اس کو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا۔ اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں) آپ نے فرمایا بس یہی بات ہے، پس تم اس کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کرتے تھے، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور اصحرائی زندگی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی مینگنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اس لیے استنجے میں ان کو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ صرف پتھر کے استعمال پر اکتفا کرلیتے تھے۔ لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید

میں اُن کی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس کو اپنے پر لازم کرلیں۔ ـــــ اور خود آپ کا طرزِ عمل تو یہ تھا ہی ـــــ الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور طرزِ عمل نے اُمّتِ مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال صفائی کے لیے کافی ہو، تب بھی وہ پانی سے استنجا کرے اور ہاتھ کو مٹی وغیرہ سے ملے۔ پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ۔

ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستہ میں قضاء حاجت کرے، اور دوسرے یہ کہ ان کے سایہ کی جگہ میں ایسا کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ لوگ جس راستہ پر چلتے ہوں یا سایہ کی جس جگہ آرام کرنے کے لیے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اس کو بُرا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہیے ـــــ اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور سائے کے علاوہ

ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اس کی وجہ سے لوگ وہاں آتے جاتے ہوں۔ اصل مقصد حضور کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور ان کے لیے باعثِ تکلیف نہ بنے۔

(۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کو قضائے حاجت کے لیے باہر جانا ہوتا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جو مادہ ودیعت رکھا ہے اس کا تقاضا ہے کہ انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنی اس قسم کی بشری ضرورتیں اس طرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کے لیے اس کو دور دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔

(۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ فَأَتَى دَمِثًا فِي أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ

ہوئے. پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لیے مناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیشاب کے لیے ایسی جگہ تلاش کر کے بیٹھنا چاہیے جہاں چھینٹیں بھی ہوا اور اپنے اوپر چھینٹیں پڑنے کا خطرہ بھی نہ ہو، اور رُخ بھی غلط نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اس کے اس پاک پیغمبر پر جس نے اُمت کو پیشاب پاخانے تک کے آداب سکھائے۔

(۱۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِىْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ.

———— رواه ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانہ میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بے تمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک بُرا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں ———— اس آخری جملہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت سے ہے جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اس کا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے

کے بعد پانی سے بہا دینے سے اس کی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اس کا حکم یہ نہیں ہے۔

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولَنَّ اَحَدُكُمْ فِي جُحْرٍ ـــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

(تشریح) جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی، دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کیے گئے ہیں، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو امت کے ہر طبقہ کے لیے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دعا:

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

ـــــــــ ـــــــــ ـــــــــ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، قضائے حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جاوے تو چاہیے کہ پہلے یہ دعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے۔

(سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس طرح ملائکہ کو طہارت ونظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر وعبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی اُن کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اُس کے بعد وہاں قدم رکھے ـــــ ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر وعبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور اُن کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق ومصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا:

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ "غُفْرَانَكَ". رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر

آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "غُفْرَانَكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں) (ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قضاءِ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجیہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لیے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے ـــــ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ صحیح احساس رکھنے والے حاملین کے لیے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے، وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور ان کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بار سے اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو مذکورۂ بالا احساس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلہ کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

رہا یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" کے قرآنی اعلان کے بعد بھی آپ اپنے گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے ان شاء اللہ آگے کتاب الفضائل

میں تہجد کے بیان میں آئے گا۔

(۴۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ ——— رواہ النسائی

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ" الخ (اس اللہ کے لیے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی) (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بیت الخلاء سے باہر آ کر "غُفْرَانَکَ" کہتے تھے اور حضرت ابو ذر غفاری کی اس حدیث سے یہ دوسری دُعا معلوم ہوئی ——— واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دُعائیں موقع کے بہت مناسب اور برمحل ہیں، اس لیے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم۔

وضو اور اسکے فضائل وبرکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدث کی حالت میں ـــ یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے اُن کا وضو ٹوٹ جائے ـــ تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت وکدورت اور ایک طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدث دراصل یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اس کے ازالہ کے لیے وضو مقرر فرمایا ہے ـــ جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف روحانی احساسات کو فنا نہیں کر دیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت وکدورت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہِ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں ـــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اُمت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اُسی طرح آپ نے اُس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ :-

(۱۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ

خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ

رواه البخاری ومسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی .... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اس سے صرف اعضائے وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہو گی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا ....
آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہو گی ....

(۱۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ ———— رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دُھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے، اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دُھل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے، اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لیے اس کے پاؤں استعمال ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔　　(صحیح مسلم)

(تشریح) یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

(۱) مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور دُھل جانے کا ذکر ہے، حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور دُھل جائے ——— بعض شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے ——— اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اُس کا ظلمانی اثر اور اس کی نحوست پہلے اس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے، پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے کو پاک کرنے کے لیے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جن جن عضو سے اُس نے گناہ کیے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں، وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب دُھل جاتی اور زائل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے ——— یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ———

(۲) حضرت ابوہریرہ والی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے دُھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعضے گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعضاءِ وضو کا استیعاب نہیں فرمایا ہے، بطورِ تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کا ذکر فرمادیا ہے ـــــ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالک اور امام نسائی نے عبداللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ و استنشاق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور دُھل جانے کا، اور اسی طرح کانوں کے مسح کے ساتھ کانوں کے گناہ نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

(۳) نیک اعمال کی یہ تاثیر کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ دھبوں کو دھو ڈالتے ہیں، قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ (ھود۔ ع ۱۰) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں ـــــ اور احادیث میں خاص خاص اعمالِ حسنہ کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے بھی گزر چکی ہیں، اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضور نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی بنا پر اہل حق اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ اعمالِ حسنہ سے صرف صغائر ہی کی تطہیر ہوتی ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ

اگر تم کبائر منہیات (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری

(النساء ع ۵) (صغیرہ) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔

الغرض مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے، اُن سے مراد صغائر ہی ہیں، کبائر کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کنجی:-

(۱۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّاُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُهَا مِنْ اَيِّهَا شَاءَ ——— —— (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک سلسلۂ کلام میں) فرمایا، جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہے "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" تو لازمی طور پر اُس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جا سکے گا۔

(تشریح) وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاء وضو کی صفائی ہوتی ہے، اس لیے مومن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاء وضو تو دھو لیے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی، لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی

کی گندگی ہے، اس احساس کے تحت وہ کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں ــــــ

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ــــــ نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمۂ شہادت کے بعد "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" کا بھی اضافہ ہے۔

قیامت میں اعضاءِ وضو کی نورانیت :-

(۱۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ۔

ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اُمتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے اُن کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح) وضو کا اثر ان دنیا میں تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی صفائی

صفائی ہو جاتی ہے اور اہل ادراک و معرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں (اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے۔ قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وضو کرنے والے آپ کے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں اس روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ اُن کا (ان امتیازی نشان ہوگا۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل و مکمل ہوگا اُس کی یہ نورانیت اور تابانی بھی اسی درجہ کی ہوگی، اسی لیے حدیث کے آخر میں حضور نے فرمایا ہے کہ جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو۔

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَا یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ۔۔ ــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو وہ اعمال بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؛ حاضرین صحابہ نے عرض کیا، حضرت ضرور بتلائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا۔ (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ پڑنا۔ (۳) اور ایک

نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، بس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلاف سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لیے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیے جاتے ہیں ـــــ دوسرا عمل آپ نے بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا، اور نماز کے لیے بار بار مسجد کی طرف جانا، اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا ـــــ اور تیسرا عمل آپ نے بتایا "ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا" اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا "یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے" ـــــ رباط کے معروف معنی، اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لیے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیے جاتے ہیں اُن کے وہاں پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے ـــــ اس حدیث

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے "رباط" فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضو کا اہتمام کمال ایمان کی نشانی:۔

(۲۰) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ

(رواہ مالک و احمد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو (لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لیے) تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پا سکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصوروار اور خطاکار بھی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لیے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت بس بندۂ مومن ہی کر سکتا ہے۔

(موطا امام مالک، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ برابر باوضو رہے، شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کیے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس حدیث میں "محافظت علی الوضوء" کو کمال ایمان کی نشانی اور اہلِ ایمان و
یقین کا عمل بتایا ہے۔

وضو پر وضو :-

(۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔

رواہ الترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کر لی گئی ہو جس کے لیے وضو ضروری ہے، اس لیے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہیے۔

ناقص وضو کے بُرے اثرات :-

(۲۲) عَنْ شَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَیْہِ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا یُحْسِنُوْنَ الطُّھُوْرَ وَاِنَّمَا یُلَبِّسُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِکَ ۔۔۔۔ رواہ النسائی

شبیب بن ابی روح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضور نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورۂ روم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑ گیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے بُرے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لیے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا ۔۔۔۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بُری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیائے کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت :-

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص

طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا ـــــ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے ـــــ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات پڑھیے!

(۲۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ ـــــ رواہ الشافعی احمد والدارمی والنسائی وروی البخاری فی صحیحہ بلا اسناد۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے" (مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن دارمی، سنن نسائی۔ نیز صحیح بخاری میں امام بخاری نے بھی اس حدیث کو بلا اسناد یعنی تعلیقاً روایت کیا ہے۔)

(تشریح) کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجر اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں، منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

(۲۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ ——— رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری اُمت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لیے حکم جاری کردوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری اُمت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لیے اس کی پابندی مشکل ہوگی۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب وتاکید کا ایک عنوان ہے اور بلاشبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔

(فائدہ) اسی حدیث کی بعض روایات میں "عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ" کے بجائے "عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ" بھی وارد ہوا ہے۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۲۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِيْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ فِيَّ ——— رواہ احمد

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انھوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا۔ ظاہر ہے کہ جبرئیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم باب السواک الرطب والیابس للصائم۔

وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔

(مسند احمد)

(تشریح) مسواک کے بارہ میں حضرت جبرئیل کی بار بار یہ تاکید و وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجاۃ میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع:-

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ ـــــــ رواہ احمد و ابو داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔

ـــــــ رواہ بخاری و مسلم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک

کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۲۸) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ ۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کیے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہیے۔

ـــــ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بنا پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعثِ اجر و ثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے ـــــ وضو میں، نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت (اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو) اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے، اور سو کر سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے، یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لیے۔

مسواک سنت انبیاء اور تقاضائے فطرت

(۲۹) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ الْحَیَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ ـــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیا، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتلا کر یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی امت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلا شبہ یہ بڑی مؤثر ترغیب ہے ـــــ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارہ میں ان شاء اللہ کتاب النکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے، عبادت میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہونچتی ہے اسلئے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

(۳۰) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَۃِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ وَالسِّوَاکُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَۃِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَکَرِیَّا

قَالَ مُصْعَبُ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — دس چیزیں ہیں جو امورِ فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا، اور پانی سے استنجا کرنا — حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے ہم سے نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "مِنَ الْفِطْرَةِ" یعنی امورِ فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرۃ سے مراد یہاں سنتِ انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرۃ کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ" کے بجائے "عَشْرٌ مِنَ السُّنَّةِ" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے — اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں، گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرۃ سے دینِ فطرت یعنی دینِ اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید

میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" (الروم ع ۴) اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرۃ سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرۃ کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو، اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا اور وہ یہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس متفقہ طریقۂ زندگی اور اس دین کے اجزاء و احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز

لہ پس سیدھا کر دو اپنا رخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں، یہ دین ہے سیدھا سچا۔

پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ـــــــ فرماتے ہیں۔

" یہ دسؔ عملی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملّت حنیفیہ کے مؤسّس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں، اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنیفی اُمتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لیے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنیفی کے شعائر ہیں ـــــــ اور ہر ملّت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جا سکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جا سکے تاکہ اس ملّت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادرالوقوع نہ ہوں اور ان میں معتدبہ فوائد ہوں، اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دسؔ چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں ـــــــ اس کو سمجھنے کے لیے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہیے!

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لیے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہو۔

اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے ـــــ اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لیے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے، اور وہ سنتِ انبیاء ہے۔ اس لیے اس کا رکھنا ضروری ہے[۱] اور اس کا صاف کرانا مجوس وہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے ـــــ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نیچی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے ہیں اس لیے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لیے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کُلّی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی، اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت و اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔"

بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اُصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے

---

[۱] دوسری متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بصیغۂ امر بھی وارد ہوا ہے جس سے فقہائے اُمت نے عام طور سے وجوب سمجھا ہے۔ لیکن کسی حدیث میں مقدار کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ فقہاء کرام نے تعامل قرآن و شواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک مشت کے بقدر رکھنا واجب ہے ۱۲

گھن آئے اور کراہت پیدا ہو احکام فطرت میں سے ہے اور طریقۂ انبیاء ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحسین کو اپنا خاص انعام واحسان بتلایا ہے "وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ"۔

اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ نے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والے طلق بن حبیب ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی زکریا نے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انھوں نے دس چیزوں میں سے نو کو تو وثوق سے ذکر کیا اور دسویں کے متعلق بتلایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) کرنا تھا۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر:-

(۳۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِي يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِي لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِينَ ضِعْفًا ـــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) پہلے بھی بار بار ذکر کیا جاچکا ہے کہ عربی زبان اور محاورہ میں ستر اور اسی طرح بعض اور عدد بھی) مطلق کثرت اور بہتات کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، غالباً اس حدیث میں بھی سبعین کا لفظ اس محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات ہی کے لیے استعمال

مقابلہ ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے مقابلے میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ افضل ہے۔ اور اگر بعینہٖ مراد ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی استبعاد کی بات نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ مالک الملک اور احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و کبریائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک و گلاب سے اپنے دہن و زبان کو دھو کے اس کا نام نامی لیا جائے اور اسکے حضور میں کچھ عرض کیا جائے، لیکن چونکہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لیے میں مسواک کرتا ہوں، بہرحال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اس احساس اور ادب کے اس جذبہ سے نماز کے لیے مسواک کرے تو وہ نماز اگر اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لیے مسواک نہ کی گئی ہو ستر یا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(فائدہ) مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو حضرت عائشہ ہی کی روایت سے خفیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر کے لکھا ہے۔ رواہ احمد والبزار وابو یعلی وابن خزیمہ فی صحیحہ .... ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد ــــ اور قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے اور دوسری حضرت جابر کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو جید اور دوسری کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نماز کے لیے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائطِ نماز کی ہے ۔۔۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۝"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجات کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لیے باوضو ہونا شرط ہے، پس اگر کوئی شخص باوضو نہیں ہے (یعنی حدث کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہیے۔ دربارِ الٰہی کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی اس سلسلے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے!

(۳۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ ـ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ وضو نہ کرلے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ ۔ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوسکتی، اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہوسکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل کیے ہوئے مال سے کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "طُهُوْر" سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

(۴۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ ۔

—— رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عنہ وعن ابی سعید

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے، اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہوجاتا ہے جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لیے حرام اور ناجائز ہوجاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لیے حلال اور جائز ہوجاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لیے حرام اور ناجائز ہوگئی تھیں)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی —— اور ابن ماجہ نے اس

حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ ۔ رواہ احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔

(مسند احمد)

تشریح) ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لیے وضو شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجاۃ کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لیے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لیے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کر لیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائمقام قرار دیے جا سکتے ہیں نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اسلئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو

کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لیے وضو کو لازمی شرط قرار دیئے جانے کا اصل راز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس اور عالی بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے انشاء اللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

وضو کا طریقہ :-

(۴۳) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلٰثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

رواہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا، اس کے بعد اپنا داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ

دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین دفعہ دھویا ــــ (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے اس وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر اُدھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور مسنون طریقہ ہے، البتہ اس میں کلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔[1]

آگے حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی کو مسنون طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہو گئی جو حدیث نفس سے یعنی ادھر اُدھر کے خیالات سے خالی رہی تو انشاء اللہ حدیث کی موعود مغفرت اس کو بھی حاصل ہو گی۔

شارحین حدیث اور عارفین نے لکھا ہو کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر اُدھر کا کوئی خیال ذہن میں آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے۔ اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

[1] رواہ البغوی عن سفیان بن سلمۃ عن عثمان ــــ زجاجۃ المصابیح

(٣٧) عَنْ اَبِیْ حَیَّةَ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّیْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَیْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْهِ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طُهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَكُمْ كَیْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ——— رواہ الترمذی والنسائی

ابو حیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی، پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر پیا ——— حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا: میں نے چاہا کہ تمھیں دکھلاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے وضو اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے ——— لیکن کبھی کبھی آپ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لیے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو "بیانِ جواز" کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی

کمی کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا ـــــ رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے جانے والے اعضا کو آپ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا) اس سے زیادہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری)

(۳۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ـــــ رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو دو بار دھویا) (صحیح بخاری)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایسا آپ نے کبھی کبھی صرف یہ جتلانے اور دکھلانے کے لیے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے، مندرجۂ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

(۴۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا

فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ ـــــــ رواہ النسائی و ابن ماجہ

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کر کے دکھایا جس میں آپ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی، اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔　　(سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب ظاہر یہی ہے کہ اعضاء وضو کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کامل مکمل وضو ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہوگی۔

(۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ الَّتِىْ لَابُدَّ مِنْهَا وَمَنْ تَوَضَّأَ اِثْنَتَيْنِ فَلَهُ كِفْلَانِ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا فَذٰلِكَ وُضُوْئِىْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِىْ۔

ـــــــ رواہ احمد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے

اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو دو مرتبہ (یعنی اس میں اعضاء وضو کو دو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دوہرا ثواب ہوگا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو افضل اور مسنون طریقہ ہے) تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا دستور اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے، اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔) (مسند احمد)

تشریح) یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا، پھر آپ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا ——— اس دوسری روایت کو دار قطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (زجاجۃ المصابیح)

ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ——— فللہ الحمد

وضو کی سُنّتیں اور اُس کے آداب :-

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا ——— ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے

تھے یا ان کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سُنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے ـــــ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا، اور کُلی کرنا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے، اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور خاتمۂ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!:-

(۴۲) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

ـــــــــــــــ رواہ الترمذی و ابن ماجہ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لیے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اُمت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لیے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے ـــــ آگے ہی انشاء اللہ ابوہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ اللہ کا نام لیے بغیر جو وضو کیا جائے، وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّاَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔ ——— رواہ الدارقطنی

حضرت ابوہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے۔　　(سنن دار قطنی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کا کوئی کلمۂ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہّر اور منوّر ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لیے اور اس کا ذکر کیے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضاءِ وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

(۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تُحْدِثَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءِ۔ ——— رواہ الطبرانی فی الصغیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اے ابوہریرہ جب تم وضو کرو تو "بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہہ لیا کرو (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبین اعمال) تمہارے لیے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔　　(معجم صغیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو "بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہہ کر کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبانِ اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لیے مامور ہیں۔

(۴۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ۔

رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تم لباس پہنو، اور جب تم وضو کرو تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے، اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتدا داہنی طرف سے کی جائے۔

(۴۶) عَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتلائیے؟ (یعنی بتلائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے) آپ نے فرمایا:- (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور (دوسرے یہ کہ) ہاتھ پاؤں دھوتے وقت اُن کی انگلیوں میں خلال کیا کرو، اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے

نتھنوں میں پانی چڑھا کے اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو، اِلّا یہ کہ تم روزہ سے ہو (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(۷۷) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ ــــــ رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه

مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۷۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي ــــــ رواه ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہونچاتے، اور اُس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۷۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ بَاطِنِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرِهِمَا بِإِبْهَامَيْهِ ــــــ رواه النسائی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو میں) اپنے سر پاک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا، اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔

(سنن نسائی)

(۵۰) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ جُحْرَىْ اُذُنَيْهِ۔

رواہ ابوداؤد واحمد وابن ماجہ

رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۵۱) عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهُ فِىْ اِصْبَعِهِ

رواہ الدارقطنی وابن ماجہ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی ہلا لیتے تھے تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہونچ جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے) (سنن دارقطنی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً داڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور ان کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہونچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے

تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے:-

(۵۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ! قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ — رواہ احمد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گذرے تو آپ نے اُن سے فرمایا: سعد! یہ کیا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے) انہوں نے عرض کیا حضور! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال:-

(۵۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ.

رواہ الترمذی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرۂ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرۂ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپ اس کام میں استعمال کرتے تھے۔ بعض اور صحابۂ کرام کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے، —— اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے کوئی مستقل کپڑا رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا، اور کبھی کبھی آپ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز:-

نمبر (۲۱) پر بحوالہ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعاء "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے، اور نمبر (۳۶) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالہ بخاری و مسلم گذر چکی ہے، جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے:-

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِىْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِى الْاِسْلَامِ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَىَّ فِى الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰى عِنْدِىْ اَنِّىْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِىْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِىْ اَنْ اُصَلِّىَ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا، تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ اُمیدِ خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتلاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سُنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سُن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے، لہذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی اُمید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اس وضو سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے، یہ خواب[1] کا واقعہ ہے، اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت

[1] بعض شواہد اور قرائن کی بنا پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ منہ

میں کس طرح پہونچ گئے۔ البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا، اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں، بلکہ درجۂ اوّل کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنّت، خواہ نفل۔

جنابت اور غسلِ جنابت

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اُس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بہیمی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے، جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے، اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا، اور بتلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدث ہے ـــــ پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں، یا یوں کہیے کہ دو درجے ہیں، ایک حدثِ اصغر، جس کے ازالہ کے لیے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے ـــــ اور دوسرے حدثِ اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے۔ پیشاب پاخانہ اور خروج ریاح وغیرہ حدثِ اصغر کی مثالیں ہیں، اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لیے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے، اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے

بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے، اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس مشاغل میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۵۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَءِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ.

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حائضہ عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لیے بالکل ممنوع ہے) (جامع ترمذی)

(۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ — رواہ ابو داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت، اور کسی جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (ان کے لیے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مسجد نبوی جب شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف کھلے ہوئے تھے گویا کہ مسجد ہی ان گھروں کا راستہ تھی، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آگیا کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھلائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں۔

(۵۷) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ.

——— رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لیے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہیے۔ (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے) اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی دھلائی کرنی چاہیے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۵۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ، قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاسِي ثَلٰثًا ——— رواہ ابوداؤد واحمد والدارمی الا انهما لم يكررا فمن ثم عاديت راسي۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھوئے سے چھوڑ دی تو اُس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا .... حدیث کے راوی حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ حضور کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنالیا، کہ جب ذرا بڑھے، میں نے اُن کا صفایا کرادیا) ابو داؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، مسند احمد، مسند دارمی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنالیا تھا اُس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اَولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور باقی خلفائے راشدینؓ کا معمول تھا۔

(۵۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَءُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِيْ أُصُوْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى إِذَا رَاٰى أَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ حَفَنَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

———— رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں

ہاتھ دھوتے تھے، پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو دھوتے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر وضو فرماتے تھے، اسی طرح جس طرح نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے، اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پہونچاتے تھے، یہاں تک جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پہونچا لیا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ قَالَتْ أَدْنَيْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ أَفْرَغَ بِهِ عَلَى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْأَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ مِلْأَ كَفِّهِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهِ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهُ ——— رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے لیے پانی بھر کے آپ کے پاس رکھ دیا۔ تو آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دُھلا ہوا ہاتھ آپ نے پانی کے اس برتن میں ڈالا اور اس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجا پر ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اپنا وہ بایاں ہاتھ زمین پر مارا، اور اس کو

خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپ نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اُس جگہ سے ہٹ کر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں نے آپ کو رومال دیا، تو آپ نے اس کو واپس فرما دیا۔ (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت میمونہؓ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ مقامِ استنجاء کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مَل کے اور رگڑ رگڑ کر خوب ملتے تھے، اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کر کے اور ناک میں پانی لے کر اچھی طرح صفائی کر کے مُنہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے، اور حسبِ عادت ریش مبارک میں خلال کر کے اُس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے ــــــ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپ غالباً اس لیے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

(۶۱) عَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى

عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ سَتِيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ——— رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں برہنہ، غسل کر رہا تھا، تو آپ نے (قریبی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اُس کے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شرم و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ اُن کی پردہ داری فرماتا ہے) اور بندوں کے لیے بھی وہ حیاداری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بناء پر اُس کا حکم ہے، اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے) (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

مسنون یا مستحب غسل:-

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی درج کیے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہے لیکن یہ حکم بطور فرضیت و وجوب کے نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:-

جمعہ کے دن کا غسل:-

(۶۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کو (یعنی جمعہ کی نماز کے لیے) آئے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے اس کو غسل کر کے آنا چاہیے)

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۶۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لیے ضروری ہے) کہ ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بال کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔　　(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسلِ جمعہ کے لیے "واجب" کا لفظ بھی آیا ہے۔ لیکن اُمّت کے اکثر ائمہ اور علماءِ شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی مندرجۂ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے، جو انہوں نے بعض اہلِ عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد عکرمہ سے اس سوال و جواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ:-

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور انھوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟
انھوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و
پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اُس کے لیے جو اس دن غسل کرے، اور جو (کسی وجہ سے
اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔
(اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا) میں تمھیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم
کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان
لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے
بہت موٹے کپڑے) پہنتے تھے، اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لاتے تھے۔
اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی، اور
ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن
رہتی تھی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جمعہ کو جبکہ سخت گرمی کا دن تھا
گھر سے مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے
کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا
میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ۔	اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبو دار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگا لیا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم
ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ

کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی، اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اُس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہرحال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے ــــــ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

(۶۴) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ ــــــ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی والنسائی والدارمی

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لیے) وضو کر لے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند دارمی)

(آگے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی جمعہ کے دن کے نہانے دھونے کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں انشاء اللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میت کو نہلانے کے بعد غسل :-

(۶۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ ــــــ رواه ابن ماجة وزاد احمد والترمذی وابوداؤد "وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اسی قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو چاہیے کہ وضو کر لے"

(تشریح) امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اس لیے ان کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لیے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کر لے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسالہ میت کی چھینٹیں اس کے جسم کے کسی حصہ پر پڑ گئی ہوں ــــــ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد ہوئی ہے، اس لیے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے، اسی طرح حدیث کے دوسرے جزء میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن کا غسل:-

(۶۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى ــــــ رواه ابن ماجه

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

(ف) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا، صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، امت کے ان متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلا شبہ قرن اول سے چلا آ رہا ہے، اس لیے اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ امت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا عمل ہی سے ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول تنقید کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے ——— پس اگر کسی حدیث کی سند میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ "صحیح حدیث" ہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

تیمّم

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لیے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمّم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور رہنے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لیے تیمّم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر ان شاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمّم یہ ہے کہ سطح زمین پر، یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی جو ایسی چیزیں سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، اُن میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمّم ہو جاتا ہے مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمّم کی حکمت غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت

میں اس کے بجائے تیمم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے، اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے، اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار دینہ۔

اس کے بعد تیمم سے متعلق چند حدیثیں پڑھیے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تیمم کا حکم نازل ہوا:۔

تیمم کا حکم:۔

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّىْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى اِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَاْسَهٗ عَلٰى فَخِذِىْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ

وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِي فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ ـــــــــ رواه البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوہ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریۃً اُن سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا) ٹوٹ کر گر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لیے آپ نے وہاں قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابوبکر صدیق رضی کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہ رضی نے کیا کیا ہے، انھوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابوبکر صدیق میرے پاس تشریف لائے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر

سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آگئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی، اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں نہ قریب میں کہیں پانی نہیں ہے، اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے ـــــ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انھوں نے مجھے وہ سب کہا، اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کچوکے لگائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کرکے نماز ادا کی گئی) تو اسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آلِ ابو بکر! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (اس سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا، جو میری سواری میں تھا، تو میرا وہ ہار اس کے نیچے مل گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سورۂ نساء کی یہ آیت مراد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ	اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو)
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ	یا تم سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی شخص استنجے
أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا	سے آیا ہو، یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو،

مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا	اور تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک زمین سے
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ	تیمم کر لیا کرو (یعنی اس زمین پر دو ہاتھ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا۔	مار کے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا
(النساء ع ۷)	کرو) اللہ تو بہت معاف فرمانے والا اور
	بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی تھی لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم۔

(۶۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ هَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ۔

رواہ البخاری ومسلم نحوہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی ہے اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی تھی، تو آپ نے تو اس حالت میں نماز پڑھی نہیں

اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا) تو جب ہم سفر سے واپس آئے، تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اور اُن کو پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو، وہ اُڑ جائے) پھر آپ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اُس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجیہیں کی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ سہل الفہم یہ ہے کہ غالباً اُن کو پانی مل جانے کا انتظار تھا، اور اس کی کچھ امید تھی، اس لیے انھوں نے اُس وقت تیمم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم ——— اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے، اُس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اس لیے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپ نے اُن کی اس غلطی کی تصحیح فرمادی، اور بتلا دیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمارؓ چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔

حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک کا منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اس کو پھونک دینا بہتر ہے۔

(۶۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ

سِنِيْنَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَهُ فَإِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا سامان طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ پس جب پانی پاوے تو چاہیئے کہ اس کو بدن پر ڈالے، یعنی اس سے وضو یا غسل کرلے، کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بہ بہار برس تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ پائے تو تیمم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا، تو غسل یا وضو اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

(ف) قریب قریب سارے امت اس پر متفق ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو، اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اس نے بجائے غسل کے تیمم کیا ہو، تو اس کو جب پانی مل جائے گا، یا بیماری کا عذر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہوگا۔

(۷۰) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ أَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَالِكَ فَقَالَ لِلَّذِيْ لَمْ يُعِدْ أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِيْ تَوَضَّأَ وَأَعَادَ لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔ رواہ ابوداؤد والدارمی

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا، اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں، اسلئے دونوں نے

پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپؐ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا، اور تم نے جو نماز تیمم کر کے پڑھی، وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی (شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ایسے موقع پر تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپ نے فرمایا، کہ تمہیں دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتا۔)

(سنن ابی داؤد و مسند دارمی)

مَعارِفُ الحَدِیث

جلد سوم

کِتَابُ الصَّلوٰۃ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ
وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ؕ

اے اللہ میں تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا
مبارک ہے، تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کا حق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا
اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

خداوندا مجھے نماز قائم کرنے والا بنادے، اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے،
میرے رب میری دعا قبول فرمالے!

پروردگارا جس دن اعمال کا حساب ہو اُس دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور
اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخشدے۔

آمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ!

عبدك المذنب
محمد منظور نعمانی
عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کی عظمت و اہمیت اور اُس کا امتیاز

حضراتِ انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، کمالات و احسانات اور اس کی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اس کو مان لینے اور اُس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی فدویت و بندگی، محبت و شیفتگی اور محتاجی و دریوزہ گری کا اظہار کرکے اُس کا قرب اور اُس کی رحمت و رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب و رُوح کے لیے نور اور سُرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعتِ محمدیؐ) میں نماز کے شرائط و ارکان اور سنن و آداب اور اسی طرح اُس کے مفسدات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اُس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اعلم ان الصلوٰة اعظم العبادات شاناً واوضحها برهاناً واشهرها فی الناس وانفعها فی النفس ولذالك اعتنی الشارع ببیان فضلها

وتعیین اوقاتها وشروطها وارکانها وآدابها ورخصها ونوافلها اعتناءً عظیماً لم یفعل فی سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدین۔ (ص ۱۸۶)

یعنی ــــ نماز اپنی عظمتِ شان اور مقتضائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے، اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور، اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لیے سب سے زیادہ نفع مند ہے، اور اسی لیے شریعت نے اُس کی فضیلت، اُس کے اوقات کی تعیین و تحدید اور اُس کے شرائط و ارکان اور آداب و نوافل اور اُس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا، اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء اصلیہ اور اُس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واصل الصلوٰۃ ثلثة اشیاء ان یخضع القلب عند ملاحظة جلال الله وعظمته ویعبر اللسان عن تلك العظمة وذالك الخضوع بافصح عبارة وان یودب الجوارح حسب ذالك الخضوع۔"

یعنی ــــ نماز کے اصل عناصر تین ہیں، ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لاانتہا عظمت و جلال کے دھیان سے سرافگندہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سرافگندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے، اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لیے استعمال کرے ــــ پھر اسی سلسلۂ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اما الصلوٰۃ فهی المعجون المرکب من الفکر المصروف تلقاء عظمة الله.... ومن الادعیة المبینة اخلاص عمله لله و

توجیہہ وجہہ تلقاء اللہ وقصرہ الاستعانۃ فی اللہ ومن افعال تعظیمیۃ کالسجود والرکوع یصیر کل واحد عضد الآخر ومکملہ والمنبہ علیہ ؎

یعنی ـــــ نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا تفکر واستحضار، دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اس کے اعمال خالص اللہ کے لیے ہیں، اور وہ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر چکا ہے، اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے۔ اور تیسرے چند تعظیمی افعال جیسے رکوع وسجدہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا اور اس کی طرف دعوت وترغیب کا ذریعہ بنا رہتا ہے۔ ـــــ آگے فرماتے ہیں:۔

والصلوٰۃ معراج المؤمنین معدۃ للتجلیات الاخرویۃ.. ..... وسبب عظیم لمحبۃ اللہ ورحمتہ ...... واذا تمکنت من العبد اضمحل فی نور اللہ وکفرت عنہ خطایاہ .... ولا شئی انفع من سوء المعرفۃ منہا اذا فعلت افعالہا واقوالہا علی حضور القلب والنیۃ الصالحۃ .... واذا جعلت رسما مشہورا نفعت من غوائل الرسوم نفعا بینا وصارت شعارا للمسلم یتمیز بہ من الکافر ... ولا شئی فی تمرین النفس علی انقیاد الطبیعۃ للعقل وجریانہا فی حکمہ مثل الصلوٰۃ ـــــ (ص ۷۰-۷۴ جلد ۱)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز کی مندرجۂ ذیل چند خصوصیات اور تاثیرات بیان کی ہیں، اوّل یہ کہ وہ اہلِ ایمان کی معراج ہے، اور آخرت میں تجلیاتِ الٰہی کے جو نظارے اہلِ ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں، اُن کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے ـــــ دوّم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ورحمت کے حصول کا وسیلہ ہے ـــــ سوّم

یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے، اور اس کی رُوح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ انوارِ الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی میلی کچیلی چیز دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے، یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے) ــــ چہارم یہ کہ نماز جب حضورِ قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے تو غفلت اور بُرے خیالات و وساوس کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے ــــ پنجم یہ کہ نماز کو جب پوری اُمتِ مُسلمہ کے لیے ایک معروف و مقرر رسم اور عمومی وظیفہ بنا دیا گیا تو اس کی وجہ سے کفر و شرک اور فسق و ضلال کی بہت سی تباہ کن رُسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا اور اسلام کا وہ ایک ایسا امتیازی شعار اور دینی نشان بن گیا جس سے کافر و مسلم کو پہچانا جا سکتا ہے ــــ ششم یہ کہ طبیعت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ بھی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں، اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنے والی ہیں اس لیے ہم نے شاہ صاحبؒ کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت اور اُس کے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکورہ بالا اقتباسات میں شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں ــــ اب ناظرین کرام شاہ صاحبؒ کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیں:۔

نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کافرانہ عمل ہے:۔

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ ۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے، اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہونچ جاتا ہے۔

(۲) عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ۔ ۔۔۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے، (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اُس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کرلیا۔

(۳) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوۃً مَّکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ ۔۔۔ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے

اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحبِ ایمان بندوں کے لیے ہے، اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دینِ اسلام قبول کرنے والوں کے لیے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور انشاء اللہ آخرت میں ہوگا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بتایا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے، بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص ربِ کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمتِ خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تارکِ نماز کے بارہ میں یہ ہیں:

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ

جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب للمنذری)

ان حدیثوں میں ترکِ نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کا چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملتِ اسلامیہ سے الگ

کرلیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان ہونے کے بعد تارک نماز بھی ہوسکتا ہے اس لیے اس دور میں کسی کا تارکِ نماز ہونا اُس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی ـــــ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق نے صحابۂ کرام کے بارہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ۔

كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابۂ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہے، اور ملت اسلامیہ کا خاص الخاص شعار ہے، اس لیے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان حدیثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر امت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہوجاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مرجائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہرحال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہوجاتا ہے خواہ اُس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو، ـــــ لیکن دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے،

جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بدبخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہو مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کا فرانہ عمل ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَمْرَ الصَّلٰوةِ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ ——— رواه احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اندھیریوں میں اس کو روشنی ملے گی) اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہوگی، اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ اس کے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعۂ نجات، اور وہ بدبخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ) اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہونچائے گا
جہاں فرعون و ہامان اور قارون اور اُبی ابن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے ___ لیکن
ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت سے
قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا
فَوْقَ بَعْضٍ۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت اور اُن پر وعدۂ مغفرت:-

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَ
هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ
عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ
عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ ___ رواہ احمد و ابوداؤد

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو کیا
اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع و سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کیے
اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ
ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی
کی) تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور
چاہے گا تو سزا دے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا
تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے
گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور

شاہد بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اس کے لیے کفارہ سیئات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لیے بھی باعث رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے (ان کے اعمال کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخش دے. بہر حال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں!

نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ :-

(۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالُوا لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا، آپ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صاحب ایمان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گرد آلود

دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اُجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہ سکے گا، پس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے ــــ اگلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَالِکَ الْوَرَقُ یَتَھَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ تَتَھَافَتُ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا تَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ۔

ــــ رواہ احمد

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سبب سے) از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اُس کے پتے جھڑنے لگے، پھر حضور نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا جب مومن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اُس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔　　(مسند احمد)

(تشریح) یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی جھونکوں سے اور ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندۂ مومن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اُس کی رضا جوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو انوارِ الٰہی کی شعاعیں اور رحمتِ الٰہی کے جھونکے اس کے گناہوں کی گندگی کو فنا اور

اُس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اُس سے جُدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ ۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نجاست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یونہی معاف فرما دے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز پر جنت اور مغفرت کا وعدہ:۔

(۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ۔

۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اُس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی نماز اگر صرف دو رکعت بھی قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے، اور اس کے لیے وضو بھی تعلیم نبوی کے مطابق اہتمام سے کیا جائے، تو اللہ کے نزدیک اُس کی اتنی قیمت ہے کہ اس کا پڑھنے والا لازمی طور پر جنت پالے گا۔

(۱۰) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ——— رواہ احمد

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرما دے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مندرجۂ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ترغیبی اور ترہیبی ارشادات کے باوجود اُمت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے الطاف و عنایات سے محروم، اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

نماز محبوب ترین عمل :-

(۱۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اسکے بعد کون عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا ۔ ماں باپ کی خدمت کرنا ، میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون عمل زیادہ محبوب ہے ؟ آپؐ نے فرمایا ۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت اور جہاد سے بھی افضل اور محبوب ترین "نماز" کو بتلایا ہے ، اور بلاشبہ نماز کا مقام یہی ہے —— اللہ اس کی کچھ تفصیل اس ناچیز کے رسالہ "حقیقت نماز" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے ۔
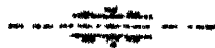
نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں اُن کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمتِ الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہ قدوسیت میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے ـــــ پورے آدھے دن کے اس وقفے کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اوّل وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر ادا کی جائے تاکہ غفلت یا بارگاہِ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے

اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے رب قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں ـــــ پھر دن کے ختم ہونے پر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہِ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں ـــــ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو، اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں ـــــ اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی، اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی، اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مومن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکرمند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اُٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں

بیان فرمائی ہیں، اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا ——
چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی ارشادات ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئیں گے یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں —— اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَا لَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَا لَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ —— رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو، (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی

رات تک ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو"..... اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے[1]۔ اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے[2]، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آجاتی ہے ـــــ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے، جب مغربی اُفق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور سیاہی آجائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق

[1] یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہے۔ [2] یہ سفیدی اکثر موسموں میں قریباً آدھے گھنٹے تک رہتی ہے۔

ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہو لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہو کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہو اسلیے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہو اُن کا مطلب یہ سمجھا گیا ہو کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہو اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

(۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ اَمَرَهُ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُّبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ۔ رواہ مسلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپ نے بلال کو حکم دیا اور انھوں نے اذان دی، پھر آپ نے اُن سے فرمایا تو انھوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی) پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے

اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور یہ نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں پڑا تھا جو شام کو ہو جاتا ہے)، پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی) پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کر کے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپ کے حسب حکم انھوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے ظہر اس دن بالکل آخری وقت پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا، لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤخر کر کے پڑھی اور مغرب کی نماز آپ نے شفق کے غائب ہو جانے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت میں (یعنی دن کا اُجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ان سے فرمایا، تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس سائل کو نماز کے اوقات کا اوّل و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھا دیا جائے، اس لیے آپ نے اُن سے فرمایا کہ دو دن ہمارے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت

پڑھی، اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک مؤخر کر کے پڑھی اور اُن سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نماز پڑھتا دیکھا۔

(۱۴) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ ——— رواہ البخاری

سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے اُن سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انھوں نے فرمایا کہ آپ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نماز اُولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا ... . تو ایسے وقت پہونچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا (یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی۔ وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا ——— آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں) اور میں یہ بھول گیا کہ حضورؐ کی مغرب کی نماز کے بارہ میں

انھوں نے کیا بتایا تھا (آگے ابو برزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ) اور عشاء جسے تم لوگ عتمہ کہتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اُجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا۔ اور آپ فجر کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے راوی سیّار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا۔ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہونے ہی پڑھا کرتے تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

(۱۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انھوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور

عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تھے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔　　(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمیؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا، جب گرمی سخت پڑتی تھی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپ نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ ــــ رواه النسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔　　(نسائی)

(۱۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ ــــــــــــ رواه البخاری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔　　(صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے

بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فَأَبْرِدُوا بِالصَّلٰوۃِ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

(**تشریح**) دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس وادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ——— دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت ولذت یا تکلیف ومصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اسی اتھاہ سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز ومخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش وخروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی وٹھنڈک رحمت خداوندی کی لہر ہے اس لیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقت عصر کے بارے میں آپ کا معمول اور آپ کی ہدایت:۔

(۱۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِي الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا، پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضور کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی[۱]۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انھوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانہ میں بنو امیہ کے بعض خلفاء اور امراء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرز عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہونچتا اس وقت تک بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

---

[۱] حضرت انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، جب حضور مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر قریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپ کی خدمت میں دے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت پر بصرہ منتقل ہوئے، ۹۳ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات کے بارہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں لیکن راجح یہی ہے کہ آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی، واللہ اعلم

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔[۱]

(۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ———— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مومن کو چاہیے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طمانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"شیطان کے دو قرنوں" کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض

---

[۱] سنہ ۱۳۴۸-۴۹ھ مطابق سنہ ۱۹۲۹-۳۰ء کی بات ہے کہ یہ ناچیز امروہہ ضلع مرادآباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امروہہ سے قریباً ۴ میل پر ہے، اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہنچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جاتا۔

اور احادیث میں بھی آیا ہے، ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اسکے دو قرنوں اور اُن کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ تمثیل ہو۔ واللہ اعلم۔

وقت مغرب کے بارے میں:-

(۲۰) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی (یا فرمایا کہ طریقۂ فطرت پر رہے گی) جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ تارے گنجان ہو جائیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اول وقت ہی پڑھتے تھے، اور جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ تاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے ——— تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر تارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

وقت عشا کے بارہ میں:-

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ ــــــ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کریں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِیْ اَشَیْءٌ شَغَلَهٗ فِیْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذَالِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِیْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اسکے

بعد، اور نہیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی۔ بہرحال جب آپ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اُس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لیے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) (اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اُس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کا افضل وقت اگرچہ وہ ہے جبکہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابر کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشا کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے ـــــ آپ کے اس طرزِ عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اُصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابلِ لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب انشاء اللہ اُس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترکِ افضل کی وجہ سے فوت ہوگا ـــــ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ

میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشا کی فرضیت اس اُمت کے خصائص میں سے ہے، کسی اور اُمت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

(۲۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ ۔۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد والدارمی

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ اس نماز عشا کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔　(سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح) تجربہ اور حساب سے معلوم ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اتنے ہی وقت نماز عشا پڑھنے کا تھا۔

وقت فجر کے بارہ میں:۔

(۲۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ ۔۔۔۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہوکر

اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جا سکتیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد و قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَمَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً ـــــــ رواہ البخاری

حضرت قتادہ تابعی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔　(صحیح بخاری)

(تشریح) پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اُس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی حضور کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہ کی حدیث سے

بھی معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ راجح ہے کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہلِ صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لیے سہولت اسی میں تھی کہ نمازِ فجر تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اِسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرے پڑھتے تھے اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہو کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گذار اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اِسفار میں (یعنی اُجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریکِ جماعت ہو سکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کر کے اِسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہو گا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہو گا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا۔

بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

آخر وقت نماز پڑھنے کے بارہ میں :-

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى

قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ـــــــــــــــــ رواه الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول آخر وقت بتانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں ـــــ یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے (۱۳) پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا ـــــــــــــــــ رواه الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کیجیو، نماز جب اس کا وقت آجائے۔ اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے، اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اُس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علیٰ ہذا جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

(۲۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِیْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ نَافِلَۃٌ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب ایسے (غلط کار اور ناخدا ترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا (وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بنی امیہ کے بعض خلفاء اور امراء کے زمانہ میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابہ کرام نے ان کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین، ان کو یہ ابتلاء پیش آیا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

سونے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو......:-

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً اَوْ نَامَ عَنْھَا فَکَفَّارَتُھَا اَنْ یُّصَلِّیَھَا اِذَا ذَکَرَھَا۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد
آئے یا سو کے اُٹھے اسی وقت پڑھ لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اُٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی
وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اُس شخص کو کوئی
گناہ نہ ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں
آپ اور آپ کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت
بلال نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگا دینے کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق
کے بالکل قریب خود حضرت بلال کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل
آیا، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کے اُٹھے، سب کو نماز کا
وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوا کر
جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا،
گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔

(ملخصاً از صحیح مسلم)

اذان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنالی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں صحابۂ کرام سے بھی مشورہ فرمایا کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے ، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کردی جایا کرے ، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لیے نرسنگا بجایا کریں ، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی کی تجویز پیش کی ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپ اس مسئلہ میں متفکر رہے آپ کی اس فکرمندی نے بعض صحابۂ کرام کو بھی بہت متفکر کردیا ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے جو حضور کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکرمند اور بے چین ہوگئے تھے ، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی) اس خواب میں انھیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی انھوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا "انشاء اللہ یہ رؤیا حق ہے" یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے ۔ یہ بات آپ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے خواب بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں یہ بات

ڈالی) بہرحال آپ نے ان صحابی عبداللہ بن زید سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لیے اسی طرح اذان دیا کریں ـــ بس اُس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور اُمت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے ـــــ اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے!

اسلام میں اذان کا آغاز:-

(۳۱) عَنْ اَبِي عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِهْتَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ كَيْفَ يَجْمَعُ النَّاسَ لَهَا فَقِيْلَ لَهٗ اِنْصِبْ رَايَةً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا رَأَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذَالِكَ قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ يَعْنِيْ شَبُّوْرَ الْيَهُوْدِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذَالِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْيَهُوْدِ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُرِيَ الْاَذَانَ فِيْ مَنَامِهٖ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَبَيْنَ نَائِمٍ وَيَقْظَانَ اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَاَرَانِي الْاَذَانَ...... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا يَاْمُرُكَ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَافْعَلْهُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ۔

(رواہ ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کے سامنے یہودیوں کے بھونپو کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور اُن کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپ نے پسند نہیں کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور اُنکی چیز ہے۔ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فکرمندی کو دیکھ کر آپ کے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بھی بہت فکرمند ہوئے اور اسی فکرمندی کی حالت میں حضور کی مجلس سے واپس آکر پڑ گئے پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انھوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ رات جبکہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اُس نے مجھے اذان سکھا کر دکھائی ...... (پھر انھوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضور نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید جو تم سے کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔　　　(سنن ابی داؤد)

(فائدہ) ابوداؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زید کے حضور کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب عبداللہ بن زید سبقت کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہونچ گئے اور انھوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انھوں نے حضورؐ سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابوبکر صدیق کے اور بعض میں اور بھی چند صحابہ کرام کے اسی قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

(۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ؟ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ــــ

ــــ قَالَ ثُمَّ اسْتَأْخَرَ عَنِّيْ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا الرُّؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ ذَالِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ وَيَقُوْلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

رواہ ابوداؤد والدارمی

عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اُس سے کہا، اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اُس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعہ اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ اُس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتا دوں جو اس کام کے لیے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا ہاں ضرور بتائیے، اُس نے کہا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح حی علی الفلاح

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ ـــــ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو: اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حیّ علی الصّلوٰۃ حیّ علی الفلاح، قد قامت الصّلوٰۃ، قد قامت الصّلوٰۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ ـــــ (عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا آپ نے فرمایا یہ رویا حق ہے ان شاء اللہ (اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے ـــــ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

(سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(**تشریح**) اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے ـــــ ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زید کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انس کے صاحبزادے ابو عمیر کی جو

روایت اوپر نقل کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ "وہ نصاریٰ کی چیز ہے" اس عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کیلئے جو چند تجویزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ اُن میں سے جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اسی لیے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپ نے صرف یہ فرمایا کہ "ھو من امر النصاریٰ" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپ کے اُس وقت کے لب و لہجہ سے بھی بعض صحابۂ کرام نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اس بنا پر انھوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضور نے بادلِ ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرما لیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہو گا (اور غالباً اسی لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے غالباً اسی صورت کو "اَمَرَ بِالنَّاقُوس" سے تعبیر فرما دیا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی اَمر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں ــــ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آ رہی ہے اُس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا۔ لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جا رہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا

دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جا سکتا ہے۔

(۳۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوا اَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلوٰةِ بِشَيْئٍ يَعْرِفُوْنَهٗ فَذَكَرُوْا اَنْ يُوْرُوْا نَارًا اَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ.

رواه البخاری ومسلم واللفظ لہٗ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انھوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی بروقت جمع ہو جایا کریں)، اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات ہوئی تھی اس کے بعد عرصہ تک یہی طرز عمل رہا لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوۂ حنین سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اس لیے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ حرفِ آخر ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کے بارے میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قراءتوں کا سا اختلاف ہے۔ اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔[1]

ابو محذورہؓ کو اذان کی تلقین :-

(۴۳) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ ھُوَ بِنَفْسِہٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ

---

[1] وعندی انھا کاحرف القرآن کلھا شاف کاف، حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۱/۱

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ. حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ. حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ. لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ ——— آپ نے فرمایا پھر دوبارہ یہی کہو ——— اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ (صحیح مسلم)

(۳۵) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً.

——— رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ابو محذورہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور "قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ" دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کمی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد

پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے ——— اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ حنین کی طرف تشریف لے گئے، جبکہ آپ کے ساتھ ایک خاصی بڑی تعداد ان طلقاء کی بھی ہو گئی تھی جن کو آپ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا تو یہ ابو محذورہ بھی جو اس وقت ایک شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نو اور یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے ——— خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ ہی میں حضور سے ہماری ملاقات ہوئی ——— نماز کا وقت آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے بلکہ اذان والے دین ہی سے منکر و متنفر تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز پہونچ گئی تو آپ نے ہم سب کو بلوا بھیجا، ہم لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیے گئے، آپ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ (ابو محذورہ کہتے ہیں کہ) میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات سچی بھی تھی، آپ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو (ابو محذورہ کا بیان ہے کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے جس اذان کے دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی، یعنی میرا دل بعداوت آپ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبور اور بے بس تھا اس لیے ناچار حکم کی

تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی اور فرمایا کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر"۔ (آخر تک بالکل اسی طرح جس طرح اوپر والی حدیث میں گزر چکی ہے ـــ آگے ابو محذورہ بیان کرتے ہیں) جب میں اذان ختم کر چکا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھا اور پھر آپ نے دست مبارک میرے چہرہ پر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور پھر قلب و جگر پر اور پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی "بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ" (اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے)، یہ دعا آپ نے مجھے تین دفعہ دی (حضور کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لعنت دور ہو گئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہو گئی) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیجئے! آپ نے فرمایا کہ جاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو!۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شہادت کے کلمے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مکرر یعنی بجائے دو دو دفعہ کے چار چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے دل میں اُس وقت تک ایمان آیا نہیں تھا انھوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کر دی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگوار ان کو اس وقت شہادت کے یہی دو کلمے تھے (یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ) جب ایک دفعہ وہ کہہ چکے تو حضور نے فرمایا ان کلموں کو پھر دوبارہ کہو اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے، الغرض یہ بات بالکل قرین

قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپ نے شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مستقل مؤذن حضرت بلال کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبداللہ بن زید کے خواب کی صحیح روایات میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دو دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورہ مکۂ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو مذکورۂ بالا ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضور نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضور کے مؤذن بلال کس طرح اذان دیتے ہیں ـــــ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسی یہ ان کی ایک عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلا شبہ حضور کو اس کا علم تھا لیکن حضور نے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قراءتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت:۔

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے انشاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہو گا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے

اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی رُوح بلکہ دین کے پورے بنیادی اُصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لیے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کیے جا سکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدۂ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے، اس کے لیے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جیسا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ ۔۔۔۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے' یہ سوال فوراً سامنے آجاتا ہے کہ اس اللہ تک پہونچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا، اس کے بعد "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" کے ذریعہ اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہونچانے والا ہے۔ اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدۂ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکت غیرے اِلٰہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بناؤ۔

بار بار غور کیجیے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اُصولوں کا

کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور موثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ تبلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا ہی کرلیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرا دیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں خصوصاً اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو انشاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔

اذان واقامت سے متعلق بعض احکام:-

(۳۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اِذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِیْ۔ —— رواه الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن بلال سے فرمایا کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑا اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہولے۔ اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اذان واقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو

بالکل واضح ہیں کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت والا حصہ "حتیٰ ترونی" (اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) ۔۔۔ خاص سبب سے ۔۔۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرۂ شریفہ سے حضور کے مسجد تشریف لانے سے پہلے ہی یہ اندازہ کر کے کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے عنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اس کی آپ نے ممانعت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آجاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اُس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو ـــــ اس ممانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اُٹھانا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ کو تشریف لانے میں دیر ہو جائے، لیکن اس کے علاوہ آپ کی تواضع پسند طبیعت کے لیے بھی یہ بات تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

(۴۷) عَنْ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَّجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ قَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ ـ

ـــــــــــــــــــ رواہ ابن ماجہ

سعد قرظ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے مؤذن تھے اُن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپ نے اُن سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

(۴۸) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُذِّنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ

بِلَالٌ اَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضور نے (میرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا۔ رواہ الترمذی

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپ نے) آخر میں جو تاکیدی ہدایتیں مجھے فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا موذن مقرر کر لینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (بس اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے دوسرے حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔

حنفیہ میں سے بھی بعض متاخرین اہل فتویٰ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کا عظمت اور تقدس کا تقاضا یہی ہو کہ وہ خالصًا لوجہ اللہ ہوں اور تنخواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہی ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کر لی جائے۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ ——— رواه احمد وابوداؤد والترمذی والشافعی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ اماموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند شافعی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہرًا اور باطنًا اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری بتلائی اور دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

(۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِّيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا ——— رواه البخاری

مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچا زاد بھائی بھی ساتھ
تھے، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت
کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلہ کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضور کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انھوں نے حضور کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے چونکہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔ اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

اذان اور مؤذنوں کی فضیلت:-

(۴۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

رواه البخاری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہونچتی ہے وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن ضرور اس کے حق میں شہادت دے گی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہو (وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ۔ الآیۃ)[1] اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی عبادت کا اعلان کرتا ہے تو جن و انس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابل رشک فضیلت ہے۔ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

(۴۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ ــــــ ــــــ ــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں، مثلاً اندھیرے کے لیے آفتاب ناقابل برداشت ہو۔ آفتاب کے

---

[1] یہ قرآن مجید کی آیت ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اور حمد تم انسانوں کے فہم و ادراک سے باہر ہے ۱۲۔

نکلتے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کردی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے، بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابر سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہو کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سُن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

رواہ مسلم

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سربلند) ہوں گے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے الفاظ "اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا" کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہو لیکن شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان کیے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد اُن کی سربلندی ہے۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ امتیاز اسی طرح حاصل ہوگا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں ان کا یہ امتیاز بھی بتایا گیا ہو کہ وہ قیامت کے دن

مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

(۴۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا۔ اور لوگ (اس کی نیک عملی اور پاکیزہ سیرت کی وجہ سے) اس سے راضی اور خوش رہے۔ اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے روزانہ اذان دیا کرتا تھا۔ (جامع ترمذی)

(۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ ——— رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے جس بندہ نے سات سال تک اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتش دوزخ سے برأت لکھ دی جاتی ہے (یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے فرما دیا جاتا ہے کہ دوزخ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور اس کی آگ اور لپیٹ کو اس بندہ کو چھونے کی بھی اجازت نہیں)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤَذِّنِیْنَ وَالْمُلَبِّیْنَ یَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِھِمْ یُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ وَیُلَبِّیْ الْمُلَبِّیْ ـــــــ رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذان کہنے والے اور تلبیہؔ پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تلبیہ پڑھنے والے تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہوں گے۔" (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) اذان اور مؤذنوں کی جو غیر معمولی فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہیں اُن کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان و اسلام کا شعار اور اپنے معنی و ترتیب کے لحاظ دین کی نہایت بلیغ اور جامع دعوت و پکار ہے اور مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔ افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ و اصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دُعا:-

(۴۸) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَحَدُکُمْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ

لہ تلبیہ حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص ذکر اور گویا ترانہ ہے، اور وہ یہ ہے۔ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور (اس کے جواب میں) تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہد ان محمداً رسول اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے اشہد ان محمداً رسول اللہ، پھر مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو جواب دینے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح، اور جواب دینے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے لا الٰہ الا اللہ، اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہیے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز با جماعت کا اعلان اور بلاوا ہے دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دینِ حق کا منشور ہے۔ پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت

کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہونچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے[1]۔ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزء اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمانی عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد کی دعا میں پھر کلمۂ شہادت پڑھنے کی اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک اس کی خاص حکمت یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ـــــ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلۂ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

(۴۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ ـــــ رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت (یعنی جب وہ اذان پڑھ کر فارغ ہو جائے) کہے کہ میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی ارشادات انشاءاللہ "جماعت" کے بیان میں درج کیے جائیں گے۔ ۱۲

اُس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان

کر اور حضرت محمد کو رسول مان کر اور اسلام کو دینِ حق مان کر، تو اس کے گناہ

بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت وضو کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

(۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

رواہ البخاری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے "اے اللہ اس دعوتِ تامّہ کا ملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ دائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) اپنے رسول پاک) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے"؛ تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہوگیا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں

کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدیؐ کا خاص طور سے حقدار ہوگا ـــــ ایکؔ وسیلہ ـــ دوسرےؔ فضیلۃ ـــ تیسرےؔ مقام محمود ـــــ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور سمجھنا چاہیئے کہ فضیلۃ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے۔ اور اسی طرح مقام محمود وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہوگا اور سب اس کے ثناخواں اور شکر گزار ہوں گے ـــــ

اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد میں شفاعت کے بیان میں وہ حدیثیں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی جن میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے۔ حتیٰ کہ حضرت نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت سید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا، خود آپ کا ارشاد ہے۔ "اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ" (سب سے پہلا شافع میں ہوں گا اور بارگاہ خداوندی میں سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی) نیز آپ کا ارشاد ہے "وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَلَا فَخْرَ" (قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین میرے اسی جھنڈے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے) بس یہی ہے

مقامِ محمود ہو جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے "عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل ع ۱۰) (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے) ——— الغرض وہ خاص الخاص مرتبہ اور درجہ جس کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلۃ کہا گیا ہو اور عزت و امتیاز اور محمودیتِ عامہ کا وہ مقامِ بلند جس کو قرآن مجید میں اور اس حدیث میں مقامِ محمود کہا گیا ہے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے والے ہیں اور تقدیرِ الٰہی ازل ہی سے آپ کو نامزد کر چکی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ زیر تشریح حدیث میں آپ نے ہم کو اس کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے اور مقامات آپ کو عطا کیے جائیں، اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔

(فائدہ) مندرجہ بالا تینوں حدیثوں پر عمل کرنے کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کے ساتھ تو اس کے ہر کلمے کو دہرایا جائے جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہوا۔ اور اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کی حدیث کے مطابق کہا جائے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ (آخر تک) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی جائے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ سے وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ تک۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ بیہقی کی روایت میں اس دعا کے آخر میں "اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" کا اضافہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ان احکام کی روح کو سمجھ کر ان پر عمل کی حقیقی برکات حاصل کریں۔

مساجد

اُن کی عظمت و اہمیت اور آداب و حقوق

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے کچھ اشارے بھی کیے جا چکے ہیں[۱]۔ ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترکِ جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "خدا کا گھر" اور اُمت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر اُمت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اسی کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی

---

[۱] زیرِ عنوان "نماز کی عظمت و اہمیت" صفحہ ۱۵

تعلیم فرمائے ـــــ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے!۔

(۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض اُن کے بازار اور منڈیاں ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادّی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے ـــــ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انھیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے اور انھیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو "بیت اللہ" سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں ـــــ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کے مادّی و بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جاکر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل رُوح اور اُس کا اشارہ یہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں سے

زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے دل نہ لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے اپنی حفاظت کریں ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت بھی ہے۔ بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصولِ دیانت وامانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلاء غلاظت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاءِ حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وسنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

(۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا۔ قیامت کے اُس دن میں جس دن کہ اس کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایک عدل وانصاف سے حکمرانی کرنے والا افسر یا فرما

دوسرا وہ جوان جس کا نشوونما اللہ کی عبادت میں ہوا (یعنی جو بچپن سے عبادت گزار تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا اور جوانی کی مستیوں نے اُسے غافل نہیں کیا) تیسرا وہ مردِ مومن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے اٹکا رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آجائے، اور چوتھے وہ دو آدمی جنھوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اُسی پر جُڑے رہے اور اُسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منھ دیکھے کی محبت نہیں جیسی کہ اہلِ دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی اُن کے دل للّٰہی محبت سے لبریز ہوتے ہیں) پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اُس کے آنسو بہہ پڑے، اور چھٹا وہ مردِ خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحبِ وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں (اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اسکے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس شخص کو اللہ کے سایۂ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اُس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ بیشک مومن کا حال یہی ہونا چاہیے ——— اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

(۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، ربِ کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے جو وہاں پہونچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامانِ مہمانی کا بیان کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

اَلْمَسَاجِدُ بُيُوْتُ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ زُوَّارُ اللّٰهِ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ اَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ	مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور اُن میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جس کی ملاقات کو کوئی آئے اُس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور اُس کی خاطر داری کرے۔
کنز العمال صفحہ ۱۴۳ ج ۴	

"تاریخ حاکم" جس کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کردی گئی ہے

لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔[1]

(۵۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَفِیْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّعِشْرِیْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ لَا یُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ یَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰی لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا یَزَالُ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو وہ اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے' ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے، اے ہمارے

[1] بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعود کی روایت سے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی مل گئی ۱۲۔

اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر بہ نسبت گھر اور دوکان وغیرہ کے ۲۵ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی بلندی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاں دولت ہے؟ اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دعا "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ" کیسی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ" کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس کی توبہ قبول فرمالے) ——— نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے "مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ" یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہونچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

(۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِئْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِيْ الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔

——— رواہ فی شرح السنۃ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت

نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔　　(شرح السنہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انھوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضور سے عرض کیں، ان میں کی آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت مل دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اُخروی منافع کے لیے پہلی اُمتوں میں رہبانیت تھی میری اُمت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری اُمت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا "اعتکاف" ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

(۵۶) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ　　— رواه الترمذی وابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیریوں میں مسجدوں کو جاتے ہیں، ان کو بشارت سناؤ کہ (ان کے اس عمل کے صلہ میں) قیامت کے دن اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا ہوگا۔　　(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) رات کی اندھیریوں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بشارت سنوائی ہے کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کی اندھیریوں میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورِ کامل عطا فرمایا جائے گا۔ فَبُشْرىٰ لَهُمْ وَطُوبىٰ لَهُمْ۔

مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا:۔

(۵۷) عَنْ اَبِىْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

رواہ مسلم

ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرما دے۔		(صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر، اُخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور ان میں زیادتی کیلئے استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح ابواب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی، کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اُخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے ——— ان دونوں باتوں کا خاص منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو

اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

تحیۃ المسجد:-

(۵۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ۔

———— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو "خانۂ خدا" کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے، اسی لیے اس کو "تحیۃ المسجد" کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم جمہور ائمہ کے نزدیک استحبابی ہے۔

(ف) اس حدیث میں صراحۃً حکم ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہییں، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصداً بیٹھتے ہیں اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رواج پا گئی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رائج تھی۔

(۵۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَءَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ ———— رواہ البخاری ومسلم

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا
کہ سفر سے واپسی میں آپ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے
اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے
بعد وہیں (کچھ دیر تک) تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آتی ہے کہ آپ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گویا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضور میں ہدیۂ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اس کے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور مشتاقان زیارت وہیں آکر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے ——— یہ تھا مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی :-

(۶۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ——— رواہ الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور اور آباد رہے، یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم:۔

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ

—— رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر:-

(۶۲) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَىٰ لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شاندار[۱] محل تعمیر فرمائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ پسندیدہ نہیں:-

(۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ

(رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور

---

[۱] ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "بیتاً" کی تنوین تفخیم کے افادہ کے لیے ہے، اسی بنا پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار محل" کیا ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم

شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن
عباسؓ نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش وزیبائش
اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ" کا منشا
اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ مطلوب اور محمود
نہیں ہے بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے ـــــ آگے حضرت عبداللہ
ابن عباسؓ نے مسجدوں کے متعلق اُمت کی بے راہ روی کے بارہ میں جو پیشین گوئی فرمائی
ظاہر یہی ہے کہ وہ بات بھی انھوں نے کسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنی
ہوگی ـــــ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہی کی روایت سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

أَرَاكُمْ سَتُشَرِّفُونَ مَسَاجِدَكُمْ	میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک
بَعْدِي كَمَا شَرَّفَتِ الْيَهُودُ كَنَائِسَهُمْ	وقت (جب میں تم میں نہ ہوں گا) اپنی
وَكَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارَىٰ بِيَعَهَا	مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے
(کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)	جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں
	اور نصاریٰ نے اپنے گرجے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
قریباً ساٹھ سال تک اس دنیا میں رہے) مسلمانوں کے مزاج اور طرزِ زندگی میں تبدیلی کا
رُخ اور اس کی رفتار دیکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی ہو ـــــ بہرحال پیشین گوئی کی بنیاد جو
بھی ہو وہ حرف بحرف پوری ہوئی، خود ہم نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان ہی کے بعض
علاقوں میں ایسی مسجدیں دیکھی ہیں جن کی آرائش وزیبائش کے مقابلہ میں ہمارا خیال ہے کہ

کوئی کنیسہ اور کوئی گرجا پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(۶۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِى الْمَسَاجِدِ ۔

رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارہ میں لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مباہات کرنے لگیں گے (یعنی اپنا تفوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح) قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو اس کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی جیسے خروج دجال اور آفتاب کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو قیامت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوں گی ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں پیدا ہونے والی جن خرابیوں اور جن فتنوں کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا ہے وہ اکثر اسی قسم کی ہیں۔ اور مسجدوں کے بارہ میں فخر و مباہات بھی انہیں میں سے ہے اور مسلمان اب سے بہت پہلے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت:۔

(۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز یا لہسن) سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے
کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے، چونکہ لہسن اور پیاز میں بھی ایک طرح کی بدبو ہوتی ہے (اور بعض مخصوص علاقوں میں پیدا ہونے والی ان دونوں چیزوں کی بو بہت ہی تیز اور سخت ناگوار ہوتی ہے) اور حضور کے زمانے میں لوگ ان کو کچا بھی کھاتے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ان کو کھا کر کوئی آدمی مسجد میں نہ آئے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس چیز سے سلیم الطبع آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ کے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے اور مسجدوں میں چونکہ فرشتوں کی آمد ورفت بڑی کثرت سے ہوتی ہے اور خاص کر نماز میں وہ بنی آدم کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک رہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بدبو جیسی کسی بھی چیز سے ان مقدس اور محترم مہمانوں کو ایذا نہ پہونچے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ پیاز اور لہسن دونوں کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آیا کرے ــــ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی ہوں تو وہ پکا کر ان کی بدبو زائل کر لیا کرے۔[۱]

ان حدیثوں میں اگرچہ صرف پیاز اور لہسن کا ذکر آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر بدبودار چیز بلکہ ہر اس چیز کا جس سے سلیم الفطرت انسانوں کو اذیت پہونچے یہی حکم ہے۔

مسجدوں میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت:۔

(۶۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى

---

[۱] رواہ ابوداؤد عن معاویہ بن قرۃ ۱۲۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِی الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَیْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِیْہِ وَاَنْ یَّتَحَلَّقَ النَّاسُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فِی الْمَسْجِدِ ـــــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں شعر بازی کرنے سے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے لوگ اپنے حلقے بنا بنا کر بیٹھیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(**تشریح**) مسجدوں کی دینی عظمت کا یہ بھی حق ہے کہ جو مشغلے اللہ کی عبادت سے اور دین سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی نفسہ جائز ہوں (خواہ کاروباری ہوں جیسے تجارت سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے شاعرے اور ادبی مجلسیں) مسجدیں ان کے لیے استعمال نہ کی جائیں۔ مسجد میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت کی بنیاد یہی ہے حدیث کا آخری جز جو جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس کا منشاء اور مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن نماز کے لیے پہلے سے مسجد پہونچ جائیں (جس کی خود حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے) اُن کو چاہیے کہ وہ نماز تک یکسوئی کے ساتھ ذکر و عبادت اور دُعا جیسے اشغال میں مشغول رہیں، اپنے الگ الگ حلقے اور مجلسیں قائم نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

چھوٹے بچوں سے اور شور و شغب وغیرہ سے مسجدوں کی حفاظت:-

(۶۷) عَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنِّبُوْا مَسَاجِدَکُمْ صِبْیَانَکُمْ وَمَجَانِیْنَکُمْ وَشِرَاءَکُمْ وَبَیْعَکُمْ وَخُصُوْمَاتِکُمْ وَرَفْعَ اَصْوَاتِکُمْ وَاِقَامَةَ حُدُوْدِکُمْ

وَسَلِّ سُيُوفَكُمْ ——— رواہ ابن ماجۃ

واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور الگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو (ان کو مسجدوں میں نہ آنے دو) اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید فروخت کو اور اپنے باہمی جھگڑوں ٹنٹوں کو اور اپنے شور و شغب کو اور حدوں کے قائم کرنے کو اور تلواروں کو نیاموں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کے حدود میں نہ ہو، یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احترام کے خلاف ہیں) (سنن ابن ماجہ)

مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے :-

(۶۸) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ۔

——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی تمہیں چاہیے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو ——— ان مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو مسجدوں

میں مشورے کیے جا سکتے ہیں اور اس سلسلہ کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہوگا، نیز یہ بھی شرط ہوگی کہ یہ جو کچھ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

(ف) اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے سے پہونچی ہوگی، لیکن انھوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ ایسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں "مرسل" کہا جاتا ہے یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا:-

(۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھاری بیویاں رات کو مسجد جانے کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جبکہ مسجدِ نبوی میں پانچوں وقت کی نماز بہ نفسِ نفیس آپ خود پڑھاتے تھے تو آپ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر میں) مسجد میں جا کر حضور کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ اپنی بیویوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور اُن کا یہ اجازت نہ دینا کسی فتنہ کے اندیشہ سے یا کسی بدگمانی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ اس لحاظ سے ہر طرح قابلِ اطمینان تھا) بلکہ ایک غیر شرعی قسم کی غیرت اس کی بنیاد تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں اگر رات کی نمازوں میں مسجد آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دینا چاہیے لیکن خود عورتوں کو آپ برابر یہی سمجھاتے رہے کہ بیویو تمہارے لیے زیادہ بہتر اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا ہے۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

(۱۷) عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّ الصَّلٰوةَ مَعَكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّينَ الصَّلٰوةَ مَعِي وَصَلٰوتُكِ فِي بَيْتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِي حُجْرَتِكِ وَصَلٰوتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِي دَارِكِ وَصَلٰوتُكِ فِي دَارِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلٰوتُكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِي مَسْجِدِي — رواہ احمد (کنز العمال)

مشہور صحابی ابو حُمید ساعدیؓ کی بیوی اُمِ حُمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ

میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں، آپ نے ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمھیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے اور (مسئلہ شریعت کا یہ ہے کہ) تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصے میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل اور بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمھارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمھارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمھارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں تمھارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آکر نماز پڑھو۔

(کنز العمال بحوالہ مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی وضاحت بار بار اور مختلف موقعوں پر فرمائی ہے لیکن اسکے باوجود بہت سی صحابیات کا دلی جذبہ یہی ہوتا تھا کہ چاہے ہمارے لیے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو لیکن ہم کم از کم رات کی نمازیں مسجد میں حاضر ہوکر حضور کے پیچھے ہی پڑھ لیا کریں۔ اور چونکہ اس جذبہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ انکی سچی ایمانی محبت تھی اور اس زمانہ میں کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا اسلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ عورتیں اگر رات کو مسجدوں میں جانے کی اجازت چاہیں تو انکو اجازت دیدیا کرو۔ بہرحال یہ اجازت دینے کا حکم اسوقت کا ہے جبکہ عورتوں کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور بعض صحابہ کرام صرف حرفی غیرت یا اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تھے ——— لیکن جب عورتوں اور مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آگئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج و منشا سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں

آپ پڑھیں گے (۱)

(۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ.

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرز زندگی میں) اب پیدا کرلی ہیں تو آپ خود ان کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے، جس طرح کہ اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے اگلے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ اسی بنا پر جمہور صحابہ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانا چاہیے، بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو اور ترقی ہوئی اور ہمارے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

(۱) ان حدیثوں کی تشریح میں اور اس مسئلہ پر یہاں ہم نے جو کچھ لکھا ہو وہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ کی دو سطروں کی توضیح وتفصیل ہے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم "اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها" وبين ما حكم جمهور الصحابة من منعهن اذ المنهي الغيرة التي تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة والجائز ما فيه خوف الفتنة وذالك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غيرتان وحديث عائشة ان النساء احدثن الحديث ـــــــــــ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۶/۲۲۸

جماعت

گذشتہ صفحات میں کتاب الصلوٰۃ کے بالکل شروع ہی میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسول سے بے تعلقی کی علامت ہے، اسلئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو علانیہ اور عَلیٰ رُؤُسِ الْاَشْهَاد یعنی سب کے سامنے ادا کرے ——— اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ با جماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لئے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا ——— ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اسکی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اسکے ذریعہ افرادِ اُمّت کا روزانہ بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے ——— نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

علاوہ ازیں با جماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افرادِ اُمّت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایک ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے

جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

نیز نماز با جماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اسکے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اسکے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں ملٰئکۃ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ اُمت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عیدگاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اُٹھائے جا سکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کیلئے بہت آسان ہے۔

بہرحال نظام جماعت کے انہی برکات اور اسکے اسی قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے اُمت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے۔ اور جب تک اُمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات پر اس طرح عمل ہوتا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اُس وقت سوائے منافقوں یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا —— اِس تمہید کے بعد جماعت کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیئے!۔

جماعت کی اہمیت: ——

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ

إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ ——— وَفِي رِوَايَةٍ ——— إِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ (أَيِ الصَّلَوَاتُ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ) مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ . . . .

——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز با جماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی، بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آسکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے ——— اسکے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو "سُنَنِ ہدیٰ" کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت وسعادت وابستہ ہے) اور انہی "سُنَنِ ہدیٰ" میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے ——— اور ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ:-

"اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبیؐ کے لئے "سُنَنِ ہُدیٰ" مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا تک پہونچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی "سُنَنِ ہُدیٰ" میں سے ہے، اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اُس زمانہ کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے، اور جب تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہِ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گرو گے۔

——————— (صحیح مسلم)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ "سُنَنِ ہُدیٰ" میں سے ہے، یعنی آپ کی اُن اہم دینی تعلیمات میں سے ہے جن سے اُمت کی ہدایت وابستہ ہے ——— آگے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے ——— اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اِس اُمت کے اُس اوّلین دَور میں جو مثالی اور معیاری دَور تھا، منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا، اور اللہ کے بعض صاحبِ عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آ کر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت اُن کے اور عام صحابہؓ کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے، پس جن حضرات نے اس روایت کے لفظ "سُنَنِ الہُدیٰ" سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس "سُنّت" کا ہے، غالباً انھوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس پورے

ارشاد کو سامنے نہیں رکھا ــــــــــ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑے گی۔

(۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِیْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَیُقِیْمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا یَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذُ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰی مَنْ لَا یَخْرُجُ اِلَی الصَّلٰوةِ بَعْدُ۔

ــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر و عشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آنا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آسکتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آتے، اسکے بعد آپ نے ارشاد فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امامت کرے اور میں خود آگ کے فتیلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی اُن کے موجود ہوتے ہوئے اُن کے گھروں میں) آگ لگادوں جو اسکے بعد بھی (یعنی اذان سُننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔

ــــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے، اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف وصریح ہے۔ اُسکے الفاظ یہ ہیں:—

لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ.

(کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)

لوگوں کو چاہیئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں، نہیں تو میں اُن کے گھروں میں آگ لگوادوں گا۔

یہ تارکینِ جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنیوالے) بہر حال اس وعید اور دھمکی کا تعلق اُن کے عمل "ترکِ جماعت" سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے یعنی اُن کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اُسی طرح اُس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرضِ عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے "جماعت" سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔ اور مندرجۂ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم

(۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اِتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِي صَلّٰى ————— رواہ ابوداؤد والدارقطنی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص نماز با جماعت کے لئے مؤذن کی پکار سُننے اور اُس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے سے) کوئی واقعی عُذر اُس کے لئے مانع نہ ہو (اور اسکے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے) تو اس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی ——— بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ: حضرتؐ واقعی عُذر کیا ہو سکتا ہے؟ ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔ جان ومال کا خوف یا مرض ۔

——— (سنن ابی داؤد وسنن دارقطنی)

(تشریح) اس حدیث میں بھی تارکینِ جماعت کے لئے سخت وعید اور تہدید ہے۔ بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جماعت وضو وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بہت کم ہوتا ہے، اور رضاءِ الٰہی جو خاص الخاص مقصد اور ثمرہ ہے اُس سے محرومی رہتی ہے، جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے ۔ اور دوسری اُن حدیثوں سے جن میں نماز با جماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے ۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بغیر عُذر کے ترکِ جماعت بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے ۔

(۷۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ ۔

——— رواہ احمد وابوداؤد والنسائی

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی بستی میں یا بادیہ[1] میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو اُن پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اُسی بھیڑ کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ دُور رہتی ہے۔

——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو ان کو جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہیئے، اگر وہ ایسا نہیں کرینگے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کر سکے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت: ———

(۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح ہماری اس مادی دُنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کی بنا پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہوجاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عمل کے متعلق

---

[1] بادیہ = وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہوگیا ہو۔ ۱۲

یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بنا پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے ـــــــ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہلِ ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کمی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔

(۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ ـــ ـــ ـــ ـــــــ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو براتیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے برات اور دوسری نفاق سے برات ـــــ ـــ ـــ ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان و اخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اس کے لئے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جنتی ہے کہ دوزخ کی آنچ سے بھی وہ کبھی آشنا نہ ہوگا ـــــ اللہ کے بندے

صدق دل سے ارادہ اور ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی اُمید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عملِ خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص تاثیر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب :۔

(۷۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا۔

——— رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا، پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف) گیا، وہاں پہونچ کر اُسنے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اُس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنھوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔

——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرتا ہے اُس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کرکے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جاکر اُسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے، تو

اللہ تعالیٰ اُس کی نیت اور اُسکے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی دانستہ کوتاہی یا غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے اُس کی جماعت فوت نہیں ہوئی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

کن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں :-

(۸۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِىْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِى الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِى الرِّحَالِ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک رات میں جو بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، اذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا۔ لوگو! اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ مؤذن کو حکم فرما دیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش اگر اتنی ہو کہ مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں پانی یا کیچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے، یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی پر پڑھ لی جائے، ایسی سب صورتوں میں جماعت

حاضری ضروری نہیں رہتی۔

(۸۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھالے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اسلئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اسکے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ اُن کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بھاگتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔

اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے

بیحد پابند بلکہ عاشق تھے، اُن کا یہ طرزِ عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجۂ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

(۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ ——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جبکہ آدمی کو پاخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔

——— (صحیح مسلم)

(۸۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔

——— رواہ الترمذی وروی مالک وابوداؤد والنسائی نحوہ

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ:۔ جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں کسی کو استنجے کا تقاضا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے استنجے سے فارغ ہو۔

(جامع ترمذی ——— نیز یہی حدیث موطا امام مالک سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کیساتھ مروی ہے)

(تشریح) ان حدیثوں میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پاخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور

مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے :—

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۔ (الحج ۔ ع ۔ ۱۰)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے ۔

جماعت میں صف بندی :—

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اُس کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ :۔ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اسکے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں، اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو اُن کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو — ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے — رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً اُمّت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے ۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجۂ ذیل چند حدیثیں پڑھیئے ! ۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید :—

(۸۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔

——————— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کا سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے ——————— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ "اقامتِ صلوٰۃ" جس کا قرآن مجید میں جابجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رُخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رُخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو ——————— اس حدیث سے اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر وبیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

(۸۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ ——————— رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اسکے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کے نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ:—
اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے الفاظ:—

حَتّٰی كَاَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ　　گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے

کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے اُن کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اسلئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اتنی سیدھی ہے کہ اسکے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات آگئی، لیکن اسکے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ:—اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رُخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی

جو اُمتوں اور قوموں کے لئے اس دُنیا میں سُو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلاشبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے ——— افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

(۸۶) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ وَيَقُولُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت) ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو کہ خدا نخواستہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) تم میں سے جو دانش مند اور سمجھ دار ہیں وہ میرے قریب ہوں، اُن کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نمبر اس صفت میں ان کے قریب ہو، اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ اُن سے قریب ہو۔ ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صف بندی ہی کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے، اُن کے بعد اس لحاظ سے دوم درجہ والے اور اُن کے بعد سوم درجہ والے ——— ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم و تربیت کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز صلاحیتوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔

(۸۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوْفَنَا إِذَا قُمْنَا إِلَى الصَّلٰوةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے، اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے ——— (سنن ابی داؤد)

پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں: ———

(۸۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کمی کسر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے کھڑے نہ ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کمی کسر رہے گی وہ سب سے آخری ہی صف میں رہے گی!

صفِ اوّل کی فضیلت: ———

(۸۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ
قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ
يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ۔

(رواہ احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اسکے فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہؐ! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا گیا۔ اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے پھر پہلی ہی بات دُہرادی یعنی فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اسکے فرشتے دعاءِ خیر کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی بات دُہرادی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے ـــــ ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہؐ! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ تو اس چوتھی دفعہ میں آپ نے فرمایا:۔ اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔

(مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعاءِ رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر اور ہماری نگاہوں میں فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے اسلئے

اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ مسجد میں اوّل وقت پہونچ جائے ——— صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :———

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر و ثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے"

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے ۔ آمین

صفوں کی ترتیب :———

(۹۰) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ اُمَّتِیْ ۔

——— رواہ ابو داؤد

حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں سے کہا، میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان کروں ؟ ۔ پھر بیان کیا کہ آپ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی، اسکے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری اُمت کی نماز کا ۔

——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں، اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں ——— اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے

معلوم ہوگا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہیئے :۔

(۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ لوگو! امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں رہے) ۔ اور صفوں میں جو خلا ہو اُس کو پُر کرو ۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں :۔

(۹۲) عَنْ جَابِرٍ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَاَدَارَنِیْ حَتّٰى اَقَامَنِیْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ ۔

رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے (یعنی آپ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں آگیا اور (نیت کرکے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے اپنی داہنی جانب کھڑا کرلیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر آگئے، وہ

نیت کرکے آپ کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے، تو آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے

پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا .... (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہیئے کہ اس کو داہنی جانب کرلے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آکر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت:

(۹۳) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلٰوةَ .... رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا .... (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اسلئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

(فائدہ) اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اسکے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کرلے، بشرطیکہ یہ اُمید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے،

اور اس صورت میں عند اللہ یہ شخص معذور ہوگا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے:

(۹۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا

——— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم[1] نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سُلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اُسکے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سُلیم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے اسلئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

---

[1] یتیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لقب تھا۔ ۱۲

اِمامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اسلئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتۃً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو، اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اوّل اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اسلئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اُتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اسکے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اُس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنّت کا درجہ ہے اسلئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنّت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، او

اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں، تو پھر جو کوئی اُن میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلّم فضیلت ہے۔

بہرحال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقلِ سلیم کے بالکل مطابق اور مقتضائے حکمت ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب :

(۹۵) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سُنّت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانۂ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے

حلقۂ سیادت وحکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اُس کے گھر میں اُس کے بیٹھنے کی خاص جگہ پر
اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے ——————— (صحیح مسلم)

(**تشریح**) حدیث کے لفظ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے۔ یعنی "کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا" لیکن اس کا مطلب نہ تو صرف حفظِ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرتِ تلاوت، بلکہ اس سے مُراد ہے حفظِ قرآن کے ساتھ اس کا خاص علم اور اسکے ساتھ خاص شغف۔ عہدِ نبوی میں جو لوگ قُرّاء کہلاتے تھے اُن کا یہی امتیاز تھا۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی امامت کے لئے زیادہ اہل اور موزوں وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کیساتھ شغف وتعلق میں دوسروں پر فائق ہو، اور ظاہر ہے کہ عہدِ نبوی میں یہی سب سے بڑا دینی امتیاز اور فضیلت کا معیار تھا، اور جس کا اِس سعادت میں جس قدر زیادہ حصّہ تھا وہ اسی قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وراثت وامانت کا حامل اور امین تھا۔ اسکے بعد سنّت وشریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی علمِ قرآن اور علمِ سنّت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے علم بلا عمل کا وہاں وجود ہی نہیں تھا)۔

فضیلت کا تیسرا معیار عہدِ نبوت کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اسلئے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اسلئے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح وتقوے میں فضیلت وفوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔

ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورۂ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابلِ ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

حدیث کے آخر میں دو ہدایتیں اور بھی دی گئی ہیں: ——— ایک یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امامت وسیادت کے حلقہ میں جائے تو وہاں امامت نہ کرے بلکہ اُسکے پیچھے

مقتدی بن کر نماز پڑھے (ہاں اگر وہ شخص خود ہی اصرار کرے تو دوسری بات ہے)۔

اور دوسری یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر جائے تو اس کی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ہاں اگر وہ خود بٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان دونوں ہدایتوں کی حکمت و مصلحت بالکل ظاہر ہے۔

اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے :

(۹۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ۔

——— رواہ الدارقطنی والبیہقی (کنز العمال)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ تمہارے رب اور مالک کے حضور میں وہ تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

——— (دار قطنی، بیہقی)

(تشریح) یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اسلئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرضِ وفات میں جب معذور ہو گئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حقِ امامت کی جو تفصیلی

ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشا بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اُس کو امام بنایا جائے اقرأھم لکتاب اللہ اور اعلمھم بالسنۃ ۔ ۔ ۔ الخ یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ اُمت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام کی ذمّہ داری اور مسئولیت :

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللهَ وَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ ضَامِنٌ مَسْئُوْلٌ لِمَا ضَمِنَ وَاِنْ اَحْسَنَ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط (کنز العمال)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو شخص جماعت کی امامت کرے اُس کو چاہیئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ (مقتدیوں کی نماز کا بھی) ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہو گا، اگر اُس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہو گا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہو گا۔

(معجم اوسط للطبرانی)

مقتدیوں کی رعایت :

(۹۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ السَّقِیْمَ وَالضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَاءَ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طویل نہ ہو) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) بعض صحابۂ کرامؓ جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق وشوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہونچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے اسلئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع، سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی اُمت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے۔ اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہیئے ــــــــ

انشاء اللہ وہ حدیثیں آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرأت وغیرہ کی مقدار معلوم ہوگی۔

(۹۹) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ بخدا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (مجبوراً اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (جو میرے بس کی نہیں)۔ حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو وعظ اور خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا۔ پھر اس خطبے میں آپ نے فرمایا کہ:۔ تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو (اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو) دور بھگانے والے ہیں، جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ نماز مختصر پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام طور سے نماز عشاء دیر کر کے پڑھتے تھے۔ ایک دن حسب معمول نماز دیر سے شروع کی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے (جو بیچارے دن بھر کے تھکے ہارے تھے) نیت توڑ کے اپنی نماز الگ پڑھی اور چلے گئے۔ آخر معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا :- أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ " (اے معاذ کیا تم لوگوں کے لئے باعث فتنہ بننا چاہتے ہو اور ان کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو) - آگے اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ :- وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى اور وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى یہ سورتیں پڑھا کرو[1]

(۱۰۰) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلٰوتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ ———— رواه البخاری

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ کچھ طویل پڑھنے کا ہوتا ہے، پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے رونے کی آواز سے اس کی ماں کا دل کتنا زیادہ پریشان ہوگا ———— (صحیح بخاری)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھانے کی حالت میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آجاتی ہے تو میں اس خیال سے کہ

[1] حضرت معاذؓ کی یہ حدیث آگے قرأت کے بیان میں درج ہوگی۔ ۱۲

شاید اس بچّے کی ماں جماعت میں شریک ہو اور اسکے رونے سے اس کا دل پریشان ہو رہا ہو، میں نماز مختصر پڑھ کے جلدی ختم کر دیتا ہوں۔

(۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَلَا اَتَمَّ صَلٰوةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:- میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے ہلکی اور ساتھ ہی مکمّل ہو (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی) اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچّے کے رونے کی آواز آپ سُن لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بیچاری کی نماز خراب ہو)۔

ــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) امام کے لئے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی پُھلکی بھی ہو، اور ساتھ ہی مکمّل اور تام بھی یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سُنّت کے مطابق ادا ہو، جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر آئیں گی۔

مقتدیوں کو ہدایت:ــــــــ

(۱۰۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ــــــــ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- لوگو! امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، اور جب وہ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہیئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہیئے۔

مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے ایسا کراتا ہے ——— اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کو ڈرنا چاہیئے کہ مبادا اس کا سر گدھے کا سا نہ کر دیا جائے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

(۱۰۳) عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ۔

——— رواہ الترمذی

حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی وہ قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہیئے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے ——— (جامع ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔

——————— رواہ ابو داؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پا لیا اُسنے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی ——————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً عطا فرمائیں گے لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہوگا۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

(۱۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا عَلِّمْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِي رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلٰوتِكَ كُلِّهَا ...... رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ:۔ پھر جا کر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ:۔ تم جا کے پھر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اسکے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا) ...... آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف اپنا رُخ کرو، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو، اسکے بعد (جب قرأت کا موقع آجائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ:۔ سورۂ فاتحہ پڑھو اور اسکے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو، یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں، پھر رکوع سے اُٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں۔ پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ (اور ایک راوی نے اس آخری خط کشیدہ جملہ کے بجائے کہا ہے (پھر اُٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو) ...... (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رفاعہ بن رافع کے بھائی خلاد بن رافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی

میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انھوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہیئے نہیں کیا، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی" اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلادیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہیئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا؟۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھر نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا چرچا خوب ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں، مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں، قومہ میں، سجدہ میں کیا پڑھا جائے، یہاں تک کہ قعدۂ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ اُن کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع، سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اس کی اصلاح فرمادی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سجدے سے اُٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: "ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:۔ "ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا" (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔

یہ دونوں روایتیں امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں ——— جن ائمہ و علماء کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہیئے (جس کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے) اُن کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اسکے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے، مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا، اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا تو ایسی نماز ناقابلِ اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

(۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَأَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذَالِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ ——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرأت کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے کرتے تھے، اور جب آپ رکوع میں جاتے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کی جانب اٹھاتے اور نہ نیچے کی جانب جھکاتے، بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی بالکل کمر کے متوازی)

اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہ فرماتے، اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے، اور اپنا بایاں پاؤں نیچے بچھا لیتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے، اور عقبۃ الشیطان سے منع فرماتے تھے، اور اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی سجدے میں اپنی کلائیاں درندوں کی طرح زمین پر رکھ دے جس طرح کہ درندے زمین پر بچھا کے بیٹھتے ہیں، اور نماز کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ پر ختم فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اسلئے اس کے لئے قیام، قعود، رکوع و سجود کی وہ شکلیں اور ہیئتیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویریں ہیں، اور ان نامناسب ہیئتوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار یا بے پروائی یا بدمنظری کی شان ہو یا کسی بدفطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔ اس اصول کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدے میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھا دے جس طرح کتے اور بھیڑیے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس کو اس حدیث میں "عُقْبَۃُ الشَّیْطَانِ" اور ایک دوسری حدیث میں "اقعاء الکلب" فرمایا گیا ہے، شارحین اور فقہاء نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے مراد دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کرکے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے۔ اور چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلد بازی کی

(حاشیہ صفحہ ۲۳۰ پر ملاحظہ ہو)

شان ہے، اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنجے ہی زمین سے لگتے ہیں۔ نیز کتے، بھیڑیے وغیرہ درندے بھی اس طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں، اسلئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے، اور اسکے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے، اسلئے وہ کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انھوں نے اس طرح بیٹھنے کو "سنت نبیکم" فرمایا، تو اس کا مطلب بھی بظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں واللہ اعلم بہرحال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے، ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

(۱۰۷) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ

---

(۲۲۹) حاشیہ: ؎ "عقبۃ الشیطان" اور "اقعاء" کا جو دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے، اگرچہ لغت کے لحاظ سے وہ بھی صحیح ہے لیکن چونکہ کسی جاہل سے جاہل نمازی کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس طرح نماز میں بیٹھے گا، اسلئے اس ناچیز کے نزدیک اس کو مراد لینا بہت بعید ہے۔ واللہ اعلم

يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ ——— رواہ البخاری

حضرت ابو حُمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ:۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اسکے بعد فرمایا کہ) میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے، اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، پھر اپنی کمر کو پوری طرح ٹھکا دیتے (اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اُٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آجاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو انکو زمین پر بچھا دیتے اور نہ اُن کو سُکیڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں ہاتھوں کو سُکیڑ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کے اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں رکھ لیتے تھے لیکن کلائیاں اور کُہنیاں زمین سے الگ اور اُٹھی رہتی تھیں) اُو

پاؤں کی انگلیوں کا رُخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے
آپ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر
بیٹھ جاتے پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے
پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اسکے نیچے سے) آگے کی جانب نکال دیتے
اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تَوَرُّك کہتے ہیں) ــــــ

ــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن الحویرثؓ کا بیان ہے کہ "حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے تھے، لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اُٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہونچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابلہ میں ہوگا، اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اُٹھانے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور مونڈھوں تک اُٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن حجرؓ نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی ہے سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔ "رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى إِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ" (آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اُٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے، اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آجاتے)۔

حضرت ابو حمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قعدۂ اخیرہ میں اس طریقہ پر بیٹھتے تھے جس کو تَوَرُّك کہتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپ کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابو حمید

ساعدیؓ نے قعدۂ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں ——— بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا، لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یا یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے، کہ اس طرح بھی بیٹھا جا سکتا ہے آپ نے تورّک بھی کیا ہے ——— دوسری رائے اس کے بالکل برعکس بھی ہے ——— اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے مشروع ہیں - -

خاص اذکار اور دعائیں :— —

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثناء کرتے تھے اور اس سے جو دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند انشاء اللہ آگے درج ہونیوالی حدیثوں سے ناظرین کو معلوم ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے وہی دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیئے اور ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ یہی دولتِ عظمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص ورثہ ہے۔

(۱۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ أَقُولُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے تھے، لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ الخ کہ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے، اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے، اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے دھو ڈال ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عام معاصی اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے، لیکن "قربیاں را بیش بود حیرانی" کے فطری اصول پر آپ ان لغزشوں سے سخت لرزاں و ترساں رہتے تھے جو بربنائے بشریت آپ سے سرزد ہو سکتی تھیں، اور معصیت نہ ہونے کے باوجود آپ کی شانِ عالی اور مقامِ قرب کے لحاظ سے قابلِ گرفت ہو سکتی تھیں۔ ع

"جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی دعاؤں میں "خطایا" یا "ذنوب" جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں ان سے اسی قسم کی لغزشیں مراد ہیں۔ واللہ اعلم ———

اس حدیث میں جو دعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہ ہے کہ اے میرے اللہ! اولاً تو

مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دُور رکھ جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب سے اور مغرب کو مشرق سے دُور رکھا ہے، اور بربنائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرما کر اسکے داغ دھبّہ سے بھی مجھے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ میل کچیل دُور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت ٹھنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کر خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کو بالکل ٹھنڈا کر دے اور اسکے بجائے اپنی رضا کی ٹھنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرما دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد اور قراءت سے پہلے کبھی کبھی یہ دُعا بھی پڑھتے تھے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ——

—— رواه الترمذی وابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ .. الخ اے اللہ! تیری ذات پاک اور مُنزّہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں، اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں، اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے، اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے، اور تو ہی معبودِ برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حافظ مجد الدین ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، دارقطنی کے حوالہ سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کا افتتاح سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ۔۔۔۔ الخ سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر یہی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ۔۔۔ الخ پڑھا کرتے تھے۔ اسلئے احادیث میں وارد شدہ افتتاح نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی راجح و فضل ہے۔ اگرچہ دوسری ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے، مثلاً وہ دعا جو حضرت ابو ہریرہؓ کی مندرجہ بالا روایت میں ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے یعنی اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ ۔ الخ اور اسی طرح وہ دعا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۱۰۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ

وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ
اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ
اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ
وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ، وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ
فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ،
وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ
اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ
وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ اٰخِرِ
مَا يَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ
وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَ
مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ——— رواہ مسلم

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے: "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ ۔۔۔ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تک" یعنی میں نے اپنا رُخ ہر طرف سے یکسو ہو کر اُس اللہ کی طرف کر دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں اُن میں سے نہیں ہوں جو اُس کے تعلق میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔ میری عبادت اور میرا ہر دینی عمل اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو ربّ العٰلمین ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا

مالک و رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ کیا ہے اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں معاف کر دے، اگناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور بُرے اخلاق میری طرف سے ہٹا دے اور دور کر دے، ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں اور تیری خدمت و نصرت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ مولا! ہر قسم کی خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اور بُرائی کا تیری طرف گزر نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے اور تیری ہی طرف میرا رُخ ہے، تو برکت والا اور رفعت والا ہے، میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں)۔ (یہ دعا تو آپ تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے)۔ پھر جب (قرأت سے فارغ ہو کر) آپ رکوع میں جاتے تو کہتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ ... ... وَعَظْمِي وَعَصَبِي" تک۔ (یعنی اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا ہے میرے کان اور میری آنکھیں اور میرا مغز و استخوان اور میرے رگ پٹھے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں)۔ ... پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سیدھے کھڑے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ" (یعنی اے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے، ایسی وسیع اور بے انتہا حمد جس سے آسمان و زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور اُنکے درمیان کا سارا خلا پُر ہو جائے) اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ ... ... اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے حوالے کر دیا ہے میرا چہرہ اپنے اُس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے

اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی، اور اسکے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں، بڑی برکت ہے
ہمارا بہترین خالق) ۔ پھر تشہد یعنی التحیات اور سلام کے درمیان (سب سے
آخر میں) آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا
اَخَّرْتُ ۔ ۔ ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ" تک۔ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے
پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپا کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا تجھے
مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرمادے اور مجھے بخش دے، تو ہی آگے کرنے والا اور
تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے یعنی تو جسے چاہے آگے بڑھائے اور جسے چاہے پیچھے ہٹائے
تیرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں) ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے دفاتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے متعلق روایات کا جو ذخیرہ ہے اسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع وسجود اور قومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ روزمرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً کبھی کبھی آپ ایسا بھی کرتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں اُن سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضور کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپ نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نمازمیں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی، ان سب دعاؤں میں ایک خاص رُوح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہوگی تو فرض نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس دولت عظمیٰ سے

حصہ لینا ہی چاہیئے —— وَفِی ذَالِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْن

نماز میں قرأتِ قرآن :——

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے —— جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تینوں ماثورہ دُعائیں:۔ سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وغیرہ عنقریب ہی مذکور ہو چکی ہیں) اسکے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے، صراطِ مستقیم یعنی دینِ حق اور شریعتِ الٰہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دُعا بھی ہے —— بہرحال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے، اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اسکے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی، اسکے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورہ کا کوئی بھی حصہ پڑھے —— قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہو گا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ کاملہ کا بیان ہو گا یا یومِ آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزا سزا کا ذکر ہو گا، یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہو گا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہو گا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہو گی، یہ گویا اُسکی دُعاءِ ہدایت (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) کا اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا ——— پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اسکے بعد کوئی اور سورہ یا کسی سورہ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اسکے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ قرأۃ فی الصلوٰۃ کے بارے میں آپ کا طرزِ عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

(۱۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ، قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ فَمَا اَعْلَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَنَّاهُ وَمَا اَخْفَاهُ اَخْفَیْنَاهُ لَكُمْ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں ——— آگے حضرت ابوہریرہؓ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے اُن میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سُنا کے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور تم کو سُنا کے نہیں پڑھتے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت قرآن کا رکن ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے اُنہی میں

ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

(۱۱۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ —

رواہ البخاری ومسلم (وفی روایۃ لمسلم لمن لم یقرء بام القرآن فصاعداً)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: جس نے سورۂ فاتحہ اور اسکے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

(تشریح) اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے، اور اسکے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب :— ــــ

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نمازی خواہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جہری ہو یا سری ہر حال میں اس کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ اسی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے

قائم فرمائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے، لہٰذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے، اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سورۂ فاتحہ لازماً پڑھنا چاہیئے۔

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں بلکہ وہ سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں — — ان حضرات کے اس نقطۂ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے اُن میں سے ایک وہ بھی ہے جو اگلے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

(۱۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا — — رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ امام اسلئے بنایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتدا اور اتباع کریں لہٰذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سنو — —

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اور صحابۂ کرامؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور وہیں ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ والی اس حدیث کی بھی تصحیح اور توثیق کی ہے اور بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا ماخذ و منشا قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے:۔

"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"

(الاعراف ۲۰۴)

(اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سُنو اور خاموش رہو۔ شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ)۔

امام ابو حنیفہؒ جو سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمدؒ اور امام طحاوی اور امام دارقطنی وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے ——— موطا امام محمدؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ———

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" (حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:- جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے)۔

(فائدہ) یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ اُن معرکۃ الآراء اختلافی مسائل میں سے ہے جن پر ہماری اس صدی میں بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں دونوں طرف سے لکھی گئی ہیں، اور بلا شبہ ان میں سے بعض تو علم و تحقیق اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ہیں لیکن معارف الحدیث کا یہ سلسلہ اُمت کے جس طبقہ کے لئے اور جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا جا رہا ہے، یہ مباحث اس کے لحاظ سے نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے مضر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام اختلافی مسائل میں صحیح راہ یہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، دل سے ان کا احترام کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے کتاب و سُنّت اور صحابۂ کرامؓ کے طرزِ عمل کا مطالعہ اور اپنے غور و فکر کے بعد جو کچھ اپنے نزدیک زیادہ راجح سمجھا ہے نیک نیتی سے اس کو اختیار کر لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی باطل پر نہیں ہے ——— اور یہ اسکے منافی نہیں ہے کہ اُمت کی مصلحتِ عامہ کی خاطر، جہالت و نفسانیت اور فتنوں کے اس دور میں کسی ایک مسلک سے اپنے کو وابستہ رکھا جائے۔

بہر حال معارف الحدیث کے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی راہ سے بچتے ہوئے چلنے کا التزام کیا گیا ہے۔ الحمد للہ پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مایۂ فخر اور استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں اصولی طور پر جو راہِ عدل و اعتدال ان اختلافی مسائل کے بارے میں اختیار کی ہے اس دور میں اُمتِ محمدیہ کے لئے بس وہی راہ ہے جس کو اپنا لینے کے بعد اُمت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ سکتا ہے۔

نمازِ فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :—

(۱۱۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا ——— رواه مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ قٓ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) شارحین نے آخری خط کشیدہ فقرے کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد کی آپ کی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرامؓ کی تعداد کم تھی، اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نمازیں عموماً طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہلِ ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں

نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لیے طویل نماز باعث زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں "وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ" (یعنی سورۂ تکویر) پڑھتے ہوئے سُنا۔ ——— (صحیح مسلم)

(۱۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور سورۂ مومنون پڑھنی شروع فرمائی، ابھی آپ اس جگہ تک پہونچے تھے جہاں حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر ہے کہ آپ کو کھانسی آنے لگی اور آپ نے رکوع فرما دیا ——— (صحیح مسلم)

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَرَأَ فِیْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھیں ـــــــــ (صحیح مسلم)

(۱۱۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِیِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَیْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِی الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِی الرَّکْعَتَیْنِ کِلْتَیْهِمَا فَلَا أَدْرِیْ أَنَسِیَ أَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمْدًا ـــــــــ رواہ ابوداؤد

معاذ بن عبداللہ الجہنی سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک صاحب نے اُن سے بیان کیا کہ انھوں نے ایک دفعہ صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِذَا زُلْزِلَتْ پڑھتے ہوئے سنا۔ (آگے ان صاحب نے کہا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا یا عمداً آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی ـــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور دو رکعتوں میں الگ الگ دو سورتیں پڑھنے کا تھا اسلئے جب ایک دفعہ آپ نے دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" پڑھی، تو ان صحابی کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا، یا یہ بتانے اور جتانے کے لئے کہ یہ بھی جائز ہے آپ نے عمداً ایسا کیا۔

(۱۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِیْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَیْنَا وَالَّتِیْ فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ یَا أَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا

اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی آیات: "قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا الخ" اور سورۂ آل عمران کی یہ آیات: "قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ الخ" پڑھا کرتے تھے ــــــــــ (صحیح مسلم)

(۱۲۰) عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ کُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَاقَتَہٗ فِی السَّفَرِ فَقَالَ لِیْ یَا عُقْبَۃُ اَلَا اُعَلِّمُکَ خَیْرَ سُوْرَتَیْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِیْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ قَالَ فَلَمْ یَرَنِیْ سُرِرْتُ بِھِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ صَلّٰی بِھِمَا صَلٰوۃَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ اِلْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا عُقْبَۃُ کَیْفَ رَأَیْتَ ــــــــــ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقۂ مبارکہ کی مہار پکڑ کر چل رہا تھا، اثنائے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں تعلیم کر دوں؟ اسکے بعد آپ نے سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔ پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو جب صبح کی نماز کیلئے آپ اُترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔ عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا" ــــــــــ

ــــــــــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِاَلٓمٓ تَنْزِیْل فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِی الثَّانِیَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ۔ ۔ ۔ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں اُن سب کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز بھی قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے ——— اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "الم تنزیل السجدہ" اور سورۃ "الدھر" پڑھنے کی حکمت

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے، اسلئے غالباً آپ اس کی تذکیر اور یاد دہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

ظہر و عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :۔

(۱۲۲) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِي الصُّبْحِ ـــــ

ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے، اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ اور کبھی کبھی (سری نماز میں بھی) ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے، اور پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے، اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے، اور اسی طرح عصر میں، اور اسی طرح فجر میں آپ کا معمول تھا ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سری نماز میں ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے ـــــ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبۂ استغراق میں ہو جاتا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کبھی بقصدِ تعلیم ایسا کرتے ہوں یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورہ پڑھ رہا ہوں یا اپنے اس عمل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

(۱۲۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذَالِكَ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى پڑھتے تھے ——— اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔

——— (صحیح مسلم)

نمازِ مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :——

(۱۲۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ ——— رواہ النسائی

حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ حٰمٓ الدُّخَان پڑھی ——— (سنن نسائی)

(۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ ——

——— (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۲۶) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔

رواه البخاری و مسلم

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِي رَكْعَتَيْنِ۔

رواه النسائی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھی۔

(سنن نسائی)

(تشریح) ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے اُن میں سے کوئی بھی اُن چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "قصار" کہا جاتا ہے۔ بلکہ سب اُن بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس سورۂ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہرحال ان چاروں حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپ کا اکثری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا۔ اسلئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجۂ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی

قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا، انشاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نمازِ عشاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :———

(۱۲۸) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سُنا ہے، اور میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سُنا ——— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت براء بن عازبؓ نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپ نے اس نماز کی کسی ایک رکعت میں سورۂ والتین پڑھی تھی۔

(۱۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتَى قَوْمَهُ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُخْبِرَنَّهُ فَاَتَى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ إِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر آ کر اپنے قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انھوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی امامت کی، اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور اُس نے تنہا اپنی نماز پڑھی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی، اور اُس دور میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا منافقوں ہی کا طریقہ تھا اسلئے) لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا، اور اُس شخص سے کہا: "فلانے! تو منافق تو نہیں ہو گیا ہے؟" اُس نے جواب دیا: "خدا کی قسم نہیں! بلکہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے سامنے یہ بات رکھوں گا"۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمارا کام اونٹوں کے ذریعہ پانی سینچنا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گذشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ عشاء کی نماز آپ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انھوں نے نماز پڑھانی شروع کی) تو سورۂ بقرہ شروع کر دی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنکر حضرت معاذ کی طرف رُخ فرمایا اور

ارشاد فرمایا:۔ معاذ! کیا لوگوں کو تم فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ سورۂ والشمس وضحٰہا، سورۂ والضحٰی، سورۂ واللیل اذا یغشٰی، اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی بنکر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، لیکن جمہور ائمہ وعلماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی اقتدا میں پڑھتے تھے وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے اسی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اسکے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے ——— لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض عشاء کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے، اور چونکہ مسجد نبوی کی جماعت کے وقت تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اسلئے آپ کی نماز کی خاص برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپکے ساتھ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف سے بڑی فاضلانہ فقیہانہ اور محدثانہ بحثیں کی گئی ہیں ——— اہل علم شروح حدیث فتح الباری، عمدۃ القاری اور فتح الملہم میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ ائمہ کو چاہئے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاص کر ضعیفوں

کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

مختلف اوقات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :—

(۱۳۰) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْأُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ —

رواہ النسائی

سلیمان بن یسار تابعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی بہ نسبت۔ —— سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے، اور عصر ہلکی ہی پڑھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ —— (سنن نسائی)

(تشریح) "مفصل" قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک، پھر اسکے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لیکر سورۂ بروج تک کی سورتوں کو "طوال مفصل" کہا جاتا ہے، اور بروج سے لیکر سورۂ لم یکن تک کی سورتوں کو

"اوساط مفصل" اور لَم یکن سے لیکر آخر تک کی سورتوں کو "قصار مفصل" کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں اُن صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان ہے کہ:۔

"ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضورؐ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔"

بہرحال اُن صاحب کا نام نہ تو حضرت ابوہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، مگر شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی وہی تھا جو اُن صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"كَتَبَ عُمَرُ اِلٰى اَبِىْ مُوْسٰى اَنِ اقْرَأْ فِى الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِى الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَفِى الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ"۔ (عینی شرح بخاری)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو) (نصب الرایہ)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے ———— (جامع ترمذی باب ما جاء فی القرأۃ فی الظہر والعصر)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہو گی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تعلیم سے انھوں نے ایسا ہی سمجھا ہو گا۔ اسی بنا پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کو خاص راہنمائی کا ذریعہ بنایا ہے اور اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت:-

(۱۳۱) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُوْلٰى وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

———————————

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن ابی رافع (جو اکابر تابعین میں ہیں) بیان کرتے ہیں کہ مروان (جس زمانہ میں کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) حج وغیرہ کسی ضرورت سے مکہ معظمہ گیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وہاں وقتی طور سے اپنا قائم مقام بنا گیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو اس کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور

دوسری میں سورۂ منافقون پڑھی اور فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے ——— (صحیح مسلم)

(۱۳۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ، قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" اور "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" پڑھا کرتے تھے، اور اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے ——— (صحیح مسلم)

(۱۳۳) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ——— رواہ مسلم

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ: "عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟[1]"

[1] بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال نہ تو ناواقفیت کی وجہ سے تھا اور نہ بھول کی وجہ سے، دونوں ہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مستبعد ہیں، اسلئے (بقیہ صفحہ ۲۶۰ پر)

انھوں نے فرمایا کہ: "آپ ان دونوں میں "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ" پڑھا کرتے تھے"۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورہ اعلیٰ و غاشیہ پڑھا کرتے تھے یا "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"

نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور جو کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہونگی۔

(۱) آپ کا اکثری معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طوال مفصل پڑھتے تھے۔ ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی۔ عشاء میں اوساط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

(۲) کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپ نے حکم دیا، اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں: —

وَقَدِ اخْتَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ السُّوَرِ فِيْ بَعْضِ الصَّلَوٰتِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن

(۲۵۹ کا بقیہ حاشیہ) اس سوال کا مقصد یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم اور انکی یادداشت کا حال معلوم کرنا تھا، یا انکی زبان سے دوسروں کو سنوانا تھا، یا خود اپنے علم کی توثیق مقصود تھی۔ واللہ اعلم

لفوائد من غير حتم ولا طلب مؤكد فمن اتبعه فقد احسن ومن لا فلا حرج۔	قطعی طور پر نہ ان کی تعیین کی نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپ کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔
(حجۃ اللہ البالغہ) (مقصد دوم)	

سورۂ فاتحہ کے ختم پر "آمین":

سورۂ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور چوتھی آیت میں اُس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دُعا کی تمہید ہے، اور اسکے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دُعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے ختم پر "آمین" کہنے کی ہدایت فرمائی ہے، اور جب نماز جماعت کیساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی آخری دُعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام (سورۂ فاتحہ کے ختم پر) آمین کہے، تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملٰئکہ کی آمین کے موافق ہوگی اُسکے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائینگے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے، نہ اُس سے پہلے ہو نہ اُسکے بعد میں، اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جبکہ امام آمین کہے۔

اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرکے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اُسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اُسی وقت آمین کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کیساتھ آمین کہیں گے اُن کے سابقہ گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمُ اللهُ

رواہ مسلم

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو، پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ جب تم ایسا کروگے) تو اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں

مانگی ہوئی ہدایت کی دُعا قبول فرمالے گا ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) آمین دراصل قبولیت دُعا کی درخواست ہے، اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دُعا کو قبول ہی کرلے اسلئے سائلانہ دُعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرمادے اور میری دُعا قبول فرمالے۔ اس طرح یہ مختصر سا لفظ رحمتِ خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دُعا ہے ——— سنن ابی داؤد میں ابوزہیر نُمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :-

"ایک رات ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جارہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزرنا ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اگر یہ شخص اپنی دُعا پر مُہر لگادے تو یہ ضرور قبول کرالے گا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مُہر؟ آپ نے فرمایا کہ :- آمین کی مُہر"

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دُعا کی قبولیت کی خاص اُمید کی جاسکتی ہے۔

آمین بالجہر یا بالسِّر:- ——— ———

نماز میں آمین بالجہر کہی جائے یا بالسِّر! یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بن گیا، حالانکہ کوئی با انصاف صاحبِ علم اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور سِرّ کی بھی، اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ اور تابعین دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسِّر کہنے والے بھی[1]، اور یہ

[1] ابن الترکمانی نے طبری سے نقل کیا ہے:- والصواب ان الخبرین بالجہر بہا (بقیہ صفحہ ۲۶۴ پر دیکھئے)

بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپ کے زمانہ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپ کے زمانہ میں کبھی آمین بالجہر نہ کہی گئی ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ جہر سے کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپ کے دور میں اور آپ کے سامنے آمین بالسِر پر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ ایسا کرنے لگے ہوں۔ الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جانا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہدِ نبوی میں دونوں طرح عمل ہوا ہے ———— بعد میں بعض ائمہ مجتہدین نے اپنے علم و تحقیق کی بنا پر یہ سمجھا کہ آمین میں اصل جہر ہے اور عہدِ نبوی میں زیادہ تر عمل اسی پر تھا، اگرچہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا اس لئے ان حضرات نے آمین بالجہر کو افضل کہا اور بالسر کو بھی جائز کہا، اور اس کے برعکس دوسرے بعض ائمہ نے اپنے معلومات کی بنا پر یہ سمجھا کہ آمین جو قرآن کا لفظ بھی نہیں ہے دراصل وہ بالسِر یعنی آہستہ سے کہنے کی چیز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عام طور سے آہستہ ہی کہا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی بالجہر بھی کہا جاتا تھا ———— الغرض جن ائمہ کی تحقیق اور غور و فکر نے ان کو اس نتیجہ پر پہونچایا ان کی رائے یہ ہوئی کہ اصل اور افضل بالسر کہنا ہی ہے لیکن جائز بالجہر بھی ہے ———— ———— بہرحال ائمہ کے درمیان اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جواز سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور یقیناً ہمارے ائمہ سلف میں سے ہر ایک نے وہی رائے قائم کی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے جس کو انھوں نے دیانتدارانہ غور و فکر اور تحقیق کے بعد زیادہ صحیح سمجھا ————

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے

اور

ہم سب کو اتباعِ حق اور عدل کی توفیق!۔

(ص۲۶۳ کا بقیہ حاشیہ)

والمخافتۃ صحیحان وعمل بکل من فعلیہ جماعۃ من العلماء ———— (الجوہر النقی ج۱ ص۱۳۲)

رفع یدین :

بالکل یہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے، اس میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اُٹھتے وقت ــــ بلکہ سجدے سے اُٹھتے وقت، اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی ــــ رفع یدین کیا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، وائل بن حُجر اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابۂ کرام نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اسکے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح صحابۂ کرام اور تابعین میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اسلئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱۳۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ ــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اُٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اسی طرح جب رکوع سے

اُٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اُٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے، اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے ـــــ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمر کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے، اور مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر کے اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر کے اس بیان میں کہ آپ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایسا آپ نے کبھی کبھی کیا جس کو مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمر نے اتفاق سے نہیں دیکھا اسلئے اپنے علم کے مطابق انھوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

(۱۳۷) عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ ـــــ

ـــــ رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انھوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اس نماز میں انھوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اسکے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں، انھوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھائی، اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ جو آپ کے قریب صفِ اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے، اور تعلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر منصف صاحبِ علم اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے ——— حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ نے آپ کی نماز

کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمرؓ جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی مندرجۂ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابۂ کرام سے بھی رفع یدین کی احادیث روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں یعنی انھوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔"

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براء بن عازب کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ :-

"متعدد صحابہ اسی کے قائل ہیں اور انھوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔"

الغرض آمین بالجہر اور آمین بالسر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور صحابۂ کرام کے درمیان ترجیح و اختیار میں اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان و ادراک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے مطالعہ و تجزیہ کی بنا پر یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے ــــ حضرت

ابن مسعودؓ جیسے صحابۂ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دوسرے بہت سے صحابۂ کرام نے اسکے برعکس سمجھا، اور حضرت امام شافعی اور امام احمد وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور رائے کا یہ اختلاف بھی صرف فضیلت میں ہوا، رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مُسَلَّم ہے۔

اللہ تعالیٰ غلو اور نا انصافی سے حفاظت فرمائے، اور اتباعِ حق کی توفیق دے۔

رکوع و سجود

نماز کیا ہے؟ ـــــ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقہ پر اپنی بندگی و نیازمندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ ـــــ قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اس سب کی روح یہی ہے، لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال و اجزاء میں رکوع و سجود ہیں ـــــ سر اونچا رکھنا، تکبر یعنی برتری و بالاتری کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے، اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق و مالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقہ پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرنے کی تاکید:

(۱۳۸) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ —

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی کی نماز اُس وقت تک کافی نہیں ہوتی (یعنی پوری طرح ادا نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۱۳۹) عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى صَلٰوةِ عَبْدٍ لَا يُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهٗ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا — رواہ احمد

حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں — — (مسند احمد)

(تشریح) نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اُسکے نزدیک قابلِ قبول نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے — ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا اُس کی نماز قبول نہیں ہوگی یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

(۱۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْہِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ اعتدال کے ساتھ کرو اور کوئی اپنی بانہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھا دے جس طرح کتا زمین پر بانہیں بچھا دیتا ہے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھالیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے ——— دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ کا کتے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۴۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ وَارْفَعْ مِرْفَقَیْکَ ———

——— رواہ مسلم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ۔

——— (صحیح مسلم)

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَیْنَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَیْنَ یَدَیْہِ حَتّٰی یَبْدُوَ بَیَاضُ اِبْطَیْہِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھولدیتے تھے (یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے) یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۴۳) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، اور جب آپ سجدے سے اُٹھتے تھے تو اسکے برعکس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اُٹھاتے تھے ——— (سنن ابی داؤد جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)۔

(۱۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں):۔ پیشانی[۱] اور دونوں[۲،۳] ہاتھ اور دونوں[۴،۵] گھٹنے اور دونوں[۶،۷] پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے "اعضاءِ سجود" کہلاتے ہیں سجدے میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہئے ——— بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اسکی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں، یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور رُوح کے منافی ہے اسلئے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟ :———

(۱۴۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِىْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِىْ سُجُوْدِكُمْ۔

——— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ :۔ اس کو اپنے سجدے میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں سبحان ربی الاعلیٰ سجدے میں کہا کرو) ——— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۱۴۶) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِىْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ——— رواہ النسائی

وابن ماجۃ ورواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی مع زیادۃ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ رکوع میں سُبحان ربّی العظیم اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کہتے تھے ——

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۱۴۷) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ —— رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار سُبحان ربّی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا، اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا، اسی طرح جب اپنے سجدے میں سُبحان ربّی الاعلیٰ ۳ بار کہے، تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا، اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا ——

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع اور سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کامل ادائیگی کے لئے کم سے کم ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے، اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا زیادہ طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث ہو —— حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق فرمایا کہ :- اس جوان کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے ۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اسکے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے رکوع وسجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریبًا دس دفعہ پڑھتے تھے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکوع وسجود میں تقریبًا دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اسلئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے ۔

مندرجۂ بالا تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجدے میں سُبحان ربی العظیم اور سُبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت وتلقین فرمائی، اور یہی آپ کا معمول بھی تھا لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح وتقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔ جیسا کہ آگے درج ہونیوالی حدیثوں سے معلوم ہوگا :-

(۱۴۸) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں کہتے تھے ۔ سبُّوح قدّوس ربّ الملٰئکة والرّوح (نہایت پاک اور مقدس ومنزہ ہے پروردگار ملٰئکۃ کا اور رُوح کا) ـــــ

ـــــ (صحیح مسلم)

(۱۴۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ، يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ ـــــ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے :۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اے اللہ! میری مغفرت فرما) ۔ آپ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے ———

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ " یتاوّل القرآن" کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ اِذَا جَاءَ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور سجدے میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے ——— اللہ تعالیٰ اس کی اقتداء اور پیروی ہم سب کو نصیب فرمائے ۔

(۱۵۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ یَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْهِ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی

نَفْسِكَ ——————— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:۔ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلووں پر پڑا، اُس وقت آپ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ الخ (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثنا وصفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔

——————— (صحیح مسلم)

(۱۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ ——————— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ الخ (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔

——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے اُمت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی

بعض دُعاؤں کا پڑھنا آپؐ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے اور ان مبارک دُعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دُعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاصکر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے :-

(۱۵۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ۔

رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دُعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دُعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے لیکن اس کا محل قیام ہے، اور کلام الٰہی و فرمان خداوندی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع

وسجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرافگندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا و استغفار ہو۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مُدت العُمر یہی رہا، اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے، اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ —— اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دُعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دُعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھُلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اسکے محامد اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دُنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی دُعا کا ایک طریقہ ہے، اور اسی بناء پر ایک حدیث میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو افضل الدُّعا کہا گیا ہے۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی بھی ایک دُعائیہ کلمہ ہے، اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اُس کا سجدہ بھی دُعا سے خالی نہیں ہے۔ لیکن سجدے کی جو دُعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہیں)، ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے ان کی شان کچھ اور ہی ہے۔

سجدہ کی فضیلت :——

(۱۵۳) عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِيَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَالِكَ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَیْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰہِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰہِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰہُ بِھَا دَرَجَةً وَحَطَّ بِھَا عَنْكَ خَطِیْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِیْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَاَلْتُہٗ فَقَالَ لِیْ مِثْلَ مَا قَالَ ثَوْبَانُ ——————— رواہ مسلم

معدان بن طلحہ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمائے!۔ انھوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے دوبارہ وہی سوال کیا انھوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا —— اسکے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو، جو سجدہ بھی تم اللہ کے لئے کروگے اُسکے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس کی وجہ سے ضرور معاف ہوگا —— معدان کہتے ہیں کہ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حاضری کا مجھے موقع ملا تو اُن سے بھی میں نے یہی سوال کیا، انھوں نے بھی بالکل وہی بتایا جو حضرت ثوبانؓ نے فرمایا تھا ——— (صحیح مسلم)

(۱۵۴) عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَتَیْتُہٗ بِوَضُوْئِہٖ وَحَاجَتِہٖ فَقَالَ لِیْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ

قَالَ اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَالِكَ، قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ...... رواہ مسلم

ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ:۔ میں ایک رات کو حضورؐ کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں تھا (جب آپؐ تہجد کے لئے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لیکر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے (مسرت اور انبساط کے ایک خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا:۔ ربیعہ کچھ مانگو" (آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اسوقت مانگ لو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کروں گا، اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کر دیگا)۔ ربیعہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا:۔ یہی، یا اسکے سوا کچھ اور؟ — میں نے عرض کیا:۔ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔ تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔ ...... (صحیح مسلم)

(**تشریح**) مقربین بارگاہ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمت حق متوجہ ہے، اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن مالک کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ "سَلْ" (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انھوں نے اسکے جواب میں "جنت میں حضورؐ کی رفاقت" مانگی، اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ:۔ "مجھے تو بس یہی چاہئے اسکے سوا کچھ نہیں"۔ تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری

رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دُعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہونچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دُعا کو قوت پہونچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرت سجود سے مُراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے اسلئے بجائے کثرتِ صلوٰۃ کے کثرتِ سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قومہ اور جلسہ :———

رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ کا حکم ہے، اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مشروع ہے، ان دونوں کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کا معمول ذیل کی حدیثوں میں پڑھئے :-

(۱۵۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ——— ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام (رکوع سے اُٹھتے ہوئے) کہے سمع اللہ لمن حمدہ (اللہ نے سُنی اُس بندہ کی جس نے اُس کی حمد کی) تو تم (مقتدی لوگ) کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

(اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے) تو جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے کے موافق ہوگا اسکے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

_______ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) نماز با جماعت میں جب امام رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے تو اللہ کے فرشتے بھی اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ اس موقع پر وہ بھی یہی کلمہ کہا کریں اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ کلمہ فرشتوں کے کلمہ کے موافق اور مطابق ہوگا، اس کلمہ کی برکت سے ان کے پچھلے قصور معاف ہوجائیں گے۔ موافق اور مطابق ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ بالکل ان کے ساتھ ہو آگے پیچھے نہ ہو۔ واللہ اعلم

یہ بات اس معارف الحدیث ہی کے سلسلہ میں بار بار لکھی جاچکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی خاص عمل کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے اس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبائر کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معافی اصولی طور پر توبہ سے وابستہ ہے، یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ جس کے چاہے محض اپنے کرم سے بخش دے۔

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے :۔

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ — اللہ نے سنی اس بندہ کی جسنے اسکی حمد کی،

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ	اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری
مِلْأَ السَّمٰوَاتِ	حمد وستائش ہو اتنی کہ جس سے زمین و آسمان
وَالْأَرْضِ	کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین آسمان
وَمِلْأَ مَا شِئْتَ	سے آگے جو سلسلۂ وجود تیری مشیت میں ہے
مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ	اُس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قومہ میں یہی دُعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کبھی صرف اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

(۱۵۷) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفًا قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلًا ——— رواہ البخاری

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اُٹھایا اور کہا

سمع اللہ لمن حمدہ تو آپ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا :۔

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا اے ہمارے رب آپ ہی کیلئے ہے ساری حمد

طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ ــــــ بہت زیادہ حمد، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا :۔ اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟۔ اُس شخص نے کہا کہ :۔ میں نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا :۔ میں نے تیسؓ سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے۔

ــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث میں اس کلمہ "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا" کے لکھنے کیلئے تیسؓ سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اسنے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

(۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ــــــ

ــــــ رواہ النسائی والدارمی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے :۔

" رَبِّ اغْفِرْ لِيْ " (اے اللہ میری مغفرت فرما)

ــــــ (سنن نسائی مسند دارمی)

(۱۵۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ ــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں سجدوں کے درمیان یہ دُعا کرتے تھے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت کی نعمت سے نواز، مجھے معاف فرما دے اور میری روزی کی کفالت فرما۔"

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۶۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، قَامَ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ۔

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اُٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اُٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابۂ کرامؓ کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روزمرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں، ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو تو حضورؐ ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرزِ عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام :—

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے یعنی یہ دونوں اُس کے آخری اجزا ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اور اس کو قعدۂ اولیٰ کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قعدہ فرماتے تھے، اور اس میں کیا پڑھنے کی آپ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کس طرح نماز ختم کرنی چاہیے۔

قعدہ کا صحیح مسنون طریقہ :—

(۱۶۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا —

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشتِ شہادت) کو اُٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بایاں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دراز ہوتا تھا (یعنی اُس سے

آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے۔ ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) قعدہ میں کلمۂ شہادت کے وقت انگشتِ شہادت کا اُٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اُس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصوّر اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اُٹھا کر جسم بھی اس کی شہادت دے رہا ہو، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشتِ شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے: — وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ——— اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے: —

لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ	انگشتِ شہادت کا یہ اشارہ شیطان کیلئے
مِنَ الْحَدِيْدِ ———	لوہے کی دھار دار چھری اور تلوار سے زیادہ
(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)	تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(۱۶۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِيْ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے

(کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اسی طرح چار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اس وقت بالکل نوعمر تھا، تو والد ماجد نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا، اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرو، اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ :- خود آپ جو چار زانو بیٹھتے ہیں؟۔ انھوں نے فرمایا کہ (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، یہ انھیں کا واقعہ ہے جو مذکور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ۸۴ سال، اور ایک روایت کے مطابق ۸۶ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اخیر عمر میں ضعفِ پیری کی وجہ سے وہ نماز میں سنّت کے مطابق اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتے تھے اس وجہ سے مجبوراً چار زانو بیٹھنا پڑتا تھا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی خاص تکلیف بھی اس کی وجہ سے وہ قعدہ میں سنّت کے مطابق بیٹھنے سے معذور تھے، بہرحال ان کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی صرف ان کی تقلید اور پیروی میں ان ہی کی طرح چار زانو بیٹھنا شروع کر دیا (اگرچہ وہ اُس وقت بقولِ خود بوڑھے نہیں بلکہ نوعمر اور نوجوان تھے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو منع فرمایا اور بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کیا جائے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھا جائے، اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں معذوری کی وجہ سے چار زانو بیٹھتا ہوں، میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری الفاظ "إِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِي" (میرے دونوں پاؤں میرا بوجھ نہیں سہار سکتے) سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزدیک قعدہ کا مسنون طریقہ وہ تھا جس میں آدمی کے جسم کا بوجھ اس کے دونوں پاؤں پر رہتا ہے، اور وہ وہی ہے جس کو "افتراش" کہتے ہیں اور جو ہم لوگوں کا معمول ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیر عنوان "نماز کس طرح پڑھی جائے" حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو "تورّک" کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ اور شارحین حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدۂ اولیٰ میں اختصار اور عجلت :

(۱۶۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ — رواه الترمذی والنسائی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدۂ اولیٰ فرماتے تھے) تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔
(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دوامی طرزِ عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد :

(۱۶۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا

وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ـــــ

ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا)۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

(ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) ـــــ تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں ـــــ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر ـــــ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے) ـــــ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسکے بندے اور پیغمبر ہیں۔

ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اُس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے، لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اُسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کرکے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے

عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔

تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابۂ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شبِ معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بارگاہِ قدوسیت میں شرفِ حضوری نصیب ہوا تو آپؐ نے نذرانۂ عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آپؐ نے جواباً عرض کیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ

اسکے بعد (عہد ایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شبِ معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ہم حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں

اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہوگیا تو ہم بجائے اسکے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اُسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلا شبہ اربابِ ذوق کیلئے اس میں ایک خاص لُطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغۂ خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی نا آشنا ہیں۔

دُرود شریف

دُرود شریف کی حکمت :۔۔۔۔۔

انسانوں پر خاص کر اُن بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اُس نبی و رسُول کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے، اِسلئے یہ اُمّت اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اُسکے پیغمبروں کا حق ہے کہ اُن پر دُرود و سلام بھیجا جائے یعنی اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے مزید رحمت و رافت اور رفع درجات کی دُعائی جائے ——— دُرود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے ——— اور یہ دَر اصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج یا دشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!۔

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہونچاتا ہے، اور ہماری اس دُعا و التجا کے حساب میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ

ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعاگوئی اور اظہارِ وفاداری کا خود ہم کو پہونچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک دفعہ کے مخلصانہ دُرود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں ——— یہ ہے دُرود و سلام کا راز اور اسکے فوائد و منافع۔

دُرود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے: ———

اسکے علاوہ ایک خاص حکمت دُرود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر دُرود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دُعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ اُن کے واسطے رحمت و سلامتی کی دُعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انھیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بُنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہرحال دُرود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسُولوں کا دُعاگو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دُعاگو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں دُرود و سلام کا حکم: ———

اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود و سلام بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ	اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور
عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اُسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؁	نبی پر، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام
(احزاب - ع ۷)	بھیجا کرو ان پر۔

اِس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اس طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جابجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح نورِ نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھا جائے)۔

اِس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) کے نزول کے وقت بھی صحابۂ کرامؓ کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزوِ اخیر قعدۂ اخیرہ ہے —— اس بارے میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اس کو عرض کروں گا ——

اب حدیث پڑھیے! : ——

(۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ـــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتادیا ہے کہ ہم تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا:۔ یوں کہا کرو ۔۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ـــــ الخ "اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمدؐ پر اور حضرت محمدؐ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور ان کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور حضرت محمدؐ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے"

ـــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ سورۂ احزاب کی مندرجۂ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل

کیے گئے ہیں :—

كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ	حضرتؐ! ہم جب نماز میں آپؐ پر درود
صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا؟[1]	پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟ ۔

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے ۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سندِ قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے :—

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ	آدمی نماز میں (یعنی قعدۂ اخیرہ میں) تشہد پڑھے
يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ	اُسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
يَدْعُوا لِنَفْسِهٖ[2] —	درود بھیجے اُسکے بعد اپنے لئے دعا کرے ۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہیئے ۔

بہرحال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اُسکے بارے میں صحابۂ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر

---

[1] ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اُس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اذا نحن صلینا علیک فی صلوتنا ۔ ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے ۔
(نووی شرح مسلم ص۱۷۵ و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ص۳۲۵ پ۱۹)

[2] فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۵ پ۲۶ ۔

قعدۂ اخیرہ ہے۔ اسکے بعد انھوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ دُرود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اُسی کے جواب میں آپ نے یہ دُرودِ ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

دُرود شریف میں لفظ 'آل' کا مطلب :—

اس دُرود میں 'آل' کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے "آل" اُن کو کہا جاتا ہے جو اُسکے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب و رشتہ کا ہو (جیسے اُس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا (جیسے[1] اُسکے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین) —— اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں لیکن آگے حضرت ابو حمید ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں 'آل' سے مُراد آپؐ کے گھر والے یعنی ازواجِ مطہرات اور آپؐ کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم

(۱۶۶) عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا —— اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ

---

[1] امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں :۔ ویستعمل فیمن یختص بالانسان اختصاصًا ذاتیا امابقرابۃ قریبۃ اوبموالاۃ قال عزوجل (وَاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ) وقال (اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) ص ۳۰۔

وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

__________ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضرتؐ! ہم آپ پر صلوٰۃ (دُرود) کس طرح پڑھا کریں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو —— اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ۔ ۔ ۔الخ اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمدؐ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آلِ ابراہیمؑ پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیمؑ پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔

__________ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں دُرود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں، لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دُرود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی کا ہے۔

اس حدیث میں بجائے آل کے اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ کے الفاظ ہیں —— اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اُس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریتِ طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف اُن کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں اُن سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح دُرود وسلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے، اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ اُمت میں سب سے افضل ہوں۔

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئیے کہ اہلِ عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں تو اُن کے پیشِ نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اسکے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور اُنکے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں ——— بس دُرود و سلام بھی جیساکہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کیشی کا نذرانہ ہی، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئیے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اُٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں دُرود شریف کا موقع اور اسکی حکمت :———

جیساکہ معلوم ہے دُرود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اُس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اسکے دربارِ عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہوگئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انھی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپ کی ذریتِ طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دُعا کرے۔ اسکے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کرکے وہ اپنے جذبۂ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کرسکے ———

اسی کے لئے دُرود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابۂ کرام کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے۔
یہاں دُرود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اسلئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابلِ ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ "کتاب الدعوات" میں اپنے موقع پر دُرج ہوں گی اور مندرجۂ بالا دُرود ابراہیمی کے علاوہ "صلوٰۃ وسلام" کے جو اور صیغے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قابلِ اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا :——

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ :۔ "نمازی تشہد کے بعد دُرود شریف پڑھے اور اسکے بعد دُعا کرے " بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا کا یہ حکم غالباً اُس وقت بھی تھا جبکہ تشہد کے بعد دُرود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے :——

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْبِهِ۔	یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دُعا اُسے اچھی معلوم ہو اُس کا انتخاب کرلے اور اللہ سے وہی دُعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دُعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کی حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیماً بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں ——— اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں: ———

(۱۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے:۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کی آزمائش سے، اور (۴) دجال کے شر سے ——— (صحیح مسلم)

(۱۶۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم

تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ ۔۔۔ الخ

یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنّم کے عذاب سے، اور پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں دجّال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) یہ دُعا جیسے کہ ظاہر ہے دُنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بدبختیوں سے حفاظت کے لئے بڑی جامع دُعا ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنّم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابلِ تصوّر عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ اسکے بعد دجّال کے فتنۂ عظیم سے جو اس دُنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اسکے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے۔

— حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس موقع کے لئے یہ دُعا تعلیم فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے —— اسی دُعا کے بارے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نماز میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے، بلکہ اس میں مندرجہ بالا دُعا کے بالکل آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:۔ ——

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ۔　　اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے، اور قرض کے بار سے۔

بہتر ہے کہ یہ دُعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

(۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ . . . عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْ بِہٖ

فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔ یوں عرض کیا کرو:۔ —— اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ... الخ

(اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے [یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے] اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔ اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے) —— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں یہ تصریح مذکور ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، مگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا کہ "تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہ ہی اللہ تعالیٰ سے مانگے"۔ (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست کی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی ——

غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث "باب الدعاء قبل السلام" کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً اُمت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری اُمت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں نماز میں (یعنی اسکے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جواب میں ان کو یہ دُعا تعلیم فرماتے ہیں ——— گویا آپ نے ان کو بتایا کہ اے ابوبکرؓ! نماز پڑھ کر کبھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصور وار اور خطا کار قرار دیتے ہوئے اُسکے سامنے اپنی گناہگاری کا اقرار کرو اور اُس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفتِ مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گناہگار کو عطا فرما دے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرما دے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دُعائیں ضرور مانگنی چاہئیں ——— ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے ——— بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دُعا دُنیا وما فیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

خاتمہ نماز کا سلام :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمۂ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمۂ افتتاح نماز کے لئے سوچا بھی نہیں جا سکتا — اسی طرح اسکے اختتام کے لئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" تلقین فرمایا ہے اور بلا شبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جا سکتا — ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اُس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی مُلاقات ہو، لہذا اختتام کے لئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اَللهُ اَكْبَر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہِ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہیئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتّٰی کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اسکے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے — پھر جب قعدۂ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرکے اپنی نماز پوری کرلے تو اسکے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دُنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی مُلاقات ہو رہی ہے اسلئے اب وہ ان کی طرف رُخ کرکے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے :—

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حُکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اسکے بعد سلام سے متعلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے :۔

(۱۷۰) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ۔

——————— رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی وابن ماجۃ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طہارت (یعنی وضو) نماز کی کنجی ہے اور اس کی تحریمہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہنا ہے اور اس کی بندشیں کھولنے کا ذریعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ کہنا ہے۔

——————— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن ابن ماجۃ)

(تشریح) اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں: ———————

(۱) اوّل یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور باوضو ہونا اس کی کنجی یعنی اس کی مُقدم شرط ہے، اسکے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اَللّٰہُ اَکْبَر ہے، اسکے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام، جنکی اجازت تھی، وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو "تکبیر تحریمہ" کہتے ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ ہے۔

(۱۷۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنْتُ اَرَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ ۔ ——————— رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا تھا کہ آپ سلام پھیرتے وقت داہنی جانب اور بائیں جانب رُخ فرماتے تھے اور چہرۂ مبارک کو داہنی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم

رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا: ———

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگتے تھے، یا جن دعاؤں کی آپ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے اُن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپ نے اُمت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

(۱۷۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ۔

——— رواہ الترمذی

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: حضرت! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے)؟ آپؐ نے فرمایا: آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد ——— (جامع ترمذی)

(۱۷۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُولَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ "رَبِّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" ——— رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا:۔ اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے؟ ۔ میں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! مجھے بھی آپ سے محبت ہے ۔ آپ نے فرمایا:۔ تو (اس محبت ہی کی بنا پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا ضرور کیا کرو، اور کبھی اسے نہ چھوڑو:۔ "رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" (اے میرے پروردگار! میری مدد فرما، اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی) ——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)۔

(۱۷۴) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ——— رواہ مسلم

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمۂ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اسکے بعد کہتے:۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (اے اللہ! تو ہی سالم ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے، اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے) تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی و برتری والے تعظیم و اکرام والے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار

کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ ۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ! یہ دراصل کمالِ عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصوروار اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی:- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ــــــ عوام میں اس دعا کے اندر وَمِنْكَ السَّلَامُ کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے ۔ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ دَارَ السَّلَامِ۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۱۷۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

ــــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے ــــ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ... الخ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور

ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دیوے کوئی اُسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اُسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۱۷۶) عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَیْرِ یَخْطُبُ عَلٰی هٰذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ یَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَوِ الصَّلَوَاتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ　　رواہ مسلم

ابو الزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے:— لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ ... الخ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اُسی کی ہیں،

فضل و احسان اُسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اُسی کے لئے ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم پورے اخلاص کے ساتھ اُسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مغیرہ بن شعبہؓ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیرؓ کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح جس نے جو سنا وہ نقل کر دیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

(۱۷۷) عَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

رواہ البخاری

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ۔۔۔ الخ۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمّی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قوٰی صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔

(صحیح بخاری)

(۱۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ سبحان اللہ کہے، اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے، اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہو گئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے:— لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ——— تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تینوں کلموں کا عدد: ۳۳، ۳۳، ۳۳ بتلایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمۂ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ...الخ پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے ———

لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایات میں سُبْحَانَ اللهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳ ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے اَللهُ اَكْبَر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اس طرح، دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے ——— یہی تینوں کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں عرفِ عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں انشاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح "کتاب الدعوات" میں کی جائے گی۔

(۱۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہ کہتے: ——— اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(اے اللہ! تو سالم ہے ——— یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے ——— اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے .... یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے ——— تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور برتری والے تعظیم واکرام والے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اسکے بعد فوراً اُٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اسکے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے بارے میں انھوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سُنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اسلئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی اُن تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:—

"بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں اور ذکر الٰہی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سُنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے ۔۔۔۔۔۔ اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے ۔۔۔۔۔۔

رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ:— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سلام پھیرنے کے بعد صرف اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام ... کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے" تو اس کی کئی توجیہیں کی جا سکتی ہیں، مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اسکے بعد نشست بدل دیتے تھے، اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) ——— اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام۔ ... الخ پڑھ کے اُٹھ جاتے تھے ——— اور ایسا آپ غالباً اسلئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے بھی معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔[1]

(فائدہ) سلام کے بعد ذکر و دُعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں اُن سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دُعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اُٹھ جانا بُرا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابلِ اصلاح ہے۔ امامت اور اقتدار کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اسلئے سلام کے بعد دُعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دُعا کر کے امام سے پہلے اُٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دُعا کرتا رہے۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد ثانی ص۱۰

سُنّتیں اور نوافل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رُکنِ رکین اور لازمۂ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لیے آپؐ نے تاکیدی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپؐ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا اُن کو عرفِ عام میں "سُنّت" کہا جاتا ہے اور اُنکے ماسوا کو "نوافل" ——— (نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو "نوافل" کہا گیا ہے)۔

پھر جن سُنّتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے بظاہر اُن کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کرلیا جائے اور ملأ اعلیٰ سے ایک قرب و مناسبت پیدا کرلی جائے ——— اور جن سُنّتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے اُن کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اُس کا کچھ تدارک بعد والی ان سُنّتوں اور نفلوں سے ہو جائے ——— (بطور جملۂ معترضہ کے یہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سُنّتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحۃً منع کیا گیا ہے، اُنکی

کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو انشاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی)۔

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً، دن میں "چاشت" اور رات میں "تہجد" یہ درحقیقت تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل سے متعلق حدیثیں پڑھیے:۔

دن رات کی مؤکدہ سنتیں:۔

(۱۸۰) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔

(رواہ الترمذی)

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں ۱۲ بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کیلئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان ۱۲ بارہ کی تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔

(جامع ترمذی)

(حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے)۔

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ: "آپ ظہر سے پہلے گھر میں ۴ رکعت سنت پڑھتے تھے، اس کے بعد جا کر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے"۔۔۔۔۔ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

(۱۸۱) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ۔۔۔۔۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو۲ رکعتیں پڑھی ہیں ظہر سے پہلے اور دو۲ رکعتیں ظہر کے بعد اور دو۲ رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو۲ رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں؛ اور مجھ سے بیان کیا میری بہن اُم المومنین حفصہؓ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو۲ ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو۲ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار۴ رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو۲ بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ سے

ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سُنّت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سُنّت پڑھتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجۂ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سُنّتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اسلئے ان کو سُنّتِ مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سُنّتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سُنّتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت :۔۔۔

(۱۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فجر کی دو رکعت سُنّت دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سُنّت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ "دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے" اُس سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے۔ دُنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثوابِ آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ انشاءاللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

(۱۸۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوْهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ ۔۔۔۔۔۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ فجر کی دُو رکعت سُنّت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سُنّتیں نہ چھوڑو)۔

(سنن ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ——— (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُنّتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دُو رکعتوں کا فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ ——— (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی سُنّتیں نہ پڑھی ہوں اُس کو چاہیے کہ وہ سُورج نکلنے کے بعد اُن کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سُنن و نوافل کی فضیلت :-

(۱۸۶) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيهِنَّ

تَسْلِيْمٌ، تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں ـــــ جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں ـــــ اُن کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(۱۸۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا۔

(رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ اُن کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے

اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر، اور خود حضرت اُمِّ حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اسلئے ظہر کے بعد مؤکدہ سُنّت تو صرف دو ہی رکعت ہے لہذا چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان مؤکدہ دو رکعت کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

(فائدہ) ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کے پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ملے گا۔

(۱۸۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کی رحمت اُس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپ کا ترغیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

(۱۹۰) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ حَبِيْبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رواه الطبرانی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

(معجم طبرانی)

(تشریح) مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے ان کے علاوہ ۴ رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو ۶ ہو جائیں گی، اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

(۱۹۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ۔ (رواه ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے ۴ رکعتیں یا ۶ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی مندرجۂ بالا حدیثوں میں بھی گزر چکا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد اور آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ کبھی ۲ رکعت اور کبھی ۴ رکعت مزید نفل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم

وتر:

(۱۹۲) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کاشانۂ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نمازِ عشاء کے بعد سے طلوعِ صبحِ صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جاسکتی ہے)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا ——— (رواہ ابوداؤد)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ نے فرمایا: "نماز وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی) ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

(۱۹۴) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ أَوْ إِذَا اسْتَيْقَظَ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اسکی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے تو اسی وقت پڑھ لے۔" ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، وسنن ابن ماجہ)

(۱۹۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا آخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا ——— (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو) ——— (صحیح مسلم)

(۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذَالِكَ اَفْضَلُ ——— (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ نہ اُٹھ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری اُمید ہو کہ وہ (تہجّد کے لیے) آخر شب میں اُٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجّد کے بعد) وتر پڑھے، اسلئے کہ اُسوقت کی نماز میں ملائکۂ رحمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے جو اِن دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر[1] رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور[2] یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اُٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجّد کے ساتھ پڑھے، اور جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے ——— لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اُن کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے

مجھے جو چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں"

(۱۹۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ ـــــ (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟۔ انھوں نے فرمایا کہ:۔ چار اور تین اور چھ اور تین، اور آٹھ اور تین، اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے ـــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) بعض صحابۂ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انھوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپؐ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپؐ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت

(۱۹۸) عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَاَلْنَا عَائِشَةَ

بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کون کون سورتیں پڑھتے تھے؟ ۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپؐ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" پڑھتے تھے، اور دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَيْن (یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) ———— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں "مُعَوِّذَتَيْن" پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپؐ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ مُعَوِّذَتَيْن بھی ۔ واللہ اعلم

قنوت وتر: ————

(۱۹۹) عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ

مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں — اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيْ مَنْ هَدَيْتَ الخ — اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے اُن کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو تو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے اُن کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے، اور میرا متولی اور کارساز بن جا اُن بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے، اور مجھے برکت دے اُن تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اپنے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اے ہمارے مالک اور پروردگار!۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) اس قنوت کی بعض روایات میں "إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ" کے بعد "وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ" بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں — اور بعض روایات میں تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ کے بعد أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ بھی روایت کیا گیا ہے — یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں — اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد

اس درود کا بھی اضافہ ہے وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اپنے نبیؐ پاک پر) ——— اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے۔ حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ الخ اس کو امام ابن ابی شیبہؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ والی یہ قنوت اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ الخ بھی پڑھی جائے۔

(۲۰۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ .

(رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ الخ" "اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثنا صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا صفت بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی بچانے والی پناہ نہیں بس

اُسی کی رحمت و عنایت اور اُسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے" اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دُعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دُعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دُعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دُعا کرتے ہوئے سُنا تھا ——— بہر حال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

(۲۰۱) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی وزاد ثلث مرات یطیل)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو کہتے تھے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔

(سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے) ——— اور بعض روایات میں ہے کہ "وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالثَّالِثَةِ" یعنی آپ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل: ———

(۲۰۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ.

(رواہ الترمذی وزاد ابن ماجۃ خفیفتین وھو جالس)

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے ——— (جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپؐ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(تشریح) وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امّ سلمہؓ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے ——— انھی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں ——— لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امّتیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ——— صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں ؟ ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے ———
اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہو گا۔ واللہ اعلم

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے" وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں، ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد۔ اسکی فضیلت اور اہمیت :۔

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا۔ "اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيلًا" رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ دبانے والا عمل ہے اور اس وقت [دعا یا قرأت میں] جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے)۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا"

(ان کے پہلو [اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے] خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے

جس میں اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی اُمید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے :۔

"وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا" "اور اے نبی آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے [یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے] یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، اُمید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا)"۔

"مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اسلئے جو اُمتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضورؐ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں —— اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے!۔

(۲۰۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي

فَاَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ ۔۔۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماءِ دُنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دُعا کرے اور میں اُس کی دُعا قبول کروں. کون ہے جو مجھ سے مانگے ۔ میں اُس کو عطا کروں ۔ کون ہے ۔ جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں ۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) سماءِ دُنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے. جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ اور استویٰ علی العرش اور اسکے عام صفات وافعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات وافعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار واعتراف ہی علم ہے ۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے ۔۔۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور خود اُن کو دُعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے ۔۔۔ جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں اُن کے لیے اس وقت بستر پر سوتے رہنا اُس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بیچین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

(۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت عمرو بن عَبَسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم اُن بندوں میں سے ہو جاؤ جو اُس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم اُن میں ہو جاؤ۔ ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضا سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ ——— (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد) ——— (صحیح مسلم)

(۲۰۶) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ ... (رواہ الترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے بُرے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے ... (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں نمازِ تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں:—

اوّل یہ کہ وہ دورِ قدیم سے اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے—

دوسرے یہ کہ تقرب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے —

تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نمازِ تہجد عظیم ترین دولت ہے — حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ اُن کے وصال کے بعد بعض حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ — جواب میں فرمایا:۔ "تاھت العبادات وفنیت الاشارات وما نفعنا الا رکعات صلیناھا فی جوف اللیل" (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات و اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہَوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے)۔

(۲۰۷) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔۔۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نمازِ تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ ۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تو کیا میں (اُس کے احسانِ عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (اور اُس شکر گزاری میں اُس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں) ۔۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآنکہ آپ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت وریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اسکے کہ آپ کا چلنا پھرنا حتیٰ کہ سونا بھی کارِ ثواب تھا لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے ۔۔۔ اس میں آپ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابتِ رسولؐ کے مدعیوں کے لیے بڑا سبق ہے۔

عقیدۂ عصمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے، اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لیے جاتے ہیں، اسلئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ

سب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اسکے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن بُرائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو اُمت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شانِ عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ بن اُم مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورۂ تحریم اور سورۂ عَبَس میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی ——

بہرحال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں لیکن۔ ع

"قربیاں را بیش بود حیرانی"

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکرمند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکرمند نہیں ہوتے —— پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ أَيْقَظَتْ زَوْجَهَا

فَصَلَّى فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی رحمت اُس بندے پر جو رات کو اُٹھا اور اُس نے نمازِ تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اُسنے بھی نماز پڑھی، اور اگر (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) وہ نہیں اُٹھی تو اُسکے مُنہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اُس کو بیدار کر دیا ـــــ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اُس بندی پر جو رات کو نمازِ تہجد کے لیے اُٹھی اور اُسنے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اُسنے بھی اُٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اُٹھا تو اُسکے مُنہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اُٹھا دیا۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابۂ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نمازِ تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سُن سُن کر اور آپ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرقِ مراتب کے باوجود عام صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا یہی حال تھا، اسلئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اسکے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کبھی رات کو ایک شوہر یا بیوی کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اُٹھانا چاہا، اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر مُنہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اُٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں

بجائے زود رنجی کشیدگی اور ناگواری کا باعث ہونے کے انشاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا ۔۔ بہرحال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اُنہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو اسکے اہل ہوں اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نمازِ تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نمازِ تہجد کی قضا اور اس کا بدل :—

(۲۰۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ.

(رواہ مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جو شخص رات کو سوتا رہ گیا اپنے مقررہ ورد سے یا اُسکے کسی جزء سے پھر اُسنے اُس کو پڑھ لیا نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اُسکے حق میں جیسے کہ اُسنے پڑھا ہے رات ہی میں ---- (صحیح مسلم)

تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا اور وہ کسی رات سوتا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جزء فوت ہو جائے تو اگر وہ اُسی دن نمازِ ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اُس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

(۲۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيْرِهِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً — (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اُس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے :-

(۲۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ — (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ ۱۳ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنتِ فجر کی دو ۲ رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں — (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپ کا اکثری معمول تھا ورنہ خود حضرت عائشہؓ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ اس سے کم بھی پڑھتے تھے۔

(۲۱۲) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ (رواہ البخاری)

مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (کہ آپ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انھوں نے فرمایا کہ :- سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہؓ کی اُس حدیث میں مذکور ہے جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی بعض تفصیلات :-

(۲۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ـــــ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے ـــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اسلئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اسکے بعد طویل قرأت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم ـــــ اور صحیح مسلم ہی میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ: "إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ" (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

(۲۱۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَّفِي لِسَانِي نُورًا وَّاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَّاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِي نُورًا وَّمِنْ أَمَامِي نُورًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُورًا وَّمِنْ تَحْتِي نُورًا اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِي نُورًا —

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور

آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ اس وقت سورہ آل عمران کی آخری (یہ دعائیہ) آیتیں تلاوت فرما رہے تھے إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ... ختم سورت تک۔ پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے اور ذرا دیر کے لئے سو گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے، مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، اس طرح آپ نے دو دو رکعتوں کے ساتھ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کی آخری وہ آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ یہ دعا فرما رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي لِسَانِي نُوْرًا ...

(اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری زبان میں نور پیدا فرما، اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کر دے اے اللہ! مجھے نور عطا فرما دے۔) صحیح مسلم

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی آخری آیتیں آپ نے سو کے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں، اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء نور یعنی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا الخ آپ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے

درمیان میں ذرا دیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں — اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضورؐ کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اُس رات آپ نے اتفاقاً ایسا کیا ہو گا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں شروع میں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں صراحۃً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانوں میں تطبیق اسی طرح ہی جا سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اسکے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نمازِ تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دُعاءِ نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں صرف نو دعائیہ کلمے ہیں بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں — بڑی مبارک اور نورانی دُعا ہے — حاصل اس دُعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب و ذہن قالب اور میری رُوح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرما دے اور مجھے از سر تا پا نور بنا دے، اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کر دے — قرآن مجید کی آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دُعا کا مقصد یہ ہو گا کہ میرا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے، اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔

۲۱۵۔ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ

يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ
مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ
الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ
يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ
مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا
مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ فَصَلّٰى
اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ
وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے نماز
شروع کرتے ہوئے کہا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ
وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ (اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا،
بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد
آپ نے نماز شروع کی پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی پھر
رکوع کیا تو آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا
کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپ نے
رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا
"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح
بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا۔
"لِرَبِّيَ الْحَمْدُ" (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے)
اس کے بعد آپ نے سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قیام ہی کی طرح بہت طویل تھا

اور آپ سجدے میں کہتے تھے۔ سُبحان ربی الاعلیٰ۔ پھر آپ نے سجدہ سے
سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ اپنے سجدے کی طرح یعنی قریبا
اسکے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے:۔
"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ، رَبِّ اغْفِرْ لِیْ" (اے میرے رب میری مغفرت فرما!
اے میرے مالک مجھے معاف کردے) آپ نے اسوقت چار رکعتیں پڑھیں
جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں ——
(امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبۃ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ
ان کے استاذ عمرو بن مرۃ نے چوتھی رکعت میں سورہ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا
یا سورۂ انعام پڑھنے کا —— —— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ
سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ نے ایک رات کی آپ کی نماز تہجد کا
ذکر کیا ہے جس میں آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھیں،
اور اسکے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً النساء اور المائدہ)
پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو
اثناءِ قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں
اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح ہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان
ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۲۱۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ——

(رواہ النسائی وابن ماجہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی (اور وہ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی یہ آیت تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیہ۔　(سنن نسائی و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گذارش کا ایک جز ہے ——

سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی اُمت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنا لینا! حضرت عیسیٰ اسکے جواب میں ایسی بات سے اپنی قطعی براءت ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی اُن میں یہ شرک دُنیا سے میرے جانے کے بعد آیا　　اسکے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰ نے جواب کا آخری جز ہے:-

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (مائدہ ع) خداوندا اگر تو ان کو (ان کے سنگین

جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپ کو اپنی اُمت کا خیال آگیا جس کے بارے میں آپ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپ اسی کی فکر میں عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور دردمندانہ گذارش اللہ تعالیٰ کے حضور میں دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَّيَخْفِضُ طَوْرًا ۔

(رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے ۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ

تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا ——— (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ:- میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟- انھوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سُن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اُٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو، اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو ——— (سنن ابو داؤد)

(تشریح) عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل خفی ہو اور نہ بہت زیادہ جہر سے، مندرجۂ بالا حدیث کا منشا یہی ہے لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا، اور اسکے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اُس وقت

وہی افضل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوافل :—

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لیکر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوعِ آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے، اور دن اچھی طرح چڑھنے کے بعد اگر پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے — حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ :—

"دن (جو اہلِ عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اسلئے پہلے پہر کے شروع میں نمازِ فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" (نمازِ چاشت) مقرر کر دی گئی، اور اسکے فضائل و برکات بیان کر کرکے اس کی ترغیب دی گئی کہ جو بندگانِ خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں —

پھر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش

چار رکعت اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت ۔۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں :۔

(۲۱۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى ۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اسکے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنا بھی صدقہ ہے، اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا بھی صدقہ ہے، اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا بھی صدقہ ہے، اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا بھی صدقہ ہے، اور اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ بھی صدقہ ہے، اور اس شکر کی ادائگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے ۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اسکے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے اور غالباً

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اسکے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۲۲۰) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِی ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّہٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْکَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ اَکْفِكَ اٰخِرَہٗ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر، میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یعنی اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اسکے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے۔

(۲۲۱) عَنْ مُعَاذَۃَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ کَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الضُّحٰی؟ قَالَتْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ وَیَزِیْدُ مَا شَاءَ اللّٰہُ ——— (رواہ مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ چاشت کی نماز کے رکعت پڑھا کرتے تھے؟۔ انھوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ

جتنی اللہ چاہتا ــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا، اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں: لَوْ نُشِرَ لِيْ اَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا "(اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پرمسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

(۲۲۲) عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذَالِكَ ضُحًى۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے ــــــ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا ــــــــ

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۲۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى شُفْعَةِ الضُّحَى غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ـــــــ

(رواه احمد والترمذى وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ جس نے دوگانہ چاشت کا اہتمام کیا اُسکے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عبادات یا دوسرے اعمالِ صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

(۲۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحَى وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَرْقُدَ ـــــــ (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے :۔ ایک ہر مہینے تین دن کے روزے اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں ـــــــ (صحیح مسلم)

(۲۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى نَقُولَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتَّى نَقُولَ لَا يُصَلِّيهَا ـــــــ (رواه الترمذى)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے)

پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازِ چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:—

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اس کو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے۔"

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ اس مصلحت سے ترک کر دیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت آپ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے:-

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات معیّن ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے۔ جیسے:- دوگانۂ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت صلوٰۃ توبہ اور نمازِ استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معیّن نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا

تعلق ہے، یہ اُسی وقت پڑھے جاتے ہیں —— ان میں سے تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی "مساجد کی اہمیت و فضیلت" کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں —— ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھیے!۔

صلوٰۃ استغفار:——

(۲۲۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوْ بَكْرٍ وَّصَدَقَ أَبُوْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ إِلَّا غَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ قَرَءَ وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ —— (رواہ الترمذی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابوبکرؓ نے نے بیان فرمایا (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے:۔ جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اُٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اسکے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ . . . الآیۃ —— (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورہ آل عمران کی ہے، اوپر اللہ کے اُن متقی

بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اسکے بعد یہ آیت ہے:۔

"وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۴)

(اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی بُرا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو جلد ہی انھیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں ــــ اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا ــــ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش و معافی ہے ان کے رب کی طرف سے، اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)۔

اس آیت میں اُن گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنھوں نے معصیت کو عادت اور پیشہ نہیں بنایا ہے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ :—

(۲۲۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَی اللّٰهِ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْیَتَوَضَّاْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ لِیُثْنِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَلْیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِیَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ —— (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اُس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اسکے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثنا کرے اور اسکے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے :——

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ. نہیں اللہ کے سوا کوئی مالک

ومعبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مُقدس ہے وہ اللہ جو

عرشِ عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد وستائش اُس اللہ کے لئے

جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اُن اعمال

اور اُن اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری

مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ ہیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ

اٹھانے اور حصہ لینے کا، اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔

خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے

اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اُس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین

سب مہربانوں سے بڑے مہربان!! ——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کے لئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں درا صل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اُسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے اُن کا یہی تجربہ ہے اور انھوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائنِ الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن حاجتوں کیلئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح

دُعا کرے گا تو اُس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا در اصل وہ بندہ نہیں ہے نہ اُسکے کچھ اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلۂ کار ہے، اسکے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اُسکے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۲۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى ——— (رواہ ابوداؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے : "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور اُمت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استخارہ :———

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہو کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اُس کا انجام اُسکے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے لئے صلوٰۃ استخارہ تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کرنا کرو۔

(۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِى الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ، يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ ——— اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ——— اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِىْ (اَوْ قَالَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِىْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدِرْهُ لِىْ وَيَسِّرْهُ لِىْ ثُمَّ بَارِكْ لِىْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِىْ (اَوْ قَالَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِىْ وَاٰجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّىْ وَاصْرِفْنِىْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِىَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِىْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّىْ حَاجَتَهٗ ——— (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے ——— آپ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اُسکے انجام کے بارے میں فکرمند ہو تو اُس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے، اُسکے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں

اِس طرح عرض کرے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ۔ ۔ ۔ الخ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں، اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بُرا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین میری دُنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرما دے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے ——

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:——
جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دُعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے —————— (صحیح بخاری)

(تشریح) جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی رُوح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اُسکے حوالہ کر دیتا ہے کہ جو اُسکے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اُس کی یہ دُعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی کبھی اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اسکے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے، اور جب تک کسی طرف رجحان ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہرحال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح:

(۲۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاہُ اَلَا اُعْطِیْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰہُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ قَدِیْمَہٗ وَحَدِیْثَہٗ خَطَاَہٗ وَعَمَدَہٗ صَغِیْرَہٗ وَکَبِیْرَہٗ سِرَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ تَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَۃٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِىْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذَالِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذَالِكَ فِىْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِىْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِىْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِىْ عُمْرِكَ مَرَّةً ــــــ (رواه ابوداؤد وابن ماجه والبيهقى فى الدعوات الكبير۔ وروى الترمذى عن ابى رافع نحوه)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے عباس اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گرانقدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں وہ ایسا عمل ہے) جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ) آپ چار رکعت

نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں،
پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت
میں پندرہ دفعہ کہیں :- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ
پھر اسکے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں پھر رکوع سے
اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں بھی
یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں پھر دوسرے سجدہ
میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں پھر دوسرے سجدہ کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے)
یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں
یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں — (پھر آگے فرمایا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز
پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ
یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو
کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ ہی لیں

(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد
صحابۂ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے — امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد
لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس
نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ"
میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے[1] "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر

[1] علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو
بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں انھوں نے "صلوٰۃ التسبیح" (بقیہ صفحہ پر)

تفصیل سے کلام کیا ہے اور اُن کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی تو ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مُبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی، اور زمانۂ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین اُمّت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز کو وہ بے نصیب رہتے ہیں اُن کے لئے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اسلئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ .... اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى

(صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کی ترغیب و تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۲

پڑھنے کا بھی ذکر ہو، اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمۂ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ پندرہ دفعہ، اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اس طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقے میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہو گی ——— بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں، پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

"صلوٰۃ التسبیح" کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:-

"اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ" ——— (سورۂ ھود ۔ ۱۱۴)

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مندرجۂ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے ——— اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمروؓ) کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا:-

"فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذَالِكَ"، (تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہو گے تو بھی اس کی

برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا)۔

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سُن کر اُن سے فائدہ اُٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ :۔

صلوٰۃ التسبیح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس خاتمہ پر ذیل کی ایک حدیث اور پڑھ لی جائے :۔

(۲۳۱) عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيْصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ اِلٰى اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يَرْزُقَنِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِيْ بِحَدِيْثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَنْفَعَنِيْ بِهٖ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهٖ مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ۔۔ اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما! پھر میں حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اُن سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما

(اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی ——— فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی، پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائے گا، اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد ہو جائے گا، پھر اگر اسکے فرائض میں کچھ کسر ہوئی تو ربِ کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں تاکہ ان سے اسکے فرائض کی کمی کسر پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا ——— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) سنن و نوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تنہا یہ حدیث کافی ہے۔

خاص اجتماعی نمازیں ۔۔۔ جو ۔۔۔ اُمتِ مسلمہ کا شعار ہیں

جمعہ ۔۔۔ و ۔۔۔ عیدین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے اور انکے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کئے جا چکے ۔۔۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس اُمت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے، اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کیجاتی ہیں۔ ۔۔۔ فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے نماز جمعہ کے بارے میں چند اشارات کئے جاتے ہیں، اُمید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں انشاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہو گی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلہ ہی کے مسلمان
جمع ہو سکتے ہیں اسلئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا جس میں پورے شہر اور مختلف
محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لئے شہر کی ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور
ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اسلئے وہی وقت رکھا گیا
اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی
و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے
خطبہ لازمی کر دیا گیا ——— اور اس کے لئے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ
ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ باعظمت اور بابرکت ہے ———
جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ
متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شبِ قدر) خاص الخاص درجہ
میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ کے
خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات
اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج
ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا) بہرحال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم

ؔ شریعت میں جمعہ کی جو خاص نوعیت رکھی گئی ہے اور عہد نبوی اور دورِ صحابہ و تابعین بلکہ اسکے بھی کافی بعد تک
اُمت کا جو طرزِ عمل جمعہ کے بارے میں تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک بستی میں
جمعہ حتی الوسع ایک ہی جگہ ہونا چاہئے ۔ ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور بستی کے
سارے نمازی آسکیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نمازِ جمعہ کے لئے تجویز
کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی
مسجد میں ہو، یہ طریقہ کہ محلہ کی تمام مسجدوں میں الگ الگ جمعہ ہو یقیناً شریعت کے مقصد و منشاء کے خلاف ہے ۱۲۔

اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا ——— اور اس میں شرکت وحاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجے میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پر بہار ہو، اور مجمع کو ملائکہ کے پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو ———

اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھئے!۔

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت :- ———

(۲۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ——— (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ... ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم)

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف :—

(۲۳۳) عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ —

(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے؛ اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی — لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی انکے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) اوپر والی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔۔۔ الخ ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپؐ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیاتِ انبیاءؑ

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ اُمت کا درود میرے پاس پہونچایا جاتا اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دُنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپؐ کے پاس فرشتے پہونچاتے ہیں) ——— اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تو جبکہ آپؐ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپؐ کے پاس ملائکہ کا آنا اور دُرود وغیرہ پہونچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپؐ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر دُرود شریف آپؐ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جا سکے گا؟ ۔ انھوں نے یہ سوال آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام اُن کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین اُن پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی یعنی جس طرح دُنیا میں

خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد اُن کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی (جو اُس عالم کے قوانین کے مطابق ہو گی) اسلئے درود کے پہونچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی :۔

(۲۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْئَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ ــــ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اُسکو عطا ہی فرما دیتا ہے۔
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت وقبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی اُمید ہے ـــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؓ

دونوں سے نقل کیا ہے کہ: جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحۃً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے ممبر پر جائے اُس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعتِ اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیتِ دُعا کا خاص وقت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ:۔

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگانِ خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دُعا کا خاص وقت ہے اسلئے اسکی اُمید کیجا سکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو ـــــ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزولِ قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اسلئے اسوقت بھی توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مُبارک وقفہ میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ:۔ جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مُبہم رکھا گیا ہے جس طرح، اور جس مصلحت سے شبِ قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مُبارک کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شبِ قدر کے بارے میں کچھ

اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کیلئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز یا ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نمازِ جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت :—

(۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔

رواہ ابوداؤد

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں:۔ ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۳۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ برسر منبر فرما رہے تھے کہ:۔ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے)۔

(صحیح مسلم)

(۲۳۷) عَنْ اَبِى الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی ورواہ مالک عن صفوان بن سلیم واحمد عن ابی قتادہ۔

ابوالجعد ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو آدمی بلا عذر تین جمعہ تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اُسکے دل پر مُہر لگا دے گا (پھر وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا) ——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی ——— اور یہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں صفوان بن سلیمؓ سے اور امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت ابوقتادہؓ سے بھی روایت کی ہے)۔

(۲۳۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِىْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِىْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلٰثًا۔ رواہ الشافعی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑیگا وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائے گا ——
(اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے) - - - - (مسند شافعی)

(تشریح) ان حدیثوں میں جمعہ کی جو غیر معمولی اہمیت بیان کی گئی ہے اور اسکے ترک پر جو وعیدیں سنائی گئی ہیں وہ کسی توضیح اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سب معصیات و منکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے گر جاتا ہے اور اسکے دل پر مُہر لگا دی جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

نمازِ جمعہ کا اہتمام اور اسکے آداب :——

(۲۳۹) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُھْرٍ وَیَدَّھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی —— - - - —— رواہ البخاری

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے، اور جہاں تک ہو سکے صفائی پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو تیل خوشبو اسکے گھر ہو وہ لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لئے جائے اور مسجد میں پہونچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں اُن کے بیچ میں نہ بیٹھے، پھر جو نماز یعنی

سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اُس کے لئے مقدر ہوں وہ پڑھے پھر جب امام خطبہ دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اُس کو سُنے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اُس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔

(صحیح بخاری)

(۲۴۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى یَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَیْنَهَا وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِیْ قَبْلَهَا ——

—————— رواه ابو داؤد

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے جو اسے میسر تھے وہ پہنے اور خوشبو اگر اُسکے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر (سُنّتوں اور نفلوں کی) جتنی رکعتیں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سُنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اُس شخص کی یہ نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفّارہ ہو جائے گی۔

—————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون یا مستحب غسل" کے زیر عنوان پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدرِ امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہونچنے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا ——— جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے ——— یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہونگی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شانِ مغفرت کا اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

(۲۴۴) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔

رواہ مالک ورواہ ابن ماجہ وھو عن ابن عباس متصلاً

عبید بن السباق تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہٰذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو

اُس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے بعد مسواک اُس دن ضرور کیا کرو۔
(موطا امام مالک، وسنن ابن ماجہ ۔ اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو بروایت عبداللہ بن عباس متصلاً روایت کیا ہے)۔

جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن ترشوانا :—

(۲۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْلِمُ اَظْفَارَهُ وَيَقُصُّ شَارِبَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ ——— رواه البزار والطبرانی فی الاوسط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے[1]۔
(مسند بزار و معجم اوسط للطبرانی)

جمعہ کے لئے اچھے کپڑوں کا اہتمام :—

(۲۴۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَیْ مِهْنَتِهٖ۔
رواہ ابن ماجہ ورواہ مالک عن یحییٰ بن سعید

---

[1] واضح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے اُس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کیلئے طہارت اور پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں ۱۲۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شانِ فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے، اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ واری عید ہے، چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اسلئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ——— طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔"

لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے[1]۔

جمعہ کے لئے اوّل وقت جانے کی فضیلت: ———

(۲۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ

---

[1] جمع الفوائد مع تعليقات اعذب الموارد ص۲۶۰ جلد ۱۔

عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے، اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔

نمازِ جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:-

(۲۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ

أَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ ——— رواه البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے ——— (صحیح بخاری)

(۲۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا۔

——— رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے۔ آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ اکثر کون کون سورتیں پڑھتے تھے۔

(۲۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ

اِصْبَعَیْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اُس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اُس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آپہونچا ہے (اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ) بس صبح شام تم پر آپڑنے والا ہے ——— آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اسکے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پُرجوش اور پُرجلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال، قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اسکی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے، اور کلمہ والی انگلی اور اسکے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنے والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے، اسلئے اسکی تیاری کرو۔

نماز جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں :

(۲۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت[1]۔

(معجم کبیر طبرانی)

(۲۲۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْكٌ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْهُمَا — رواه مسلم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جاچکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اسکے کہ نماز پڑھتے (یعنی انھوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضورؐ خطبہ کے لئے منبر پر جاچکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا :- کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں ؟ - انھوں نے عرض کیا کہ نہیں !۔ آپ نے فرمایا :- اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو ! — (صحیح مسلم)

---

[1] حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث جمع الفوائد میں کبیر طبرانی ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے — لیکن اسکے ذیل "عذب الموارد" میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اسکے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے ۔۱۲

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اُس کے لئے اُس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری وغیرہ اکثر ائمہ اُن احادیث کی بنا پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کے مطابق اکثر صحابہؓ و اکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بنا پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں ــــ اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں[1]، اسلئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہونچ جائے کہ خطبے سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

(۲۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا۔

ــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ــ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اسکے بعد چار رکعت اور پڑھے ــــــــ (صحیح مسلم)

(۲۵۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

[1] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الملہم" شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطۂ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ــ والانصاف ان الصدر لم ینشرح لترجیح احدالجانبین الی الآن ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے ——— (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں اُن میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اسکے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔

اسلئے ائمہ مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں، بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اُس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں :- ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں اُن کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے

اور عید الضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو ——— رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے اُمت مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس اُمت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا ——— اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں اُمت مسلمہ کے مؤسس و مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پاکر اپنے لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسمٰعیلؑ کو زندہ و سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمالی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے "رسم عاشقی" قرار دے دیا تھا پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جاسکتا ہے تو اس اُمت مسلمہ کے لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہوسکتا، اسلئے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا ——— جس وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اُسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی

یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید اضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے ——— بہرحال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور اُمتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے ——— اصل مقصد تو یہاں "کتاب الصلوٰۃ" میں عیدین کی نماز کا بیان ہے لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز: ———

(۲۵۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ ———

——— رواہ ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ :- یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ :- ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح

منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کردیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الضحیٰ اور یوم عید الفطر ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) قوموں کے تہوار در اصل اُن کے عقائد و تصورات اور اُنکی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اسلئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کراکے اُنکی جگہ عید الفطر اور عید الضحیٰ دو تہوار اس اُمت کے لئے مقرر فرما دیے جو اسکے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں

———— کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی رُوح اور اسکے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کیلئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ :————

(۲۵۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَءُ بِہِ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ فَیَعِظُھُمْ وَیُوْصِیْھِمْ وَیَاْمُرُھُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَہٗ

اَوْ يَأْمُرُ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ ۔۔۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے پس سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپ ان کو خطبہ و وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے ۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اس کام کے لئے منتخب فرما لیا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا۔ اُس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سُنّت ہے :-

(۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ —— رواه مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز ایک ہی دو دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے —— (صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُّ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ —— رواه النسائی

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلال پر سہارا لگا کر آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر

آپ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی ـــــــــــ (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ نے اسلئے کیا تھا کہ آپ کے خیال میں خواتین آپ کا خطبہ سُن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم

(فائدہ) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور سے شریک ہوتی تھیں، بلکہ اُن کے لئے یہ آپ کا حکم تھا، لیکن زمانۂ مابعد میں جب مسلم معاشرے میں فساد آگیا تو جس طرح اُمت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عیدگاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفلی نماز نہیں ہے:۔۔۔

(۲۵۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔

ـــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آپ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔

(صحیح بخاری ومسلم)

ـــــ ـــ ـــــ

عیدین کی نماز کا وقت :

(۲۵۷) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُمَيْرِ الرَّحْبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّاسِ فِيْ يَوْمِ عِيْدِ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى فَاَنْكَرَ اِبْطَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِنَّا كُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذِهٖ وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ۔

رواہ ابوداؤد

یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نفل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً چاشت کے نوافل)۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں حمص میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص الحبیر" میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ

کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے :-

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلَى قِيدِ رُمْحَيْنِ وَالْأَضْحَى عَلَى قِيدِ رُمْحٍ" ـــــ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہوتا تھا)۔

ہمارے زمانہ میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ بلاشبہ خلاف سنت ہے۔

(۲۵۸) عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ ـــــ رواه ابوداؤد والنسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے وہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انھوں نے شہادت دی کہ کل (راستہ میں) انھوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لئے عیدگاہ پہونچیں۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی

۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا، لیکن دن ہی میں کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہونچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھولنے کا حکم دے دیا اور نماز عید کیلئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہونچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا ——— شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قرأت :—

(۲۵۹) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَءُ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ———

——— رواہ مسلم

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے

ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

(۲۶۰) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ "بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" وَ "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ ——— رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھا کرتے تھے اور جب (اتفاق سے) عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں :———

(۲۶۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِي الْمَسْجِدِ ——— رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ہی میں پڑھائی سا

(تشریح) عیدین میں اُمّت مسلمہ کا تہوار اور دینی جشن ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دُنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھُلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اسلئے عام حالات میں یہی سُنّت ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟ :—

(۲۶۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ ——— رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت مُنہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اسلئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے

پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا۔ آج جب اُس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اِذن ملا، اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگا۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔ ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　٭　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی :—

(۲۶۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ ——— رواہ البخاری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے ——— علماء نے اس کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپ ایسا کرتے تھے کہ اس طرح شعائرِ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم

صدقۂ فطر، اس کا وقت، اور اس کی حکمت :—

(۲۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ

عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقۂ فطر لازم کیا ہے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقۂ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اسلئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، رہی یہ بات کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت و تفصیل انشاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اسکے گردو نواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اسلئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے۔ اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے پر ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے ——— ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو فضول ولایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کے بندوبست کیلئے صدقۂ فطر واجب قرار دیا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں صدقۂ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقۂ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا ——— اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو برے اثرات پڑے ہوں گے یہ صدقۂ فطر اُن کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی: ———

(۲۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔

——— رواہ الترمذی وابن ماجۃ

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی

عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہوکر) آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہونچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۶۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِىُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ ——— رواہ احمد وابن ماجہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحابؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے، ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) اُن صحابہؓ نے عرض کیا، پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا۔ قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انھوں نے عرض کیا۔ تو کیا اُون کا بھی یا رسول اللہ یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب تھا کہ بھیڑ، دُنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل، یا بکری کی طرح کے

بال نہیں ہوتے بلکہ اُون ہوتا ہے، اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پہ لاکھوں یا کروروں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اُون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟)۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اُون یعنی اُون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اسکے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ——— (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۲۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ ——— رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا، اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے ——— (جامع ترمذی)

(۲۶۹) عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔

——— رواه ابوداؤد وروى الترمذی نحوه

حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ:۔ یہ کیا ہے؟ (یعنی آپ بجائے ایک کے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟)۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ

مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کیساتھ ہر سال قربانی فرماتے ہیں، اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ :—

(۲۷۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ — رواه البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی وسفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔

—— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ — رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة والدارمی —

وفی روایة لاحمد وابی داؤد والترمذی ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قرباں کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ نے ان کا رخ صحیح یعنی قبلہ کی طرف کرلیا تو یہ دعا پڑھی: "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ ...... اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کرلیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقہ ابراہیمؑ پر ہر طرف سے یکسو ہوکر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے تیرے بندے محمدؐ کی اور اس کی امت کی جانب سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ" کہنے کے بعد

اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، اور زبان سے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میرے اُن اُمتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

(تشریح) قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ: "میری جانب سے اور میری اُمت کی جانب سے" یا "میرے اُن اُمتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی"، ظاہر ہے کہ یہ اُمت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت و رافت ہے ——— لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری اُمت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے اُمتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اسکے ثواب میں میرے ساتھ میرے اُمتیوں کو بھی شریک فرما۔ ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہو جانا دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات:

(۲۷۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِىْ لَا تُنْقِىْ ——— رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجۃ و الدارمی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)، آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص اگر جانور میں

پایا جائے تو وہ قربانی کے قابل نہیں رہتا) ۔ ایک ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو) ۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو، اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو ۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو ۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو ۔ ——— (موطا امام مالک، مسند احمد جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ ——— رواه ابن ماجه

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو ۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اسلئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے ۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے ——— قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے :-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔

تم کو نیکی کا مقام اُس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہیں ۔

بہرحال قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے ۔

بڑے جانور میں کتنے حصے :-

(۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ ——————

رواہ مسلم وابوداؤد واللفظ لہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے، اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے ——— (صحیح مسلم وسنن ابی داؤد)

(تشریح) بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اسلئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد: ———

(۲۷۵) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَءُ بِهٖ فِىْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّىَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّىَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِىْ شَيْءٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قرباں کے دن خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:- آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کریگا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اُس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اُس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کرلی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں) ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۷۶) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قرباں کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے کے قبل ہی ذبح کی جاچکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیونکہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی) ——— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت وحرمت :———

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان مبارک کو، اور پھر رمضان کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل ورحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے اور اسی لئے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہرحال یہ رحمتِ خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اسکی بڑی قیمت ہے۔

(۲۷۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرَةِ ——— رواه البخاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔

(صحیح بخاری)

(۲۷۸) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ بَعْضُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا ——— رواہ مسلم

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس کو چاہیے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے اسلئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے اسکی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں، اور اُن کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عید اضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے اُن کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں، اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(تنبیہ) واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقۂ فطر سے متعلق احادیث، نمازِ عیدین کی احادیث کے ساتھ تبعاً ذکر کر دی گئی ہیں، ورنہ یہ "کتابُ الصّلوٰۃ" ہے

لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقۂ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انھوں نے صلوٰۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ اُنہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔
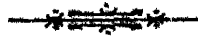
صَلٰوۃ کسوف اور صَلٰوۃ اِستسقا

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات ماسبق میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں جن کا دن یا تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک "صَلٰوۃ کسوف" ہے، جو سورج کے گہن میں آجانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسری "صَلٰوۃ استسقا" جو کسی علاقہ میں سوکھا پڑنے یعنی بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نمازِ کسوف:

سورج یا چاند کا گہن میں آجانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور اُس کے جلال و جبروت کی اُن نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اُس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں ——— رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ٹھیک اُس دن جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علیٰ ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا[1] سورج کو گہن لگا ——— عربوں میں زمانۂ جاہلیت کے توہمات میں سے

---

[1] محدثین اس پر قریباً متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا بعض حضرات نے ربیع الاوّل کا (بقیہ ص۴۲۱ پر)

ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے، اور گویا وہ اُسکے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہونچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکرمندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قرأت کی، اور قرأت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور میں جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثناء نماز میں دُعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی، اسکے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، یہ تو در اصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اسکے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اس کی عبادت اور اُس سے دُعا کرنی چاہئیے ــــــــ

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ کسوف سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے :ـــــــ

(۲۷۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(ص۴۲۰ کا بقیہ حاشیہ)

جیسا بھی لکھا ہے۔ لیکن گذشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انھوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا اور جس کا عربی ترجمہ بعد میں ۱۳۰۵ھ میں (مصر) سے شائع ہوا تھا اپنے فنی حساب سے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ .... متعین کی ہے اور دن دوشنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ ـــ رواه البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص اُس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کے حضور میں نماز پڑھو اور اُس سے خوب دعا کرو ـــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت مغیرہ بن شعبہ کی اس حدیث میں بہت اختصار ہے یہاں تک کہ آپ کی نماز پڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

(۲۸۰) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِاَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ مَا رَاَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الَّتِىْ يُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهِ وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهُ فَاِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ۔

ـــ رواه البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گہن میں آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے جیسے کہ آپ کو ڈر ہو کہ اب قیامت ہو جائے گی پھر آپ مسجد آئے اور آپ نے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل

رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی میں نے کبھی آپ کو ایسی طویل نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اُس سے دُعا و استغفار کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۸۱) عَنْ قَبِيْصَةَ الْهِلَالِيِّ قَالَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ فَزِعًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَاَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ اِنَّمَا هٰذِهِ الْاٰيَاتُ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا كَاَحْدَثِ صَلٰوةٍ صَلَّيْتُمُوْهَا مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی) میں اُس دن مدینہ میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثنا میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا اِن نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ معاصی سے بچیں) لہٰذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۲۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِىْ بِاَسْهُمٍ لِّىْ بِالْمَدِيْنَةِ فِىْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِى الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ——— رواہ مسلم

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اپنے تیروں سے تیر اندازی اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ اچانک آفتاب گہن میں آگیا، میں نے اپنے تیر وہیں چھوڑ دیئے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی چل کر دیکھوں گا کہ سورج گہن کے اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا نئی واردات ہوئی اور آپ نے کیا نیا عمل کیا۔ میں آپ کے پاس آیا آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے (یعنی نماز شروع ہو چکی تھی) اسی حال میں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور دیر تک اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر و حمد کے ساتھ اس سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب گہن سے نکل گیا (یعنی آپ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آفتاب کا گہن ختم ہوا اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا) آپ نے اس نماز میں دو سورتیں اور دو رکعتیں پڑھیں ——— (صحیح مسلم)

(۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ

فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَىٰ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلَىٰ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَالِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ إِنْ مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ نے بہت طویل قیام فرمایا، پھر آپ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہوگئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا، لیکن یہ قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اسکے بعد پھر آپ رکوع میں گئے اور آپ نے طویل رکوع کیا لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں چلے گئے اور سجدہ بھی آپ نے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اُسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا، اسکے بعد (قاعدہ کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد) آپ نے نماز ختم کردی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہوگیا، پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اُس میں فرمایا کہ :- سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت وحیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ زمین وآسمان کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی اسی مالک الملک

اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دُعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو ۔۔۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ۔۔۔ اے اُمت محمدؐ! کسی غلام یا باندی کی بدکاری سے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا بندی کی بدکاری سے ہوتی ہے، اسلئے اس کے قہر و جلال سے ڈرو، اور ہر قسم کی بدکاری اور معصیت سے بچو، اے اُمت محمدؐ! قسم ہے اللہ کی اگر (اللہ کے قہر و جلال کے بارے میں) تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے ۔۔۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ۔۔۔ خبردار! میں نے بات پوری طرح پہونچا دی (اور اپنا فرض ادا کر دیا) ۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح : نماز کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپؐ نے یہ نماز بھی غیر معمولی طرح پڑھی اسلئے بہت سے صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے، یہاں صرف پانچ صحابیوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں، کتب حدیث میں بیس سے زیادہ صحابیوں کے مجمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارہ میں ملتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کسوف کے مختلف ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے یہ نماز نئی سی بات تھی اور انھوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی، اور یہ بات بھی روایات میں صراحۃً موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تھا، اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۱۰ھ میں ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے، اس طرح یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں ذکر ہے ۔۔۔ چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صراحت موجود ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چاند گرہن کے وقت

بھی نماز پڑھی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ کو اس کسوف ہی کے موقع پر ملا، اور اُسکے بعد جو چند مہینے آپ اس دُنیا میں رونق افروز رہے ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی واللہ اعلم

یہ نماز آپ نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی اور اس میں بعض بالکل نئی باتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے یہ نماز بہت طویل پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادت مُبارکہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سُورۂ بقرہ پڑھی، اور دوسری میں سُورۂ آل عمران۔ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں کھڑے نہیں رہ سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور اُن کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپ نے قیام کے دَوران ہاتھ اُٹھا کے اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے ساتھ دیر تک دُعا بھی کی۔۔۔ اسی طرح کی ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپ قیام کے دَوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جُھک گئے، اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپ نے قرأت کی اور اسکے بعد رکوع اور سجدہ کیا، اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے ـــــ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ اس نماز کے دَوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، اور آپ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں ـــــ اور پھر خطبہ میں آپ نے بتایا کہ اس وقت آپ کے سامنے عالمِ غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے، اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قرینِ قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپ سے ظہور میں آئیں مثلاً

آپ کا دورانِ نماز میں ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دورانِ قیام وقرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا یہ سب ان قلبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

(فائدہ) ٹھیک آپ کے صاحبزادہ کی وفات کے دن سورج کو گہن لگنا اور آپ کا خطبہ میں پورے زور وقوت کے ساتھ یہ اعلان فرمانا کہ اس گہن کا میرے گھر کے اس حادثے کوئی تعلق نہیں اور ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اُس کا دل بالکل ہی مُردہ نہ ہو۔

نمازِ استسقاء:——

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی اُن ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اسلئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذابِ عام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کیلئے وہ "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے بھی آپ نے ایک اجتماعی نماز اور دُعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے استسقاء کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ نے صلوٰۃ استسقاء پڑھی اور اللہ کے حکم سے اُسی وقت بارش ہوئی —— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجۂ ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے:

(۲۸۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبِطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَبَ أَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَأٰى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ ـــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی، آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اُس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استسقا پڑھنے کا فیصلہ فرمایا، اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اُس دن سب لوگ آپ کے ساتھ چل کر نماز استسقا پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اُس دن وہاں لیجا کر رکھا جائے، چنانچہ منبر وہاں پہونچا دیا گیا۔ آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الصبح آفتاب طلوع ہوتے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی

کبریائی اور حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے علاقہ میں وقت پر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑجانے کی شکایت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اس سے دعا کرو اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا: —

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	ساری حمد و ستائش اللہ رب العالمین کیلئے ہے،
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ	وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے،
يَوْمِ الدِّيْنِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	روز جزا کا مالک و فرمانروا ہے، اللہ کے سوا
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ، اَللّٰهُمَّ	کوئی الٰہ و معبود نہیں، اس کی یہ شان ہے کہ جو
اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ	چاہے کر ڈالے — خداوندا تو ہی اللہ ہے،
الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ	تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو غنی ہے اور ہم سب
اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ	تیرے محتاج بندے ہیں، ہم پر بارش نازل فرما
مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا	اور جو بارش تو بھیجے اس کو ہمارے لئے تقویت
اِلٰى حِيْنٍ —	کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا

وسیلہ بنا۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپ ہاتھ جتنے اٹھایا کرتے تھے اس سے اور اوپر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہے، اور ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ باوجودیکہ آپ چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے لیکن آپ کی بغل کے اندرونی حصے کی سپیدی بھی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کرلی، اور جو چادر آپ اوڑھے ہوئے تھے اس کو آپ نے پلٹا اور دعا میں آپ کے ہاتھ ابھی اٹھے ہوئے تھے — پھر آپ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کرلیا اور منبر سے نیچے آکر دو رکعت نماز پڑھائی — اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت ایک بدلی اٹھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب برسی (اور ایسی بھرپور بارش ہوئی کہ) ابھی آپ اپنی مسجد تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستے

اور نالے بھر کے بہنے لگے، پھر جب آپ نے یہ منظر دیکھا کہ لوگ (جو قحط اور سوکھا کی شکایت کر رہے تھے) بارش سے پناہ لینے کے لئے سائبان یا چھپر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے، اور آپ نے فرمایا: ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں ـــــــ (سنن ابی داؤد)

(۲۸۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ـــــــ رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ استسقا کے لئے لوگوں کو ساتھ لیکر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ آپ نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں، ان میں قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اور جس وقت آپ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا اُس وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔ ـــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۸۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا ـــــــ

ـــــــ رواه الترمذی، ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ استسقا کے لئے چلے تو آپ بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے، اور آپ کا انداز خاکساری اور مسکینی اور عاجزی کا تھا ـــــــ

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجۃ)

تشریح / جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃِ استسقا قحط کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعیہ کیلئے اجتماعی نماز اور دعا ہے ۔

مندرجۂ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں :

اوّل یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہِ راست زمین پر ہونی چاہئے بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبتاً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مائگی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کیلئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کیساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں "تحویل ردا" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی ۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ جس وقت آپ نے نماز استسقاء پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی دوسرے بعض صحابۂ کرامؓ کی روایات میں بھی اس کا ذکر ہے۔

الحمد للہ یہ امت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز و عاصی کو بھی اپنی عمر میں تین دفعہ نماز استسقاء پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنبھل میں، دوسری دفعہ اب سے قریباً ۱۵ سال پہلے لکھنؤ میں، اور تیسری دفعہ ۱۹۸۰ء میں مدینہ طیبہ میں، اور تینوں دفعہ نماز کے ساتھ ہی اللہ نے بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ۔ جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی

قَدِيْرٌ وَاِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ ـ قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا لہذا وہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اُس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ ـ

نمازِ جنازہ اور اسکے قبل وبعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب وبلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرزِ عمل، پھر غسلِ میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات اسی طرح ذکر کئے جائینگے ——

ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوگا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے اسلئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے —— خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اللہ کا نام اور کلام پڑھ کر اس پر دم اور اس کی صحت و شفا کے لئے دعا کریں، اور اسکے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے خوش آیند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں ہے اور سفرِ آخرت قریب ہے تو اسکے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمۂ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب

طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اسکے اقارب صبر سے کام لیں طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اسکے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اور اسکے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اسکی دعائیں کریں ——— پھر میت کو غسل دیا جائے، اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اسکی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں، اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاءِ الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدایات کے دنیوی اور نقد برکات ہیں، اور آخرت میں انشاء اللہ
وہ سب سامنے آنے والا ہے
جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے!۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے! ———

موت کی یاد اور اس کا شوق :

(۲۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ ـ

رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۲۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِیْ فَقَالَ كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ

رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا۔ دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پردیسی اور راستہ چلتا مسافر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یا دوسروں کو بھی مخاطب کر کے) ابن عمرؓ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کیلئے کچھ کمائی کر لے ـــــ (صحیح بخاری)

(۲۸۹) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس کو اللہ سے ملنا اور اسکے حضور حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا کہ: حضرتؐ! ہمارا حال تو یہ ہے کہ:۔

" اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ " ——— ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے۔

آپؐ نے اسکے جواب میں جو کچھ فرمایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہیئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مومن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہیئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتا ہے اور اُس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اسکے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اسکے اس بُرے انجام پر اُس کو مطلع کر دیا جاتا ہے اسلئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اُس سے نفرت کرتا ہے ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مُراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مُراد ہے چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اُسکے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصریح ہے کہ ..... وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللهِ (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دُنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور رُوح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اسوقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اُس صاحب ایمان بندے کی رُوح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اسکے لُطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اسکے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا اس کی رُوح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے ہیبت ناک نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انھیں دونوں حالتوں کو "اَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ" اور "كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے اَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهٗ اور كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهٗ کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

(۲۹۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ ـــــ رواه البيهقي في شعب الايمان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا تحفہ موت ہے ۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس اُمید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آجائے گی عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا رُوشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان و یقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے ۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی، لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے اُن کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے ۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے ۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف و عنایات اور جس قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے!۔

موت کی تمنا اور دعا کرنے کی ممانعت :

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے

لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّزْدَادَ خَیْرًا وَاِمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّسْتَعْتِبَ۔

——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اسکے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا، اور اگر اسکے اعمال خراب ہیں تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

(۲۹۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ کَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے

اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دُعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اُس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اُس وقت تو مجھے دُنیا سے اُٹھا لے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفّارہ :———

جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہو گا، اور اس لحاظ سے وہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دُکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں ——— ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

(۲۹۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا ھَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًی وَلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْکَۃَ یُشَاکُھَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:۔ مرد مومن کو جو بھی دُکھ، اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہونچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اسکے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اسکے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّاٰتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد مومن کو جو بھی تکلیف پہونچتی ہے مرض سے یا اسکے علاوہ، اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ اسکے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر، کبھی اسکے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اسکے نتیجہ میں اسکے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہونچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا۔

——— (جامع ترمذی)

(۲۹۶) عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ خَالِدِ السُّلَمِیِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ

اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰی ذَالِکَ حَتّٰی یُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ——— رواہ احمد و ابوداؤد

محمد ابن خالد سُلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندۂ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہوجاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پاسکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہونچا دیتا ہے جو اس کیلئے پہلے سے طے ہو چکا تھا ——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال و احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں اُن کو اُسی درجہ پر رکھا جائے، اسلئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے کی دُعا قبول کر کے اس کو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب و حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۹۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِیَةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِیْنَ یُعْطٰی اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا

بِالْمَقَارِیضِ ـــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وچین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔

ـــــــــــ (جامع ترمذی)

(۲۹۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوهُ وَلِمَ اَرْسَلُوهُ۔

ـــــــــــ رواہ ابوداؤد

عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ:۔ جب مرد مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا،

لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔

——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہیئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کمی کسر پوری ہوتی ہے ——— اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت ہی کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانۂ تندرستی کے اعمال کا ثواب: ———

(۲۹۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا ——— رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :۔ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانۂ اقامت میں کیا کرتا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا نُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ ۔

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی :۔

مریض کی عیادت و تسلی اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے، اُن سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

(۳۰۰) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ رواه البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیے گئے ہوں اُن کی رہائی کی کوشش کرو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری)

(۳۰۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَۃِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی یَرْجِعَ ——— رواہ مسلم

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بندۂ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِیْضًا نَادٰی مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاکَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّۃِ مَنْزِلًا۔

——— رواہ ابن ماجۃ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک، اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنا لیا ——— (سنن ابن ماجہ)

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطِیْبُ بِنَفْسِہٖ۔

——— رواہ الترمذی وابن ماجۃ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اسکے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو

مثلاً یہ کہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ ———

——— رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کیلئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسکے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے انہوں نے لڑکے سے کہا کہ تو ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے:———

"حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا"۔ ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ کے کچھ قریب ہونے کا

موقع ملتا تھا وہ آپ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اُس کے لئے دُعاءِ صحت :

(۳۰۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِينِهِ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ اُسکے جسم پر پھیرتے اور یہ دُعا پڑھتے :- اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ الخ (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دُور فرمادے اور شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے)۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۳۰۶) عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ شَكَى إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللهُ

مَا كَانَ بِيْ ــــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درد کی شکایت کی جو اُن کے جسم کے کسی حصے میں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: تم اُس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو "بِسْمِ اللهِ" اور سات دفعہ کہو "أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ" (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دور فرما دی ــــــ

(۳۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ ــــــــــــ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا پڑھ کے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے :-

أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ	میں تمھیں پناہ دیتا ہوں اللہ کے کلمات تامہ کی
مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَ	ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے
مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ ۔	اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

اور فرماتے تھے کہ :- تمہارے جد امجد ابراہیمؑ اپنے دونوں صاحبزادوں اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

(تشریح) "کلمات تامہ" سے مُراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اُس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں،

بہرحال آپ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دُعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

(۳۰۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے، اور خود اپنا دستِ مُبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپؐ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دستِ مُبارک آپ کے جسم پر پھیرتی ———

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "معوذات" سے مُراد بظاہر سُورۂ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دُعائیں مُراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دُعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاء اللہ اپنے موقع پر "کتاب الدعوات" میں مذکور ہوں گی۔

جب مُوت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟ ———

(۳۰۹) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــ

ـــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۔ مرنے والوں کو کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو ـــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا جائے یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرلیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

(۳۱۰) عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ـــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں جائے گا۔

ـــــــــ (سنن ابوداؤد)

(۳۱۱) عَنْ مَعْقِلِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ ـــــ

ـــــــــ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ

حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:- تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھا کرو ———

——— (مسند احمد، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین و ایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا مؤثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

(۳۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ ———

——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے تین ہی دن پہلے سُنا:- تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو ———

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو، اور اس سے رحمت کی اُمید بھی، لیکن خاص کر اخیر وقت میں رحمت کی اُمید غالب ہونی چاہیئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے تیمار دار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم و کرم کی اُمید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

(۳۱۴) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى اَبِي سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ فَاَغْمَضَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهِ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلَى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلَى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ —

رواہ مسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا: جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اسلئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ کی یہ بات سن کر) ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رونے لگے (اور اس رنج و صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بددعا تھیں) تو آپ نے فرمایا۔ لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اسلئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے خود اس طرح دعا فرمائی:۔ اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما، اور اپنے ہدایت یافتہ بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما، اور اسکے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما اسکے پسماندگان کی، اور رب العالمین بخشدے ہم کو اور اس کو، اور اسکی قبر کو وسیع اور منور فرما ——— (صحیح مسلم)

(۳۱۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهِ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رواہ مسلم

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے، یعنی:— "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما)، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (اُم سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے؟ وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا اور دعا کی "اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا" تو اللہ تعالیٰ نے

ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیب فرمائے ——

(صحیح مسلم)

(۳۱۵) عَنْ حُصَيْنِ ابْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِيْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ ——

—— رواہ ابوداؤد

حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ ابن براءؓ بیمار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (انکی نازک حالت دیکھ کر) آپ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا: میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (انکی تجہیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے —— (سنن ابی داود)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم :——

کسی کی موت پر اسکے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اسکے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا

جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اسلئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عاید کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی واختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اسلئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں نوحہ ماتم اور رونا پیٹنا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

(۳۱۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ؟ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْ يَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ ـــــــــ

ـــــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ ایک دفعہ مریض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور

عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لئے ہوئے ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپ جب اندر تشریف لائے تو ان کو آپ نے "غاشیہ" میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپ نے اُن کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا۔ "ختم ہو چکے" (یہ بات آپ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپ نے دریافت کیا جو وہاں پہلے سے موجود تھے) ——— اُن لوگوں نے عرض کیا۔ نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔ تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اُن کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آگیا، جب اور لوگوں نے آپ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے ارشاد فرمایا: ——— "لوگو اچھی طرح سُن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج وغم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے) اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر یعنی زبان سے نوحہ ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے پر اور دُعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے، یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ اِنَّا لِلّٰہِ، اور دُعا و استغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اُس کے فضل و کرم کا وسیلہ بنیں ——— اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ:۔۔۔ یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں، لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔۔۔۔۔۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:۔ اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے بیچارے مرنے والے کو۔۔۔۔۔۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انھیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اسلئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کے لئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اِس صورت سے ہے جبکہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اسنے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میّت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "کارنامے" بیان کر کے اس کو آسمان پر

چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں: "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے ——— یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحتیاب ہو گئے تھے، ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک روایت کے مطابق عہد صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی۔

(۳۱۷) عَنْ اَبِي بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِيَ عَلَى اَبِي مُوسٰى فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِي وَكَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ ———

——— رواه البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰؓ (بیمار پڑے اور اُن) پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو ان کی بیوی اُمِّ عبداللہ بلند آواز سے اور رونے کے ساتھ رونے لگیں۔ پھر ابو موسیٰؓ کو افاقہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو انھوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا۔ کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سر منڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم و ماتم کرے) تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں ——— ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۳۱۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تماچے مارے اور منھ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ :———

(۳۱۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَالِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے - یہ ابو سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند

ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اسکے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف (جو نادا قفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہوسکتے تعجب سے) انھوں نے کہا:۔ یا رسول اللہ! آپ کی بھی یہ حالت ؟۔ آپ نے فرمایا:۔ اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپ نے فرمایا:۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے ———

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رنج وغم والے حوادث سے رنجیدہ وغمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج وغم کے موجبات سے رنج وغم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے، کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ:——

"ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی،

اور موجباتِ غم سے غم نہیں ہوتا تھا میں اس زمانہ میں سُنّتِ نبویؐ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا، اسکے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہوگئی، اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہونچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے، اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی :-

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

(۳۲۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ ——

—— رواه الترمذی وابن ماجة

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے —— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

اہلِ میت کے لئے کھانے کا اہتمام :-

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اسلئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اُس دن ان کے

کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

(۳۲۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اٰتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر:

(۳۲۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ اِلَّا الْجَنَّةَ۔

رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھالوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری)

(۳۲۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمَلٰٓئِکَتِہٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَکَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ ——

—— رواہ احمد والترمذی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ رُوح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے:۔ تم نے میرے بندے کے بچے کی رُوح قبض کی؟۔ وہ عرض کرتے ہیں:۔ جی ہاں!۔ پھر فرماتا ہے کہ:۔ تم نے اسکے دل کا پھل اُس سے لے لیا؟۔ وہ عرض کرتے ہیں:۔ جی ہاں!۔ پھر فرماتا ہے کہ:۔ اُس بندہ نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟)۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ:۔ اس بندے نے آپ کی حمد کی، آپ کا شکر کیا، اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اُسکے اس صابرانہ رویّہ پر) اس کے لئے جنّت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بَیْتُ الْحَمْد رکھو ——

—— (مسند احمد، جامع ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین:——

(۳۲۴) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّہٗ مَاتَ لَہٗ اِبْنٌ فَکَتَبَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ ـــــــ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِىْ غِبْطَةٍ وَّسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَّلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَّمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَاَنْ قَدْ وَالسَّلَامُ۔

ـــــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھایا :ـــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا)

اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت سے صبر کیا ——— پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمھارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمھیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہونچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم اُترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام ———

——— (معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ	ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش[1] اور
مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ	عنایت ہوگی اور وہ رحمت[2] سے
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝	نوازے جائیں گے اور ہدایت[3] یاب ہوں گے۔

———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ :———

"اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمھارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحبِ ایمان بندہ کیلئے

تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہونچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن :

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے، غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ وہ معطر بھی ہو جائے، پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے اسکے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے، پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے :

(۳۲۵) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ .

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ اِنْ رَأَيْتُنَّ ذَالِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا ———— رواه البخاری ومسلم

حضرت اُمِّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ:۔ تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ دفعہ غسل دیجو، اور آخری دفعہ میں کافور بھی شامل کیجو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجو۔ (اُمِّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ کو اطلاع دے دی تو آپ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ:۔ سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو۔ ———— اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔ تم اس کو طاق دفعہ غسل دیجو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور داہنے اعضا سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجو ———— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں، جو ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۸ھ کے اوائل میں ہوئی تھی اور

ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں یہ پیش پیش رہتی تھیں خاصکر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انھیں سے سیکھا۔

اس حدیث میں بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لئے زمانے میں طرح طرح کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لئے بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل کچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے --- اسی لئے حکم فرمایا کہ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ طاق عدد اللہ کو محبوب ہے اسلئے اس کا لحاظ بہر حال رکھا جائے یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سات دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت مہک دار اور دیرپا خوشبو ہے ------ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صاحبزادی کے لئے جس اہتمام سے اپنا تہبند مبارک دیا (اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپ کو غسل مکمل ہو جانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنادو۔ اس سے علماء کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی امید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں غلو اور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کے کپڑوں میں کفنایا گیا لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

وَكَفَّنَّاهَا فِي خَمْسَةِ	ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں
أَثْوَابٍ	میں کفنایا، اور خمار (اوڑھنی) بھی
وَخَمَّرْنَاهَا كَمَا	اڑھائی، جس طرح زندوں کو اڑھائی
يُخَمَّرُ الْحَيُّ	جاتی ہے۔

اسی بناء پر عورتوں کے لئے کفن میں پانچ کپڑے ہی مسنون کئے گئے ہیں۔

کفن میں کیا کیا اور کیسے کپڑے ہونے چاہئیں؟:۔۔۔۔۔

(۳۲۹) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ ۔۔۔۔۔ رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے ان تین کپڑوں میں نہ تو کرتا تھا اور نہ عمامہ ۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اکثر شارحین نے سحولی کی تشریح میں کہا ہے کہ یمن کے علاقہ میں سحول ایک بستی تھی جہاں کے کپڑے مشہور تھے بعض حضرات نے اسکے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن راجح یہی ہیں ۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے بھی یمنی چادریں استعمال فرماتے تھے، وصال کے بعد آپ کے کفن میں بھی وہی استعمال کی گئیں ۔۔۔۔۔ اور آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرتا تھا نہ عمامہ ۔۔۔۔۔ اور مردوں کے لئے

کفن میں تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

(۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ ——— رواه مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ جب تم میں سے کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا اصل منشا بھی میت کا اعزاز و اکرام ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص استطاعت کے باوجود اپنی میت کو اس خیال سے کہ اب تو اس کو قبر میں دفن ہونا اور مٹی میں ملنا ہے، پھٹے پرانے اور ردی کپڑے میں نہ کفنائے بلکہ اچھا اور مناسب کفن دے یہ میت کے اعزاز و اکرام کا تقاضا اور حق ہے۔

(۳۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ ——— رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو وہ تمہارے لئے اچھے کپڑے ہیں۔ اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۳۲۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُغَالُوْا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا ——— رواه ابوداؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو، کیونکہ وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کپڑے کا دیا جائے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔

واضح رہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور پرانے کپڑے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔

غزوۂ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو صرف ایک پرانی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں کو اِذخر گھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنازہ کے ساتھ چلنے اور نمازِ جنازہ پڑھنے کا ثواب:

(۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ

يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ۔ (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اسکے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لیکر واپس ہوگا جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آجائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا ایسا ہی ایک قیراط لیکر واپس ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے، اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان کرنا ہے ——— حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کرکے واپس آگیا وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا ——— قیراط رائج قول کے مطابق درہم کا بارھواں حصہ ہوتا ہے (قریبًا دو پیسہ) — چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو اُن کے کام کی اُجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا، اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بارھواں حصہ آنہ آدھ آنہ) نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا اُحد پہاڑ اسکے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے ——— اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ملے گا جبکہ یہ عمل ایمان ویقین کی بنیاد پر اور ثواب

ہی کی نیت سے کیا گیا ہو یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی اُمید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کا جی خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نمازِ جنازہ اور دفن میں شریک ہوا۔ اللہ و رسول کا حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیشِ نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثوابِ عظیم کا مستحق نہ ہوگا ...... حدیث کے الفاظ "اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا" کا مطلب یہی ہے ___ اور سمجھنا چاہیئے کہ اعمال کے اجرِ اُخروی کے لئے یہ ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کی تشریح میں اور دوسری جلد میں "اخلاص" کے زیرِ عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم :-------

(۳۳۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ ___ رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہونچا دو گے، اور اگر اسکے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک بُرا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اُتار دوگے۔

___ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پر پہونچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے، اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اسکے اچھے ٹھکانے پر پہونچا دیا جائے، اور اگر خدا نخواستہ اسکے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بار سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نمازِ جنازہ اور اس میں میت کے لئے دُعا:

(۳۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَى الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ ــــــ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لئے دُعا کرو ــــ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) نمازِ جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دُعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دُعا ہی کی تمہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں جو دُعائیں پڑھتے تھے (جو آگے درج کی جا رہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دُعائیں ہیں۔

(۳۳۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ

نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا ذَالِكَ الْمَيِّتَ ——— رواہ مسلم

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف فرمادے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرمادے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش وجلن کے بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلادے (اور ٹھنڈا اور پاک فرمادے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرمادے جس طرح اجلے سفید کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرمادیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلہ میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلہ میں اچھا رفیق حیات عطا فرمادے، اور اس کو جنت میں پہونچادے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو پناہ دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک صحابیؓ) کہتے ہیں کہ حضورؐ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا ——— (صحیح مسلم)

(۲۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ـــ ـــ ـــ رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعا کرتے تھے ـــ اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما ـــ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو تو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا ـــ اے اللہ! اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ، اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔

ـــ ـــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۳۳۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِىْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ـــ رواه ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپ یہ دعا کر رہے تھے ـــ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا

اور خداوند حق ہے ـــــ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس پر رحمت فرما
تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے ـــــ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جنازہ کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں جو مندرجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو دعا چاہے پڑھے، اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے خاص کر واثلہ ابن اسقع اور ابو ہریرہؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابۂ کرامؓ نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اسلئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا با آواز پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: ـــــ
"اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" اپنے رب سے دعا کرو عاجزی و مسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔

نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت اور اہمیت: ـــــ

(۳۳۶) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔

ـــــ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جن کی تعداد سو تک پہونچ جائے اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں

(یعنی مغفرت و رحمت کی دعا کریں) تو اُن کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہوگی۔

(صحیح مسلم)

(۳۳۵) عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ أُنْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ خَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ أَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْرِجُوْهُ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ [illegible] لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا [illegible] شَفَّعَهُمُ [illegible]

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کُریب نامی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قُدید میں یا مقام عُسفان میں ہوگیا، جب کچھ لوگ جمع ہو گئے، تو حضرت ابن عباس نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم اُن پر نظر ڈالو۔ کُریب کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے ان کو اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ چالیس ہوں گے؟ کُریب نے کہا ہاں (وہ ضرور) ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب جنازہ باہر لے چلو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس مسلمان آدمی کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو (اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اور سفارش کریں)

تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے ـــــــ

ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) قُدَید، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رابغ کے قریب ایک قصبہ تھا، اور عُسفان مکہ معظمہ اور رابغ کے درمیان مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵، ۳۶ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

(۲۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوفٍ لِهٰذَا الْحَدِيثِ ـــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت مالک بن ہُبَیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سُنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے ـــــــ (مالک بن ہُبیرہؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرثد یزنی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہُبیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے ـــــــ

ـــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سو مسلمانوں کے نمازِ جنازہ پڑھنے پر اور اس کے بعد والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث

میں چالیسؔ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن ہبیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تینؔ صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے ـــــــ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سوؔ مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمائے گا ـــــــ اسکے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنادی گئی ـــــــ اسکے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تینؔ صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی کم ہو۔ واللہ اعلم

بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نمازِ جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعث برکت و رحمت ہے، اسلئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اسکے آداب :ـــــــ

(۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ هَلَكَ فِیْهِ اَلْحِدُوْا لِیْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے کچی اینٹیں

کھڑی کر دی جائیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا تھا ـــــــ

ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی ـــــــ لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں، لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

(۳۴۰) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِىْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا ـــــــ

ـــــــ رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی

ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو، اور اچھی طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو ـــــــ

ـــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) غزوۂ احد میں قریب ستّر کے صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی اسلئے آپ نے حکم دیا کہ

ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کئے جائیں، لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں گہری بھی ہوں اور وسیع بھی ہوں۔ اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کئے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا وہ امام ہے اور اس کے ساتھ والے مقتدی ——— اس حدیث کی بنا پر ——— جنگ کے جیسے غیر معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کیا جائے۔

(۳۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ——— وَفِىْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ——— رواه احمد والترمذی وابن ماجہ وابوداؤد

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کو قبر میں اُتارتے (یا کوئی میت قبر میں اُتاری جاتی) تو فرماتے تھے:- "بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اسکے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روایتوں میں "عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" کے بجائے "عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے ———

——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

(۳۴۲) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهُ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهِ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ

حصباء ——————— رواہ البغوی فی شرح السنۃ

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے تین دفعہ مٹی ڈالی ——— اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا یا چھڑکوایا اور اسکے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔

——————— (شرح السنۃ)

(۳۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ ———

——————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان قال والصحیح انہ موقوف علیہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت روکو اور قبر تک پہونچانے اور دفن کرنے میں سُرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (تا مُفلحون) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (اٰمن الرسول سے ختم سورہ تک) پڑھی جائیں ——— (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے)۔

(تشریح) میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھی ہوگی اسلئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو لیکن محدثین اور فقہا کے اصول پر یہ حکم میں مرفوع ہی کے ہے۔

قبور کے متعلق ہدایات:——

(۲۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ وَاَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ۔

———— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے ———— (صحیح مسلم)

(تشریح) قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بنا پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اسکے احترام کے خلاف ہوگا ———— اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اسکے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے ———— دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی جن صحابہ یا

تابعین یا اولیاء امت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور کچی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

(۳۴۵) عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا ــــــــــ رواه مسلم

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کرکے نماز پڑھو۔

ــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد امت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

(۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ أَوْ لَا تُؤْذِهِ ــــــــــ رواه احمد

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا:۔۔۔

"اس قبر والے کو تکلیف نہ دو"

ــــــــــ (مسند احمد)

زیارت قبور :-

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ ۔

رواہ ابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ) اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے ۔۔۔۔۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) شروع شروع میں جبتک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انھیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا، کیونکہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا ۔۔۔۔۔ پھر جب اُمت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا، اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے سے شرک کے جراثیم پھر پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہیں رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کے ذریعہ قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اجازت اسلئے دیجا رہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے ۔۔۔۔۔

اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہو اور اسی کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے

ضرر پیش نظر کرکے اس کی ممانعت کردی جائے گی لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

(۳۴۸) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

——— رواہ مسلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں، اور ان کے لئے دعا کریں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ ... الخ (سلام ہو تم پر ان گھروں والو! مومنوں میں سے اور مسلموں میں سے، اور انشاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا (یعنی چین اور سکون کا) ——— (صحیح مسلم)

(۳۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ ———

——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ ... الخ" (سلام ہو تم پر

اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے آگے جانے والے ہو

اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے ۔ ۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے ۔ ۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالاحسان کا طریقہ یہی تھا ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

اموات کیلئے ایصال ثواب: ۔ ۔

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے، اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے "نماز جنازہ" کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے، اور زیارت قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحاب قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے ۔۔۔۔ دعائے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے "ایصال ثواب" اسی کا عنوان ہے ۔۔۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے! : ۔۔۔

(۳۵۰) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ

قَالَ فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِي الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا ——

——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے) جب واپس آئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو وہ اُن کے لئے نفع مند ہوگا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہونچے گا) ۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں پہونچے گا۔ انھوں نے عرض کیا:۔ تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ (مخراف) میں نے اپنی مرحوم والدہ کے لئے صدقہ کر دیا ——

——— (صحیح بخاری)

(**تشریح**) یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے، اُس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ اُس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

(۳۵۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِينَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرٌو أَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي أَوْصٰى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَإِنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً أَفَأُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْ کَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذَالِكَ ــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنکے دادا عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ اُنکی طرف سے سَو غلام آزاد کئے جائیں (اس وصیت کے مطابق اُنکے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کر دیں، لیکن انھوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میرے والد نے سَو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کیساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم اُن کی طرف سے غلام آزاد کرنے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب اُن کو پہونچ جاتا۔

ــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حدیث بھی مسئلہ ایصالِ ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے۔ اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہرحال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمالِ خیر کا ثواب پہونچایا جا سکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے!

"کتاب الصلوٰۃ" ختم ہوئی ــ فللّٰہ الحمد والمنۃ وعلیٰ رسولہا الصلوٰۃ والسلام۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مَعَارِفُ الحَدِیْث

جلد چہارم

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

مَعَارِفُ الْحَدِيْث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد چہارم

كِتَابُ الزَّكٰوة + كِتَابُ الصَّوْم + كِتَابُ الْحَج

تالیف

مولانا **محمد منظور** نعمانی

ناشر: — کتب خانہ "الفرقان" کچہری روڈ — لکھنؤ

مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ

بار اول	۱۰۰۰
[illegible]	[illegible]

قیمت مجلد	~~[illegible]~~
قیمت غیر مجلد	~~[illegible]~~

۱۰/-

فہرست مضامین "معارف الحدیث" (جلد چہارم) - بقیہ صفحہ

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۹۷	ابواب جنت کے کھول دیئے جانے، ابواب دوزخ کے بند کئے جانے اور شیاطین کے جکڑ دیئے جانے کا مطلب۔
۹۹	رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ
۱۰۱	شب قدر کے "ایک ہزار مہینوں" سے بہتر ہونے کا مطلب
۱۰۴	روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ
۱۰۸	ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح باعث مغفرت
۱۰۹	ایمان و احتساب کا مطلب
۱۰۹	روزہ اور قرآن کی شفاعت
۱۱۰	رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابلِ تلافی
۱۱۱	روزہ میں معصیتوں سے پرہیز
۱۱۲	رمضان کا عشرۂ اخیرہ اور لیلۃ القدر
۱۱۶	شب قدر کی خاص دُعا
۱۱۷	رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی خاص رات
۱۱۷	**اعتکاف**
۱۱۹	رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف وفات شریف تک حضورؐ کا معمول رہا
۱۲۱	اعتکاف کی پابندیاں
۱۲۲	اعتکاف کی پابندی کی وجہ سے معتکف جو اعمالِ صالحہ نہیں کرسکتا اس کے اعمالنامہ میں اُن کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے۔
۱۲۲	رویتِ ہلال
۱۲۳	شریعتِ اسلامی میں مہینے اور سال کیلئے قمری نظام اختیار کئے جانے کی مصلحت و حکمت

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
حج کے اہم اعمال وارکان	
مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف	۲۴۴
حجر اسود	۲۵۱
طواف میں ذکر و دُعا	۲۵۲
وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت	۲۵۴
رمی جمرات	۲۵۷
حج کی قربانی	۲۶۱
طوافِ زیارت اور طوافِ وداع	۲۶۴
طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دُعا کرنا	۲۶۹
فضائلِ حرمین	
حرم مکہ کی عظمت اور اُس کے خاص احکام	۲۷۰
مدینۂ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت	۲۷۹
تکلیفوں پر صبر کرکے مدینہ میں پڑے رہنے والوں کیلئے شفاعت کی بشارت۔	۲۸۲
مدینہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعت کی ضمانت۔	۲۸۵
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دُعا کہ "اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما، اور میری موت مدینہ میں ہو" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت۔	۲۸۷
مسجد نبوی کی عظمت و فضیلت اور دوسری مساجد کی بہ نسبت اس میں نماز کا ثواب۔	۲۸۹
روضۂ مطہرہ کی زیارت۔	۲۹۳

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین معجزہ ہے کہ باوجودیکہ آپ اُمّی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا ——— اس کتب خانہ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ جس کا تعلق آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو دراصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں ——— اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ کے ارشادات و ہدایات اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سیکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس وقت اُس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدوّن ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً اُن کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے ——— احادیث کے جو ہزاروں مجموعے مسانید[1]، معاجم، جوامع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہدِ نبوی سے اس وقت تک

---

[1] احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جائے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور الگ الگ ہوں، اُس کو محدثین کی اصطلاح میں مُسنَد کہتے ہیں، جیسے مُسند احمد، مُسند حمیدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

تیار ہوئے، پھر اُن کے راویوں کے سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، حلِ لغات اُن سے احکام کے استخراج و استنباط اور حِکَم و اَسرار پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہلِ علم نے لکھیں، جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہوگی

واقعہ یہ ہے کہ حدیثِ نبویؐ کی خدمت کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں کے مطابق، اسلام کی گذشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے خادمانِ حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہلِ بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ کی خاص نشانی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ سلسلۂ "معارف الحدیث" بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) (مصنّف کی علمی تہی مائیگی اور بے حیثیتی سے قطع نظر) اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اُس ربِّ کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گنہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمانِ حدیث کے زمرے میں شامل ہو ــــــ سُبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا چند تولے سوت لیکر خریدارانِ یوسفؑ کی

(ص۱۱ کا بقیہ حاشیہ) مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر استاذ کی مرویات الگ الگ جمع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو مُعجَم کہتے ہیں، جیسے طبرانی کی مُعجم کبیر، مُعجم اوسط، مُعجم صغیر۔ اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اُس کو جامع کہا جاتا ہے، جیسے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اُس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اُس کو سُنَن کہا جاتا ہے، جیسے: سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

قطار میں کھڑی ہو جائے۔ لک الحمد یا ربّی۔ سہ

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری ٭ کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر روید از تن صد ریانم ٭ چو سوسن شکر لطفش کے توانم

حدیث نبویؐ کا مستند ذخیرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہلِ ایمان نے اس حیاۃ دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو پاسکتے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قلبی اطمینان کے ساتھ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جس اطمینان کیساتھ قرنِ اول کے وہ خوش نصیب مومنین کرتے تھے جنھوں نے ایمان کے ساتھ آپ کو اس زندگی ہی میں پالیا تھا۔

اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ اور آپ کی تعلیم وہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو کتب حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستہ سے دربارِ نبویؐ تک نہیں پہونچ سکتے، اُن کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہِ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

اُمید ہے کہ جو صاحب ایمان بندے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کو قلب میں بیدار کر کے سچّی طلب اور ادب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے انشاء اللہ انھیں یہ دولت نصیب ہو گی اور احادیثِ نبویؐ کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔

جیسا کہ اس سلسلۂ معارف الحدیث کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ

حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں طریقۂ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کر کے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جن کو مذکورۂ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے انھیں ترتیب دیا جاتا ہے اور اُن کا ترجمہ اور حسبِ ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دورِ حاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضورؐ کی تعلیم و ہدایت کے حِکَم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے ـــــ اس پورے کام میں بنیادی نقطۂ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آ جائے کہ اس کا مطابقِ فطرت، سراسر مبنی بر حکمت، اور انسانیت کے لئے باعثِ صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے، اور ناظرین کے قلوب میں نورِ یقین و اطمینان اور جذبۂ عمل بھی پیدا ہو۔

اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اوّل میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رقاق کی حدیثیں جمع کر کے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات اربعہ (نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کر کے نذرِ ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو اُن کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝) اسی لئے وہ ایمان باللہ اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں ـــــ انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ

ان کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور فدویت کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عبدیت کے رنگ میں رنگتی ہے۔ نیز عبادات ہی کے ذریعہ ملاءِ اعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے ـــــ اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب سے اہم اور مقدم حکم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے ـــــ دراصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دار و مدار انھیں پر ہے۔

ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے معمولات کی حدیثیں جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہیں ـــــ باقی ارکانِ ثلثہ (زکوٰۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں ـــــ پہلے خیال تھا کہ "اذکار و دعوات" کی احادیث بھی اسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آسکیں گی۔ انشاء اللہ اب اگلی پانچویں جلد "کتاب الاذکار والدعوات" ہی ہوگی ـــــ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

اس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا جمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں۔ اور کچھ حدیثیں براہِ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی ——— اور
اب بھی یہی ہے ——— کہ

حدیثِ نبویؐ کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا، یا سنا جائے کہ ——— گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں ——— اگر ——— ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو اُن انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاءاللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبویؐ کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست رُوحانی و ایمانی استفادہ کی توفیق بخشی تھی ۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے حُسنِ توفیق کی استدعا
اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ ——— ۱۵ر مارچ ۱۹۶۷ء

كتابُ الزّكوٰة

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا
شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(البقرہ۔ ع ۳۴)

اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اُس میں سے
(ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ
(قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی،
(نہ) کسی کی دنیوی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابلِ سزا
قوم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں
اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام :—

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادتِ توحید و رسالت اور اقامتِ صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا، تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ و رسول کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے —— صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا :—

وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ	خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان
مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ	جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور
وَالزَّكٰوةِ	اُن کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابۂ کرامؓ نے اُن کے اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا، اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپؐ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام

ومطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے —— بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وخطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو: ——

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: —— ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے —— زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حبِ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔
(سورۂ توبہ ع ۱۳)

اے نبیؐ! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے :—

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔
(سورۂ اللیل)

اور اس آتشِ دوزخ سے وہ نہایت متقی بندہ دُور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہِ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی رُوح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم اگلی شریعتوں میں :

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ اور پھر اُن کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :—

وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔
(سورۂ انبیاء ع ۵)

اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے :—

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ

وَالزَّكٰوةِ - (مریم - ع ۴) کا حکم دیتے تھے ۔

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: ۔ ۔ ۔ ۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِیَ	میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے
الْكِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا	مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی
وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا اَیْنَ مَا	بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں
كُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ	مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور
وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا	جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز
(سورۂ مریم ع ۲)	اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے ۔

اور سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اور ان بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کا اُن سے عہد لیا گیا تھا اُن میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے: ۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ
(بقرہ - ع ۱۰)	ادا کیا کرنا ۔

اسی طرح جہاں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے ۔ وہاں بھی فرمایا گیا ہے: ۔۔۔۔۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ	اور اللہ نے فرمایا میں (اپنی مدد کیشا)
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ	تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرتے
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ	رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور
(مائدہ - ع ۳)	ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر ۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں ۔ ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا ہے، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں

رہا ہے مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہوگئی، اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہوگئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانۂ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ (چنانچہ سورۂ مومنون، سورۂ نمل اور سورۂ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہلِ ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکّی دور کی ہیں) لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صَرف کی جائے۔ نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینۂ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بھی بعد میں آیا، ان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی محولۂ بالا مکّی سورتوں کی اُن آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انھوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیّار کی اُس گفتگو کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کے بارے میں اُن کے یہ الفاظ بھی ہیں ——

وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ الخ — اور وہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ اور اُن کے رفقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق (اس وقت کے آپ کے شدید دشمن) ابوسفیان کا یہ بیان کہ :۔۔۔۔۔۔

يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ — وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں

وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ ... الخ — صلہ رحمی اور پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے ۔۔۔۔ ہاں نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل وصول کا نظام تو سنہ کے بعد قائم ہوا ۔۔۔۔۔ اس تمہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھئے :۔۔۔۔۔۔

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت :۔۔۔۔۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِيْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَ

ے صحیح بخاری تفسیر سورۃ آل عمران ۲

كَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ——— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے اُن سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہونچو گے (جب تم اُن کے پاس پہونچو) تو (سب سے پہلے) اُن کو اس کی دعوت دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمدؐ اس اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلائیو کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلائیو کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو اُن میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) اُن کے اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہِ خداوندی میں پہونچتی ہے اور قبول ہوتی ہے)۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث اگرچہ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی پہلی جلد کتاب الایمان میں گذر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جا چکی ہے، لیکن امام بخاریؒ وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الزکوٰۃ کا آغاز بھی اسی حدیث سے

کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجنے کا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہلِ سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ھ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے ـــــ یمن میں اگرچہ اہلِ کتاب کے علاوہ بُت پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہلِ کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام اُنھیں بہت کٹھن اور ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اس لئے پہلے اُن کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر معقولیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہوسکتا ہے خصوصاً اہلِ کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے ـــــ پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کرلے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضۂ نماز رکھا جائے جو جانی، جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین مرقع ہے، اور جب وہ اس کو قبول کرلے تو اس کے سامنے فریضۂ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کردی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اُسی قوم اور علاقہ کے پریشاں حال ضرورت مندوں میں خرچ کردی جائے گی۔

دعوتِ اسلام کے بارے میں اِس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، اُن کے مویشی اور اُن کی پیداوار میں سے چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے ـــــ سب کے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کے جا رہے ہو ظلم و زیادتی

سے بہت بچو، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہونچتی ہے۔ سے

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اِس حدیث میں دعوتِ اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام حتّٰی کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذؓ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے ہیں روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم آچکا تھا ——— اِس کی وجہ یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد دعوتِ اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اِس لئے آپؐ نے صرف ان تینؔ ارکان کا ذکر فرمایا، اگر ارکانِ اسلام کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو آپؐ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذؓ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ اُن صحابۂ کرامؓ میں سے تھے جو علمِ دین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب :———

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ (یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ) ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الْاٰیَة۔

——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اُس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اُس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اُس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اُس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اُس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اُس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں میں تیرا خزانہ ہوں —— یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ——

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران ع ۱۹)	اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انھوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی) —— (صحیح بخاری)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)۔

(تشریح) قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور اُمّت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں ——— اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں باچھوں کو کاٹنا یقیناً اس گناہ اور اسکی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے ——— یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اُس بخیل آدمی کو جو حبِّ مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اِس حدیث میں، نیز آلِ عمران کی مندرجۂ بالا آیت میں "یَوْمَ الْقِيٰمَةِ" کا جو لفظ ہے، اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنّت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اِسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ———

حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ	اس عذاب کا سلسلہ اُس وقت تک
فَيُرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا	جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب
اِلَى الْجَنَّةِ وَ اِمَّا	کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ
اِلَى النَّارِ ———	کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ

آدمی یا جنّت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرف (جیسا بھی اسکے حق میں فیصلہ ہوگا)۔

یعنی جتنا عذاب وہ حساب اور آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بداعمالی کی سزا کے لئے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنّت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بیباق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَلَا تُعَذِّبْنَا۔

قیامت اور جنّت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں معارف الحدیث جلد اوّل میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلجان کا باعث بنتی ہیں انشاء اللہ وہ اس کے مطالعہ سے دُور ہو جائیں گی۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا قَطُّ إِلَّا أَهْلَكَتْهُ ـــــ رواه الشافعی والبخاری فی تاریخه والحمیدی فی مسنده۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ مالِ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔

ـــــــــ (مسند شافعی، تاریخ کبیر بخاری، مسند حمیدی)

(تشریح) امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انھوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔[1]

---

[1] مسند حمیدی، شائع کردہ مجلس علمی (جلد اوّل) صفحہ ۱۱۵۔

اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے حضرت عائشہؓ کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کرلے تو یہ زکوٰۃ اُس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کردے گی ـــــ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ، مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے:ـــــ

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰية" كَبُرَ ذَالِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ ـــــ وَذَكَرَ كَلِمَةً ـــــ لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ـــــ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ ـــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت)
وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا	بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ	خرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر! آپ
یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ	ان (پرستاران دولت کو آخرت کے)
فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ	دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	(یہ عذاب انھیں اُس دن ہوگا)
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ	جس دن کہ اُن کی جمع کردہ دولت کو
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا	دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ	اس سے اُن کے ماتھے، اُن کے پہلو اور
تَكْنِزُوْنَ ــــــــ	اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور
(توبہ - ع ۵)	اُن سے) کہا جائے گا یہ ہے (تمھاری

وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزا چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنیوالوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہؓ پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمھاری اس فکر اور پریشانی کو دُور کرنے کی کوشش کروں گا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرتؐ! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے؟ ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: - اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک

ہو جائے ــــ اور اسی طرح میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے کہ ــ
ابن عباسؓ کہتے ہیں یہاں ایک کلمہ آپ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا لیکن میراث کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ) تمہارے پسماندگان کے لئے سہارا ہو ــــ حضرت عمرؓ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سُن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر! ــ
اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ میں تم کو وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور قدر کے ساتھ رکھا جائے۔ وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقۂ حیات ہے جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ اطاعت کرے اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔

(سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) سورۂ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے اُس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے، جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کیلئے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ــ اس آیت کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے ــــ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ ــ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے ــــ

اس کے بعد آپؐ نے مزید فرمایا کہ :- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانونِ میراث اسلئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اُس کے پس ماندگان کے لئے ایک سہارا ہو ۔۔۔ اِس جواب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا قانون ہی نہ ہوتا ، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے ، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے اس جواب کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اِس دُنیا میں دل کے سکون اور رُوح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے ، اچھی صاحب صلاح ، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقۂ حیات ہے ، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو ، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو ۔۔۔ یہ بات آپ نے اس موقع پر اِس لئے فرمائی کہ اُس دَور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی کی جاتی تھی ۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط :۔۔۔

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے ۔۔۔ (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ) اور جیسا کہ عنقریب ہی ذکر کیا جا چکا ہے اسلام کے بالکل ابتدائی دَور میں یہی مجمل حکم تھا ۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے ، مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہو گی ، کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی ، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہو گی ، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی ۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟ :

(۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذُوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وَسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) عہدِ نبویؐ میں خاصکر مدینۂ طیبہ کے قرب وجوار میں، جو لوگ خوش حال و دولت مند ہوتے تھے اُن کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصابِ زکوٰۃ بیان فرمایا ہے یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی ـــــــ کھجوروں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک وسق قریباً چھ من ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی ـــــــ اور چاندی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ

سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم برابر ہوتی ہے، اس بنا پر پانچ اوقیہ دو سو درہم برابر ہوگی جس کا وزن مشہور قول کی بنا پر ساڑھے باون تولے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تینوں جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی تھیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا تھا، اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے اس مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔[۱]

(۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ـــــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔

[۱] حضرات علماء کرام کے لئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جبکہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے، اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے، اور تقریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہے، اور حکومتیں اپنے سکوں کی قیمت میں مختلف عوامل کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے؟

پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے، اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم واجب ہوں گے ———— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جندبؓ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق اُن پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ اُن کی قیمت کتنی ہی ہو اُن پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اُس کا تعلق اسی صورت سے ہے ———— آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱/۴۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموالِ تجارت پر زکوٰۃ : ————

(۷) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَامُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ ———— رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اُس چیز میں سے زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع و فروخت (یعنی تجارت) کے لئے مہیا کی ہو ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی :

(۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اُس وقت تک واجب نہیں ہو گی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔

(جامع ترمذی)

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم :

(۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَأَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِابْنَةٍ لَهَا فِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا؟ قَالَتْ لَا، قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنَ النَّارِ فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ۔

رواہ ابو داؤد وغیرہ من اصحاب السنن

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئی اور اُس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ :۔ تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟۔ اُس نے عرض کیا کہ میں ان کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی!۔ آپؐ نے فرمایا :۔ تو کیا تمھارے لئے یہ بات خوشی کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟۔ اللہ کی اُس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اُتار کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ :۔ اب یہ اللہ اور اس کے رسُول کے ہیں ——————

—— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۱۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَکَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکٰوتُهٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ ——————

—————— رواہ مالک وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "اوضاح" (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی میں نے ان کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :۔ یارسُول اللہ! کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے (جس پر سورۂ توبہ کی آیت "وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّۃَ الْاٰیۃ" میں دوزخ کی وعید آئی ہے)؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ :۔ جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو "کنز" نہیں ہے۔

—————— (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ،

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان ائمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ———

اِس مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض شافعی المسلک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے بھی رویّہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے: ———

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے پیشگی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی ———

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین: ———

(۱۲) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهٗ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ۔

———— رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپؐ سے بیعت کی ——
زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپؐ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ :۔ زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمایئے ؟ ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) کردی ہیں. تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔

———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حدیث میں مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سُورۂ توبہ کی اِس آیت میں مذکور ہے :۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ	زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا
لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنَ	اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا	کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ	کی جا سکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے
وَفِي الرِّقَابِ	اور ان کی گلو خلاصی کرانے میں اور
وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِي	اور ان لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی

سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ۔ مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (اسی طرح)
(سورۂ توبہ، ع ۸) مجاہدوں اور مسافروں کی مدد میں۔

زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو خود قرآن مجید میں بیان فرما دیئے گئے ہیں، ان کی مختصر تشریح یہ ہے:——

فقراء۱ —— یعنی عام غریب اور مفلس لوگ —— فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اِس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے) شریعت میں غناء کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: "تُؤۡخَذُ مِنۡ اَغۡنِیَاءِ ہِمۡ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَاءِ ہِمۡ"

مساکین۲ —— وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین۳ —— یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ —— یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفۃ القلوب۴۔ ایسے لوگ جن کی تالیفِ قلب اور دلجوئی اہم دینی و ملی مصالح کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

رقاب۵ —— یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلو خلاصی —— اس مد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔

غارمین۶ —— جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے اٹھانے کی

ان میں طاقت وقوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان ــــ ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ــ اکثر علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت وحفاظت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابنُ السَّبِیْل ــــ اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنھیں مسافرت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔

زیاد بن حارث صدائی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرمادیجئے! انھیں جواب دیتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرمادیئے ہیں، اگر تم ان میں سے کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس مد میں سے میں تم کو کچھ دے سکوں ــــ (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تفہیم کیلئے مصارف کا مختصر بیان کردیا گیا ہے۔ تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء واصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں)۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّہُ اللُّقْمَۃُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَۃُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنَ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُغْنِیْہِ وَلَا یُفْطَنُ بِہٖ فَیُتَصَدَّقَ عَلَیْہِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ ــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہیئے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لئے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ پر رکھ دیجاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے، اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لئے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے، اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔

—————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گداگر جو در در پھر کے لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں ہیں، بلکہ صدقہ کے لئے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہیئے جو شرم وحیا اور عفتِ نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے —— یہی لوگ اصل مسکین ہیں جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ —————— رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی

(**ترجمہ**) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو —————— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی)

(۱۵) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَهُوَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِينَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ ——— رواه ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) عبیداللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا، آپ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔

——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنے کھانے کپڑے جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اُسے فی الحال ضرورت نہ ہو، ایسے آدمی کو اگر وہ مالکِ نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ ادا ہو جائے گی، لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اُس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے ——— عام ضابطہ یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبیداللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: ——— "اگر تم لینا چاہو تو میں دے دوں گا" (اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَیْتُکُمَا)۔

زکوٰۃ وصدقات اور خاندانِ نبوّت :

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

—————— رواہ مسلم

(ترجمہ) عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے حلال نہیں ہیں — —————— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں زکوٰۃ وصدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عنداللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مالِ زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بناپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہلِ خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

(۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا ——————

—————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے، راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور آپؐ نے دیکھی تو فرمایا کہ

اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اُٹھا کے کھا لیتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس موقع پر آپ کا یہ فرمانا در اصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ بتا کے کہ: "میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو" مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہلِ تقویٰ کو دے دیا۔

(۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسن بن علیؓ نے (اپنے بچپن میں) زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اُٹھا کے اپنے مُنہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا:۔ کِخْ کِخْ (اَخ اَخ) تاکہ وہ اس کو مُنہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا:۔ بیٹا! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوٰۃ نہیں کھاتے ہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوا وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ فَأَكَلَ مَعَهُمْ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپؐ کے پاس لاتا تو آپؐ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ —— اگر آپؐ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپؐ اپنے اصحابؓ سے (یعنی اُن اصحابؓ سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہؓ) فرما دیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اُس میں سے نہ کھاتے۔ اور اگر آپؐ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ ہے تو آپؐ بھی اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور اُن اصحابؓ کے ساتھ اُس کے کھانے میں شرکت فرماتے ——— (صحیح مسلم وصحیح بخاری)

(تشریح) کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ فرض و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ یا صدقۂ فطر، یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے) ——— اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے ——— صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بیچارے لینے والے کی نیچی اور پست، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے ——— اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خوشی سے

قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دُعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے[1] —— اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحاب مستحقین کو دے دیتے تھے۔

(۲۰) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِیْ کَیْمَا تُصِیْبَ مِنْھَا فَقَالَ لَا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْأَلَہٗ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَہٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ —— رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اُس مخزومی نے ابو رافع سے کہا:— تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمھیں بھی (حق المحنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا؟۔ ابو رافع نے اُن سے کہا کہ:— جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارے میں دریافت نہ کرلوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابو رافع حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:" کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْبَلُ الْھَدِیَّۃَ وَیُثِیْبُ عَلَیْھَا" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والوں کو خود بھی ہدیے دیتے تھے)۔ ۱۲

اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمھارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے) ———— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اِس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اُسی طرح آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فنڈ سے کچھ نہیں لے سکتے ———— دوسری بات اِس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اُجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جا سکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، تب بھی اس کو بطورِ اُجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں اور اُن کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے ———— ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگئی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کِن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے، اور کِن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے

اُن کے اس طریقے کی پیروی میں اِس سلسلہ "معارف الحدیث" میں بھی وہ حدیثیں یہیں درج کی جاتی ہیں :—————

(۲۱) عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَأْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ ————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حُبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا و تندرست آدمی کو۔ البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرادیا ہو، یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا ——— اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا نتیجہ بھگتے) ————— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث (نمبر ۱۸) کی طرح غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اُس تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی

روزی کما سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرادیا ہو اور سوال کے سوا اُس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو۔ یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اُس کو ادا نہ کرسکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے ——— آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا ——— اور جو کچھ اس نے سوال کرکے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنّم کا گرم پتھر بنا دیا جائے گا اور وہ اُسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

(۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ ———

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو کوئی (حاجت سے مجبور ہوکر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنّم کا انگارہ مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کرکے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا) ——— اب خواہ اس میں کمی کرے یا زیادتی کرے ——— (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِیْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ

خُدُوشٌ اَوْكُدُوْحٌ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُغْنِيْهِ ؟
قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ —

—— رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی وابن ماجہ، والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ۔ جو شخص ایسی حالت میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "مَا يُغْنِيْهِ" ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہوگا (خُمُوشٌ، خُدُوشٌ، کُدُوحٌ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون لفظ تھا —— آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے "مَا يُغْنِيْهِ" فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا)۔ آپ نے فرمایا کہ: ۔ پچاس درہم، یا ان کی قیمت کا سونا —— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو، اس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بدنما داغ ہوگا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے —— ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس

درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے ——— اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے
لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنظلیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: "مَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ" (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے؟) تو آپ نے فرمایا:— "قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ" (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اُس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اُس کا معیار تو متعین ہے اور اس کے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اُس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰، ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں ——— اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں ———
اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰، ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقوے کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

سوال میں بہرحال ذلت ہے :

(۲۴) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَھُوَ یَذْکُرُ الصَّدَقَۃَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَۃِ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے برسر منبر ایک دن فرمایا :- اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لئے مومن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

(۲۵) عَنْ اِبْنِ الْفِرَاسِیِّ اَنَّ الْفِرَاسِیَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَاِنْ کُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِیْنَ ــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) ابن الفراسی تابعی اپنے والد فراسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:۔ میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو:۔

(۲۶) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَا اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًی اٰجِلٍ

رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی، تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا، یا تو جلدی موت دے کر (اگر اس کی موت کا مقرر وقت آگیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت:

(۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ یَکْفُلُ لِیْ اَنْ لَا یَسْأَلَ النَّاسَ شَیْئاً فَاَتَکَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَکَانَ لَا یَسْأَلُ اَحَدًا شَیْئًا۔

——— رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں ———

ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ۔ حضرتؐ! میں یہ عہد کرتا ہوں ——— راوی کا بیان ہے کہ اس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اگر بغیر سوال اور طمعِ نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہیے:۔

(۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِیْ الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَیْهِ مِنِّیْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ: ۔ حضرتؐ! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟ ۔ تو آپؐ فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنالو (پھر چاہو تو) صدقہ کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنالو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تم نے اس کے لئے

سوال کیا ہو اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو (تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ) لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب تک محنت سے کما سکتے ہو سوال نہ کرو: ———

(۲۹) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ ——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی (ضرورت مند) آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لیکر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچالے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے پھر خواہ وہ اس کو دیں یا نہ دیں ———

——— (صحیح بخاری)

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهٗ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَهٗ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِيْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِىْ هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ اَنَا
اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ
مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ
فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا
الْاَنْصَارِىَّ وَقَالَ اِشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ
اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَأْتِنِىْ بِهٖ
فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا
اُرِيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ
يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ
فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَكَ
مِنْ اَنْ تَجِيْئَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِىْ وَجْهِكَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِىْ
فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِىْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِىْ دَمٍ
مُوْجِعٍ ——— رواه ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس اور غریب شخص)
انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (اپنی
حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ کیا تمہارے گھر میں
کوئی چیز بھی نہیں ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا، بس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ
ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں

(باقی بس اللہ کا نام) ۔آپ نے فرمایا :۔یہی دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔
انھوں نے وہ دونوں لاکر آپ کو دے دیں ۔آپ نے وہ کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیا،
اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا :۔کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر
تیار ہے ؟۔ ایک صاحب نے عرض کیا :۔حضرت ! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔
آپ نے فرمایا :۔کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے (یہ بات آپ نے دو دفعہ یا تین دفعہ
فرمائی)۔ ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ :۔حضرت ! میں دو درہم میں لے سکتا ہوں۔
آپ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے ۲ دو درہم لے لئے اور
اُن انصاری کے حوالے کئے اور اُن سے فرمایا کہ :۔ان میں سے ایک کا تم کھانے کا کچھ
سامان (غلّہ وغیرہ) لے کر اپنے بیوی بچّوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی
خرید دو اور اس کو میرے پاس لیکر آؤ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی لیکر آپ کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا
ایک دستہ خوب مضبوط لگادیا، اور ان سے فرمایا :۔جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لاکر بیچو، اور
اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس
آنے کی بھی کوشش نہ کرو)۔ چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ کی ہدایت کے
مطابق جنگل کی لکڑیاں لالاکر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور انھوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار سے دس ۱۰ درہم کما لئے تھے جن میں سے
کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلّہ وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا
اپنی محنت سے یہ کمانا تمھارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے
مانگنے کا داغ تمھارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین ۳ قسم کے
آدمیوں کے لئے درست ہے :۔ ایک ۱ وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور
بالکل لاچار کر دیا ہو۔ ۲ دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی ڈنڈ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی

ادائیگی اس کے امکان میں تر ہو) یا میسر ہے وہ جس کو کوئی خون بہا ادا کرنا ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکتا ہو ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرزِ عمل تھا، اُس کی اُمّت میں پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں، یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات: ———

(۳۱) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ الْاٰيَة ——— رواہ الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی

(ترجمہ) فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ———

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا	اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار)
وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	مشرق کی طرف اپنا رُخ کرو، یا
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	راہ بس اُن لوگوں کی ہے جو ایمان
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ	لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر

عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى	اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	اس کے نبیوں پر اور جنھوں نے مال
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا
وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	قرابت داروں پر اور تیموں مسکینوں پر
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ... الآية	بعد مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو
(البقرہ - ع - ۲۲)	آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی

انھوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ ... الخ

——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) حدیث کا مقصد و منشا یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحبِ ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ ہے یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبت زدہ یا مسافر ایسی حالت میں اُس کے پاس پہونچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورتمندوں محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورۂ بقرہ کی مندرجۂ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمالِ برّ (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد تیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقلاً ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے :-

(۳۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَالْحَاجَۃِ الْمَلْھُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَیَاْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّہٗ لَہٗ صَدَقَۃٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ :- اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ - آپ نے فرمایا کہ - اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ :- اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ - آپ نے فرمایا :- کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے) - عرض کیا گیا کہ :- اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ - آپ نے فرمایا :- تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا :- اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ - آپ نے فرمایا کہ :- (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہونچے) یہ بھی

اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے ــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کے صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشاں حال کی خدمت ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے ــــــ حدیث کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اُس کے لئے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے، اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات ــــــ :

(۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ ــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدمؑ کے فرزند! تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا ــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورتمند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا ــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول ہے

اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

(فائدہ) پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات بیان فرمائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو "حدیث قدسی" کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے ——

(۳۴) عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ ——

—————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں سے کتنا راہِ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دوگی تو وہ بھی اپنی نعمتیں تم پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کے اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہِ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو —————— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۳۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَكَ وَاَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَءْ

بِمَنٍّ تَعُوْلُ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اے آدمؑ کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اُس کا راہِ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے بُرا ہے، اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ اور سب سے پہلے اُن پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہِ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس میں پہلا حق اُن لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے مثلاً اس کے اہل وعیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

(۳۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفِهَا ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور) آپ نے دریافت فرمایا کہ:۔ بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ:۔ صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ نے فرمایا کہ:۔ اس دست کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا در اصل وہی سب باقی ہے

اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا)۔۔۔

(جامع ترمذی)

انفاق کے بارے میں اصحابِ یقین و توکل کی راہ :۔۔۔

(۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِيْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْءٌ اِلَّا شَيْءٌ اَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ۔۔۔ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچا لوں۔۔۔ (صحیح بخاری)

(۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ؟ قَالَ شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلال کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ اُن کے پاس

چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال یہ کیا ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے)۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال! کیا تمھیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتشِ دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرشِ عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو)۔

—————— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا اُن کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کردیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں —— لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی اُن کے لئے اس طرزِ عمل کی گنجائش نہ تھی —————— ع

"جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے"

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے —— کہ

اللہ کا جو بندہ

خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا —— وہ

اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دستی سے راہِ خدا میں صرف نہ کریں بڑے خسارے میں ہیں :ــــــ

(۳۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا :ــــ رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا :ــــ میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ ــ آپ نے فرمایا :ــــ وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں ـــــ مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اطمینانِ خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ :ــ دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے درا صل کڑی آزمائش بھی ہے، اور

صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات:-

(۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے بُرے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اِس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں:- ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ کے غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بُری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بُری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۱) عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
صَدَقَتُہٗ ۔ رواہ احمد

(ترجمہ) امرثد بن عبداللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کرامؓ نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

(مسند احمد)

(تشریح) حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اُس دن کی تپش اور تمازت سے اس کو بچائے گا اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے:۔

(۴۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِّنْ مَّالٍ وَّمَا زَادَ اللّٰہُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سربلند کرتا ہے

اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور انکساری کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی بخشے گا۔

(صحیح مسلم)

(۴۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَۃَ مَاذَا قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَۃٌ وَعِنْدَ اللّٰہِ الْمَزِیْدُ ——— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرتؐ! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا کہ چندد چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ "وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ" ——— اس کا خزانہ لا انتہا ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا اصل جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اکثر ان کو اسی دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب :

(۴۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔

————— رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :———— جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالےٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا۔ اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربمہر شراب طہور پلائے گا۔

————— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۴۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ مَادَامَ عَلَیْہِ مِنْہُ خِرْقَۃٌ۔

————— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے :———— جس بندہ نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر

اس کپڑے میں سے کچھ بھی ارہے ——— (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۴۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ فَکَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینۂ طیبہ آئے تو میں (آپ کو دیکھنے سمجھنے کے لئے) آپ کے پاس آیا۔ جب میں نے غور سے آپ کا روئے انور دیکھا، تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک وشبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے پھر آپ نے سب سے پہلی جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: ——— اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرے اس سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں اور تعلق بڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھلاؤ، اور آپس میں صلۂ رحمی کرو (یعنی قرابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کروگے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤگے ——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے: ———

(۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُومِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدچلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مرہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنے چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کرکے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کے اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی ——— کسی نے عرض کیا کہ: ——— یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ ——— آپ نے فرمایا: ——— ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۴۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ——— جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس

درخت یا اُس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اُس بندے کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔

_____ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنّت: _____

(۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ _____ رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: _____ اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اُس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تاکہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنّت میں بھیج دیا گیا۔

_____ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور بڑا محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الرّاحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اُس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے مغفرت اور داخلۂ جنّت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ والی مندرجۂ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک بدچلن عورت کی مغفرت کی جو خوش خبری دی گئی ہے

اور اس حدیث میں راستہ سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلۂ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اُس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے:

(۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ:— زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اِس حالت میں (راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تھیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے، اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو، یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ کے حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا

ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں،
شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی
ہو جائے گی، ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا لیکن جب
موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی، تو انھیں صدقہ یاد آتا ہے۔
رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب
اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی و توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے
مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو، اس کے باوجود وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور آخرت کے
ثواب کی امید میں، اور ربّ کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ
کھول کے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے ——— ایسے بندوں کے لئے
قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے:۔ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے:———

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم وبیش خرچ تو سب ہی
کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک
بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین وفقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ
اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا
نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل وعیال اور
اعزّہ واقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ
اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ
کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے ہمارے لئے
خیر وسعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے

کپڑے پر حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں، وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کار ثواب ہوگا بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

(۵۱) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَةٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب کوئی صاحب ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے، تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا)۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُھْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کون صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔

——— (سنن ابی داؤد)

(۵۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی اَھْلِكَ قَالَ عِنْدِیْ

اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ
اَنْتَ اَعْلَمُ ـــــــــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ :- میرے پاس ایک دینار ہے (بتایئے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) ـــــــ آپ نے فرمایا: "(سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو"۔ اُس نے کہا کہ :- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو" ـــــ اس نے کہا کہ :- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو"۔ اس نے کہا کہ :- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ :- "پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کر دو"۔ اس نے کہا کہ :- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ :- "تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے اہلِ قرابت میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے) ـــــــــــ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

(تشریح) غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثواب آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مومن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا ـــــــ عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے اُن حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے ـــــــ
ہاں وہ خاصانِ خدا جن کو توکل و اعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور ان کے اہل و عیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو اُن کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں پیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں

جو کھانا ہو وہ دوسرے اہلِ حاجت کو کھلا دیں ——— خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
خواص صحابہ کا حال اور طرزِ عمل یہی تھا ——— يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (سورۃ الحشر)۔

اہلِ قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت: ———

(۵۴) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔

——— رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے ——— ———

——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(۵۵) عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَاْتِهٖ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ

فَقَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بَلْ ائْتِيهِ أَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا
امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حَاجَتِي حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ
عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ ائْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَخْبِرْهُ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ أَتُجْزِئُ
الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلَى أَزْوَاجِهِمَا وَعَلَى أَيْتَامٍ فِي
حُجُورِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ
عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَأَةٌ
مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَأَةُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ
وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کرکے)
فرمایا کہ :- اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہِ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات
میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضورؐ کا یہ ارشاد سُنا تو
میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ :- رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں
چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اُس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت

حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو کہ اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مندوں پر خرچ کر دوں گی ــــــ کہتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ، تم خود ہی جا کر حضورؐ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہونچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ سے دوبدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اِس لئے ہمیں خود آپ کے قریب پہونچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ کے خاص خادم اور مؤذن) بلال باہر نکلے۔ ہم دونوں نے اُن سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور اُن یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پا رہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟ ــــــ بلال آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ :۔ وہ کون عورتیں ہیں؟۔ بلال نے عرض کیا کہ :۔ ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپؐ نے پوچھا :۔ کون سی زینب؟ ۔ بلال نے عرض کیا : عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب! آپؐ نے فرمایا :۔ ہاں (اُن کا) صدقہ ادا ہو جائے گا ، بلکہ اس صورت میں) ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۵۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبَّ اَمْوَالِهٖ اِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ قَامَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِىْ اِلَىَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّىْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِى الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِىْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِىْ عَمِّهٖ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابوطلحہ انصاری تھے اور انھیں اپنے باغات اور جائدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بَیْرُحَاءَ تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے ——— انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ———

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں کو تم راہِ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بَیْرُحَاءَ ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور وہ میرے لئے ذخیرہ ہوگا۔ لہٰذا آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرما دیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب تمہیں معلوم ہو فرما دیں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ واہ واہ! یہ تو بڑی نفع مند اور کارآمد جائداد ہے، میں نے تمہاری بات سُن لی (اور تمہارا منشاء سمجھ لیا) میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب اُبیؓ بن کعب، حسّانؓ بن ثابت، شدّادؓ بن اوس اور نبیطؓ بن جابر پر تقسیم کر دیا تھا ــــــ یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہؓ نے صرف حضرت حسان بن ثابتؓ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

(**فائدہ**) چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے اور

زیادہ تر معاملات انھیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی میں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے، اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ :———

صدقہ کیا ہے ؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس اُمید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت نصیب ہوگی۔ اور بلا شبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی اُمید کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اُس مرنے والے کو عطا فرمائے گا ——— پس مرنے والوں کی خدمت اور اُن کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ اُن کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمالِ خیر کر کے ان کو ثواب پہونچایا جائے ———

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھیئے ! :———

(۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ

تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ نَعَمْ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ :- میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعۃً انتقال ہوگیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب اُن کو پہونچ جائے گا؟ - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- ہاں! پہونچ جائے گا ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْئٌ اَنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا ـــــــــ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے)، جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا کہ :- یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا، تو اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ اُن کے لئے نفع مند ہوگا (اور اُن کو اس کا ثواب پہونچے گا)؟ - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ہاں! پہونچے گا - انھوں نے عرض کیا :- تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مِخراف اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کردیا -

ـــــــــ (صحیح بخاری)

(۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ یُوْصِ فَهَلْ یُکَفِّرُ عَنْهُ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ ـــــ

رواه ابن جریر فی تهذیب الآثار

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ :- حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ اُن کے لئے کفارۂ سیئات اور مغفرت و نجات کا ذریعہ بن جائے گا؟ - آپ نے فرمایا :- ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی اُمید ہے) ـــــ (تہذیب الآثار لابن جریر)

(۶۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اَنْ یَّنْحَرَ مِائَةَ بَدَنَةٍ وَاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهٗ خَمْسِیْنَ وَاَنَّ عَمْرًوا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْكَ لَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِیْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذَالِكَ ـــــ رواه احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ قربانی کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کرسکے تھے) تو اُن کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اُس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

اِس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اگر تمھارے باپ اِیمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے، تو وہ ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہونچتا، لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمھارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آسکتا)۔

(مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابلِ قبول نیک عمل کسی مرنیوالے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہونچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہونچے گا ـــــ گویا جس طرح اِس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کرسکتا ہے اور وہ بندہ اُس سے نفع اُٹھا سکتا ہے اُسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کرکے اس کو آخرت میں نفع پہونچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبحانَ اللهِ وَبِحَمدِهٖ کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کرسکتے ہیں، اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر اُمت کے ائمہ حق کا اجماع بھی ہے۔ ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے حجتِ دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ

انکار کیا ہے ——— اِس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل مبسوط رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے ہر شبہ کا جواب ہو گیا ہے۔ الحمدللہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے ———

کتابُ الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کر کے کتابُ الصَّوم شروع کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَان

كِتَابُ الصَّوْم

قَالَ اللہُ تبارکَ وتعَالیٰ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ہ۔

(البقرۃ آیت ۱۸۰)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمھارے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، اسلام کے عناصرِ اربعہ ہیں۔

وہ حدیثیں اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کے بالکل شروع میں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہی یہ ہے کہ اِسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرزِ حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشو و نما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے ——— اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ کی جو تاثیری خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جا چکی ہیں ——— روزے کی اِس تاثیر و خصوصیت کا ذِکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے ——— سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے: "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہئے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخۂ جامعہ بنایا ہے۔ اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملاءِ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی

خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور جسمانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کر سکے —— روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے۔ اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ——

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے
عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ	گئے جس طرح تم سے پہلی اُمتوں پر بھی
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ	فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝	تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں
(البقرہ۔ ع ۲۳)	تقویٰ پیدا ہو۔

بہرحال روزہ چونکہ انسان کی قوتِ بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا —— اس آخری اُمت کے لئے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت

مذکورہ بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کردی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابلِ برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا ——— بہرحال طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اِس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا ——— پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت میں رائج ہے ——— دن کے روزوں کیساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مُبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو اِن باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ان مختصر تمہیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ذیل میں پڑھئے :-

ماہِ رمضان کے فضائل و برکات :———

(۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَفِي رِوَايَةٍ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں ـــــــ (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جنت" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے) ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ـــــــ اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات وحسنات میں مشغول ومنہمک ہو جاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر وتلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح وتہجد اور دعا واستغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار وبرکات سے متأثر ہو کر عوام مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضا کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر وخباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنّت[1] و رحمت کے دروازے کھُل جانے، دوزخ[2] کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین[3] کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف اُن اہلِ ایمان سے ہے جو رمضانِ مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں ـــــ باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ، جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی اُن کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ کُلَّ لَیْلَةٍ ـــــ

ـــــ رواه الترمذی وابن ماجه

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھُلا نہیں رہتا۔ اور جنّت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ

اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رُک، آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گنہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دیجاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے ——————— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجۃ)

(**تشریح**) اس حدیث کے ابتدائی حصّے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا، آخر میں عالمِ غیب کے منادی کی جس ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سُن سکتے لیکن اس کا یہ اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملاءِ اعلیٰ کی اُس ندا اور پکار ہی کا ظہور اور اثر ہے۔

(۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ ——————— رواہ البخاری ومسلم

(**ترجمہ**) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرئیلِ امینؑ آپؐ سے ملتے تھے، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرئیلؑ آپؐ سے ملتے تو آپؐ کی اس کریمانہ

نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آجاتی، اور زور پیدا ہو جاتا ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کے لئے بہار ونشاط کا اور نشر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبرئیل امین آتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سُناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:———

(۶۴) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَۃِ لَبَنٍ اَوْشَرْبَۃٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَۃً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ وَھُوَ شَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَاَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْکِہٖ فِیْہِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاَعْتَقَہٗ مِنَ النَّارِ۔ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا ——— اُس میں آپ نے فرمایا:۔ اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستّر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہو گا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں

کوئی کمی کی جائے ـــــــ آپ سے عرض کیا گیا کہ :۔ یا رسُول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہونچ جائے گا ـــــــ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دیگا ـــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اِس خطبۂ نبویؐ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے :ـــــــ

(۱) اِس خطبہ میں ماہِ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اُس کے

قرب ورضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قربِ الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اُس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پُرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستّر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا—— گویا "لیلۃ القدر" کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستّر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اُس کے اندر اُن غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بیچارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: —— " اس بابرکت مہینہ میں اہلِ ایمان کے رزق میں

اضافہ کیا جاتا ہے"—— اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحبِ ایمان روزہ دار کو ہوتا ہی کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا، خواہ اس عالمِ اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: —— "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے"۔

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمالِ خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے —— اور تیسرا طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے —— اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت[1]، درمیانی حصے کی مغفرت[2] اور

آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب اُمتِ مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہو گا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ :

(۶۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس اُمتِ مرحومہ کے اعمالِ خیر کے متعلق عام قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہو گا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہو گا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو اُن کے اعمالِ حسنہ کا

اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانونِ رحمت کا ذکر کر کے فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کُشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں:۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منھ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ (دنیا میں شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لئے) ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئیے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج یا جھگڑا ٹنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

______ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:— "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے اُلجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ:۔ بھائی! میرا روزہ ہے" ______ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں

شہوتِ نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہو ــــــ ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ:۔ جو شخص روزہ رکھے لیکن بُرے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

(۶۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الرّیان" کہا جاتا ہے۔ اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوسکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے) وہ اس پکار پر چل پڑینگے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہوسکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنّت میں پہونچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کردیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہوسکے گا۔

ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے

اُس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے جنّت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صِفت سیرابی و شادابی ہے۔ رَیّان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صِفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنّت میں پہونچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اُس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ:—

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا — بندہ کا روزہ بس میرے لئے ہے اور

اَجْزِیْ بِهٖ — میں خود ہی اس کا صِلہ دوں گا۔

(٦٧) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِاَمْرٍ یَنْفَعُنِیَ اللّٰهُ بِهٖ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ — رواہ النسائی

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ — (سنن نسائی)

(تشریح) نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمالِ صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا:۔ ع — "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ:۔ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے"— مثلاً نفس کو مغلوب و مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں

کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے ـــــــ پس حضرت ابوامامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہیئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہیئے کہ ابوامامہ کے خاص حالات میں اُن کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی ــــــ اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابوامامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:۔ بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

روزے اور تراویح باعث مغفرت:ــــــ

(۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھیں گے اُن کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان واحتساب

کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں — یہ ایمان و احتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور ان کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان و احتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان و احتساب ہمارے اعمال کے قلب و روح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان و احتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان و احتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت:

(۶۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ —

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا:۔ اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اِس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما)۔ اور قرآن کہے گا کہ:۔ میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ، اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں اُن کے روزوں کی اور نوافل میں اُن کے پڑھے ہوئے یا سُنے ہوئے قرآنِ پاک کی سفارش قبول ہوگی، یہ اُن کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا ——— اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے اُن خوش بختوں کے ساتھ کر دے!۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابلِ تلافی: ———

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ

كُلِّهِ وَاِنْ صَامَهُ ــــــــــــــــــ رواہ احمد

والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی والبخاری فی ترجمۃ باب ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی وہ پوری ادا نہیں ہوسکتی ــــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی) ــــــــ (اور صحیح بخاری میں بھی بغیر سند کے ایک ترجمہ باب میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے)۔

(تشریح) حدیث کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہوسکتی، اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھوگیا ــــــــ پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہونچاتے ہیں۔

روزے میں معصیتوں سے پرہیز:ــــــــ

(۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ یَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ــــــ

ــــــــ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:۔ جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے، تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ کی باتیں اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پروا نہیں۔

عشرۂ اخیرہ اور لیلۃ القدر:

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

(۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اُٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے ——— (صحیح مسلم)

(۷۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ ——— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: جب رمضان کا عشرۂ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں و سعادتوں میں حصہ لیں) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے یعنی اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں، یا ستائیسویں یا انتیسویں ——— شب قدر کی اگر اس طرح تعیین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی ——— پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نشاندہی کے طور پر فرمایا کہ: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کا زیادہ امکان ہے، لہٰذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے ——— اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی مروی ہیں ۔۔۔ اور بعض صحابہؓ کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً

رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

(۷۵) عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَیْشٍ قَالَ سَأَلْتُ اُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ مَنْ یَّقُمِ الْحَوْلَ یُصِبْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَّا یَتَّكِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِیْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا یَسْتَثْنِیْ اَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ فَقُلْتُ بِاَیِّ شَیْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْ قَالَ بِالْاٰیَةِ الَّتِیْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا تَطْلُعُ یَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) زرّ ابن حبیش جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہو گا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہوتی ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اُسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پا سکے گا ——— زرّ ابن حبیش نے حضرت ابن مسعود کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے) انھوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ کسی ایک ہی رات کی عبادت پر قناعت نہ کرلیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے انتیسویں یا تیسویں تک)

اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انھوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ:۔
وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے
قسم کے ساتھ) انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (زر ابن حبیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا
کہ اے ابوالمنذر! (یہ حضرت اُبی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بنا پر فرماتے ہیں؟ ـــــ انھوں نے
فرمایا کہ:۔ میں یہ بات اس نشانی کی بنا پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو
خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت اُبی بن کعبؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے جو قطعیت کیساتھ
یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور سے ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انھوں نے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنی تھی، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو ایک خاص
نشانی بتائی تھی انھوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے
یقین کے ساتھ انھوں نے رائے قائم کرلی تھی ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں
تلاش کرو، کبھی عشرۂ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا کسی خاص رات
کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر
ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے ـــــ اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے
مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

(۷۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فِىْ كُبْكُبَةٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ
اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اُس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

شب قدر کی خاص دُعا:———

(۷۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِي اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي ـــ

——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اُس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دُعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا، یہ عرض کرو:———

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ	اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا
تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔	اور بڑا کرم فرما ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے

پس تو میری خطائیں معاف فرما دے!

——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دُعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دُعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

———

رمضان کی آخری رات :-

(۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ یُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ ۔

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- رمضان کی آخری رات میں آپ کی اُمّت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا :- یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ :- شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اُجرت مل جاتی ہے ——— (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ اُنہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اُس کا استحقاق پیدا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف :

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے ——— اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اُس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے، اور سب سے الگ تنہائی میں

اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔
اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا
اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزولِ قرآن سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعتِ مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غارِ حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہونچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیل سورۂ اقراء کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے ـــــ تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان مبارک کا مہینہ[1] اور اسی کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی۔ اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افرادِ امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کر دی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھاوے نہ پیوے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے ـــــ پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاءِ اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔

---

[1] کما رواہ البیہقی واختارہ ابن اسحاق ۔ راجع فتح الباری ۔

اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اُس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں ——— ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا ... ——— اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے! :———

(۷۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ ———

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ازواجِ مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ اُن کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انھوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔

(۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَعۡتَكِفُ الۡعَشۡرَ الۡاَوَاخِرَ مِنۡ رَمَضَانَ فَلَمۡ يَعۡتَكِفۡ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الۡعَامُ الۡمُقۡبِلُ اِعۡتَكَفَ عِشۡرِيۡنَ ـــــــ

ـــــــ رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں کرسکے، تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت انسؓ کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہوسکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اُس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں آپ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہوسکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

(۱۸) عَنۡ عَائِشَةَ قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الۡمُعۡتَكِفِ اَنۡ لَا يَعُوۡدَ مَرِيۡضًا وَّلَا يَشۡهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الۡمَرۡأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخۡرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنۡهُ وَلَا اِعۡتِكَافَ اِلَّا بِصَوۡمٍ وَّلَا اِعۡتِكَافَ اِلَّا فِيۡ مَسۡجِدٍ

جامع ــــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا کہ: معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس وکنار کرے، اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے اُن حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں ــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرامؓ میں سے جب کوئی یہ کہے کہ "سُنّت" یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انھوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا طرزِ عمل سے جانا ہے اس لئے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں "مسجد جامع" کا جو لفظ ہے اس سے مُراد جماعت والی مسجد ہے یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو ــــــ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی الْمُعْتَکِفِ ھُوَ یَعْتَکِفُ الذُّنُوْبَ وَیُجْرٰی لَہٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ کَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ کُلِّھَا۔

ــــــــــــــــــــ رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی

وجہ سے اور مسجد میں مُقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا
نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے، اور
نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے ——————— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ
عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت
بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے، مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو
بہت بڑے ثواب کا کام ہے کسی لاچار مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا
کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے
اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان
نہیں جا سکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اُس کے حساب اور
اس کے صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے
کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔ ؎
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رویتِ ہلال :————

شریعتِ اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن
یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اُس وقت
یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ
ایک عامی اور بے پڑھا دیہاتی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی لئے نماز اور روزے
کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کئے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبحِ صادق سے لیکر طلوعِ آفتاب

تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک، اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا رکھا گیا۔ اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق کے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسا ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کا رکھا گیا ہے ـــــــ ظاہر ہے کہ ان اوقات کے جاننے کے لئے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے ان کو جان سکتا ہے، اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیشِ نظر نماز اور روزہ کے ان اوقات کے لئے سورج کے طلوع وغروب اور اتار چڑھاؤ کو معیار اور نشان قرار دیا گیا ۲۶ سی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ اُن اعمال اور عبادات کے لئے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا، اور بجائے شمسی سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جس کو دیکھ کر ہر عامی آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، ہاں قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لئے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہر حال شریعتِ اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظامِ قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، تو یہ بھی بتلایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آجائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو، اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو، اور اسی طرح رمضان کے روزے

۲۹ یا ۳۰ رکھو ـــــــــ پھر آپؐ نے مختلف موقعوں پر رویتِ ہلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں ـــــــــ اس تمہید کے بعد مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھئے :ـــــ

(۴۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ۔

ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ :ـ رمضان کا روزہ اُس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو) ۔

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۴۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ ۔

ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :ـ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو ۔

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارو مدار

رویتِ ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے ـــــــ صرف کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بنا پر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ـــــــ پھر رویتِ ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کے ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابلِ اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں بھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپؐ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رویتِ ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

(۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔

ـــــــ رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔

ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیشِ نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

(۸۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ ـــــــ رواه ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے ــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آجاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرماتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت ــــــــــ:

(۸۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِیْ هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ يَّصُوْمُوْا غَدًا ــــــــــ

ــــــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند)۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا:۔ کیا تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتے ہو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ ہاں! میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:۔ اور کیا تم

محمدًا رسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ - اس نے کہا:- ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید ورسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں. اس تصدیق کے بعد) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رض کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کردو کہ کل سے روزے رکھیں ——————

—————— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رویتِ ہلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہو کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کرسکتا ہے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّيْ رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ ——————

—————— رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں —————— (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہوسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جبکہ مطلع صاف نہ ہو، ابر یا غبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو،

لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس بستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحبؒ سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور قابلِ اعتبار مسلمان کی شہادت بہرحال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابلِ اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے ——— دار قطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ :- ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والیِ مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ :———

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلَى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيْزُ شَهَادَةَ الْإِفْطَارِ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ ———

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رویتِ ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے

کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے)۔

رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

شریعتِ اسلامیہ میں پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے۔ تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے لیکن حدودِ شریعت کی حفاظت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بیچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں، اس لئے اس کی ممانعت فرما دی گئی۔

(۹۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْ ذٰلِكَ الْیَوْمَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے، الا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے تو اگر ۲۹، ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۰) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـــــ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: — جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) "شک والے دن" سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہو اور چاند نظر نہ آئے، تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو ـــــ تو شریعت میں اس شک اور وہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بنا پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو چکا، ایسی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سحور اور افطار کے بارے میں ہدایات:

(۹۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً ـــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ـــ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا اُمت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ و افضل سمجھنے لگیں اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں۔ تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور اس لئے وہ اللہ کو محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے ـــــــ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ۔ ـــــــ

اَلسَّحُوْرُ بَرَكَةٌ فَلَا	سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو،
تَدَعُوْهُ وَلَوْ اَنْ يَّجْرَعَ	اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک
اَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ	گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحری
فَاِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ	کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت
يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ	فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے

دعائے خیر کرتے ہیں

(۹۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ تَعَالٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لئے سحری نہیں ہے اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہئے اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی، شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم:

(۹۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا — رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔

— (جامع ترمذی)

(۹۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ —

— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے — صحیح بخاری وصحیح مسلم

(تشریح) اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں "مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ" کے آگے "وَاَخَّرُوا السُّحُوْرَ" بھی ہے (یعنی اس اُمت کے حالات اُس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں

تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرزِ عمل رہے گا۔
اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی
مرضی ہے اور اس میں عام بندگانِ خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور
نگاہِ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی
نظرِ کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر
اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح
کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے رضا اور
رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو
اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگڑیں گے۔ افطار میں
جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے
اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبحِ صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھالی جائے
بلکہ جب صبحِ صادق کا وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا۔

(۹۵) عَنْ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ
قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالسُّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ
اٰيَةً ——————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی
پھر (جلد ہی) آپ نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے
ان سے دریافت کیا کہ: سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا فصل رہا ہوگا؟

انھوں نے فرمایا:۔ پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر ——————

—————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحتِ مخارج اور قواعدِ قرأت کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سحری اور اذانِ فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فصل تھا۔

صومِ وصال کی ممانعت: ——————

"صومِ وصال" یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دونوں کی راتیں بھی بلا کھائے پئے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَيَسْقِيْنِیْ ——————

—————— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے صوم وصال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ۔ حضرتؐ! آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو)۔

——— (صحیح بخاری وسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا مقصد اور منشا یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی صحتوں کو نقصان نہ پہونچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:———

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ	ترحم اور شفقت کی بنا پر صوم وصال سے
رَحْمَةً لَّهُمْ۔ (بخاری ومسلم)	منع فرمایا ہے۔

اور آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ آپ نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو سحر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

(۹۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَيُّكُمْ اَرَادَ اَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّىْ اَبِيْتُ لِىْ مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِىْ وَسَاقٍ يَسْقِيْنِىْ ——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ۔ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بنا پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا)۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ:۔ آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپؐ کو صوم وصال میں خاص کرمات کے اوقات میں اللہ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپؐ کی رُوح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر رُوحانی غذا سے بھی کی جاسکتی ہے ——— اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے ——— لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عوام خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟ ———

(۹۸) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَاِنْ لَمْ يَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ

فَاِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ ــــ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی ــــ

(ترجمہ) حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

ــــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اہلِ عرب خاص طور سے اہلِ مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غربا اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اُس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

(۹۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ ــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے ــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

افطار کی دُعا:ــــ

(۱۰۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ ــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) معاذ بن زہرۃ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے :۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا ــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۰۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْشَاءَ اللهُ ــــــ

ــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے :۔ پیاس چلی گئی ، اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہوگئیں ، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہوگیا

ــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہوگئی ، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی ، اور انشاء اللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہوگیا ــــــ یہ اللہ کے حضور میں آپ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہئے ــــــ

مندرجۂ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت دعا

کرتے تھے :۔ یَاوَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ (اے وسیع فضل وکرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب :۔۔۔۔۔۔

(۱۰۲) عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِیًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ رواہ بیہقی فی شعب الایمان ورواہ محی السنۃ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔

۔۔۔۔۔ (شعب الایمان للبیہقی وشرح السنۃ للبغوی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شانِ کرم سے آشنا نہیں ہیں انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک وشبہات ہوتے ہیں ۔۔۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

مسافرت میں روزہ :۔۔۔۔۔۔

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت

بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:۔ ——————

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ	اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پاوے تو
فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا	وہ اُس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ	جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ
اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ	دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ	گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے
الْعُسْرَ ——————	سہولت اور آسانی منظور ہے، وہ تمہارے
(البقرہ ۔ ع ۔ ۲۳)	واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

اس آیت سے خود معلوم ہوگیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل چونکہ اُمت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپؐ نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں ——————

اس سلسلے کے آپؐ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۱۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ ——— وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ ——— فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ —————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے ——— جو بہت روزے رکھا کرتے تھے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ ۔ آپ نے فرمایا کہ : ۔ چاہو تو رکھو اور چاہو نہ رکھو ۔

——— (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذَالِكَ فِيْ رَمَضَانَ ——— فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ ۔

——— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ برابر روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہونچ گئے (وہاں سے آپ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ نے پانی منگوایا، پھر آپ نے اُس پانی کو ہاتھ میں لیکر اوپر اُٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ نے اس کو پیا) پھر مکہ پہونچنے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب ماہِ رمضان میں پیش آیا ——— تو ابنِ عباسؓ (اسی بنا پر) کہا کرتے تھے کہ : — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں، تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے ۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا، اس میں آپؐ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عُسفان پہ پہونچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵+۳۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آجائے تو آپؐ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپؐ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپؐ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپؐ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابرؓ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرح بالاعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے جب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا کہ: "یہ لوگ خطا کار اور گنہگار ہیں" (کیونکہ انھوں نے منشاءِ نبویؐ کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگرچہ نادانستہ اور غلط فہمی سے کی لیکن "حسنات الابرار سیّات المقربین"۔

(۱۰۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشَرَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے چلے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولھویں رمضان کو۔ توہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصتِ سفر کی بنا پر قضا کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضا کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرزِ عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا)

(صحیح مسلم)

(۱۰۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَ مِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَ قَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے توہم میں سے بعضے روزے رکھتے تھے اور بعضے روزے قضا کرتے تھے تو ایک دن جبکہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اُترے، تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اُٹھے، انھوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں کو، پانی پلایا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ آج روزے قضا کرنے والے ثواب مار لے گئے۔ (یعنی انھوں نے ثواب زیادہ کما لیا)

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَ رَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ

عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا؟ قَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ:- کیا معاملہ ہے؟- لوگوں نے عرض کیا کہ:- یہ صاحب روزہ دار ہیں (ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اسلئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ جمع ہو گئے ہیں) آپ نے فرمایا:- سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضا کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کا ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے، ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضا کرنا ضروری ہے اور اسی میں اللہ کی رضا ہے۔ ؎

گر طمع خواہد ز من سلطانِ دیں ٭ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

فرض روزوں کی قضا:ـــــــ

(۱۰۸) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيبُنَا ذَالِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) معاذہ عدویہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ :- یہ کیا بات ہے کہ ایامِ حیض میں جو روزے قضا ہوتے ہیں اُن کی تو قضا کی جاتی ہے، اور جو نمازیں قضا ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھی جاتی ؟ - اُم المومنین نے فرمایا کہ (بس اللہ و رسول کا حکم ہے) رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے (اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو اُن دنوں کے قضا شدہ روزے رکھنے کا تو حکم دیا جاتا تھا اور قضا نمازیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ——————— (صحیح مسلم)

نفس کی خواہش سے بلا عُذرِ شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفّارہ

(۱۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى اِمْرَأَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا ـــ قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ

أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ
فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ) أَهْلُ
بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ
أَهْلَكَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے) آپؐ نے فرمایا:۔ کیا ہو گیا؟۔ اس آدمی نے کہا میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے)۔ آپ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟۔ اس آدمی نے کہا کہ نہیں! ۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں!۔ آپ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ مجھے اس کی بھی مقدرت نہیں ——— آپؐ نے فرمایا تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لئے پیدا کرے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ):— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کا بہت بڑا ٹوکرا آیا، آپؐ نے پکارا کہ: مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ اس ٹوکرے کو لے لو اور اپنی طرف سے صدقہ کر دو۔ اس نے

عرض کیا کہ۔ یا رسول اللہ! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجتمند ہوں؟
خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی میں)
کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اُس کی اِس بات پر)
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (خلافِ عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ کے دائیں بائیں
کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہوگئیں (حالانکہ عادتِ مبارکہ صرف تبسم کی تھی)
پھر آپ نے اس آدمی سے فرمایا:۔ اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال ہی کو کھلا دو۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی مقدرت ہو تو غلام آزاد کرے، اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ـــــ جمہور ائمہ وفقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہوگیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو، یا اس صورت میں بھی واجب ہوگا جب کسی نے دانستہ کچھ کھاپی کے روزہ توڑ ڈالا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے ـــــ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا، اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لئے اگر کسی نے دانستہ کھاپی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہوگا۔

اس واقعہ میں ایک عجیب وغریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے اُن صاحب واقعہ صحابی کو کھجوروں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے اس کے بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں ——— اس کے بارے میں جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح اُن کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے اُن کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اُس وقت اجازت دے دی اور کفّارہ ان کے ذمہ واجب رہا ——— اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفّارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ——— اور امام زُہری وغیرہ بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابوہریرہؓ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار علمی فائدے اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا: ———

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان سے روزہ ٹوٹ

جاتا ہوگا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات یا عمل سے واضح فرمادیا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی —

اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

(۱۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْشَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ —

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھالیا یا پی لیا، تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے (اس نے خود ارادہ کرکے روزہ نہیں توڑا ہے۔ اس لئے اس کا روزہ علیٰ حالہ ہے)

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا یُفْطِرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَیْئُ وَالْاِحْتِلَامُ — رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ان تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ —

پچھنے لگوانا، قے ہو جانا اور احتلام — (جامع ترمذی)

(۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَسَأَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِیْ

کسی سفر کا ہے، ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو، جو رمضان مبارک میں ہوا تھا، اور آپ نے مقام عسفان پہونچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

(۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قُلْتُ لَا بَاْسَ قَالَ فَمَهْ! ———— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر سخت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا، اور میں نے (اپنی بیوی کا) بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟۔ آپ نے فرمایا:۔ بتاؤ اگر تم پانی منہ میں لے کر کلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا:۔ اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی!۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی، بلکہ ایک اصول اور قاعدہ کلیہ معلوم ہو گیا، اور وہ یہ کہ در اصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے، اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منہ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا، اسی طرح بوس وکنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے ———— ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور

تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے ——— جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا۔

نفلی روزے: ———

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعتِ اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی اُمت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپؐ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ لوگ نفلی روزوں میں حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھیں، اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں، بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں۔ ——— اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے! ———

(۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَیْءٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔

——— رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور

جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں ———— (سنن ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت: ————

(۱۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَيْتُهٗ فِیْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِیْ شَعْبَانَ ————

———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے ———— اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہؓ کہ ———— میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریبًا) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ کا کوئی لگا بندھا دستور و معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی

مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے۔ یہ مقصد یہ تھا کہ اُمت کے لئے آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کئے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے ——— بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ:۔

قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہِ شعبان میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اسی مہینے میں بارگاہِ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان میں بہت زیادہ روزے اِس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور یہی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آ رہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی

جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے:۔

(۱۱۹) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنة بعشر امثالها" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں ——— پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینہ میں تین نفلی روزے کافی ہیں:۔

(۱۲۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ

اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ
عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْجِكَ
عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا - لَا صَامَ مَنْ
صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ
كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ
شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ
الصَّوْمِ صَوْمَ دَاؤُدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَّاِفْطَارُ يَوْمٍ وَّاقْرَءْ فِيْ
كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَّرَّةً وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ ——————

—————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ :- ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا :- یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے اللہ کی عبادت کرو۔ سنو) جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے، اس لئے تم ہر مہینے

بس تین روزے رکھ لیا کرو، اور مہینے میں ایک قرآن پاک (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ:۔ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا:۔ تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزں کا طریقہ اختیار کر لو، اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ) اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوقِ عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور ان کو عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ:۔ تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہلِ تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ نے پہلے انہیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن پڑھنے کیلئے فرمایا، اور جب انھوں نے عرض کیا کہ میں بآسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجائے۔ تو آپ نے ان کو صومِ داؤدی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمادیا ـــــ لیکن اس حدیث ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بُری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اُٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صومِ داؤدی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں

صرف پانچ دن میں قرآن پاک ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی، اور بعض صحابہ کو حضورؐ نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے[1]۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَیْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ یُرَدِّدُ هٰذَا الْکَلَامَ حَتّٰی سَکَنَ غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ الدَّهْرَ کُلَّهٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ یَصُمْ وَلَمْ یُفْطِرْ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمَیْنِ وَیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ وَیُطِیْقُ ذَالِكَ اَحَدٌ، قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ ذَالِكَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمَیْنِ قَالَ وَدِدْتُّ اَنِّیْ طُوِّقْتُ ذَالِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِّنْ کُلِّ شَهْرٍ وَّرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ فَهٰذَا صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَصِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَصِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ

---

[1] جمع الفوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالہ سے سعد بن منذر انصاریؓ کو اس کی اجازت مروی ہے۔
(جمع الفوائد ص ۲۶۹ جلد دوم)

قَبْلَهٗ ______________ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ:۔ آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر تکدر اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:۔

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا	ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر
وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا	اور اسلام کو اپنا دین بناکر اور محمد
وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا	علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ
نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ	اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول
وَّغَضَبِ رَسُوْلِہٖ۔	کی ناراضی سے۔

حضرت عمرؓ باربار اپنی یہی بات دُہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر زائل ہوگیا، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا:۔ اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا کسی میں اس کی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے:۔ جو ہمیشہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت

داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ:۔ اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ (اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے)۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے ——— پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہٰذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنالے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں میں اُمید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دُھل جائیں گی)۔ اور یوم عاشوراء (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ:۔ آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی ——— یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق اُستاذ اور مُربّی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت کرنی چاہئے تھی یعنی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل مناسب ہے؟۔ اس نے بجائے اس کے حضورؐ کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے

بہت سے شعبوں میں اُن بہت سے اسباب کی بنا پر جو آپ کے منصبِ نبوت اور مصالحِ اُمّت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرزِ عمل بھی اختیار فرماتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہیئے تھا ــــ استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جزء ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضورؐ کی ناگواری کو محسوس کر کے کُل مُسلمانوں کی طرف سے عرض کیا :۔ "رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ" ــــ اس کے بعد آپ نے نفلی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

جو شخص ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ :۔ "لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ" (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اُس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو "الحسنة بعشر امثالها" کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو "صوم دہر" کا ثواب مل جائے گا ــــ مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یوم عرفہ اور یوم عاشورا کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضورؐ نے اُمید ظاہر فرمائی کہ ربّ کریم کے کرم سے مجھے اُمید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطا کاریوں کا اور یوم عاشورا کا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت

میدانِ عرفات کا وقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اُس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اُس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم اُمّت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اُس وقت جبکہ آپ میدانِ عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرمارہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصّہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحبِ ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصّہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقرعید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

یومِ عاشوراء کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاء اللہ درج ہوں گی۔

مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں رسُول اللہ ؐ کا معمول :۔

(۱۲۲) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

——— رواہ النسائی

(ترجمہ) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے:۔ (۱) عاشورہ کا روزہ۔
(۲) عشرۂ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے۔
(۳) ہر مہینے کے تین روزے۔ (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں۔

——— (سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

(۱۲۳) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:۔ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ تین روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا:۔ ہاں! آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا:۔ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں میں) رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس حصے میں رکھیں ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھنے کا حضور کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا اُمت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعثِ زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابۂ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجۂ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایّامِ بیض کے روزے:—

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔

——— رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ:۔ اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں،

چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو ——— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی)۔

(۱۲۵) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا اَنْ نَّصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ۔

——— رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں اُن سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ "الحسنة بعشر امثالها" کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس۳۰ دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت: ———

اوپر جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین۳ دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں اُن میں سے

بھی بعض میں یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور اس کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

(۱۲۶) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے اُن سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟۔ انھوں نے کہا کہ:۔ ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور اُن کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں ــــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے

اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اُمّت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہونچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں اُن تک پہونچی ہوں گی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملّتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے اُن میں آپ اُن سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اِسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے ——— پھر جب آپ مدینۂ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور اُن سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ نے اس دن کے

روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رُبیّع بنت مُعوّذ بن عفراءؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینے کے آس پاس کی اُن بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں پئیں، بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں ـــــــ ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی" ـــــــ اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مُبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

(۱۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ ـــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مُبارک رمضان کے۔

ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے طرزِ عمل سے حضرت ابن عباسؓ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

(۱۲۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ———— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ:۔ یارسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے)؟۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ انشاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے ———— عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوگئی۔

———— (صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن اُمّت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہئیے ـــــ چنانچہ اسی مقصد سے آپ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کو روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں:۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل میں فرق ہو جائے گا ـــــ اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اس کے بعد کے دن گیارھویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارھویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئیے۔ واللہ اعلم۔

عشرۂ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ:ـــــ

(۱۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَ قِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

ـــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرۂ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۳۰) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّىْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ بَعْدَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا ——— ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت ابوقتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیرِ عنوان "ہر مہینہ کے تین نفلی روزے" پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آچکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جاچکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو ادائے حج کے لئے عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے ——— اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جاچکی ہے۔

(فائدہ) بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ

ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے" ——— اس شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت وکرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات "لیلۃ القدر" کو اس نے "خیر من الف شھر" ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کرمی ہے ——— الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مومن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرھویں شعبان کا روزہ: ———

(۱۳۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔

——— رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اُتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔ کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی

مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے ———— (سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) اسی حدیث کی بنا پر اکثر بلادِ اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے اس کے ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ کے متعلق ائمۂ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابلِ اعتبار ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابۂ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے ————:

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَاُحِبُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ ———— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں ———— (جامع ترمذی)

(۱۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ۔

———— رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

———— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْهِ وُلِدْتُّ وَفِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ ———— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ:۔ میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔

———— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی کی پیدائش ہوئی، اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے

روزے کا کیا پوچھنا! ـــــ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں" اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہیں ـــــ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

(۱۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ... قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

ـــــ رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے۔

ـــــ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِیْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِیْ صَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ ـــــ

ـــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، اِلّا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑجائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں) ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی ——————— اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہرحال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلَثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ ——————— رواه الترمذى

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا ——————— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے

معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضورؐ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لئے آپ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ نے کسی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ، اور جمعرات کا ——— (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے) ——— گویا علاوہ اُن مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے: ———

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکمِ مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کردیا۔ یہ بات حاکمِ مطلق کی شانِ حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری۔

(۱۳۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔

——— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یوم الفطر کے روزے سے، اور قربانی کے

دن کے روزہ رکھنے سے ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ صِیَامِ یَوْمَیْنِ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ۔

——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یوم الاضحٰی اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔

——————— (صحیح مسلم)

(۱۴۰) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ مَوْلَی ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَانِ یَوْمَانِ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِیَامِهِمَا یَوْمُ فِطْرِکُمْ مِنْ صِیَامِکُمْ وَالْاٰخَرُ یَوْمٌ تَاْکُلُوْنَ فِیْهِ مِنْ نُسُکِکُمْ

——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) ابوعبید مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں پڑھی۔ انھوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہوکر خطبہ دیا، اُس میں فرمایا کہ:۔ عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمھارے فطر کا دن ہے، اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے ——————— (صحیح مسلم)

(۱۴۱) عَنْ نُبَیْشَةَ الْهُذَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَیَّامُ

اَکْلٍ وَشُرْبٍ وَذِکْرِاللّٰہِ ــــــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) نُبَیْشَۃ ہُذَلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔

ــــــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجۂ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد "فطر کا دن" یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں منشاءِ الٰہی کی مخالفت ہے، اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلا شبہ بڑا متکبّر اور کافرِ نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہوگا ــــــ اور نُبَیْشَۃ ہُذَلی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اس لئے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں، بلکہ معصیت ہوگا۔

چوں طمع خواہد زمن سُلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ توڑا بھی جاسکتا ہے :

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذرِ شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفّارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا ـــــ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّيْ اِذًا صَائِمٌ ثُمَّ اَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ اَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَكَلَ ـــ

ـــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسُول اللہ صلی اللہ عَلیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا :ـ کیا تمھارے ہاں کھانے کے لئے اِس وقت کچھ ہے ؟ـ ہم نے عرض کیا کہ :ـــــ اِس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے !ـ آپؐ نے فرمایا :ـــــ تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں ـــــ پھر ایک اور دن آپؐ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ :ـ آج ہمارے ہاں حَیس (خُرما اور مکھن کا ملیدہ) ہدیہ میں آیا ہے اُس کو نوش فرمالیں ـ آپؐ نے فرمایا :ـ دکھاؤ! ہم نے آج روزے کی نیّت کرلی تھی ـــــ پھر آپؐ نے اُس میں سے نوش فرمایا، اور

روزہ نہیں رکھا ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں :۔ ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے ——— اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

(۱۴۳) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَىٰ يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَتِ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِينَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا

——— ——— رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت اُمِّ ہانی بنتِ ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:۔ فتح مکہ کے دن (جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور اُمِّ ہانیؓ آپؐ کے داہنی جانب تھیں کہ ایک بچی آپؐ کے پینے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اُس میں سے کچھ پی لیا اور پھر اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا، انھوں نے بھی اُس میں سے پی لیا اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔

یا رسول اللہ! میں روزے سے تھی اور میں نے یہ پی کے روزہ توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؛ انھوں نے عرض کیا:۔ نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا)۔ تو آپ نے فرمایا:۔ اگر نفلی تھا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔

______ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

(تشریح) اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:۔

"اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ"

(یعنی نفلی روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے)۔ مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں ______ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

(۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ۔

______ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:۔ ______ میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا، جس کو کھانے کے ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس کو کھا لیا۔ پھر حفصہؓ نے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے ہمارا جی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا) ۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔

——————— (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہئے ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے ——— تَمَّ کتاب الصَّوم وَالحمدُ لِلّٰہ۔

كِتابُ الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ——— (آل عمران ۔ ع ۔ ۱۰)۔

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اُن لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں
اور جو نہ مانے
تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے دُنیا بھر کی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اِسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن "حج بیت اللہ" ہے۔

حج کیا ہے؟ ——— ایک معین اور مقرر وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کی اداؤں، اور طور طریقوں کی نقل کر کے اُن کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا، اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو اُن کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت احکم الحاکمین اور شہنشاہ کل ہے، اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ وہ اُن تمام صفات جمال سے بدرجۂ اتم متصف ہے جن کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ ——— بلکہ صرف وہی ——— محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اُس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں ——— ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن نماز اسی کا خاص مرقع ہے اور اس میں یہی رنگ غالب ہے

اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رُخ کو ظاہر کرتی ہے ـــــ اور اس کی دوسری شانِ محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔ روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منھ موڑ لینا عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا مرقع ہے۔ سلے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجرِ اسود) کو چومنا اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا، پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر جمرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں۔ــ
اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حج ہے اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کتاب الایمان میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بیان ہے اور اُن میں آخری رکن "حج بیت اللہ" بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا ہے اور اس کے اگلے سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا، جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے، اور اسی حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الآیۃ (المائدہ ع ۱۰)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کردیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہوجائے جس کو دین وشریعت کی زبان میں "حج مبرور" کہتے ہیں۔ اور ابراہیمی ومحمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہوجائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہوگیا، اور وہ نعمتِ عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی جس سے بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر کہے اور مست ہو ہو کر کہے۔ ؎

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است ❊ افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ❊ کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اِس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے!:———

حج کی فرضیت اور فضیلت :———

(۱۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَاءِهِمْ

فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَيْئٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَدَعُوْهُ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا۔ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو ـــــــ ایک شخص نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا ہم پر فرض کیا گیا ہے؟۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دوہرایا، تو آپ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ:۔ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ ۔ ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا' تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادا نہ کر سکتے ـــــــ اس کے بعد آپ نے ہدایت فرمائی کہ:۔ کسی معاملہ میں جب تک میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو ـــــــ تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے ـــــــ لہذا میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو ـــــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابوہریرہ رض کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورۂ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ	اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا	فرض ہے اُن لوگوں پر، جو اس کی
(آل عمران۔ ع۔ ۱۰)	استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں اُن صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ: "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟" — لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ اُن لوگوں میں ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا اسی لئے اُن سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، تو پھر دوبارہ اور پھر سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہوجاتا" اس کا منشا اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سُنایا تھا اُس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا، اور اُمت سخت مشکل میں پڑجاتی —— اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: "اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرتِ سوال اور قیل وقال کی اسی بُری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انھوں نے اپنے نبیوں سے سوال کرکر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا، اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی اہم اور اصولی

بات فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

"جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اُس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اُس کو ترک کردو"

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی کا نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی اُمید ہے۔

(۱۴۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَّ ذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

—————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہونچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔
"اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے اُن لوگوں پر جو اُس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں"
—————— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اسی طرح کی وعید ہے جس طرح ترکِ نماز کو

کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے ——— قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" (الروم ع ۵)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اسلئے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل تبلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورۂ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی "لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا"، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی "وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے) ——— اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویّہ کو "مَنْ کَفَرَ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور "اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" کی وعید سنائی گئی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۱۷۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا یُوْجِبُ الْحَجَّ

قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ ـــــــ رواہ الترمذی وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے پوچھا کہ :۔ کیا چیز حج کو واجب کردیتی ہے ؟۔ آپؐ نے فرمایا ۔۔۔ سامان سفر اور سواری۔

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قرآن مجید میں فرضیتِ حج کی شرط کے طور پر "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" فرمایا گیا ہے، یعنی حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ـــــــ اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس استطاعت کا متعیّن معیار کیا ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔ ایک تو سواری کا انتظام ہو جس پر مکہ معظمہ تک سفر کیا جاسکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانۂ سفر کے گزُارے کے لئے کافی ہو ـــــــ فقہائے کرام نے اس گزُارے میں اُن لوگوں کے گزُارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

(۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اُس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاصکر زمانۂ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اُس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک وصاف ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا — اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۴۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ —

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے ان کے درمیان کے گناہوں کا — اور "حج مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ

وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ
رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: - پے درپے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اور "حج مبرور" کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔
(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشاں حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، اور مزید برآں "حج مبرور" کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

(۱۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔
رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: - حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔
(سنن ابن ماجہ)

(۱۵۲) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَصَافِحْہُ وَمُرْہُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَہٗ فَاِنَّہٗ مَغْفُوْرٌ لَّہٗ ــــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے اپنے گھر میں پہونچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے) ــــــــــ (مسند احمد)

(۱۵۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِیْقِہٖ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ ــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے اور راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔

ــــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:- ــــــــــ

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ	اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ
مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (النساء ۔ ع ۔ ۱۴)	نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اُس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کا تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

میقات، اِحرام، تلبیہ :———

کعبۂ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں اُن پر عُمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرّہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مُردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدانِ حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو —— کرتا، پاجامہ صدری، شیروانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصّے پر ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے[1]۔ اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ

---

[1] احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سِلے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور اسی طرح پاؤں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

بندہ ایسی ہئیت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی و بے مائگی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو ——— لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور اِن آداب کے پابند ہو کے روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے مُلکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکۂ معظمہ پہونچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حجاج کئی کئی ہفتہ کا بڑی اور بحری سفر کر کے وہاں پہونچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مُدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا، اِس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کیلئے مکۂ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہونچیں تو " بیت اللہ" اور " بلد اللہ الحرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں ——— مختلف سمتوں کے یہ مُعیّن مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی "میقات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دوگانۂ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کے تلبیہ پڑھا جاتا ہے ———:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ"

اِس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی مُحرِم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں ——— جس طرح تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اِس تمہید کے بعد مواقیت ، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل احادیث پڑھئے ! :۔۔۔۔۔۔۔۔

مواقیت :۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱۵۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهٗ مِنْ اَهْلِهٖ وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کو اہلِ مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جُحفہ کو اہلِ شام کا، اور قرن المنازل کو اہلِ نجد کا، اور یلملم کو اہلِ یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود اِن کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور اُن سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے اِن مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو پس جو لوگ اِن مقامات کے ورے ہوں (یعنی اِن مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے ۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۵۵) عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقِ الْاٰخَرِ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ۔

———— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اہل مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا ہے) ذوالحلیفہ ہے۔ اور دوسرے راستہ سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے، اور اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے ———— (صحیح مسلم)

(تشریح) اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے:۔ (۱) ذوالحلیفہ (۲) جحفہ (۳) قرن المنازل (۴) یلملم ———— اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک اور خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستہ سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں" سے مراد اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق رہے گا ———— بہرحال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن

علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے تھے اُن سے مکۂ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے :۔۔۔۔۔۔۔

ذُوالحُلَیفَہ۔ جو اہلِ مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے مدینۂ طیبہ سے مکۂ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہ پڑتا ہے، یہ مکۂ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے یہاں سے مکۂ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستہ سے قریباً ڈھائی سو میل ہے۔۔۔ چونکہ اہلِ مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اُٹھانی پڑتی ہے۔ ع

جن کے رُتبے ہیں سِوا اُن کو سوا مشکل ہے ●

جُحفَہ۔ یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجودہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محلِ وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکۂ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل۔ یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے مکۂ معظمہ سے قریباً ۳۰، ۳۵ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذاتِ عِرق۔ یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ مکۂ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت مکۂ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یَلَملَم۔ یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکۂ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف سے آئیں "میقات" مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کے اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے

احرام کا لباس:

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: محرم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیص پہنو اور نہ سر پر عمامہ باندھو اور نہ شلوار پاجامہ پہنو اور نہ بارانی پہنو، اور نہ پاؤں میں موزے پہنو، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جوتا نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لئے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے

جوتا سا بنا لے۔ (آگے آپ نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا وَرس لگا ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف اُن چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے، وَرس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتّی ہے۔ یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالتِ احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا وَرس لگی ہو۔

سوال کرنے والے شخص نے پوچھا تھا کہ: "مُحرِم کون سے کپڑے پہنے؟" آپ نے جواب میں فرمایا کہ: "فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے" اس جواب میں گویا آپ نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ مُحرِم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

(۱۵۷) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِىْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذَالِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ

اَوْ خُفّاً ________ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ :-
میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ منع فرماتے تھے عورتوں کو احرام
کی حالت میں دستانے پہننے سے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور اُن کپڑوں کے
استعمال سے جن کو زعفران یا وَرس لگی ہو، اور ان کے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے
وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسُمبی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں
اور شلوار اور قمیص اور موزے بھی پہن سکتی ہیں ________ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیص، شلوار وغیرہ
سِلے کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے
استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ہاں دستانے پہننے کی ان کو بھی
ممانعت ہے اور مُنہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے ـــ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھُلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر
باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے
ان کو آڑ کر لینی چاہئیے ________ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ :________

"ہم عورتیں حج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت
میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب
ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں
اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے
چہرے کھول دیتی تھیں"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام

کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہیئے۔

احرام سے پہلے غسل :

(۱۵۸) عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّہٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِھْلَالِہٖ وَاغْتَسَلَ -

رواہ الترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کے لئے۔

(جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے غسل کو سُنّت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دوگانۂ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کر لیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہوگا۔

تلبیۂ احرام :

(۱۵۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُہِلُّ مُلَبِّدًا یَقُوْلُ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، لَا یَزِیْدُ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال جمے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حال ہوتا ہے)۔ آپ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے :۔۔۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ	میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور حاضر ہوں
لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ	حاضر ہوں تیرا کوئی شریک ساتھی نہیں میں
لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ	تیرے حضور حاضر ہوں۔ ساری حمد وستائش کا
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں
لَا شَرِيْكَ لَكَ ـــــ	اور ساری کائنات میں فرماں روائی بھی بس

تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں!۔

بس یہی کلمات تلبیہ میں آپ پڑھتے تھے ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

ـــــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بُلاوا دلوایا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھ کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اُس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بُلاوے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوندا تو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بُلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا دلوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں ۔۔۔ (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ)۔

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت :ـــــــــــ

(۱۶۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(**ترجمہ**) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اس وقت آپ احرام کا تلبیہ پڑھتے

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) صحابۂ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ :۔ ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے، اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا، اور گویا اس وقت سے آپ مُحرِم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام "بیداء" پر پہونچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا ـــــــــ سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام کے اس اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انھوں نے بتایا کہ :ـــــــــ "اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھنے کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا لیکن اس کا علم صرف اُن چند لوگوں کو ہوا جو اُس وقت آپ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سُنا اور پہلا نہیں سُنا تھا انھوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چلدی اور مقام بیداء پر پہونچی تو پھر آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سُنا تھا انھوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہونچے"۔ ـــــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے: ـــــــ

(۱۶۱) عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِيْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِالتَّلْبِيَةِ۔

ـــــــ رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

(**ترجمہ**) خلاد بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خلاد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہونچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

(موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(۱۶۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّلَبِّيْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ

وَشِمَالِہٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا ——— رواہ الترمذی و ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا مومن ومسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے :۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں۔ وہ بھی اُس بندے کے ساتھ لَبَّيْكَ کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اِس طرف اور اُس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہ حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتے ——— بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لَبَّيْكَ کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اُس کے داہنے اور بائیں کی ہر چیز لَبَّيْكَ کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لَبَّيْكَ کو نہیں سُن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دُعا : ———

(۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهٗ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ ——— رواہ الشافعی

(ترجمہ) عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر مُحرِم ہوتے) تو

اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنّت کی دُعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے ——— (مسند شافعی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دُعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنّت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے ——— ظاہر ہے کہ مومن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنّت نصیب ہوجائے، اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے۔ اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دُعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دُعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

حجۃ الوداع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کا رخصتی حج :———

اِس بارے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہوجانے کے بعد ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اُس سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تو حج نہیں فرمایا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کرسکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی ——— غالباً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس سال خود حج نہ کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو، بلکہ

از اوّل تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو اور آپ کی دعوت و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو ـــــــ اس طرح گویا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبرؓ کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ھ میں جو آپ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اپنے اس ارادہ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کی خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دُور و قریب کے ہزارہا ہزار مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینۂ طیبہ آگئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا اُس دن آپ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز شنبہ بعد نمازِ ظہر مدینۂ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جا کر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی، اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن یکشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابۂ کرام نے احرام باندھا اور مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے ـــــــ رفقاءِ سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجمعوں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں جس نے جو عدد بتایا ہے اپنے اندازے کے مطابق بتایا ہے

باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا ہے، تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد وحساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا بہرحال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی ہیں ——— حقیقت یہ ہے کہ قریبًا ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں میں بھی انجام نہ پا سکتا ——— اسی سے بعض باتوفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکاتِ دین حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولتِ فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی: ———

(۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَسَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَىَّ فَقُلْتُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِىِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ

إِلَى رَأْسِي فَنَزَعَ زِرِّي الْأَعْلَى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّي الْأَسْفَلَ
ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ
فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ
وَهُوَ أَعْمَى وَحَضَرَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ فَقَامَ فِي نِسَاجَةٍ
مُلْتَحِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبَيْهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا
إِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا وَرِدَائُهُ عَلَى جَنْبِهِ عَلَى الْمِشْجَبِ
فَصَلَّى بِنَا فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِيَدِهٖ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ
أَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ
يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتَمَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهٖ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ
فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ
فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ
أَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي
فَصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ
ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ
نَظَرْتُ إِلَى مَدِّ بَصَرِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَ
مَاشٍ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ
ذَالِكَ وَمِنْ خَلْفِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْاٰنُ وَ
هُوَ يَعْرِفُ تَاوِيْلَهٗ، وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْئٍ عَمِلْنَا بِهٖ
فَاَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ
لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ
لَكَ، وَاَهَلَّ النَّاسُ بِهٰذَا الَّذِیْ يُهِلُّوْنَ بِهٖ فَلَمْ يَرُدَّ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْهُ
وَلَزِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْبِيَتَهٗ ———

(ترجمہ) جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پرپوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ: — ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہونچے، انھوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتلایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے انھوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے بعد نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ (کرتے کے اندر لے جاکر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں اُن دنوں بالکل نوجوان تھا[1] اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: "مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ اَخِیْ" (مرحبا!

---

[1] محمد بن علی امام باقر ۵۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابرؓ سے ملاقات انھوں نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں بھی کی ہو، تو اُس وقت حضرت جابرؓ کی عمر قریباً نوّے سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۴ سال کی عمر میں ۷۸ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہلِ مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔ ۱۲

اے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسینؓ کی یادگار!!) جو کچھ تمھیں مجھ سے پوچھنا ہو بے تکلف پوچھو!
(امام باقرؒ کہتے ہیں) کہ اِس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی
چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور اس کے
چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو
اس کے کنارے اُٹھ کے اُن کی طرف آجاتے، حالانکہ اُن کی ردا (یعنی بڑی چادر)
ان کے قریب ہی کھونٹی پر رکھی ہوئی تھی (مگر انھوں نے اُس کو اوڑھ کے نماز پڑھنا
ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی سی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ
ہونے کے بعد میں نے کہا کہ:۔ "مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حج (حجۃ الوداع)
کی تفصیلات بتائیے؟" ـــــــــ انھوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ
کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر نو سال تک
کوئی حج نہیں کیا، پھر ۱۰؁ھ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اِس سال آپ کا ارادہ حج
کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پاکر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آگئے۔ ہر ایک کی خواہش و
آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پیروی کرے
اور آپ کے نقشِ قدم پر چلے ـــــــــ (حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ:۔ پھر جب روانگی کا
دن آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر
ذوالحلیفہ آیا، اور اُس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں پہونچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ
اسماء بنتِ عُمَیس (جو ابوبکر صدیق کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے
یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کرایا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ اسی حالت میں
احرام کے لئے غسل کرلیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ
استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں ـــــــــ پھر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہونچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے داہنیں بائیں حدِ نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے (تو جب آپ کی ناقہ بیداء پر پہونچی) اس وقت آپ نے بلند آواز سے توحید کا یہ تلبیہ کہا ۔ ——————

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ
لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِيْكَ لَكَ "

اور آپ کے رفقا صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انھوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعض صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کرکے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی) ۔

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِىْ اِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهٗ اِسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلٰثًا

وَمَشٰى اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَأَ
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَكَانَ اَبِىْ يَقُوْلُ وَلَا اَعْلَمُهٗ ذَكَرَهٗ
اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَءُ
فِى الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ
ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ
اِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الصَّفَا قَرَأَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ
مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقٰى
عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ
وَكَبَّرَهٗ وَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ
دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ
وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا
حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرَ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى
الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّيْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ
مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً
فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
لِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِى الْاُخْرٰى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ

فِی الْحَجِّ لَا بَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ ــــــــــ

(ترجمہ) حضرت جابرؓ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پر پہونچ گئے تو آپ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کے اس کو چوما، پھر آپ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیمؑ کی طرف بڑھے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی :۔ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو)۔ پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دوگانۂ طواف ادا کیا)۔ حدیث کے راوی امام جعفر صادقؒ بیان کرتے ہیں کہ :۔ میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپ نے ـــــ "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ٥" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت کی ــــــ

اس کے بعد آپ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام[1] کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے، اور اس کے بالکل قریب پہونچ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

---

[1] یہ استلام سعی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام مسنون ہے۔ ۱۲

مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ " (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) ۔۔۔۔۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا : ۔۔۔۔۔ " میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے " ۔۔۔۔۔
چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آگیا ، اُس وقت آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر و تمجید میں مصروف ہو گئے ۔ آپ نے کہا : ۔۔۔ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ " (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں ، وہی تنہا معبود و مالک ہے ، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں ، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے ، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے ، وہ ہر چیز پر قادر ہے ، وہی تنہا مالک و معبود ہے ۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمادیا ، اپنے بندے کی اس نے بھر پور مدد فرمائی ، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا اُسی نے شکست دی) ۔۔۔۔۔
آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان میں دُعا مانگی ۔ اس کے بعد آپ اُتر کے مروہ کی طرف چلے ، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہونچے تو آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے ، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہونچے ، آپ نے اپنے رفقا صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا : ۔۔۔۔۔ اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے

عمرہ بنا دیتا ــــ تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کردیں اور اب تک جو طواف وسعی انھوں نے کی اس کو عمرہ بنا دیں ــــ آپ کا یہ ارشاد سن کر سُراقہ بن مالک نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے یہی حکم ہے ــــ آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ :ــــ "دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ، لَا بَلْ لِأَبَدِ ابَدٍ" (عمرہ حج میں داخل ہوگیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے)۔

(تشریح) آپ نے مروہ پر سعی کے خاتمہ پر یہ جو بات فرمائی کہ :ــــ "جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف وسعی کو عمرہ قرار دے دیں، اور میں بھی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا" ــــ اس کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ زمانۂ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں جو اعتقادی اور عملی غلطیاں رُواج پاکر دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ جو اَشْهُرِ حَج (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور من گھڑت تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں اِفراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لئے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے حج وعمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے (جس کو قِران کہتے ہیں) ــــ آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابہ کرام میں

غالباً چند ہی نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا، اور انھوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا ـــــــ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج وعمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا احرام باندھا یعنی "قران" اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنی قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے، اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے وہ اس وقت تک احرام ختم نہیں کرسکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کردے۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابۂ کرام جو آپ کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آسکتے تھے، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اُن کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکۂ معظمہ پہونچ کر آپ کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جو جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بیخ کنی کے لئے اور دماغوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کیلئے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر اس کے خلاف عمل کرکے دکھایا جائے، اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپکے ساتھ طواف اور سعی کرچکے تھے اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کے احرام ختم کردیں اور حلال ہوجائیں اور حج کے لئے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں، اور خود آپ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کے آئے تھے اس لئے آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ: ـــــــ "اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہوجاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا، اور جو طواف وسعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کردیتا، لیکن میں تو قربانی کے جانور ساتھ لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں، اس لئے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ

آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں" ——— آپ کا یہ ارشاد سُن کر سُراقہ[1] بن مالک کھڑے ہو گئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے اس لئے انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ اشہرِ حج میں مستقل عمرہ کیا جا سکتا ہے؟ -

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور اُن کے ذہن نشین کرنے کے لئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا :- ———

" دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ " (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایامِ حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، اور اس کو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے -

وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ فَاطِمَةَ مِمَّنْ حَلَّ وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَأَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ إِنَّ أَبِي أَمَرَنِي بِهٰذَا) فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا قُلْتَ حِينَ فَرَضْتَ الْحَجَّ

---

[1] یہ وہی سُراقہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرفتار کرنے اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کے قریب پہونچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی تو گھوڑی صحیح سلامت نکل آئی تھی اور یہ کہہ واپس لوٹ گئے تھے - ۸ھ تک یہ مکہ معظمہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد عام اہلِ مکہ کی طرح انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا - ۱۲

قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْیِ الَّذِیْ قَدِمَ بِهٖ عَلِیٌّ مِنَ الْیَمَنِ وَالَّذِیْ اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْیٌ ـــــــــــ

(ترجمہ) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قربانی کیلئے مزید جانور لے کر مکۂ معظمہ پہونچے، انھوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سُرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انھوں نے اُن کے اس رَوِیّہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اُن سے کہا کہ:۔ تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ:۔ مجھے اباجان (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے) ـــــــ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ:۔ جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی اِفراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قِران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انھوں نے عرض کیا کہ:۔ میں نے نیت اِس طرح کی تھی کہ:۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ" (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اُس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے)۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ میں چونکہ

قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو ـــــ آگے حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ کے لئے حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علیؓ یمن سے لائے تھے) ـــــ حضرت جابرؓ نے آگے بیان کیا کہ :- رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام اُن صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کے وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف و سعی انھوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا بس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ حالتِ احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

(تشریح) جن صحابہ نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انھوں نے اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انھوں نے غالباً اس لئے کیا کہ منڈوانے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى فَأَهَلُّوا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا۔

(ترجمہ) پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ رذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انھوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہونچ کر آپ نے (اور صحابۂ کرام نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نَمِرَة میں نصب کیا جائے (نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کے عرفہ پہونچ گئے اور آپ نے دیکھا کہ (آپ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

(تشریح) حج کی خاص نقل و حرکت کا سلسلہ ۸ رذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یوم الترویہ" کہا جاتا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قران کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ رذی الحجہ کو احرام باندھ کے منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں ـــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بعض صحابہؓ جو اپنی قربانیاں

اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنھوں نے عمرہ کرکے احرام ختم کردیا تھا اُن سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہوگیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے قریباً ۱۰ میل اور مکہ سے قریباً ۹ میل ہے اور یہ حدودِ حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے ——

عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدودِ حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہلِ حرم اللہ" کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدودِ حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر رہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعرِ حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بنا پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشعرِ حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ :- آپ کے قیام کے لئے خیمہ نمرہ[1] میں نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادیِ نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جاکر اُترے، اور اُس خیمہ میں قیام فرمایا۔

حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ

---

[1] نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوکر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہو، حتیٰ کہ اگر خدانہ کردہ وہ دیوار باہر کی جانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادیِ نمرہ میں گرے گی۔ ۱۲

وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ
هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ
قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ
اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا
فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ
وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْ
تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ
وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ
فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ
عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ
فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ
قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ
يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ
اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ
فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ
بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا
کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادئ عُرنہ)
کے درمیان آئے، اور آپ نے اونٹنی کی پشت ہی پر سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ۔

"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں اپنے اس مقدس شہر مکہ میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو) —— خوب ذہن نشیں کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں ان کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانۂ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں معاف ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانۂ جاہلیت کے کسی خون کا بدلا نہیں لے گا) اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبد المطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلۂ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے ان کو قبیلۂ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا[1] ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانۂ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سود کا مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب

[1] ربیعہ بن الحارث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے ان کا ایک شیر خوار بچہ جس کو عرب کے دستور کے مطابق قبیلۂ بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا قبیلۂ ہذیل کے آدمیوں کے ہاتھ سے بنی سعد اور ہذیل کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ کے گھرانے کو اس کا بدلہ لینے کا حق تھا، آپ نے اس خطبہ میں اسی حق سے دستبرداری کا اعلان فرمایا تھا۔ ۱۲

کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے ــــ

اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اُن کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق اُن پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں ــــ لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم تنبیہ اور آئندہ سدباب کیلئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو) ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو ــ

اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پہننے کا بندوبست کرو ــــ اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو گے ــ وہ ہے "کتاب اللہ" ــــ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہونچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟ ــــ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہونچا دیئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیرخواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ــــ اس پر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: ــ

"اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!!!" یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہونچا دیئے اور تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں ــــ اس کے بعد (آپ کے حکم سے) حضرت بلالؓ

نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلالؓ نے اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

(تشریح) یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب کے بعد پہلے مندرجۂ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی، اور جو خطبہ آپ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا، بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا ـــــــ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی ـــــــ خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت میں ادا فرمائیں اور درمیان میں سنّت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں ـــــــ امّت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشا اس دن مزدلفہ پہونچ کر عشا کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ـــــــ اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں ـــــــ اس کی ایک حکمت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی یہ تبدیلی کر دی گئی ہے ـــــــ اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشا تک کسی نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیاتِ طیبہ

کا سب سے اہم خطبہ کہا جا سکتا ہے۔ سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: "میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے، اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید" ۔۔۔۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرض وفات کے آخری دنوں میں جبکہ شدتِ مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ: "تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے" اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھانا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انہوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ"۔

ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ

حَتّٰی اَتَی الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهٗ
وَهَلَّلَهٗ وَوَحَّدَهٗ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰی اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ
اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰی اَتٰی بَطْنَ
مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّتِیْ تَخْرُجُ
عَلَی الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰی اَتَی الْجَمْرَةَ الَّتِیْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ
فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَی الْخَذْفِ
رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّ
سِتِّيْنَ بُدْنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهٗ
فِیْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِیْ قِدْرٍ
فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَی الْبَيْتِ فَصَلّٰی
بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰی عَلٰی بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰی
زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ
النَّاسُ عَلٰی سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا
فَشَرِبَ مِنْهُ ـــــــــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) پھر (جب آپ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رُخ آپ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروبِ آفتاب کا وقت آگیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور

اُسامہ بن زید کو آپ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے قریباً تین میل ہے) یہاں پہونچ کر آپ نے مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشا کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ نے سنّت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آ گیا، تو آپ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعرِ حرام کے پاس آئے (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آ کر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا پھر طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادیِ مُحَسّر کے درمیان پہونچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اُس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہونچتا ہے، پھر اُس جمرہ کے پاس پہونچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اُس پر پھینک کے مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "خذف کے سنگریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کے مارے، اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے ترسٹھ [۶۳] اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علیؓ کے حوالہ فرما دیئے ان سب کی قربانی انھوں نے کی، اور آپ نے اُن کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا، پھر آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے

ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کے پکائے گئے تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کیلئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جا کر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کے (اپنے اہلِ خاندان) بنی عبد المطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کے لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ:۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آ کر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا ———— (صحیح مسلم)

(تشریح) حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکنِ اعظم "وقوفِ عرفہ" ہے یعنی ۹ر ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر و عصر کی نماز پڑھ کے میدانِ عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا ———— ظہر و عصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب و عشا آپ نے وہاں پہونچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا یہی اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ نے عشا سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجّد یکسر ناغہ کیا، دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجّد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہونچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر و عصر کی نماز پڑھی، اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، گویا فجر سے لے کر عشا تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ۱۰ر ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہونچنا، وہاں جا کر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے

بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منیٰ واپس آنا۔ بہرحال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پُرمشقت تھا، اس لئے ان دونوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا جسم اور جسمانی قوتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے عام مجمعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے، اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم

اِس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ترسٹھ [۶۳] اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے، یہ غالباً وہی ترسٹھ [۶۳] تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس [۳۷] جو حضرت علی یمن سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، ترسٹھ [۶۳] کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر شریف ترسٹھ [۶۳] سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم

آپؐ نے اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شوربا پیا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہوگئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزّہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکۂ معظمہ تشریف لیگئے مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کرلیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کے حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانۂ قدیم سے آپ کے گھرانے بنی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہلِ خاندان ڈول کھینچ کھینچ کے لوگوں کو اس کا پانی پلارہے تھے، آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں، لیکن آپ نے بالکل صحیح سوچا کہ

جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقا بھی اس سعادت میں حصّہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ نے اپنے اہلِ خاندان کی دلداری اور اظہارِ تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرما دیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرمادی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے زیادہ طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابرؓ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ:

نَحَرْتُ هٰهُنَا وَ مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ وَ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَ عَرَفَةُ كُلُّهَا مُوْقِفٌ وَ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رواہ مسلم)

میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منیٰ کا سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہے اسلئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کر سکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں (پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصّہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے) اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (مشعر حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا مزدلفہ موقف ہے (اس کے جس حصّے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

(۱۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً فِي حَجَّتِهِ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

ـــــــ (صحیح مسلم)

(۱۶۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلَى بُدْنِهِ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام وانصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور جھولیں صدقہ کردوں اور قصاب کو (بطور اجرت اور حق المحنت کے) ان میں سے کوئی چیز نہ دوں آپ نے فرمایا کہ ہم ان کو اُجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔

ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۶۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ فَحَلَقَهُ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہونچ کر اس کی رمی کی پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سرِ مبارک کی داہنی جانب اُس کے سامنے کی، اُس نے اس جانب کے بال مونڈے۔ آپ نے ابوطلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد آپ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈ دو، اُس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا، تو آپ نے وہ بال بھی ابوطلحہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا کہ :- اِن بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا مفصل حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہوا حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں پھر بائیں جانب کے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے بال ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابوطلحہ آپ کے خاص محبین اور فدائیوں میں سے تھے، غزوۂ اُحد میں حضورؐ کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انھوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کرا لیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی اُمّ سُلیم (والدہ انسؓ) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سرِ مُبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں سے تقسیم کرائے ——

یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بُنیاد ہے۔

بہت سے مقامات پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو "موئے مُبارک" بتائے جاتے ہیں اُن میں سے جن کے بارے میں قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے ـــــ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابۂ کرام کے پاس پہونچے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد اُن کے اخلاف نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے اُن میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ـــــ لیکن قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا "موئے مُبارک" قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہِ عظیم ہے، اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعۂ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

(۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔

ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: "اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنھوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا"۔ حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا:۔ یارسُول اللہ! رحمت کی یہی دُعاء بال ترشوانے والوں کے لئے بھی فرما دیجئے؟۔ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ:۔ "اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر"۔ اُن لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ:۔ "اور اُن لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنھوں نے یہاں بال ترشوائے"۔

(تشریح) عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن حج وعمرہ میں جو بال منڈوائے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عبدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے، اور اسی نیت سے منڈوانا یا ترشوانا چاہیئے۔ اور چونکہ عبدیت اور تذلل کا اظہار سر منڈانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے، اور اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم

(۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَيْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا فَقُلْنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اَیُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَیُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا

نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(**ترجمہ**) ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی اصلی ہیئت پر آگیا ہے جس پر وہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت تھا ـــــــ سال پورے بارہ مہینہ ہی کا ہوتا ہے، ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں۔ تین مہینے تو مسلسل ہیں۔ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا وہ رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلۂ مضر زیادہ مانتا ہے ـــــــ

اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ بتاؤ یہ کون مہینہ ہے؟۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا:۔ کیا یہ "ذی الحجہ" کا مہینہ نہیں ہے؟۔ ہم نے عرض کیا:۔ بیشک یہ ذی الحجہ ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ بتلاؤ یہ کون شہر ہے؟۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ کچھ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا:۔ کیا یہ "بلدہ" نہیں ہے؟ (مکہ کے معروف ناموں میں ایک "بلدہ" تھا) ہم نے عرض کیا:۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ یہ کون دن ہے؟۔ ہم نے عرض کیا کہ:۔ اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا آج "یوم النحر" نہیں ہے؟ (یعنی ۱۰ ذی الحجہ جس میں قربانی کی جاتی ہے)۔ ہم نے عرض کیا:۔ بیشک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں تم پر (یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ناحق کسی کا خون کرے یا کسی کے مال پر یا اس کی آبرو پر دست درازی کرے۔ یہ سب تم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں) جیسا کہ

آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہیں) ——— اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے پروردگار کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ دیکھو میں خبردار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ——— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیام تم کو پہونچادیا؟ سب نے عرض کیا کہ:۔ بیشک آپ نے تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ (اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر کہا):۔ "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" (اے اللہ! تو گواہ رہ)۔ (اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا):۔ جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں (اور انھوں نے میری بات سُنی ہے) وہ اُن لوگوں کو پہونچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سُننے والے سے بات پہونچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں (اور وہ اس علم کی امانت کا حق زیادہ ادا کرتے ہیں) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس خطبۂ نبوی کے ابتدائی حصّے میں زمانے کے گھوم پھر کے اپنے اصلی ابتدائی ہیئت پر آجانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہلِ عرب کا ایک گمراہانہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سال تیرہ مہینے کا قرار دے دیتے تھے اور اس کے لئے ایک مہینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا نظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا، اس لئے حج جو اُن کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا در اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا تھا لیکن جاہلیت کے پچاسوں یا سینکڑوں برس کے چکر کے بعد ایسا ہوا کہ اُن اہلِ عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا، اسی طرح جو اہلِ عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے، اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ نے خاص وصیت و ہدایت اُمّت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوجانا اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہوگی۔ ۔۔۔۔۔

اسی خطبے کی بعض روایات میں "ضُلاَّلاً" کے بجائے "کُفَّاراً" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویّہ ہوگا، اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اسلامی رویّہ کے بجائے کافرانہ طرزِ عمل اختیار کرلیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ میں یہ منکشف ہوچکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کچھ کامیاب ہوگا ۔۔۔۔۔ وَكَانَ ذَالِكَ قَدَرًا مَقْدُوْرًا

حج کے اہم افعال وارکان: ۔۔۔۔۔

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریباً سارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر واقعہ کی شکل میں آچکا ہے، اب الگ الگ اُس کے اہم افعال وارکان کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کا طرزِ عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھئے:۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف: ۔۔۔۔۔

مکۂ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبۂ مکرّمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کو بَلَدُ اللہِ الحرام اور مرکزِ حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور

احترام کے ساتھ ہو، اور اُس کے بعد کعبۂ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے۔ اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنّت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز ادب اور محبّت کے ساتھ اُس کے استلام سے کیا جائے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، اور صحابۂ کرامؓ نے آپ سے یہی سیکھا تھا۔

(۱۷۰) عَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدِمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتَّى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَإِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِي طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی مکہ آتے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات ذی طُویٰ میں گذارتے (جو مکہ کے قریب ایک بستی تھی) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی ذی طُویٰ میں رات گذار کے صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبداللہ بن عمرؓ بتاتے تھے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى أَرْبَعًا۔ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ پہونچے تو سب سے پہلے حجرِ اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے داہنی طرف سے طواف کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) ہر طواف حجرِ اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے۔ استلام کا مطلب ہے حجرِ اسود کو چومنا، یا اُس پر اپنا ہاتھ رکھ کر، یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اُس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ بس یہ استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طواف میں خانۂ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رَمَل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے روایات میں ہے کہ ۷ھ میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکۂ معظمہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب وہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دُبلا پتلا کر دیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہونچی تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا ——— لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سُنّت قرار دے دیا گیا۔ اب بھی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے اس کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

(۱۷۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَی الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ اَتَی الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰی یَنْظُرَ

إِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَا شَاءَ وَيَدْعُو ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجرِ اسود کے قریب پہونچ کر آپ نے اس کا استلام کیا، پھر آپ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ نے ہاتھ اُٹھائے (جس طرح دُعا میں اُٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا آپ اللہ کے ذکر و دُعا میں مشغول رہے ـــــــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۷۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ ـــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک خمدار چھڑی تھی اسی سے آپ حجرِ اسود کا استلام کرتے تھے۔

ـــــــــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اوپر صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طواف کے بارے میں یہ صریح الفاظ ہیں: "ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا" (آپ حجرِ اسود کا استلام کرنے کے بعد داہنی جانب کو چلے (اور طواف شروع کیا) پھر تین چکروں میں تو آپ نے رَمَل کیا اور چار چکر آپ نے اپنی عادی رفتار سے لگائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طواف اپنے پاؤں پر چل کر کیا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہونچنے کے بعد پہلا طواف پیادہ پا کیا تھا حضرت جابرؓ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دسویں ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ آکر جو طواف کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کرسکیں، گویا آپ کی اونٹنی اُس وقت آپ کے لئے منبر بنی ہوئی تھی اور غالباً اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طواف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱۷۴) عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طُوْفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَءُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔ مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طواف کیسے کروں؟)۔ آپ نے فرمایا کہ: تم سوار ہوکر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرلو، تو میں نے اسی طرح طواف کیا، اور اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۷۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ ذَالِكَ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ

عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِیْ مَا یَفْعَلُ الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْهُرِیْ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس حج ہی کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے بالکل قریب) مقام سَرِف پر پہونچے (جہاں سے مکہ صرف ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہوگئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (خیمہ میں) تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔ شاید تمہارے ماہواری ایام شروع ہوگئے ہیں؟ ـــــ میں نے عرض کیا کہ:۔ ہاں! یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدمؑ کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کردی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہوجاؤ۔

ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ۔

ـــــــــ رواہ الترمذی والنسائی والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی طواف کی حالت میں کسی سے بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو وفضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو

مکدر نہ کرے) ——————— (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی) —

(۱۷۷) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا (الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِي) كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً ——————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ:۔ حجر اسود اور رکن یمانی ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے ۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سُنا آپ فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن وآداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا ۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سُنا آپ فرماتے تھے کہ:۔ بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اُٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا ——————— (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے لفظ "مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا" کا ترجمہ ہم نے سات بار طواف کرنا کیا ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں :۔ —— اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں) ۔ اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے اُنچاس چکر ہوں گے ۔ اور تیسرا احتمال ہے بلا ناغہ سات دن طواف ——————— لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے ۔ واللہ اعلم ۔

حجرِ اسود :

(۱۷۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ ـــــــ رواه الترمذی وابن ماجۃ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کے بارے میں فرمایا۔ خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اُٹھائے گا کہ اُس کے دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا اُن کے حق میں سچی شہادت دے گا۔

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) حجرِ اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن اس میں ایک رُوحانیت ہے اور وہ ہر اُس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اَدب اور محبّت کے ساتھ اس کو بلا واسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے اور اس کا استلام کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ اُن بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ اُس کا استلام کرتے تھے۔

(۱۷۹) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ ـــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجراسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، اور اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لئے کہی کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجراسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اِس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، اور اس لئے اس کو چوما جارہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول کا حکم ہے وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

طواف میں ذکر اور دعا :———

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (طواف کی حالت میں) رکن یمانی اور حجر اسود کے

درمیان (کی مسافت میں) یہ دُعا پڑھتے ہوئے سُنا: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ"

——— (سنن ابی داؤد)

(۱۸۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وُکِّلَ بِہٖ سَبْعُوْنَ مَلَکًا (یعنی الرکن الیمانی) فَمَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا ——— اٰمین ———

——— رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ رکن یمانی پر ستّر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اُس بندے کی دُعا پر آمین کہتے ہیں جو اُس کے پاس یہ دُعا کرے کہ : ——— "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی عطا اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!) ——— (سنن ابن ماجہ)

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت: ———

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے، اگر یہ ایک لمحہ کے لئے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا، اور اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے

دن، اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصے میں بھی عرفات میں نہ پہونچ سکا تو اس کا حج فوت ہوگیا۔ حج کے دوسرے ارکان ومناسک طواف، سعی، رمی، جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہوجائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے، لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہوجائے تو اس کا کوئی تدارک نہیں ہے۔

(۱۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدُّئَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ ـــــ اَيَّامُ مِنًى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔

ـــــ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن یعمر دُئلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے، حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دار ومدار ہے) وقوف عرفہ ہے، جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ر اور ۱۰ر ذی الحجہ کی درمیانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہونچ جائے تو اُس نے حج پالیا اور اس کا حج ہوگیا ـــــ (یوم النحر یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کے بعد) منیٰ میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے ۱۱ر، ۱۲ر، ۱۳ر ذی الحجہ) اگر کوئی آدمی صرف دو دن میں یعنی (۱۱ر ۱۲ر کو رمی کرکے) جلدی منیٰ سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہر کے (۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کرکے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں)۔

ـــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دار ومدار ہے اس لئے اس میں اتنی وسعت

رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہونچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) وہ اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہونچ جائے تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور وہ حج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک جمرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اُسی دن مکہ جا کر طوافِ زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کے تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا مناسک میں سے ہے ——— پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے، اور رمی کرلے، تو یہ بھی جائز ہے۔

(۱۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ۔

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو (یعنی گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا سب سے بڑے اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ میں ہوتا ہے) اُس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمت و رأفت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور اُن پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: "مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟" دیکھتے ہو!

میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ ——————— (صحیح مسلم)

(۱۸۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ ——————— رواہ مالک مرسلاً

(ترجمہ) طلحہ بن عبیداللہ بن کریز (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل، اتنا خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جلا بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل و خوار روسیاہ اور جلا بھنا دیکھا جاتا ہے، اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن اللہ کی رحمت کو (موسلادھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اُس لعین کے لئے ناقابلِ برداشت ہے)۔

——————— (موطا امام مالک مرسلاً)

(تشریح) عرفات کے مبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں اور اُس کے حضور میں اپنے اور دوسروں کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دُعائیں اور آہ وزاری کرتے ہیں اور اس کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں تو لامحالہ ارحم الراحمین کی رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آجاتا ہے، اور پھر وہ اپنی شانِ کریمی کے مطابق گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے رہائی و آزادی کے وہ عظیم فیصلے فرماتا ہے کہ شیطان بس جل بھن کے رہ جاتا ہے اور اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔

رمئ جمرات :

منٰی میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو جمرات کہا جاتا ہے۔ ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اور ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں ——— ظاہر بات ہے کہ کنکریاں پھینکنا بذات خود کوئی نیک عمل نہیں ہے لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور بندگی یہی ہے کہ بے چون وچرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اُس کے جلال وجبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات وعادات اور نفسانی خواہشات ومعصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو اُن کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سُرور وانبساط اُس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں ——— بہرحال اللہ کے حکم سے اور اس کا نام لے کر جمروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہلِ بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

(۱۸۵) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ ——— رواه الترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـ جمرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو ولعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں۔

——— (جامع ترمذی، سنن دارمی)

(۱۸۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت فرمائی، اور اس کے بعد ایام تشریق میں جمرات کی رمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہی سنت ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی دوپہر سے پہلے کرلی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِىْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ــــ

ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمی کے لئے جمرۂ کبریٰ کے پاس پہونچے، پھر اس طرح اس کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) ان کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب ۔ اس کے بعد انھوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے تھے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ :۔ اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے) ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کرکے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ صلعم

جن پر اللہ نے حج کے احکام نازل کئے تھے اسی طرح رمی کیا کرتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلٰى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَأْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ۔

رواہ مسلم

ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (دس ذی الحجہ کو) اپنی ناقہ پر سے رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے کہ تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی اور حج نہ کروں (اور پھر تمہیں اس کا موقعہ نہ ملے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) دسویں ذی الحجہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر مزدلفہ سے روانہ ہو کر منٰی پہونچے تو اُس دن آپ نے ناقہ پر سوار ہونے ہی کی حالت میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی، تاکہ سب لوگ آپ کو رمی کرتا ہوا دیکھ کر رمی کا طریقہ سیکھ لیں اور آسانی سے مسائل اور مناسک پوچھ سکیں لیکن دوسرے اور تیسرے دن آپ نے رمی پاپیادہ کی ——— بہرحال رمی سوار ہو کر بھی جائز ہے اور پاپیادہ بھی۔

یہ اشارہ حجۃ الوداع میں آپ نے بار بار فرمایا کہ :- اہل ایمان مجھ سے مناسک اور دین و شریعت کے احکام سیکھ لیں، شاید اب اس دنیا میں میرا قیام بہت زیادہ نہیں ہے۔

---

(۱۸۹) عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ

كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَاخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ
وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ
وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ
بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ
وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا
رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

رواہ البخاری

(ترجمہ) سالم بن عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رمی جمرات کے بارے میں اُن کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اَللّٰهُ اَكْبَر کہتے، اس کے بعد آگے نشیب میں اُتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دُعا کرتے، پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، پھر آخری جمرہ (جمرۃ العقبہ) پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اَللّٰهُ اَكْبَر کہتے اور اس جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے، اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے ۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دُعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد بغیر کھڑے ہوئے اور دُعا کئے واپس ہو جاتے تھے، یہی سُنّت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنّت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی :

قربانی کی عام فضیلت اور اُس کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلمؐ کی عام ہدایات "کتاب الصّلوٰۃ" میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، اور حجۃ الوداع میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے (۶۳) اونٹوں کی، اور آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے (۳۷) اونٹوں کی جو قربانی کی تھی، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے، یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

(۱۹۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ (قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي) قَالَ وَ قُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَءُ ۔

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اُس سے اگلا دن یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے قربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ذی الحجہ کو کر لی جائے، اور کسی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ کی جا سکے، تو ۱۱ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے گی تو ادا تو ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ ہاتھ نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قرط (رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب وغریب مشاہدہ) بیان

کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے اسی کو آپ ذبح کریں ـــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں بلکہ مٹی پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کردے۔ یہ ۵ یا ۶ اونٹ جو قربانی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب کئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرمادیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اور اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کیسی خوش نصیبی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔ ؎

ہمہ آہوان صحرا، سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

(۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِىْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْئٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِىْ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذَالِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔

ـــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(**ترجمہ**) حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر) ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو (اس کا گوشت بس تین دن تک کھا سکتا ہے) تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں

قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنا چاہئے ۔۔۔۔ پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ :- کیا ہم اس سال بھی ایسا ہی کریں جیسا کہ گزشتہ سال آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کیا تھا ؟ - تو آپ نے فرمایا :- (نہیں ! اس سال تین دن والی وہ پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ جب تک چاہو) کھاؤ، کھلاؤ اور محفوظ رکھو، گزشتہ سال وہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ عوام کو (غذا کی کمی اور تنگدستی کی وجہ سے) کھانے پینے کی تکلیف تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ قربانی کے گوشت سے تم ان کی پوری مدد کرو (اس لئے میں نے عارضی اور وقتی طور پر وہ حکم دیا تھا ، اب جب کہ وہ ضرورت باقی نہیں رہی تمہارے لئے کھانے کھلانے اور محفوظ رکھنے کی پوری گنجائش ہے) -

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹۲) عَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاتَّجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ ۔۔۔۔ رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) نُبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کر دی تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے، اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی اور فقر و فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ اللہ کے کرم سے لوگ اب خوشحال ہیں، اس لئے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے، لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں، اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں ۔۔۔۔ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں ۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تمجید تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے ـــــ اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

طوافِ زیارت اور طوافِ وداع :ـــــ

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملتِ ابراہیمیؑ کا خاص شعار ہے ـــــ اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے۔ اور دوگانۂ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ ـــــ حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی "طوافِ قدوم" ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے اس کا معروف اصطلاحی نام "طوافِ زیارۃ" ہے۔ یہ وقوفِ عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے ـــــ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی طواف کر کے واپس ہو، اور اس کے سفرِ حج کا آخری

عمل بھی طواف ہی ہو، اس کا معروف اصطلاحی نام طواف وداع اور طواف رخصت ہے ——
ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے!

(۱۹۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْمُلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْہِ۔

—— رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا) —— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکۂ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوگی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو آپ نے منیٰ سے مکہ معظمہ آکر طواف زیارت کیا اس میں آپ نے رمل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے

(۱۹۴) عَنْ عَائِشَۃَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّیَارَۃِ یَوْمَ النَّحْرِ اِلَی اللَّیْلِ۔

—— رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کو موخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔

—— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طوافِ زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر

(عید الاضحیٰ) کا دن ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جا سکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی افضلیت کے لحاظ سے ۱۰ ذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہوگا ——— عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اُس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے اسی بنا پر جو طواف ۱۰ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ ذی الحجہ ہی میں شمار ہوگا اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ ذی الحجہ کی رات ہے۔

(۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ فِي كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ ——— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رُخ پر چل دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرلے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طوافِ وداع معاف ہے)

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرکے اور رمی جمرات وغیرہ

وہاں کے مناسک ادا کرکے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے ۔۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا چنانچہ فقہا نے طوافِ وداع کو واجب قرار دیا ہے، البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں، وہ اگر طوافِ زیارت کرچکی ہیں تو بغیر طوافِ وداع کئے مکۂ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں ۔۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا اُس کا آخری عمل ہو۔

(۱۹۶) عَنِ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ اٰخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ ۔

۔۔۔۔۔۔ رواہ احمد

(ترجمہ) حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری کا عمل طواف ہو ۔۔۔۔۔۔ (مسند احمد)

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ، فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَ اَنْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَ اَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ قَالَتْ وَ اَتٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ ۔

۔۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اُس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جاکر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ اور مکہ کے درمیان) مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طوافِ وداع کے لئے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے ——————

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکہ معظمہ کے قریب پہونچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ نے ابطح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہؓ کو اُن کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدودِ حرم سے باہر تنعیم جاکر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں، اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ ابطح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرامؓ نے سحر میں طوافِ وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے ——————

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ طوافِ وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دُعا کرنا :

خانۂ کعبہ کی دیوار کا تقریباً دو گز کا جو حصّہ حجر اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چمٹ کے دُعا کی جائے۔ مندرجۂ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا۔

(۱۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَرَاَيْتُ قَوْمًا الْتَزَمُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنْطَلِقْ بِنَا نَلْتَزِمُ الْبَيْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهٖ اِلْتَزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَيْتِ وَالْحَجَرِ وَقَالَ هٰذَا وَاللّٰهِ الْمَكَانُ الَّذِيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَزَمَهٗ

رواه البيهقي بهذا اللفظ

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چمٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبد اللہ بن عمروؓ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چمٹ جائیں؟ - انھوں نے فرمایا کہ: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب غالباً یہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چمٹ جاؤں تو یہ خلاف سنّت اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں ——— شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہوگئے تو دیوارِ کعبہ کے خاص اُس حصّہ پر آئے جو بابِ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چمٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چمٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پہ رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا ———

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چمٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہئے، اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ انھی کا حصّہ ہے، اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائلِ حرمین

محدثینِ کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمینِ پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی دستور کی پیروی میں حرمِ مکہ اور حرمِ مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرمِ مکہ کی عظمت :-

خانۂ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے۔ گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبۂ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے، مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف گنہگارانہ جسارت

قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقۂ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے متعین کی تھیں پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم و معروف ہیں، گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب و احترام واجب ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا ۔۔۔۔۔ اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے:

(۱۹۹) عَنْ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوا ذٰلِكَ هَلَكُوا ۔۔۔۔۔۔ رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی ۔۔۔۔۔۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) گویا بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقہ حرم کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے اُمت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی، اور جب اُمت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانہ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آجائے گی تو پھر یہ اُمت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھو دے گی، اور اس کے نتیجہ میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سہولتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دُنیا سے جو مسلمان آتے ہیں اُن کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرم مقدس کے ادب و احترام کے لحاظ سے اُمت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آگئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جن کی وجہ سے اُمت مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نگہبانی سے محروم کردی گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَعَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ۔

(۲۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ فَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے اور نیت! تو جب تم سے راہِ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو چل دو ——— اور

اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :۔ یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اُسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر کہ مکہ معظمہ آباد ہے، اور اس کے آس پاس کے علاقہ حرم کو واجب الاحترام قرار دیا، لہذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف ہو حرام ہے، اس علاقہ کے خار دار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اُٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے، اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی اُکھاڑی جائے ——— (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباسؓ نے عرض کیا: "اِذخر گھاس کو مستثنیٰ فرمادیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کے لئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے؟" ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیا۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو اعلانوں کا ذکر ہے، جو آپؐ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے ——— پہلا اعلان یہ تھا کہ: "اب ہجرت کا حکم نہیں رہا" ——— اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر ان اہلِ کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گذارنا

گویا نا ممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہرحال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی ــــــــــ لیکن جب ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کرا دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرمایا کہ :۔ اب ہجرت کا وہ حکم اُٹھا لیا گیا ــــــ اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہو گی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے ــــــــــ اُن کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ ہجرت کی فضیلت وسعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی عزم و آمادگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ نے یہ فرمایا کہ :۔ یہ شہر مکہ جس کی عظمت و حرمت دورِ قدیم سے مسلّم چلی آرہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچایت کی تجویز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور سے بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کیلئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی ۔۔۔۔۔ وہ وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی،

اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے ــــ
جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص
آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ نے اس موقع پر اعلان فرمایا ــــ
قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ
السِّلَاحَ ــــــــــــ رواہ مسلم

ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ
وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے ــــــــــــ (صحیح مسلم)

(**تشریح**) جمہور علماء امت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ
اور حدودِ حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھانا اور اس کا استعمال کرنا
جائز نہیں، یہ اس مقامِ مقدس کے ادب و احترام کے خلاف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ
کسی کو ہتھیار ہاتھ میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲۰۲) عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ
سَعِيْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰى مَكَّةَ اِئْذَنْ لِيْ
اَيُّهَا الْاَمِيْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ
سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ وَاَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ
حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ
اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا

يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ
بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ
رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ
اِنَّ اللهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا
اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ
حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟
قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ
اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا
فَارًّا بِخَرْبَةٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید سے
کہا، جبکہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیرؓ کے
خلاف، مکہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کرکے روانہ کر رہا تھا کہ :- اے امیر!
مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بیان کروں جو
آپ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ کا
وہ فرمان خود سُنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپ کی
زبانِ مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔
آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ :- مکہ اور اس کے ماحول کو
اللہ نے محرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے، اس لئے جو
آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے،
بلکہ یہاں کے درختوں کا کاٹنا بھی منع ہے۔ (آپ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو

سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت
دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت
کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ
حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے ——
(اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنھوں نے میری
یہ بات سُنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہونچا دیں (اس لئے اے امیر! میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپ کا یہ فرمان تم کو پہونچایا ہے) ——
ابو شریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا، انھوں نے بتلایا کہ اُس نے
کہا کہ:- ابو شریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو
جو کسی کا ناحق خون کر کے یا کوئی نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے
لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔

—— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے
اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا مروڑا وہ
تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابو شریح عدوی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے صحابی تھے، انھوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بروقت کلمۂ حق کہہ کے اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُنا کے اپنا فرض ادا کر دیا —— صحیحین کی اس روایت میں
یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جو بات کہی، ابو شریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔
لیکن مسند احمد کی روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا:——

قَدْ كُنْتُ شَاهِدًا وَكُنْتَ غَائِبًا وَقَدْ — فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت

أَمَرَنَا أَنْ يُّبَلِّغَ شَاهِدُنَا غَائِبَنَا وَقَدْ بَلَّغْتُكَ[1] — وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہونچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں ——— میں نے اس حکم نبوی کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہونچا دی۔

(تشریح) ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد و منشاء سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ نے یہ بات فرمائی، اور جنھوں نے موقع پر حضورؐ سے یہ بات سُنی۔

(۲۰۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللهِ إِلَى اللهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ۔

——— رواہ الترمذی وابن ماجۃ

(ترجمہ) عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ مکہ میں حزورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر فرمارہے تھے:۔ خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کے نہ جاتا ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے

---

[1] فتح الباری کتاب المناسک، باب لا یعضد شجر الحرم۔ الخ

افضل اور باعظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اور ہونا بھی یہی چاہیئے، کیونکہ اس میں کعبۃ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے ——— یہی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۲۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بستا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبداللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ بات فتح مکہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت فرمائی تھی۔ واللہ اعلم ———

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مولفات میں حج وعمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ "باب فضل مکۃ" کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت وفضیلت کی حدیثیں، اور انہی کے ساتھ

"باب فضل المدینہ" کے تحت مدینۂ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی طریقے کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکہ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینۂ طیبہ سے متعلق درج کی جارہی ہیں۔

(۲۰۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ ــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے ــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) طابہ، طیبہ اور طیّبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کردیا، اس میں روحوں کے لئے جو خوشگواری، جو سکون واطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

(۲۰۶) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَاِنِّىْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَاْزِمَيْهَا اَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ وَلَا يُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ ــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے "حرم" ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب واحکام بتلائے تھے) اور میں مدینہ کے "حرم" قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان کا پورا رقبہ

واجب الاحترام ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں ———— (صحیح مسلم)

(**تشریح**) جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، مدینۂ طیبہ بھی سرکاری علاقہ کی طرح واجب الاحترام ہے، اور وہاں ہر وہ عمل اور اقدام منع ہے جو اس کی عظمت وحرمت کے خلاف ہو، لیکن اس کے احکام بالکل وہ نہیں ہیں جو حرم مکہ کے ہیں۔ خود اسی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے، اس میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتے توڑنے اور جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جبکہ حرم مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

(۲۰۷) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیِ الْمَدِیْنَۃِ اَنْ یُّقْطَعَ عِضَاھُھَا اَوْ یُقْتَلَ صَیْدُھَا وَقَالَ الْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ لَا یَدَعُھَا اَحَدٌ رَغْبَۃً عَنْھَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰہُ فِیْھَا مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْہُ وَلَا یَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰی لَاْوَائِھَا وَجَھْدِھَا اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَھِیْدًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ———— (رواہ مسلم)

(**ترجمہ**) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — میں حرم قرار دیتا ہوں مدینہ کے دونوں طرف کے سنگستانی کناروں کے درمیان کے علاقہ کو (یعنی اس کے واجب الاحترام ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ) اس کے خاردار درخت کاٹے نہ جائیں اور اس میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے ———— اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ (بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود) مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے

اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑتے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدینہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) سفارش اس کی کہ اُس کے قصور اور اُس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں تکلیفوں پر صبر کئے ہوئے مدینہ ہی میں پڑا رہا۔

(۲۰۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاْوَاءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت اور سفارش کروں گا۔

(صحیح مسلم)

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا

وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهُ فَيُعْطِيْهِ ذَالِكَ الثَّمَرَ۔

—— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لاکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرماکر اس طرح دُعا فرماتے: —— اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اور ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں برکت دے۔ اے الٰہی! ابراہیم تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل، اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ اُنھوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دُعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دُعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی ہی مزید —— پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بُلاتے، اور وہ نیا پھل اُس کو دے دیتے —— (صحیح مسلم)

(تشریح) پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو، اور فصل بھرپور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو —— اور صاع اور مُد دو پیمانے ہیں۔ اُس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں ہی سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاع یا ایک مُد جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے اُس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دُعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچّے کو مکہ کی غیر آباد اور بے آب وگیاہ وادی میں بساکر اللہ سے اُن کے لئے کی تھی کہ :۔۔۔۔۔

"اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و مودّت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہونچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مُقدر فرما!"

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بطورِ نظیر اس ابراہیمیؑ دُعا کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دُعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے ۔۔۔۔۔ اس دُعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکّہ سے محبّت ہے اُن سب کو مدینۂ طیّبہ سے بھی محبّت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصّہ مکّہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اُس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تواضع اور کسرِ نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچّے کو بُلا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے موقعوں پر چھوٹے معصوم بچّوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کمسن بچّے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

(۲۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِىَ الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِى الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔

—————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔۔۔۔ قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے

مَیل کو دُور کر دیتی ہے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک صاف کر دیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے ہوں گے۔

(۲۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِکَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ ——————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— "مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجّال داخل نہیں ہو سکتا" ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحیحین ہی کی بعض دوسری حدیثوں میں مدینۂ طیبہ کے ساتھ مکۂ معظمہ کی بھی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ دجّال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ غالباً اُن دُعاؤں کی برکات میں سے ہے جو اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے حبیب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مقدس و مبارک شہروں کے لئے کی تھیں۔

(۲۱۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ بِهَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِهَا۔

——————— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ——— جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے، اور) مدینہ میں مرے، میں اُن لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مرینگے (اور وہاں دفن ہونگے) ——— (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے کسی کے اختیار میں نہیں ہے تاہم بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کے پڑ جائے، اگر قضا و قدر کا فیصلہ خلاف نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی ——— بہرحال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے لئے اپنے امکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

(۲۱۳) عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُّ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ يَكُوْنَ قَبْرِيْ فِيْهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

(رواہ مالک مرسلاً)

(ترجمہ) یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے، اور (کسی میت کی) قبر کھودی جارہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آرامگاہ نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی

اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ آرامگاہ اچھی نہیں) ۔ اُن صاحب نے (بطور معذرت) عرض کیا :۔ حضورؐ! میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہِ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ راہِ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بیشک بلند ہے، لیکن مدینہ میں مرنا، اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو ——— یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی ۔

(موطا امام مالک)

(**تشریح**) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بیشک مسلّم ہے اور بستر پر مرنا اور میدانِ جہاد میں اللہ کے لئے سر کٹانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے ۔

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ :۔

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ" (اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!) ۔

اِس دُعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب حضرت عمرؓ سے بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا:۔۔۔۔۔

اَنّٰی لِی بِالشَّهَادَةِ وَاَنَا بَیْنَ	مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب
ظَهْرَانَی جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ	ہوسکتی ہے جبکہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان
لَسْتُ اَغْزُوْ وَالنَّاسُ	مقیم ہوں (اور وہ سب دارالاسلام بن چکا)
حَوْلِی۔۔۔۔۔	اور میں خود جہاد نہیں کرتا، اور اللہ کے
	بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا۔۔۔۔۔

بَلٰی یَاْتِی بِهَا اللّٰه	مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہوسکتی
اِنْ شَاءَ	اگر اللہ چاہے گا تو انہی حالات میں مجھے
(فتح الباری بحوالہ ابن سعد)	شہادت سے نوازے گا۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دُعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے:۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَھَادَةً فِی سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِی فِی بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔۔۔۔۔ آپ کی زبان سے یہ دُعا سُن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ:۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور موت مدینہ میں بھی ہو؟" آپ نے فرمایا: "اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہوجائیں گی!"

اِس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دُعا سے تعجب ہوتا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہوسکتی ہیں۔ جب ابولؤلؤ نے مسجد نبویؐ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دُعا کی قبولیت اس طرح مقدر تھی۔

بیشک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر۔

مسجدِ نبویؐ کی عظمت و فضیلت

مسجد نبویؐ جس کی بنیاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت وارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانۂ کعبہ اور مسجدِ حرام کے ماسوا دنیا کے سارے معبدوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے ——— صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

(۲۱۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میری اس مسجد میں (یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں) ایک نماز، دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مسجد نبویؐ کی نماز کو مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کی نماز کے درجے

یہ حدیث ساکت ہے مگر دوسری مندرجہ ذیل حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلٰوۃٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِائَۃِ صَلٰوۃٍ فِیْ ھٰذَا۔

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابلہ میں مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے، اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے یعنی عام مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

(۲۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلٰوۃً لَا تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔

رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے لکھدی جائے گی نجات اور براءت دوزخ سے اور گھر عذاب سے اور اسی طرح براءت نفاق سے ———— (مسند احمد معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں مسجد نبوی میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور چھٹی ہے۔

(۲۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔

———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔

———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مسجد نبوی میں جس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے) تو آپ نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ کے حجرۂ شریفہ کے درمیان جو قطعۂ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے

ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعۂ زمین میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ میں آگیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ: "میرا منبر میرے حوض پر ہے" اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا، اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہونچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اس منبر سے جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پلاؤں گا۔ پس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آب کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

(۲۱۸) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔

————— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:— دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی) ————— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا

باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ اُن کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے لیکن دوسرے جائز دنیوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضۂ مطہرہ

اگرچہ روضۂ اقدسِ نبویؐ کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ خاصکر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضۂ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتابُ الحج کے آخر میں زیارتِ نبویؐ کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتابُ الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارتِ نبویؐ ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

(۲۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ ——— رواه البيهقي في شعب الايمان والطبراني في الكبير والاوسط

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) اُنہی لوگوں کی طرح ہے جنھوں نے میری حیات میں میری زیارت کی ——— (شعب الایمان للبیہقی، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر مبارک پر حاضر ہوکر سلام عرض کرتے ہیں آپ اُن کا سلام سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہلِ ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲۲۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

——— رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ والدارقطنی والبیہقی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی ——— (صحیح ابن خزیمہ، سنن دارقطنی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی جلد اوّل میں وہ حدیثیں درج ہوچکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امتی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اہل وعیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت ولذت حاصل نہیں ہوسکتی ——— اور روضۂ اقدس نبوی کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے۔

امرّ علی الدیار دیار لیلیٰ ۔ اقبّل ذا الجدار وذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ۔ ولکن حب من سکن الدیارا

(حاشیہ ص ۲۹۵ پر)

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلبِ مومن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوارِ نبویؐ کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت وشرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ استغفار کی جو لہریں اُس وقت اُس کے قلب میں اُٹھتی ہیں اور محبتِ نبویؐ کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت وندامت کے ملے جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعتِ نبویؐ بلکہ مغفرتِ خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضۂ اقدس نبویؐ کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعتِ نبویؐ نصیب ہوگی ـــــــ ہاں اگر بدنصیبی سے کوئی "زائر" ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات وجذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا قلب دولتِ ایمان سے خالی ہے پھر اس کی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورتِ زیارت ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات ومصالح کا اوپر ذکر کیا گیا اگر ان کو پیشِ نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے

(صفحہ ۲۹۴ کا حاشیہ) لہ میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، اور دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا ہے بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں۔

لہ شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ "شفاء السقام" میں (جو انھوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت وترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سب پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی حدیث ہے (من زار قبری وجبت لہ شفاعتی)۔ پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی (بقیہ صفحہ ۲۹۶ پر)

فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مربوط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہنِ سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحبِ قبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبّت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحبِ ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارت روضۂ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب —— "آپ حج کیسے کریں؟" —— میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ بڑی رُوحانی لذتیں پائیں گے۔

"معارف الحدیث" (جلد چہارم) زیارتِ نبویؐ کے اِس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فللّٰہ الحمد وعلیٰ رسولہ الصّلوٰۃ والسّلام

(ص ۲۹۵ کا بقیہ حاشیہ) ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبد اللہ عبد الہادی حنبلی نے "شفاء السقام" کے جواب "الصارم المنکی" میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کر کے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبرِ نبویؐ کی زیارت از قبیلۂ قربات و مستحبات اور موجبِ کارِ ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخ پر افترا کرتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے ابن تیمیہؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارتِ نبویؐ کے پورے آداب اور محبّت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائرین ہی کے لئے لکھا ہے ——

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ——

وله طرق وشواهد حسنه الذهبي لاجلها — اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔

(شرح شفا مُلّا علی قاری ص ۱۴۹۔ جلد ۲)

مَعَارِفُ الحَدِیثْ

جلد پنجم

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

مَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

معارف الحدیث

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کیساتھ

جلد پنجم ۵

کتاب الاذکار والدعوات

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر۔ کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ۔ لکھنؤ

اڈیشن
صفر ۱۳۹۶ھ، فروری ۱۹۷۶ء

مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ

قیمت مجلد ۔ پندرہ ۱۵ رو۔
غیر ۔ ۱۲/۵۰

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ۔
از نبیّ اُمّیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں —— جو

"نبیِ اُمّی" سیّدنا حضرت محمّد عربی (فداہ اُمّی وابی ورُوحی و قلبی) پر

ایمان رکھتے ہیں

اور آپ کی ہدایت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدمؑ کی

نجات کا یقین کرتے ہیں

اور اس لئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر

آپ کے ارشادات سُنیں!

اور

اس چشمۂ انوار سے

پنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث جلد پنجم" بقیۂ صفحہ

مقدمہ

معارف الحدیث

جلد پنجم ۵

از- ابوالحسن علی ندوی

۷ ر جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۱ھ - ۳۱ر جولائی سنہ ۱۹۷۱ء

پھاٹک عبداللہ خاں رائے بریلی - بر مکان داروغہ اسرار الحق صاحب

اِس کتاب کا پہلا اڈیشن، جو

سنہ ۱۳۸۹ھ (سنہ ۱۹۶۹ء) میں شائع ہوا تھا، اُس میں

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا یہ مقدمہ شامل نہیں تھا

اب دوسرے اڈیشن میں شامل کیا جا رہا ہے۔

———"ناشر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے اعجاز اور "کارنامے" کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم

(۲) عبد و معبود کے رشتہ کا استحکام و دوام

عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اور خدا، خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا رشتہ غلط ہو چکا تھا، مسخ و تحریف، جہالت و نادانی، جاہلیت اور وثنیت، اوہام و خرافات اور دجل و تلبیس کا شکار تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے مکمل ناواقفیت اور بے خبری کا دور دورہ تھا، یا نہایت ناقص معرفت کا بعض اقوام و ملل میں وجود، ـــــ خدا کی ذات و صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک

بنایا گیا تھا، ایک طرف مخلوقات کی بہت سی خصوصیات اور نقائص کے ساتھ اس کو متصف کیا گیا تھا، دوسری طرف اس کی بہت سی صفاتِ خاصہ اور اور کمالاتِ الوہیت کو مخلوقات کو عطا کر دیا گیا تھا، جاہلیت کی بیشتر گمراہیوں بیماریوں، محرومیوں اور غدانا شناسیوں کا سرچشمہ یہی کمزوری تھی، اور اسی کا نتیجہ کھلی بُت پرستی اور شرکِ جلی کی صورت میں ظاہر ہوا، پھر جہاں نبوّت کی بچی کھچی تعلیمات کے فیض سے، اور اس کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے طفیل کسی درجہ میں معرفتِ صحیحہ اور توحید کا نور پایا جاتا تھا، اور عبد و معبود کے درمیان تعلق کی بنیاد موجود تھی، وہاں اس تعلق کی کوئی صحیح تشکیل، اور اس کے نظم و انضباط کا کوئی سامان نہ تھا، نبوتِ محمدیؐ کا پہلا اعجاز و کارنامہ یہ ہے کہ اس نے معرفتِ صحیح اور عقیدۂ توحید کے ذریعہ اس تعلق کو صحیح کیا، اُس کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کیا، اُس پر جو حجابات اور پردے پڑ گئے تھے اُن کو چاک کیا، جاہلیت کے مشرکانہ خیالات و توہمات کا استیصال کیا، تنزیہ و تقدیس کو اس طرح پیش کیا کہ اس کے بعد اس کا کوئی درجہ نہیں، اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدۂ توحید ایسا نکھر کر سامنے آیا اور "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" کے آوازہ سے دشت و جبل ایسے گونجے کہ شقاوتِ ابدی اور انکار و استکبار کے سوا کسی غلط فہمی و غلط روی کا امکان باقی نہ رہا "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" یہ تھی عبد و معبود کے اس رشتہ کی تصحیح، پھر ایمانِ مفصّل، عقائد، عبادات، فرائض، اوامر و نواہی، اور اخلاق و معاملات کے ذریعہ جن کے مجموعہ کا نام "شریعت" ہے، اس رشتہ کو منظم و منضبط کیا، یہ تھی عبد و معبود کے اِس رشتہ کی تنظیم۔

نبوتِ محمدیؐ کے دوسرے شعبہ یعنی عبد و معبود کے رشتہ کے استحکام و دوام کا مفہوم یہ ہے کہ یہ رشتہ نہایت کمزور، بے رُوح، افسردہ و پژمردہ بلکہ بے جان اور مردہ، اور ایک سایہ سا بن کر رہ گیا تھا جس میں نہ یقین کی طاقت تھی، نہ محبت کی حرارت، نہ عبد و معبود کا راز و نیاز تھا، اور نہ سازِ دل کا سوز و ساز، نہ اپنے فقر و احتیاج، عجز و درماندگی، بیچارگی و بے بسی، بے مائیگی و بے بضاعتی کا احساس تھا، نہ خدا کی صفتِ جود، قدرتِ کاملہ اور خزانۂ غیب کی وسعت کا علم، پوری پوری ملتوں اور وسیع وسیع رقبوں میں، خدا کو بس تہواروں اور تقریبوں، اور سخت مصیبتوں و پریشانیوں میں یاد کرنے، اور اُس سے دُعا و سوال کرنے کا رواج رہ گیا تھا، مذہبی قوموں میں بھی وہ افراد گنے چنے رہ گئے تھے جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہوں، اُس کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوں، اور اُس سے ان کا تعلق ایک ایسا زندہ، محسوس اور جذباتی ہو، کہ وہ اس کو اپنا حقیقی کارساز اور مشکل کشا، دست گیر اور فریاد رس سمجھتے ہوں اور اُن کو اُس کی قدرتِ کاملہ پر ایسا بھروسہ، اور اُس کی محبّت و شفقت پر ایسا ناز ہو جیسا کم از کم ایک بچّہ کو اپنی چاہنے والی ماں، یا کسی غلام کو اپنے کریم آقا، اور طاقتور بادشاہ پر ہوتا ہے۔ نبوتِ محمدیؐ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اس تعلق کے خیال کو واقعہ، سایہ کو اصل، رسم کو حقیقت، زندگی میں دو چار مرتبہ یا برسوں میں کبھی کبھی ہونے والے عمل کو صبح و شام کا مشغلہ اور روزمرہ کا معمول بنا دیا، بلکہ اس کو ایک مومن کے لئے ہوا اور پانی کی طرح ضروری کر دیا جس کے بغیر زندگی محال ہے، اور جن کی شان یہ تھی کہ "وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا" (وہ اللہ کو بہت ہی کم بس کبھی کبھار یاد کر لیتے ہیں) اُن کی شان یہ ہو گئی کہ:- اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی

جُنُوْبِهِمْ" (وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹنے کی حالت میں بھی)
اور جو صرف سخت مصیبت اور جان کے خطرے ہی میں خدا کو یاد کرنے سے آشنا تھے۔
"وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ"
(اور جب اُن پر چھا جاتی ہیں سمندر کی موجیں سائبانوں کی طرح تو وہ پکارنے ہیں اللہ کو
اور دُہائی دیتے ہیں اس کی، اور اخلاص سے عبادت کرنے لگتے ہیں اسی کی) ان کا حال ہو گیا
"تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً" (وہ
خوابگاہوں کو چھوڑ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں اپنے پروردگار کی، عذاب کے خوف سے
اور رحمت کی اُمید میں) جن کے لئے خدا کا یاد کرنا ایک مجاہدہ اور خلافِ طبیعت عمل تھا
اور اس وقت ان کی کیفیت وہ ہوتی تھی، جس کو قرآن مجید میں :- "كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ
فِی السَّمَاءِ" (جیسے کہ ان کو آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے) کے بلیغ الفاظ میں بیان
کیا گیا ہے، اُن کے لئے خدا کو بھلانا، اس کی یاد سے غافل رہنا شدید ترین مجاہدہ،
اور نہایت تکلیف دہ سزا بن گئی، جو ذکر و عبادت کی فضا میں اس طرح بے چین
رہتے تھے جیسے پرندہ قفس میں، اُن کا حال یہ ہو گیا کہ اُن کو اگر ذکر و دُعا سے باز رکھا
جائے، اور اس پر پابندی عائد کیجائے، تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگیں۔
عبد و معبود کے رشتہ کے اس استحکام و دوام کے لئے نبوتِ محمدیؐ اور تعلیماتِ
نبوی نے جو ذرائع اختیار کئے اُن کے دو عنوان ہیں :- ایک ذِکر، دوسرے دُعا۔
رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذِکر کی جو تاکید فرمائی، اس کے جو فضائل و منافع
بیان فرمائے، اس کے جن اسرار و حِکَم کی نقاب کشائی فرمائی[1]، اس کے بعد ذِکر محض

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسی کتاب کے صفحات از ص۱۰ تا ص۸۹ ۔ ۱۲

ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت، فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ، رُوح کی غذا، اور دل کی دوا بن جاتا ہے، پھر اس کے لئے الہام خداوندی سے جو اوقات و مواقع، جو اسباب و محرکات تجویز فرمائے، اور ان کے لئے جو صیغے اور الفاظ تعلیم فرمائے، وہ توحید کی تکمیل کرنے والے، عبدیت کے قالب میں رُوح ڈالنے والے، قلب کو نور سے، زندگی کو سکینت و سُرور سے، اور فضا کو برکت و نورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں[1]، پھر وہ اسی قدر عمومی، پوری زندگی کی وسعت و تنوعات اور شب و روز کے اوقات پر محیط ہیں، کہ اگر ان کا ذرا بھی اہتمام کیا جائے تو پوری زندگی ایک مسلسل و مکمل ذکر میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور مشکل سے کوئی وقت، کوئی کام، کوئی نقل و حرکت، اور کوئی پیش آنیوالی حالت و تبدیلی اس کی رفاقت و شمولیت سے محروم رہتی ہے[2]۔

اس ذکر میں اگرچہ ہر وہ چیز شامل ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو، اور ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد ہو کر کیا جائے، اور اس کا سب سے بڑا مظہر، اور اعلیٰ نمونہ دُعا ہے، لیکن نبوتِ محمدیؐ نے دُعا کو دین کا ایک مستقل شعبہ بنا دیا، اور مذاہب و ملل، اور نبوت و روحانیت کی وسیع تاریخ کو سامنے رکھ کر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ نبوتِ محمدیؐ نے دُعا کے شعبہ کا جس طرح احیاء و تجدید، اور اسکی ترقی و تکمیل فرمائی، اور اس کو جو زندگی، قوت، وسعت، عمومیت، دل آویزی و دلکشی، تازگی و رعنائی، اور توانائی و بُرنائی عطا فرمائی، وہ نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئی نہ اس کے بعد، درحقیقت نبوتِ محمدیؐ جہاں کئی اور چیزوں کی مکمل اور خاتم ہے، وہاں شعبۂ دُعا کی بھی، اور یہ شعبہ بھی آپ کے ختم نبوت کی ایک دلیل، اور آپکے خاتم النبیین ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ازص ۴۱ تا ص ۶۷۔ [2] ملاحظہ ہو ازص ۱۷۷ تا ص ۲۴۵۔ ۱۲

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا ونفوسنا فداہ) نے محروم و مجوب انسانیت کو دوبارہ دُعا کی دولت عطا فرمائی، اور بندوں کو خدا سے ہمکلام کر دیا، اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی، بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی، اس مطرود انسانیت کو پھر اذنِ باریابی ملا۔ اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانہ کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا" ؎

بندہ آمد بر درت بگریختہ ٭ آبروئے خود بہ عصیاں ریختہ[1]

"نبوتِ محمدیؐ کی تجدید اور اس کا عمل تکمیل اسی پر ختم نہیں ہوتا، آپ نے ہمیں دُعا کرنا بھی سکھایا، آپ نے انسانیت کے خزانے کو اور دُنیا کے ادب کو دُعاؤں کے ان جواہرات سے مالامال کیا، جن کی نظیر اپنی آبداری و درخشانی میں صحفِ سماوی کے بعد مل نہیں سکتی، آپ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دُعا کی، جن سے زیادہ مؤثر اور بلیغ الفاظ، جن سے زیادہ موزوں و مناسب الفاظ انسان لا نہیں سکتا، یہ دُعائیں مستقل معجزات اور دلائلِ نبوت ہیں ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں، کہ وہ ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکلے ہیں، ان میں نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین ہے "عبدِ کامل" کا نیاز ہے، محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے فطرتِ نبوت کی معصومیت و سادگی ہے، دلِ دردمند و قلبِ مضطر کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے صاحبِ غرض و حاجت مند کا اصرار و اضطرار بھی ہے، اور بارگاہِ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی، دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے، اور چارہ ساز کی چارہ سازی اور دلنوازی کا یقین و سُرور بھی، درد کا اظہار بھی ہے، اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ ع

دردہا دادی و درمانی ہنوز

"پھر پیغمبرِ انسانیت نے دُعا میں انسانوں کی طرف سے انسانی ضروریات کی بھی ایسی مکمل نیابت کی ہے، کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہر زمان و مکان میں اِن

---

[1] مندرجہ بالا عبارت مقدمہ نگار کے رسالہ "سیرتِ محمدیؐ دُعاؤں کے آئینے میں" ص ۱۲ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

دعاؤں میں اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی نمائندگی، اور اپنے اطمینان کا سامان ملے گا اور بہت سی وہ ضرورتیں ملیں گی، جن کی طرف آسانی سے ہر انسان کے ذہن کا جانا مشکل ہے۔"[1]
یہی وہ حقیقتیں ہیں جن کو "معارف الحدیث" کی اس جلد پنجم میں جس کے تعارف و تقدیم کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، دلنشین و دل پذیر اور عام فہم و سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان کی بنیاد حدیث کے صحیح و مستند ذخیرے، حتی الامکان صحاح، اور حدیث کے معتبر شروح، علمائے متقدمین کی تحقیقات، اور اپنے طویل مطالعہ و تجربہ پر رکھی گئی ہے، یہ محض احادیث صحیحہ کا ایک انتخاب، ضروری ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایسے عالم کے فہم حدیث، فکر و نظر اور ذوقِ سلیم کا نتیجہ ہے، جس نے کامل الفن اساتذہ سے (جن میں سرآمد علمائے متأخرین حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سب سے نمایاں ہے) پوری محنت و توجہ کیساتھ علم حدیث حاصل کیا، پھر سالہا سال مدارس میں اس کا درس دیا، شراح حدیث کی محنتوں اور تحقیقات سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد سے اسوقت تک دعوت و اصلاح، اور تحریر و تصنیف کے کام میں مصروف رہا، اور اس طرح مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے ذہن و دماغ، فہم و استعداد اور ان کی ضرورتوں اور الجھنوں سے اس کو وسیع اور گہری واقفیت کا موقع ملا، اور "کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم" کی وصیت و ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی، پھر ذوقی طور پر اس جلد کے موضوع ذکر و دعا سے اللہ تعالیٰ نے مصنّف محترم کو خاص مناسبت، اور اس سے بہرۂ وافر عطا فرمایا، اور اس طرح یہ موضوع اُن کے لئے محض علمی ذہانت کا نتیجہ نہیں رہا، بلکہ ذوقی و طبعی بن گیا، ان تمام وجوہ سے جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں اُن کو اس موضوع پر لکھنے کا استحقاق حاصل تھا، اور بلا کسی مدح و تملق کے عرض کیا جاتا ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرنے میں بہت کامیاب ہوئے، اور

[1] واوین کے درمیان کی عبارتیں مقدمہ نگار کے رسالہ "سیرت محمدی دعاؤں کے آئینے میں" سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲

اِس موضوع پر اُردو میں ایک ایسی جامع و مفید، اور مؤثر و دلپذیر کتاب تیار ہوگئی جس میں ہزاروں صفحات کا عطر اور ضخیم کتابوں کا خلاصہ آگیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا کو فیصلہ کن اور جنچی تلی بات کہنے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے وہ اس میں بخوبی نمایاں ہے، اسماءِ حسنیٰ اور ان کے اسرار و حِکَم، اور صلوٰۃ و سلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اس کتاب کے محاسن میں ہے، درود و سلام کی حکمت پر جو کچھ اس کتاب میں آگیا ہے، وہ بڑا قیمتی ہے، اور بیسیوں صفحات پر بھاری ہے[1] اس سلسلہ میں "آل" پر بڑی منصفانہ اور متوازن گفتگو کی گئی ہے، اور اس میں نقطۂ اعتدال ملحوظ رہا ہے[2]۔

اِس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اِس میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیقات کو قولِ فیصل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور اکثر مقامات پر اُن سے استفادہ کیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقامِ تجدید و اجتہاد عطا فرمایا تھا، اور حکمتِ دین، و فہمِ حدیث کا جو ملکۂ راسخہ ان کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا، اور اُنکی تحقیقات میں اس زمانہ کے ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے، وہ کسی انصاف پسند اور عقلِ سلیم رکھنے والے سے مخفی نہیں اس بنا پر اس کتاب کی افادیت، اور علمی قدر و قیمت اور بڑھ گئی۔ شاہ صاحبؒ کے ماسوا انھوں نے حافظ ابنِ قیمؒ، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ، اور حافظ ابنِ حجرؒ، بالخصوص اُنکی بے نظیر کتاب "فتح الباری" سے پورا استفادہ کیا، اس طرح سے یہ کتاب اُن لوگوں کو جن کا مطالعہ اُردو تک محدود ہے، ائمۂ سلف، اور محققینِ اُمت کے نتائجِ تحقیق سے متعارف کراتی ہے، اور اس نسل اور علمائے متقدمین کے درمیان علمی رابطہ کا کام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مسلمانوں کو اس مفید سلسلہ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص اِس جلد سے جو خالص عملی اور ذوقی ہے، ذکر اور دعا کی دولت حاصل کرنے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی زندہ اور تابندہ اور دائم و قائم تعلق کے پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ———— "ابوالحسن علی ندوی"

[1] ملاحظہ ہو ص ۳۵۵ ـ [2] ملاحظہ ہو ص ۳۸۵ ـ ۱۲

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمداً وسلاماً

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ اور آپ کی ہدایت و تعلیم کا ہر باب اور ہر شعبہ اہلِ نظر کے لئے آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے، لیکن ایک خاص شعبہ کو اس لحاظ سے امتیاز حاصل ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی محبت و خشیت، اخبات و انابت، اور اس کی رحمت اور جلال و جبروت کا دائمی استحضار اور ذکر یا دعا کی شکل میں اس کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق و وابستگی۔ جس کا اندازہ مختلف احوال و اوقات کی آپ کی دعاؤں اور اُن اذکار سے ہوتا ہے جو آپ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ دوسروں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے ——— صحابۂ کرامؓ اور بعد کے راویانِ حدیث نے آپ کی میراث کے اس عزیز ترین ذخیرے کو لفظ بہ لفظ محفوظ کرنے کا ——— قریب قریب قرآن مجید کی طرح ——— خصوصی اہتمام کیا تھا، اس لئے الحمدللہ وہ پورا سرمایہ محفوظ ہے، اور یہ آپ کا وہ زندہ جاوید معجزہ ہے جو آج بھی پوری تابانی کے ساتھ روشن ہے، اور جس کو دیکھ کے اور جس میں غور و فکر کر کے ہر معمولی عقل و فہم والا انسان اگر چاہے تو آج بھی آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں وہ یقین و اطمینان حاصل کر سکتا ہے جو آپ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو دیکھ کے حاصل کیا جا سکتا تھا۔

راقم سطور کو جب کبھی غیر مسلموں میں سے کسی ایسے شخص سے گفتگو کرنے کا موقع ملا جس کے متعلق

اندازہ ہوا کہ اللہ کے اس بندے کی فطرت سلیم ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے آمادہ ہے، تو اس کے سامنے سب سے پہلے آپ کی زندگی اور آپ کی تعلیم کا بھی تصور رکھا ۔۔۔۔۔ مثلاً اس سلسلہ میں یہ تاریخی واقعہ کا ذکر کیا کہ اب سے قریباً چودہ سو سال پہلے آپ ایک ایسے ملک اور ایسے ماحول میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے جو معرفتِ الٰہی اور خدا آشنائی کے نور سے بالکل خالی تھا اور جہاں کفر و شرک اور خدا فراموشی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، پھر آپ نے لکھنا پڑھنا بھی بالکل نہیں سیکھا، بلکہ "اُمّی" رہے، یعنی ماں کے پیٹ سے جیسے بے پڑھے لکھے پیدا ہوئے تھے ویسے ہی رہے، اس لئے کسی کتاب اور تحریری سرمایہ سے استفادہ کا بھی آپ کے لئے امکان نہیں تھا۔ ایسی حالت میں انسانی فطرت کے عام تجربہ کے لحاظ سے آپ کا جو حال اور جو رنگ ڈھنگ ہونا چاہئے تھا اُس کا اندازہ کرنا کسی کے لئے بھی مشکل نہیں ہے۔

اِس کے بعد میں نے اُن کو مختلف احوال و اوقات کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کچھ دعائیں، اور اللہ کی حمد و تسبیح، توکل و تفویض اور استغاثہ و استغفار کے بعض کلمات جو آپ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے، ترجمہ کے ساتھ سنائے، اور اللہ کی توفیق کے مطابق ان کے مطالب کی کچھ وضاحت کی اور اُن سے کہا کہ اب آپ عقیدت و احترام اور مخالفت و عناد کے تمام جذبات و خیالات سے اپنے دل و دماغ کو خالی کر کے سوچئے اور بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ معرفت، اُس کے جلال و جبروت اور اس کی رحمت کے دائمی استحضار کی یہ کیفیت اور یہ ہمہ وقتی تعلق و وابستگی جو ذکر و دُعا کے ان کلمات میں آپ نے محسوس کی، یہ آپؐ کو کہاں سے حاصل ہو گئی تھی؟ ۔۔۔۔ میں نے اُن سے کہا کہ جو شخص ہٹ دھرمی سے کام نہ لے وہ یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش و عنایت سے وحی اور الہام کے راستہ سے آپ کو حاصل ہوا تھا، اس کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہ کر سکے گا۔

اِس عاجز کا تھوڑی حد تک تجربہ ہے کہ جس کے سامنے بھی یہ بات اس طرح رکھنے کا موقع ملا،

اُس نے کم از کم اپنے انتہائی تاثر کا اظہار اور آپ کی غیر معمولی روحانی عظمت کا اعتراف ضرور کیا۔ ان میں سے بعض خوش نصیبوں کو ایمان کی بھی توفیق ملی اور انھوں نے آپ کو اللہ کا نبی و رسُول مان کر آپ کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔

یہ تجربہ تو غیر مسلموں کے بارے میں ہوا اور بار بار ہوا۔ خود اپنا حال یہ ہے کہ اگر شیطان کبھی کوئی تشکیکی وسوسہ دل میں ڈالتا ہے تو اپنے ایمان و یقین کی تجدید اور "لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" والی اطمینانی کیفیت اپنے باطن میں پیدا کرنے کے لئے یہی نسخہ استعمال کرتا ہوں، یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ اذکار و دعوات میں تفکر کرتا ہوں[۱] الحمد للہ اس سے ہر وسوسہ کافور ہو کر اُڑ جاتا ہے اور ذہن و قلب یقین و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں کتاب اللہ اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اُمّت کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دین و شریعت کی جو نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اُس کے تمام شعبوں میں ذکر و دُعا کی حیثیت اصل مقصود اور مغز کی ہے۔ حتیٰ کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ عبادات کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ اُن کا خاص مقصد اور ان کی رُوح ذکر و دُعا ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ بندہ کا کوئی عمل اور اس کی کوئی قربانی خواہ دنیا میں اس کو کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو اللہ کی نگاہ میں ذکر و دُعا کے برابر نہیں ——— بلکہ جس طرح کوئی غذا معدہ کے لئے اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں نمک یا شیرینی یا ترشی کی آمیزش نہ ہو اسی طرح اللہ کے یہاں کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جب تک اُس میں ذکر و دُعا کا عنصر شامل نہ ہو[۱]۔

پھر یہ بھی ایک معلوم و مسلّم حقیقت ہے کہ ذکر و دُعا اللہ تعالیٰ کے قربِ خصوصی اور حصولِ مقامِ ولایت کا خاص الخاص وسیلہ ہے، اور اُمّت میں جن لاکھوں کروروں بندگانِ خدا کو

---

[۱] مفتور ہے اصل کتاب کے ابتدائی صفحات ہی میں وہ آیات و احادیث ناظرین کے سامنے آجائیں گی جن سے ذکر و دُعا کے بارے میں یہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ۱۲

یہ دولت نصیب ہوئی ہے اُن کی زندگیوں میں ذکر و دُعا کا عنصر غالب اور نمایاں رہا ہے۔

ذکر و دُعا کے شعبہ کی اس خصوصی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے بڑی آرزو تھی ——— کہ "معارف الحدیث" کی تالیف کے سلسلہ میں اذکار و دعوات والی احادیث کے ترجمہ و تشریح کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ اس بندہ سے لے لے، اور میرے اعمالنامہ میں یہ بھی درج ہو جائے۔ الحمد للہ یہ آرزو پوری ہو گئی، اور چار سو صفحات کی یہ مستقل جلد "کتاب الاذکار والدعوات" تیار ہو گئی ——— میں اپنے اس حال کا اظہار بھی بہتر سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی اس عنایت و توفیق پر مجھے بے حد خوشی اور شادمانی ہے ——— کاش! میں اس عظیم نعمت کا کچھ شکر ادا کر سکتا۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس ع ۶)[1]

مجھ گنہگار کو اپنے رب کریم کی رحمت سے اس کی بھی پوری اُمید ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب میرے لئے اور اُن بے شمار پڑھنے والوں کے لئے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُس میراث کی قدر اور اُس سے استفادہ کریں گے جو اس میں پیش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۔

اِس جلد کے متعلق کچھ ضروری باتیں!

(۱) اس جلد میں اذکار و دعوات سے متعلق ۴۰۲ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے پہلی جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر "مشکوٰۃ المصابیح" اور "جمع الفوائد" سے لی گئی ہیں۔ کچھ حدیثیں "کنز العمال" سے بھی لی گئی ہیں۔ اور تخریج میں انہی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے بعض حدیثیں براہ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔

(۲) جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہے اُس کی روایت اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی کی گئی ہو، لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے طریقہ کی پیروی میں حوالہ صرف صحیحین ہی کا دیا

[1] اللہ کے فضل و انعام اور اُس کی رحمت پر بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں سے کسی ایک میں ہونا بھی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے اس پر علماءِ فن کا قریب قریب اتفاق ہے۔

(۳) اصل مقصد چونکہ تذکیر و تفہیم ہے اس لئے حدیثوں کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ صحیح مطلب کی وضاحت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی چاروں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی، اور اب بھی یہی ہے ـــــ کہ حدیثِ نبوی کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے، اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں ـــــ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا، جو عہدِ نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی ـــــ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کیلئے حسنِ توفیق کی استدعا، اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!۔

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ ـ ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء

معارف الحدیث جلد پنجم

کتاب الاذکار والدعوات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا
وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔

الاحزاب ۴۱-۴۲

اے ایمان والو (دل وزبان سے) اللہ کو خوب یاد کیا کرو ۔ اور
(خاصکر) صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ
مِنَ الْمُحْسِنِينَ

الاعراف -۵۶

اور (اپنی خطاؤں پر اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے
اور (اس کے رحم وکرم سے) اُمیدیں رکھتے ہوئے اللہ سے دُعائیں
کیا کرو۔ خدا کی رحمت اُن بندوں سے قریب ہے جو نیک کردار ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسی سلسلہ معارف الحدیث میں "کتاب الطہارۃ" کے بالکل شروع میں "حجۃ اللہ البالغہ" کے حوالہ سے حضرت شاہ ولی اللہؒ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے کہ :——

"اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح وسعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں، اور ہر باب کے تحت سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں، لیکن اپنی اس بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں :— طہارت[۱]، اخبات[۲]، سماحت[۳]، عدالت[۴]"

یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان چاروں میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت ان ہی چار شعبوں میں منقسم ہے۔

جلد سوم میں (کتاب الطہارۃ) کے شروع میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اس سلسلۂ کلام کا صرف وہ حصہ تلخیص کے ساتھ نقل کیا گیا تھا جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی تھی۔

اخبات کی حقیقت کے بارے میں جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اُس کو مختصر

الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ

"تحیر اور خوف و محبت کی کیفیات اور رضا جوئی و عنایت طلبی کے
جذبہ کے ساتھ اللہ ذوالجلال والجبروت کے حضور میں ظاہر و باطن سے
اپنی بندگی و نیازمندی اور محتاجی و رحمت طلبی کا اظہار ہے"۔

اسی کا دوسرا معروف عام عنوان **عبادت** ہے اور وہی انسانوں کی تخلیق کا خاص مقصد ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے سعادت کے ان چاروں شعبوں پر حجۃ اللہ البالغہ مقصد دوم میں ابواب الاحسان کے ذیل میں بھی کلام فرمایا ہے، وہاں فرماتے ہیں کہ: "ان میں سے پہلی چیز یعنی **طہارت** کی تحصیل کے لئے وضو اور غسل وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری بنیاد یعنی **اخبات** کی تحصیل کا خاص وسیلہ نماز اور اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت ہے[1]"۔

بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ذکر اللہ ہی **اخبات** کا مخصوص وسیلہ ہے اور اور نماز اور تلاوت اور اسی طرح دعا بھی اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔

بہرحال نماز اور ذکر اللہ اور تلاوتِ کلام مجید، ان سب کی غرض و غایت اسی مبارک صفت کی تحصیل و تکمیل ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **اخبات** کے عنوان سے ادا کیا ہے، اس لئے یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔

نماز کے بارے میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی احادیث، اور آپ کے ارشادات و معمولات اللہ کی توفیق سے اس سلسلہ کی تیسری جلد میں پیش کئے جا چکے۔ اذکار و دعوات اور تلاوتِ قرآن مجید سے متعلق حدیثیں اب اس پانچویں جلد میں پیش کی جا رہی ہیں ——
اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے اس گنہگار بندے کو، اور پڑھنے والے حضرات کو ان احادیث پاک پر عمل کرنے اور پورا نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] ابواب الاحسان حجۃ اللہ البالغہ (جلد دوم ص۔۔۔)۔

ذکر اللہ کی عظمت
اور
اس کی برکات

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے "ذکر اللہ" اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوتِ قرآن اور دعا و استغفار وغیرہ سب ہی کو شامل ہے، اور یہ سب اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفاتِ کمال کے بیان اور دھیان کو "ذکر اللہ" کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے صراحۃً معلوم ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور انسان کی روحانی ترقی اور ملاءِ اعلیٰ سے اس کے ربط کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

شیخ ابن القیم نے "مدارج السالکین" میں ذکر اللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کی برکات پر ایک بڑا بصیرت افروز اور روح پرور مضمون لکھا ہے، اُس کے ایک حصہ کا خلاصہ ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں ——— آگے درج ہونیوالی احادیث میں ذکر اللہ کی جو عظمت بیان ہوگی اِس مضمون کے مطالعہ کے بعد اُس کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہوگا۔ فرماتے ہیں: ———

قرآن مجید میں ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب کے ہم کو مندرجۂ ذیل دس عنوانات ملتے ہیں: ———

(۱) بعض آیات میں اہلِ ایمان کو تاکید کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے ——— مثلاً ارشاد فرمایا گیا ہے: ———

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ أَصِيْلًا ۔ (احزاب ع ۵)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :—

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً ۔ (اعراف۔ ع ۲۴)

اور اپنے رب کا ذکر کرو اپنے جی میں (یعنی دل سے) گڑگڑا کر اور خوف کی کیفیت کے ساتھ۔

(۲) بعض آیات میں اللہ کو بھولنے اور اس کی یاد سے غافل ہونے سے شدّت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی ذکر اللہ کی تاکید ہی کا ایک عنوان ہے — مثلاً ارشاد ہے :—

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ۝ (اعراف۔ ع ۲۴)

اور نہ ہونا تم غفلت والوں میں سے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :—

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۔ (الحشر۔ ع ۳)

اور تم ان میں سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر (اس کی پاداش میں) اللہ نے ان کو اُنکے نفس بھلا دیئے (اور خدا فراموشی کے نتیجہ میں وہ خود فراموش ہوگئے)۔

(۳) بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ فلاح اور کامیابی اللہ کے ذکر کی کثرت کے ساتھ وابستہ ہے — ارشاد ہے :—

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الجمعہ ع ۲)

اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، پھر تم فلاح و کامیابی کی امید کر سکتے ہو۔

(۴) بعض آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ذکر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ذکر کے صلہ میں ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ کیا جائے گا، اور اُن کو اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا ـــــ چنانچہ سورۂ احزاب میں ایمان والے بندوں اور بندیوں کے چند دوسرے ایمانی اوصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے :ـــــ

..... وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (الاحزاب، ع ۵)	..... اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اس کے بندے اور اس کی بندیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لئے تیار کر رکھی ہے خاص بخشش اور عظیم ثواب۔

(۵) اسی طرح بعض آیات میں آگاہی دی گئی ہے کہ جو لوگ دنیا کی بہاروں اور لذتوں میں منہمک اور مست ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں گے وہ ناکام اور نامراد رہیں گے ـــــ مثلاً سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا گیا ہے :ـــــ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون، ع ۲)	اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے، اور جو لوگ اس غفلت میں مبتلا ہوں گے وہ بڑے گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

یہ تینوں عنوان بھی ذکر اللہ کی تاکید اور ترغیب کے لئے بلاشبہ بڑے

مؤثر ہیں۔

(۶) بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے ہمیں یاد کریں گے ہم ان کو یاد کریں گے اور یاد رکھیں گے۔

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ (بقرۃ ۔ ع ۱۸)

میرے بندو! تم مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا، اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ بندے کی اس سے بڑی سعادت و کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات کا خالق و مالک اس کو یاد کرے اور یاد رکھے۔

(۷) بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ذکر کو ہر چیز کے مقابلہ میں عظمت و فوقیت حاصل ہے، اور اس کائنات میں وہ ہر چیز سے بالاتر اور بزرگ تر ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۝ (عنکبوت، ع ۵)

اور یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔

بیشک اگر بندے کو عرفان نصیب ہو تو اللہ کا ذکر اس کے لئے اس ساری کائنات سے عظیم تر ہے۔

(۸) بعض آیات میں بڑے اونچے درجہ کے اعمال کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ان کے اختتام پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے، گویا ذکر اللہ ہی کو ان اعمال کا "خاتمہ" بنانا چاہئے ـــــ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ـــــ

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

جب تم نماز ادا کر لو تو اللہ کا ذکر

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ۔	کرو (ہر حال میں) کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے۔

(النساء، ع ۱۵) ——————

اور خاص جمعہ کی نماز کے بارے میں ارشاد ہے: ——————

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔	جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو (اجازت ہے) کہ تم (مسجد سے نکل کر اپنے کام کاج کے سلسلہ میں) زمین میں چلو پھرو، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اس حالت میں بھی اللہ کا خوب ذکر کرو، پھر تم فلاح کی اُمید کر سکتے ہو۔
(الجمعہ، ع ۲)	

اور حج کے بارے میں ارشاد ہے: ——————

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔	پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر کے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم (تفاخر کے طور پر) اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔
(بقرہ، ع ۲۵)	

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ درجہ کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد بھی بندہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ ان سے فراغت کے بعد بھی اس کے دل میں اور اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے، اور اسی کو ان اعمال کا خاتمہ بننا چاہئے۔

(۹) بعض آیات میں ذکر اللہ کی ترغیب اس عنوان سے دی گئی ہے کہ

دانش مند اور صاحب بصیرت بندے وہی ہیں جو ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہوں وہ عقل وبصیرت سے محروم ہیں ـــــــ مثلاً سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں ارشاد فرمایا گیا ہے :ـــــــ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق میں
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ	کھلی نشانیاں ہیں، اُن اربابِ دانش
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ	کے لئے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے
یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ	کی حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں
قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔	(اور اس سے غافل نہیں ہوتے)۔

(آل عمران، ع ۲۰) ـــــــ

(۱۰) بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونچے سے اونچے اعمالِ صالحہ کا مقصد اور ان کی رُوح ذکر اللہ ہے ـــــــ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد ہے :ـــــــ

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ، ع ۱)　　میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

اور مناسکِ حج کے بارے میں رسُول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے :ـــــــ

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ	بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ
وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ	کے درمیان سعی، اور جمرات کی رمی،
وَرَمْیُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ	یہ سب چیزیں ذکر اللہ ہی کے لئے
ذِکْرِ اللّٰهِ۔	مقرر ہوئی ہیں۔

اور جہاد کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے :——

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ (انفال، ع ۶)	اے ایمان والو! جب تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے کسی دشمن فوج سے، تو ثابت قدم رہو (اور قدم جما کے جنگ کرو) اور اللہ کا ذکر کرو، اُمید ہے کہ تم فلاح یاب ہوگے ۔

اور ایک حدیثِ قدسی میں ہے :——

إِنَّ عَبْدِي كُلَّ عَبْدِي الَّذِي يَذْكُرُنِي وَهُوَ مُلَاقٍ قِرْنَهُ ۔	میرا بندہ مکمل بندہ وہ ہے جو اپنے حریف مقابل سے جنگ کے وقت بھی مجھے یاد کرتا ہے ۔

قرآن و حدیث کے ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز سے لیکر جہاد تک تمام اعمالِ صالحہ کی رُوح اور جان ذکر اللہ ہے —— اور یہی ذکر اور دل و زبان سے اللہ کی یاد وہ پروانۂ ولایت ہے کہ جس کو عطا ہو گیا وہ واصل ہو گیا، اور جس کو عطا نہیں ہوا وہ دُور اور مہجور رہا۔ یہ ذکر اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور ذریعۂ حیات ہے، اگر وہ ان کو نہ ملے تو جسم ان قلوب کے لئے قبور بن جائیں۔ اور ذکر ہی سے دلوں کی دنیا کی آبادی ہے، اگر دلوں کی دنیا اس سے خالی ہو جائے تو بالکل ویرانہ ہو کر رہ جائے۔ اور ذکر ہی اُن کا وہ ہتھیار ہے جس سے وہ روحانیت کے رہزنوں سے جنگ کرتے ہیں، اور وہی اُن کے لئے وہ ٹھنڈا پانی ہے جس سے وہ اپنے باطن کی آگ بجھاتے ہیں، اور وہی اُن کی بیماریوں کی وہ دوا ہے کہ اگر ان کو نہ ملے تو ان کے دل گرنے لگیں، اور وہی وسیلہ ربط ہے اُن کے اور اُن کے

علّام الغیوب رب کے درمیان ـــــ کیا خوب کہا گیا ہے ۔ ؎

إِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ ❊ فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں اور جب کسی وقت یاد سے غافل ہو جائیں تو مرنے لگتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بینا آنکھوں کو روشنی اور بینائی سے منوّر کیا ہے اسی طرح ذکر کرنے والی زبانوں کو ذکر سے مزیّن فرمایا ہے، اسی لئے اللہ کی یاد سے غافل زبان اُس آنکھ کی طرح ہے جو بینائی سے محروم ہے اور اُس کان کی طرح ہے جو شنوائی کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور اُس ہاتھ کی طرح ہے جو مفلوج ہو کر بیکار ہو گیا ہے ۔

ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو حق جل جلالہٗ اور اس کے بندے کے درمیان کھلا ہوا ہے اور اس سے بندہ اس کی بارگاہِ عالی تک پہونچ سکتا ہے ۔ اور جب بندہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے ـــــ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے ۔ ؎

فَنِسْيَانُ ذِكْرِ اللهِ مَوْتُ قُلُوبِهِمْ ❊ وَأَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُورِ قُبُورُ

وَأَرْوَاحُهُمْ فِي وَحْشَةٍ مِنْ جُسُومِهِمْ ❊ وَلَيْسَ لَهُمْ حَتَّى النُّشُورِ نُشُورُ

[اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا اور فراموش کر دینا ان کے قلوب کی موت ہے ، اور اُن کے جسم زمین والی قبروں سے پہلے اُن کے مُردہ دلوں کی قبریں ہیں

اور اُن کی روحیں سخت وحشت میں ہیں اُن کے جسموں سے، اور اُن کے لئے قیامت اور حشر سے پہلے زندگی نہیں ۔]

(ملخصاً من کلام الشیخ ابن القیم فی مدارج السالکین)

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مندرجۂ بالا اقتباس میں ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب کے

جن دس عنوانات کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ان کے علاوہ بھی بعض عنوانات سے ذکر اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:—

"قلوب کو (یعنی اللہ سے رابطہ رکھنے والوں کے دلوں اور ان کی روحوں کو) اللہ کے ذکر ہی سے چین و اطمینان حاصل ہوتا ہے" — اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین اور سکون ملتا ہے)۔

ذکر اللہ کی تاثیر اور برکت کے بارے میں ایک دوسرے ربانی محقق اور صوفی صاحب "ترصیع الجواہر المکیہ" کے چند فقروں کا ترجمہ بھی پڑھ لیا جائے۔ آگے درج ہونیوالی اس باب کی احادیث کے سمجھنے میں انشاء اللہ اس سے بھی خاص مدد ملے گی —— فرماتے ہیں:—

"قلوب کو نورانی بنانے اور اوصافِ ردیہ کو اوصافِ حمیدہ میں تبدیل کردینے میں سب طاعات و عبادات سے زیادہ زود اثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔"

خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:—

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔	بلاشبہ نماز گندی اور ناشائستہ باتوں سے روکتی ہے اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ اللہ کا ذکر بہت ہی بڑی چیز ہے۔

اور اکابر نے فرمایا ہے کہ:—

"ذکر کا عمل قلب کو صاف کرنے میں بالکل ویسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ تانبے کو صاف کرنے اور مانجھنے میں بالو۔ اور باقی دوسری عبادات کا عمل قلوب کی صفائی کے بارے میں ویسا ہے جیسا کہ تانبے کے

صاف کرنے میں صابون کا عمل "۔۔۔۔۔۔۔۔ (ترصیع الجواہر المکیہ)

اِس تمہید کے بعد ذکر اللہ کی عظمت اور برکات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھئے! :۔۔۔۔۔۔۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کے کچھ بندگانِ خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:۔۔۔۔۔۔۔

"اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت وسکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے"

(حجۃ اللہ البالغہ، ص۷۰ جلد۲)

اِس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کے لئے چار خاص نعمتوں کا ذکر

کیا گیا ہے :- ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رحمتِ الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے، اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری نعمت اُن کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ اُن کے قلب پر "سکینت" نازل ہوتی ہے، جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے ـــــ یہاں سکینت سے مُراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے، اسی کو اہلِ سلوک "جمعیتِ قلبی" بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحبِ سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے ـــــ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ :ـــــ دیکھو آدمؑ ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنھوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں، اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و شوق اور کیسے سوز و گداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں ـــــ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ـــــ اللہ تعالیٰ اِس سے محروم نہ رکھے۔

(فائدہ) اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی ذاکر بندہ اپنے قلب و باطن میں "سکینت" کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اس کو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی وہ ذکر کے اُس مقام تک نہیں پہونچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موعود ہیں، یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں جو آثارِ ذکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ بہرحال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنا چاہیئے۔ ربِّ کریم کے وعدے برحق ہیں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِیَةُ عَلٰی حَلْقَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ؟ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا غَيْرُهُ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَمَا كَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا مِنِّیْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ هٰهُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰی مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ؟ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذَالِكَ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنَّهٗ اَتَانِیْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِیْ بِكُمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم ایک حلقہ پر پہونچے تو آپ نے اُن اہلِ حلقہ سے پوچھا: تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم بیٹھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔ کیا اللہ کی قسم! تم صرف ذکر اللہ ہی کے لئے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا۔ قسم بخدا! ہمارے بیٹھنے کا کوئی اور مقصد اللہ کے ذکر کے سوا نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے کسی بدگمانی کی بنا پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس درجہ کا تعلق اور قرب مجھے حاصل تھا اس درجہ کے تعلق والا کوئی آدمی آپ کی حدیثیں مجھ سے کم بیان کرنے والا نہیں ہے (یعنی میں روایت حدیث میں بہت

زیادہ احتیاط کرتا ہوں اس لئے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہت کم حدیثیں بیان کرتا ہوں مگر اس وقت ایک حدیث ذکر کرتا ہوں اور میں نے اسی کی پیروی میں آپ لوگوں سے قسم لی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے اصحاب کے ایک حلقہ کے پاس پہونچے، آپؐ نے اُن سے پوچھا:۔ آپ لوگ یہاں کیوں جڑے بیٹھے ہیں؟۔ انھوں نے عرض کیا:۔ ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور اُس نے جو ہم کو ہدایت سے نوازا اور ایمان واسلام کی توفیق دے کر احسانِ عظیم فرمایا اس پر اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔ کیا قسم اللہ کی! تم اسی لئے بیٹھے ہو؟۔ انھوں نے عرض کیا:۔ قسم اللہ تعالیٰ کی! ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں اور یہی کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تمھیں معلوم ہو کہ میں نے تمھارے ساتھ کسی بدگمانی کی بنا پر تم سے قسم نہیں لی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی جبرئیل امینؑ میرے پاس آئے اور انھوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فخر ومباہات کے ساتھ فرشتوں سے تم لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کے اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اُس کی باتیں کرنا، اُس کی حمد وتسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کے لئے اپنی رضا کا اظہار فرماتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ أَنَا مَعَ عَبْدِي إِذَا ذَكَرَنِي وَ تَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ ——————— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں

اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اُس وقت میں اپنے اُس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔"

(صحیح بخاری)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے جو اس کائنات کی ہر اچھی بُری چیز کو اور ہر مومن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ سے دُور نہیں، اللہ ہر چیز کو محیط ہے، ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے وہ یہی رضا اور قبول والی معیت ہے اور حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کے لئے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً حاصل ہو جاتی ہے، وہ میری چاہت میں میرا ذکر کرتا ہے اور میں اُس وقت اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں۔ اس طرح اسے وہ دولت نقد مل جاتی ہے جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے — اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب، اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

(۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے۔ اور میں اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں اس طرح یاد کرے کہ کسی اور کو خبر بھی نہ ہو تو میں بھی اس کو اسی طرح یاد کروں گا۔ اور اگر وہ دوسرے لوگوں کے سامنے مجھے

یاد کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا (یعنی ملائکہ کی جماعت میں اور ان کے سامنے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جملے (اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ) کا مطلب یہ ہے کہ بندہ میرے بارے میں جیسا یقین قائم کرے گا تو میرا معاملہ اس کے ساتھ بالکل اسی کے مطابق ہوگا۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں رحم اور کرم کا یقین کرے تو اللہ تعالیٰ کو رحیم و کریم ہی پائے گا۔ اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا یقین کرے اور اسی کے مطابق عمل کرے ———

حدیث کے آخری حصہ میں جو فرمایا گیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مجھے خلوت میں اس طرح یاد کرتا ہے کہ اُس کے اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی تو میری عنایت بھی اُس کے ساتھ اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

اور جب بندہ جلوت میں اور دوسروں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے (جس میں دعوت و ارشاد اور وعظ و نصیحت بھی داخل ہے) تو اس بندہ کے ساتھ اپنے تعلق اور اس کی قبولیت کا ذکر میں فرشتوں کے سامنے بھی کرتا ہوں، جس کے بعد وہ بندہ فرشتوں میں مقبول و محبوب ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد اس دنیا میں بھی اس کو قبولِ عام اور محبوبیتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی سنت اللہ کا یہ ظہور ہے کہ بہت سے عرفاء کاملین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص تعلق کا اخفا کرتے ہیں اگرچہ اللہ کے ہاں اُن کو مقبولیت کا خاص الخاص مقام حاصل ہوتا ہے، لیکن دنیا میں ان کو پہچانا بھی نہیں جاتا، اور جن کا تعلق باللہ اور دعوت الی اللہ ظاہر اور جلی قسم کی ہوتی ہے اُن کو دنیا میں بھی مقبولیتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِىْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِيْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ

قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ ــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں مکۃ المکرمہ کی طرف تشریف لئے جا رہے تھے، راستے میں جُمدان نامی پہاڑ پر سے گزر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:۔ یہ پہاڑ جمدان ہے مُفَرِّدُوْن سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا:۔ مُفَرِّدُوْن کون لوگ ہیں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں ــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینۂ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے ــــــ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصۂ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:۔ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟۔ جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا، تو وہ کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو، مبارک ہو! ــــــ معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انھوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ نے یہ بات فرمائی کہ مُفَرِّدُوْن یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفَرِّدُوْن کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تبتّل ہے (وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا) پس "الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ" سے

مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہوا اور جنہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہٗ کو اپنا قبلۂ مقصود بنا لیا ہو۔

دوسرے تمام اعمال کے مقابلہ میں ذکر اللہ کی فضیلت :۔۔۔۔۔

(۶) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَ اَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَ اَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ ۔۔۔۔۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے، اور تمہارے درجوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے، اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے، اور اُس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارو اور وہ تمہیں ذبح کریں اور شہید کریں؟۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہؐ! ایسا قیمتی عمل ضرور بتائیے!۔ آپؐ نے فرمایا:۔ وہ اللہ کا ذکر ہے ۔۔۔۔۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" کی تشریح و تفسیر ہے۔ بیشک "ذکر اللہ" اس لحاظ سے کہ وہ اصلاً و بالذات مقصدِ عالی ہے اور اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا سب سے قریبی ذریعہ ہے، وہ دوسرے تمام اعمال سے بہتر و بالاتر ہے اور یہ اُس کے منافی نہیں ہے کہ

کسی خاص حالت میں اور کسی ہنگامی موقع پر صدقہ اور انفاق لوجہ اللہ یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے ـــــــ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عمل ایک اعتبار سے افضل و اہم ہو اور دوسرے اعتبار سے کوئی دوسرا عمل زیادہ اہمیت رکھتا ہو ـــــــ آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیثوں کا مطلب و مدعا بھی قریب یہی ہے اور ان میں سے ہر حدیث سے دوسری حدیث کی شرح اور تائید ہوتی ہے۔

(۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ؟ وَأَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمِنَ الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذَّاكِرَ لِلّٰهِ أَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً ـــــــ

ـــــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! بندوں میں کون (یعنی کس عمل کا کرنے والا) سب سے افضل ہے، اور قیامت میں کس کو اللہ کے ہاں زیادہ بلند درجہ ملنے والا ہے؟ ـــــــ آپؐ نے فرمایا، ـــ اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے بندے اور زیادہ یاد کرنے والی بندیاں۔ (یعنی افضلیت اور قیامت میں درجہ کی بلندی انہیں کے لئے ہے) ـــــــ عرض کیا گیا: ـــ یا رسول اللہؐ! کیا ان لوگوں کا درجہ اُس بندہ سے بھی اونچا ہے، جو (سربکف ہو کر) راہِ خدا میں جہاد کرے؟ ـ آپؐ نے فرمایا: ـــ اگر کسی بندہ نے (اس طرح جہاد میں جانبازی کی کہ) دشمنانِ حق (کفار و مشرکین) کی صفوں میں گھس کر تلوار چلائی

یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہو کر خون میں شرابور ہو گیا، جب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ درجہ میں اُس سے فضل ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْئٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ وَمَا مِنْ شَيْئٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ، قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ ——— رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ :۔ ہر چیز کی صفائی کے لئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے، اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں ——— لوگوں نے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ ——— آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں! وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔

——— (دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمالِ صالحہ کے مقابلہ میں "ذکر اللہ" افضل اور عنداللہ محبوب تر ہے (وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ ذکر عظمت اور محبت و خشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو ——— اللہ تعالیٰ کا ارشاد :— "فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا)۔ اور حدیث قدسی :——

عادت ڈالو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تمہاری فلاح و کامیابی کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہو۔

(۱۱) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ۔

——— رواہ احمد و ابو یعلی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کا ذکر اتنا اور اس طرح کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔

(مسند احمد، مسند ابو یعلی)

(تشریح) اہلِ دنیا جو تعلق باللہ کی دولت سے محروم ہیں جب کسی ایسے اللہ والے کو دیکھتے ہیں جس کو یہ دولت نصیب ہے، اور اس کی وجہ سے وہ دنیا کی طرف سے کسی قدر بے فکر اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا طلبی میں منہمک ہے، اور اسی کے نام کی رٹ لگا رہا ہے، تو اپنے خیال کے مطابق وہ اس کو دیوانہ کہتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود ہی دیوانے ہیں۔ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت، محرومی اور دل کی قساوت:۔

(۱۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ ——— رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ جو شخص کہیں بیٹھا اور اس نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اُس کیلئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگی، اور اسی طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگا۔

(سنن ابی داؤد)

(۱۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بےحسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دُور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو

(جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی بےحسی اور بےنوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

کلماتِ ذکر اور ان کی فضیلت و برکت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اُسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایانِ شان نہ ہوتا، یا جس سے بجائے حمد و ثنا کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں

حضرت موسیٰؑ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلماتِ ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں:۔ یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اُس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب و نقص کا شائبہ بھی ہو) "سُبْحَانَ اللّٰه" کا یہی مفہوم اور مدعا ہے ——— یا اُن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اسلئے حمد و ثنا اُسی کو سزاوار ہے) ——— "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کی یہی خصوصیت ہے ——— یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شانِ یکتائی کا بیان ہے، چنانچہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی شان یہی ہے ——— یا ان میں اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے، "اَللّٰهُ اَكْبَر" کا یہی مفہوم و مدعا ہے ——— یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اسی سے مدد مانگی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔

اس طرح کے کلماتِ ذکر کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف حاجتوں کے لئے جو دُعائیں آپ نے تعلیم فرمائیں اُن کے بارے میں انشاء اللہ آگے تفصیلاً لکھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے درج ہونے والی حدیثوں میں جن کلماتِ ذکر کی تلقین فرمائی ہے وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور تحمید و توحید اور اس کی شانِ کبریائی و صمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

اِس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے!: ــــــ

(۱۴) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ــ تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: ــ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"

ــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں "اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ" کے بجائے "اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَرْبَعٌ" کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے یہ چار کلمے ہیں۔

(۱۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ۔

ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ــــ اِس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اُس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کہوں۔

(تشریح) ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہو گا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت و منفی صفاتِ کمال پر کس قدر حاوی ہیں بعض عرفاء کاملین نے لکھا ہے کہ :——

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ جو اس کی تمام صفاتِ کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے —— مثلاً اَلْقُدُّوْسُ، اَلسَّلَامُ، اَلطَّاهِرُ جیسے اسماءِ حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہر عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللهِ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِيْمُ، اَلْكَرِيْمُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلْقَدِيْرُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ، اَلْعَزِيْزُ، اَلْحَكِيْمُ جیسے وہ تمام اسماءِ حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے احاطے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماءِ حسنیٰ اس کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی شانِ لاشریکی و بے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے الواحد، الاحد وغیرہ، ان کی پوری ترجمانی کلمۂ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کرتا ہے علیٰ ہذا اَلْعَلِيُّ، اَلْاَعْلٰى، اَلْكَبِيْرُ، اَلْمُتَعَالِيْ جیسے اسماءِ حسنیٰ جن کا مفہوم و مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے۔ بلاشبہ کلمۂ "اَللهُ اَكْبَرُ" اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہا: "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" اس نے اللہ کی ساری ثناء و صفت بیان کر دی، اور تمام اسماءِ حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفاتِ کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اسلئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں —— جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۶) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ ۔ رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ نے اُس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کلمے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں — ارشاد ہے: — إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں) — احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمال صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرامؓ کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

(۱۷) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

______ رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ) اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔

______ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" کا مطلب وہی ہے جو "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا ہے، یعنی ہر اُس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس جو اس کے شایان شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اسی کے ساتھ تمام صفاتِ کمال کا اس کی ذاتِ عالی کے لئے اِثبات اور اس کی بنا پر اس کی حمد و ثنا۔ اِس طرح یہ مختصر کلمہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" اُس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثنا و صفت میں کہا جا سکتا ہے ______ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں اس مختصر دو حرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سَو دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دُور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد و حساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اُسی طرح اللہ کا ذِکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں ______ لیکن جیسا کہ اِسی سلسلۂ (معارف الحدیث) میں کئی بار پہلے ذکر کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی بعض آیات، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت

اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو "کبیرہ" درجہ کی نہ ہوں، اسلئے بڑے درجے کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں "گناہِ کبیرہ" کہا جاتا ہے اُن کی معافی کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهٖ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ـــــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: ـ کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟ ـ آپ نے فرمایا: ـ وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ـــــــــــــــ (صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا خاص ذکر یہی "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے ـــــ اس حدیث میں اس کلمہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے۔ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو دو ہی ورق پہلے درج ہو چکی ہے فرمایا گیا ہے، کہ سب سے افضل یہ چار کلمے ہیں: ـ "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" اور ایک دوسری حدیث میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کلمے دوسرے سب کلاموں کے مقابلے میں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے پھلکے، میزانِ اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے ؎ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ ؎

(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن میزانِ اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان (ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے وہی اس کی میزان ہوتی ہے ۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرما میٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے ـــــ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلماتِ ذکر کا وزن ہوگا، تلاوتِ قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا، ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اُس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت چھوٹے اور ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی نہ ہوگی۔ لَا يَزِنُ مَعَ اِسْمِ اللهِ شَيْئٌ۔

اِس کلمہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ" کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد و ستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

(۳۰) عَنْ جُوَيْرِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَا زِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ——————— رواہ مسلم

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد ان کے پاس سے باہر نکلے، وہ اس وقت اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر آپ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے، حضرت جویریہؓ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا:۔ میں جب سے تمہارے پاس سے گیا ہوں کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی طرح پڑھ رہی ہو؟۔ انھوں نے عرض کیا:۔ جی ہاں!۔ آپ نے فرمایا:۔ تمہارے پاس سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین دفعہ کہے، اگر وہ تمہارے اس پورے وظیفے کے ساتھ تولے جائیں جو تم نے آج صبح سے پڑھا ہے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا، وہ کلمے یہ ہیں:۔ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر اور اس کی ذات پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے کلموں کی تعداد کے مطابق۔

——————— (صحیح مسلم)

(۲۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى أَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهِ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا أَوْ أَفْضَلُ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَالِكَ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذَالِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذَالِكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مِثْلَ ذَالِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ مِثْلَ ذَالِكَ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہونچے ایک بیوی کے پاس پہنچے اور انکے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں، (یا سنگریزے تھے) وہ ان گٹھلیوں (یا سنگریزوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تم کو وہ نہ بتادوں جو تمہارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو: ——

سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ ـــ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ ـــ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَالِكَ ـــ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ ـــ	سبحان اللہ ساری آسمانی مخلوق کی تعداد کے مطابق ـــ سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق ـ سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان کی ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق ـــ سبحان اللہ ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابدالآباد تک ـــ

اور (اللہ اکبر) اسی طرح، اور (الحمد للہ) اسی طرح، اور (لا الٰہ الا اللہ) اسی طرح، اور (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) اسی طرح ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرتِ ذکر ہے اُسی طرح ایک آسان تر طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو کثرتِ تعداد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض حدیثوں کثرتِ ذکر کی ترغیب دی ہے۔ اور قریب ہی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آپؐ نے روزانہ سو دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہنے والے کو گناہوں کے معاف کئے جانے کی خوشخبری سُنائی ہے، اسلئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث، اور اس سے پہلے والی حضرت جویریہؓ کی حدیث سے کثرتِ ذکر کی نفی یا ناپسندیدگی سمجھنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں کا منشاء اور مدعا در اصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور خاص کر وہ لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذکر اللہ کے لئے زیادہ وقت فارغ نہ کر سکیں، وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ:۔ جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرتِ ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے، اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثوابِ اُخروی حاصل کرنا ہو اُس کو ایسے کلماتِ ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے کہ ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض حضرات اس مقصد کے لئے گٹھلیاں یا سنگریزے استعمال کرتے تھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس سے منع نہیں فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اس میں اور تسبیح کے دانوں کے ذریعہ شمار میں کوئی فرق نہیں، بلکہ تسبیح دراصل اسی کی ترقی یافتہ اور سہل شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے بلاشبہ انھوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی خاص فضیلت :

(۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"۔

رواہ الترمذی وابن ماجۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ــ سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت سمرہ بن جندبؓ والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ سب کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں :۔ سُبْحَانَ اللہ، اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ، اور اَللہُ اَکْبَر۔ اور حضرت جابرؓ والی اس حدیث میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے سب کلموں اور کلاموں کے مقابلے میں تو یہ چاروں کلمے افضل ہیں، لیکن ان سب میں نسبتاً "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" افضل ہے، کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ باقی تینوں کلموں کے مدعا کو بھی ضمنی طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہے ــــــ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں، تو اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود آجاتی ہے کہ وہ ہر نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہے، اور تمام صفات کمال کا وہ جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے، کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اُس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں۔ اس لئے جس نے صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا، اُس نے گویا وہ سب کچھ بھی کہہ دیا جو سُبْحَانَ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے ذریعہ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "کلمۂ ایمان ہے اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے۔ نیز اپنے اپنے تجربہ کی بنا پر عرفا اور صوفیا کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر اسی کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ہوتا ہے ——— اسی لئے ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور ترقی دینے کے لئے اس کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت کا حکم دیا ہے۔[1]

(۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ اِلَّا فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰی تُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اُس کے لئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرشِ الٰہی تک پہونچے گا بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی ایک خاص فضیلت وخصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دُور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہِ راست عرشِ الٰہی تک پہونچتا ہے، اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ اور ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے: ———

---

[1] عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم قیل یا رسول اللہ کیف نجدد ایماننا؟ قال اکثروا من قول لا الہ الا اللہ ——— رواہ احمد

وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ۔

کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں، یہ کلمہ سیدھا اللہ کے پاس پہونچتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے دوسرے کلموں کے مقابلے میں اس کلمہ کی یہ ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں بہت سے خواص ہیں۔ پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک جلی کو ختم کر دیتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرکِ خفی کو بھی ختم کرتا ہے، اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے کے اور معرفتِ الٰہی کے درمیان حجابات کو سوخت کر کے حصولِ معرفت و تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

(۴۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلِّمْنِىْ شَيْئًا اَذْكُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ يَا مُوْسٰى قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِىْ بِهٖ قَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِىْ وَالْاَرْضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِىْ كِفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِىْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــ

ـــ رواہ البغوی فی شرح السنۃ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعہ میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعہ میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔ اے موسیٰ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا کرو۔

انھوں نے عرض کیا کہ :۔ اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں ؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا وزن اُن سب سے زیادہ ہوگا۔

(شرح السنہ للبغوی)

(**تشریح**) موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بنا پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا، اسلئے ان کو بتایا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اُس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمتِ عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہونچا دی ہے۔ بہرکیف انبیاء و مرسلینؑ کے لئے بھی کوئی کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس بے بہا نعمتِ خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمۂ پاک کو اپنا ورد بنایا جائے، اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

کلمۂ توحید کی خاص عظمت و برکت:

(۲۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَالِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سو دفعہ کہا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، فرمانروائی اُسی کی ہے اور اُسی کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے)۔ تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا اور اُس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اُس کی سو غلط کاریاں محو کردی جائیں گی، اور یہ عمل اُس کے لئے اُس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، اور کسی آدمی کا عمل اُس کے عمل سے افضل نہ ہوگا سوائے اُس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) بیشک یہ کلمۂ توحید جس میں کلمۂ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پر کچھ اور اضافہ ہے جس سے اس کے منفی ومثبت مضمون کی مزید تشریح اور وضاحت ہوتی ہے اتنا ہی عظیم القدر اور بابرکت ہے جتنا کہ اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ مرنے کے بعد انشاء اللہ یہ چیز ہم سب کے مشاہدے میں آجائے گی ——— بعض لوگوں کو ایسی حدیثوں کے بارے میں

شکوک و شبہات ہوتے ہیں جن میں کسی کلمہ کا اتنا بڑا ثواب بتایا جائے۔ حالانکہ خود انھیں اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہوگا کہ بُرائی اور فساد کا ایک کلمہ آگ لگا دیتا ہے، اور اس کے منحوس اثرات برسہا برس تک کے لئے خاندانوں اور گروہوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی خلوص سے نکلا ہوا ایک اصلاحی کلمۂ خیر فساد کی بھڑکتی آگ کو بجھانے میں ٹھنڈے پانی کا کام کرتا ہے، اور بےچینیوں اور تلخیوں کو دُور کر کے زندگیوں کو باغ و بہار بنا دیتا ہے۔ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمہ کے جو اثرات ہماری اس دُنیا ہی میں ہوتے ہیں اُن میں غور و فکر کر کے آخرت کے ان سے بڑے اور دُور رس نتائج و ثمرات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

"لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کی خاص فضیلت:—

(۲۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلٰی فَقَالَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

رواہ مسلم والبخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک دن فرمایا:۔ میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنّت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ:۔ ہاں حضرت! ضرور بتائیں!۔ آپؐ نے فرمایا:— وہ ہے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"— (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

(تشریح) اس کلمہ کے "خزائن جنّت" میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اُس کے لئے اِس کلمہ کے بے بہا اجر و ثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنّت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اُٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کا منشا اِس لفظ

سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر و قیمت بتانا ہے، یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کیلئے سعی و حرکت اور اس کے کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: "گناہ سے باز آنا اور طاعت کا بجالانا اللہ کی مدد و توفیق کے بغیر بندے سے ممکن نہیں۔"

(۲۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ ـــــــــ رواه الترمذى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ خزائن جنت میں سے ہے ـــــــــ (جامع ترمذی)

(۲۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِىْ وَاسْتَسْلَمَ۔

ـــــــــ رواه البيهقى فى الدعوات الكبير

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ــ میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے، وہ ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ــ یہ بندہ (اپنی انانیت سے

دستبردار ہو کر) میرا تابعدار اور بالکل فرمانبردار ہو گیا ـــــ (دعوات کبیر للبیہقی)

(**تشریح**) اس حدیث میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کو "مِنْ كَنْزِ الْجَنَّة" کے علاوہ "مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ" بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرشِ الٰہی سے ہوا ہے۔ واللہ اعلم

(**فائدہ**) بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ:۔ جس طرح شرکِ جلی و خفی اور قلب و نفس کی دوسری کدورتیں دُور کرنے اور ایمان و معرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمۂ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" خاص اثر کرتا ہے اُسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" خاص اثر رکھتا ہے۔

اَسمائے حُسنیٰ:

حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے، اور وہ ہے "اللّٰه"۔ البتہ اس کے صفاتی نام سیکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں انہی کو اسماءِ حُسنیٰ کہا جاتا ہے ـــــ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عیینہ اور بعض دوسرے اکابر اُمت سے نقل کیا ہے کہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے۹۹ نام توصرف قرآنِ مجید ہی میں مذکور ہیں، اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل کی ہے۔ اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں، ان کے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے۹۹ اسماءِ الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی اصل شکل میں مذکور ہیں اور ان کی پوری فہرست دی ہے، جو انشاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔

ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دو سو سے زائد ان کو ملے ــــــ یہ سارے صفاتی اسماءِ حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں ــــــ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے ــــــ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند احادیث ذیل میں پڑھیے: ــــــ

(۲۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ یعنی ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، ان ننانوے ۹۹ ناموں کی تفصیل اور تعیین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ عنقریب ہی انشاء اللہ جامع ترمذی وغیرہ کی اس روایت کا ذکر آئے گا جس میں تفصیل کے ساتھ یہ ننانوے ۹۹ نام بیان کئے گئے ہیں ــــــ شارحینِ حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماءِ الٰہیہ صرف ننانوے ۹۹ میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے، کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اسلئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا ــــــ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں ــــ ایک مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماءِ الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا ــــ دوسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماءِ حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا ــــ تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ۹۹ ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعہ اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا ــــ امام بخاریؒ نے "مَنْ اَحْصَاهَا" کی تشریح "مَنْ حَفِظَهَا" سے کی ہے، بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "مَنْ اَحْصَاهَا" کی جگہ "مَنْ حَفِظَهَا" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اسلئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ــــ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے ننانوے ۹۹ نام محفوظ کرلے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا ــــ واللہ اعلم۔

(۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ
الْحَفِيظُ الْمُقِيتُ الْحَسِيبُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّقِيبُ
الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ
الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ
الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ
الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ
الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ
الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالِي الْبَرُّ
التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوفُ مَالِكُ الْمُلْكِ
ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِي
الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّورُ الْهَادِي الْبَدِيعُ
الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ

—— رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا، اور ان کی نگہداشت کی، وہ جنت میں جائے گا —— (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ ہے اَلرَّحْمٰنُ (بڑی رحمت والا) اَلرَّحِیْمُ (نہایت مہربان)۔ اَلْمَلِکُ (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) اَلْقُدُّوْسُ (نہایت مقدس اور پاک) اَلسَّلَامُ (جس کی ذاتی صفت سلامتی ہے) اَلْمُؤْمِنُ (امن و امان عطا فرمانیوالا) اَلْمُهَیْمِنُ (پوری نگہبانی فرمانے والا) اَلْعَزِیْزُ (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے اور جو سب پر غالب ہے)

اَلْجَبَّارُ (صاحب جبروت ہے، ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے)
اَلْمُتَكَبِّرُ (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) اَلْخَالِقُ (پیدا فرمانے والا)
اَلْبَارِئُ (ٹھیک بنانے والا) اَلْمُصَوِّرُ (صورت گری کرنے والا)
اَلْغَفَّارُ (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) اَلْقَهَّارُ (سب پر پوری طرح غالب
اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں) اَلْوَهَّابُ (بغیر کسی عوض اور
منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) اَلرَّزَّاقُ (سب کو روزی دینے والا)
اَلْفَتَّاحُ (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا)
اَلْعَلِيمُ (سب کچھ جاننے والا) اَلْقَابِضُ، اَلْبَاسِطُ (تنگی کرنے والا
فراخی کرنے والا ــــــ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے
مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کر دیتا ہے)
اَلْخَافِضُ، اَلرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا)
اَلْمُعِزُّ، اَلْمُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا) (یعنی کسی کو
نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعر مذلت میں گرا دینا
اس کے قبضہ و اختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اُسی کی طرف سے ہوتا ہے)
اَلسَّمِيعُ، اَلْبَصِيرُ (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا)
اَلْحَكَمُ، اَلْعَدْلُ (حاکم حقیقی، سراپا عدل و انصاف) اَللَّطِيفُ (لطافت
اور لطف و کرم جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْخَبِيرُ (ہر بات سے باخبر)
اَلْحَلِيمُ (نہایت بردبار) اَلْعَظِيمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ و برتر)
اَلْغَفُورُ (بہت بخشنے والا) اَلشَّكُورُ (حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے
بہتر جزا دینے والا) اَلْعَلِيُّ، اَلْكَبِيرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا)
اَلْحَفِيظُ (سب کا نگہبان) اَلْمُقِيتُ (سب کو سامانِ حیات فراہم کرنے والا)

اَلْحَسِيْبُ (سب کے لئے کفایت کرنے والا) اَلْجَلِيْلُ (عظیم القدر) اَلْكَرِيْمُ (صاحب کرم) اَلرَّقِيْبُ (نگہدار اور محافظ) اَلْمُجِيْبُ (قبول فرمانے والا) اَلْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) اَلْحَكِيْمُ (سب کام حکمت سے کرنے والا) اَلْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) اَلْمَجِيْدُ (بزرگی والا) اَلْبَاعِثُ (اٹھانے والا، موت کے بعد مُردوں کو جلانے والا) اَلشَّهِيْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) اَلْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) اَلْوَكِيْلُ (کارساز حقیقی) اَلْقَوِيُّ، اَلْمَتِيْنُ (صاحب قوت، اور بہت مضبوط) اَلْوَلِيُّ (سرپرست و مددگار) اَلْحَمِيْدُ (مستحق حمد وستائش) اَلْمُحْصِي (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِيْدُ (پہلا وجود بخشنے والا دوبارہ زندگی دینے والا) اَلْمُحْيِي، اَلْمُمِيْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) اَلْحَيُّ (زندۂ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْقَيُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) اَلْوَاجِدُ (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ (ایک اپنی ذات میں، اور یکتا اپنی صفات میں) اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کر دینے والا، اور جسے چاہے پیچھے کر دینے والا) اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا) اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکار

اور بالکل مخفی) اَلْوَالِيْ (مالک وکارساز) اَلْمُتَعَالِيْ (بہت بلند وبالا)
اَلْبَرُّ (بڑا محسن) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا)
اَلْمُنْتَقِمُ (مجرمین کو کیفر کردار کو پہونچانے والا) اَلْعَفُوُّ (بہت معافی دینے والا)
اَلرَّؤُفُ (بہت مہربان) مَالِكُ الْمُلْكِ (سارے جہان کا مالک)
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانیوالا۔ جس کے
جلال سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) اَلْمُقْسِطُ (حقدار
کا حق ادا کرنے والا عادل ومنصف) اَلْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن
یکجا کرنے والا) اَلْغَنِيُّ، اَلْمُغْنِيْ (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں،
اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کر دینے والا) اَلْمَانِعُ (روک دینے والا
ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے) اَلضَّارُّ، اَلنَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے
تحت ضرر پہونچانے والا اور نفع پہونچانے والا) اَلنُّوْرُ (سراپا نور) اَلْهَادِيْ (ہدایت
دینے والا) اَلْبَدِيْعُ (بغیر مثال سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا)
اَلْبَاقِيْ (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) اَلْوَارِثُ (سب کے فنا
ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) اَلرَّشِيْدُ (صاحب رشد وحکمت جس کا ہر فعل
اور فیصلہ درست ہے) اَلصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں
دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا)۔

(جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین
کے حوالے سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں ننانوے ۹۹ ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین
کی روایت میں نہیں ہے۔ اسی بنا پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ
حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین

کی روایت میں ہے یعنی: "اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" (اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا)۔ اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے ۹۹ نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشادِ نبوی کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن و حدیث میں وارد شدہ یہ اسماءِ الٰہیہ ذکر کر دیئے ہیں، گویا محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماءِ حسنیٰ مُدرَج ہیں —— اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ۹۹ ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے ۹۹ اسماءِ حسنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

بہرحال یہ تو فنِ حدیث و روایت کی ایک بحث ہے، مگر اتنی بات سب کے نزدیک مُسلّم ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں اور اسی طرح ابنِ ماجہ وغیرہ کی روایات میں جو ننانوے ۹۹ اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننانوے ۹۹ اسماءِ الٰہیہ کے اِحصاء پر (محفوظ کرنے پر) جو بشارت سُنائی ہے اس کے وہ بندے یقیناً مستحق ہیں جو اخلاص اور عظمت کے ساتھ ان اسماءِ حسنیٰ کو محفوظ کریں اور اُن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں —— حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی لِم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ — جو صفاتِ کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس کی ذات پاک سے نفی کی جانی چاہئے، ان ننانوے اسماءِ حسنیٰ میں وہ سب کچھ آجاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماءِ حسنیٰ اللہ کی معرفت کا مکمل اور صالح نصاب ہیں" اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے اور عالمِ قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے۔ اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں

یہ اسماءِ الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمتِ الٰہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ترمذی کی مندرجۂ بالا روایت میں جو ننانوے ۹۹ اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے دو تہائی تو قرآن مجید میں مذکور ہیں باقی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق وغیرہ جن حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام قرآن مجید میں موجود ہیں اُن کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، اور اِس سلسلہ میں حافظ ابنِ حجرؒ کی آخری کاوش کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ انھوں نے صرف قرآن مجید سے وہ ننانوے ۹۹ اسماءِ الٰہیہ نکالے ہیں جو اپنی اصل شکل میں قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔

اگر ان محدثین اور شارحین کی بات مان لی جائے جن کی رائے ہے کہ ترمذی کی مندرجۂ بالا روایت میں جو اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں یہ حدیث مرفوع کا جزو نہیں ہیں بلکہ کسی راوی کی طرف سے مُدرَج ہیں[1] یعنی حدیث کے اجمال کی تفصیل کے طور پر انھوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ ان ناموں کا اضافہ کر دیا ہے تو پھر حافظ ابنِ حجرؒ کی پیش کردہ وہ فہرست قابلِ ترجیح ہونی چاہئے جس کے سب اسماء بغیر کسی خاص تصرف کے قرآن مجید ہی سے لئے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی وہ فہرست فتح الباریؒ سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے اسم ذات اَللّٰہ کو بھی ان ننانوے ناموں میں شمار کیا ہے، بلکہ اُسی سے اپنی فہرست کا آغاز کیا ہے۔

ننانوے ۹۹ اسماءِ حسنیٰ جو سب کے سب قرآن مجید میں ہیں: ——

اَللّٰهُ   اَلرَّحْمٰنُ   اَلرَّحِيْمُ   اَلْمَلِكُ   اَلْقُدُّوْسُ   اَلسَّلَامُ

[1] حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اِسی کو راجح بتایا ہے۔ ۱۲

اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُهَيْمِنُ اَلْعَزِيْزُ اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَكَبِّرُ اَلْخَالِقُ

اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ اَلْغَفَّارُ اَلْقَهَّارُ اَلتَّوَّابُ اَلْوَهَّابُ

اَلْخَلَّاقُ اَلرَّزَّاقُ اَلْفَتَّاحُ اَلْعَلِيْمُ اَلْحَلِيْمُ اَلْعَظِيْمُ

اَلْوَاسِعُ اَلْحَكِيْمُ اَلْحَيُّ اَلْقَيُّوْمُ اَلسَّمِيْعُ اَلْبَصِيْرُ

اَللَّطِيْفُ اَلْخَبِيْرُ اَلْعَلِيُّ اَلْكَبِيْرُ اَلْمُحِيْطُ اَلْقَدِيْرُ

اَلْمَوْلٰى اَلنَّصِيْرُ اَلْكَرِيْمُ اَلرَّقِيْبُ اَلْقَرِيْبُ اَلْمُجِيْبُ

اَلْوَكِيْلُ اَلْحَسِيْبُ اَلْحَفِيْظُ اَلْمُقِيْتُ اَلْوَدُوْدُ اَلْمَجِيْدُ

اَلْوَارِثُ اَلشَّهِيْدُ اَلْوَلِيُّ اَلْحَمِيْدُ اَلْحَقُّ اَلْمُبِيْنُ

اَلْقَوِيُّ اَلْمَتِيْنُ اَلْغَنِيُّ اَلْمَالِكُ اَلشَّدِيْدُ اَلْقَادِرُ

اَلْمُقْتَدِرُ اَلْقَاهِرُ اَلْكَافِيْ اَلشَّاكِرُ اَلْمُسْتَعَانُ اَلْفَاطِرُ

اَلْبَدِيْعُ اَلْغَافِرُ اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ اَلظَّاهِرُ اَلْبَاطِنُ

اَلْكَفِيْلُ اَلْغَالِبُ اَلْحَكَمُ اَلْعَالِمُ اَلرَّفِيْعُ اَلْحَافِظُ

اَلْمُنْتَقِمُ اَلْقَائِمُ اَلْمُحْيِيْ اَلْجَامِعُ اَلْمَلِيْكُ اَلْمُتَعَالُ

اَلنُّوْرُ اَلْهَادِيْ اَلْغَفُوْرُ اَلشَّكُوْرُ اَلْعَفُوُّ اَلرَّءُوْفُ

اَلْاَكْرَمُ اَلْاَعْلٰى اَلْبَرُّ اَلْحَفِيُّ اَلرَّبُّ اَلْاِلٰهُ

اَلْوَاحِدُ اَلْاَحَدُ اَلصَّمَدُ اَلَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

——————— (فتح الباری ص ۸۳ ج ۱۱، ۲۶)

ننانوے ۹۹ اسماءِ حسنیٰ جو ترمذی کی روایت میں مذکور ہیں اور اسی طرح یہ جو حافظ ابن حجرؒ نے قرآن مجید سے نکالے ہیں، بلاشبہ ان میں سے ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے ——— علمائے امت نے مختلف زمانوں میں ان کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ نجات میں

ان کے ذریعہ دُعا کرنا بہت سے اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے رہا اور اس کی قبولیت مجرب ہے۔

اسم اعظم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اَسماءِ حُسنیٰ میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت و امتیاز حاصل ہے کہ جب ان کے ذریعہ دُعا کیجائے تو قبولیت کی زیادہ اُمید کی جاسکتی ہے۔

ان اَسماء کو حدیث میں "اِسمِ اَعظَم" کہا گیا ہے، لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو اور جمعہ کے دن قبولیتِ دُعا کے خاص وقت کو مُبہم رکھا گیا ہے۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی اسم پاک "اسم اعظم" نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ متعدد اَسماءِ حُسنیٰ کو "اسم اعظم" کہا گیا ہے۔ نیز انہی احادیث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عوام میں اسم اعظم کا جو تصور ہے اور اس کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں، اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے ——

اس کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھی جائیں: ——

(۳۱) عَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، فَقَالَ دَعَا اللهَ بِاِسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِىْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس طرح دُعا کرتے ہوئے سُنا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہا تھا:۔ "اے اللہ! میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، ایک اور یکتا ہے، بالکل بے نیاز ہے، اور سب تیرے محتاج ہیں، نہ کوئی تیری اولاد، نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر"۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب اُس بندے کو یہ دُعا کرتے سُنا تو) فرمایا کہ:۔ اس بندے نے اللہ سے اس کے اُس اسم اعظم کے وسیلہ سے دُعا کی ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے اُس سے مانگا جائے تو وہ دیتا ہے، اور جب اس کے وسیلہ سے دُعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى۔

۔۔۔۔۔۔ رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک بندہ وہاں نماز پڑھ رہا تھا، اُس نے اپنی دُعا میں عرض کیا:۔۔۔۔ "اے اللہ! میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے، کوئی معبود نہیں تیرے سوا، تو نہایت مہربان اور بڑا محسن ہے، زمین و آسمان کا پیدا فرمانے والا ہے، میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں

اے ذوالجلال والاکرام! اے حی و قیوم!" ——— تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ——— "اس بندہ نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے وسیلہ سے دُعا کی ہے کہ اس کے وسیلہ سے جب خدا سے دُعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے، اور جب اس کے وسیلہ سے مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔"

——— (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۳۳) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمُ اللهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

——— رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ——— "اسم اللہ الاعظم، ان دو آیتوں میں موجود ہے۔ ایک "والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" اور دوسری آل عمران کی ابتدائی آیت: الٓمّٓ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم" ———

——— (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) ان احادیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک مخصوص نام پاک کو اسم اعظم نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آخری حدیث میں جن دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا، اور اس سے پہلی دونوں حدیثوں میں دو شخصوں کی جو دو دعائیں نقل کی گئی ہیں اُن میں سے ہر ایک میں متعدد اسماء الٰہیہ کی خاص ترکیب سے اللہ تعالیٰ کا جو مرکب اور جامع وصف مفہوم ہوتا ہے اُس کو "اسم اعظم"

سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے اِس نوع کے علوم و معارف سے خاص طور پر نوازا ہے، انھوں نے ان احادیث سے یہی سمجھا ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

---

[1] شاہ صاحب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:—— واعلم ان الاسم الاعظم الذی اذا سئل به اعطی واذا دعی به اجاب هو الاسم الذی یدل علی اجمع تدل من تدلیات الحق والذی تداوله الملاء الاعلی اکثر تداول ونطقت به التراجمة فی کل عصر ۔۔ ۔۔ ۔۔ وهذا المعنی یصدق علی "انت الله لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوًا احد" وعلی "لك الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بدیع السمٰوٰت والارض یا ذا الجلال والاکرام یا حی یا قیوم" ویصدق علی اسماء تضاهی ذالك۔۔

—————— (حجۃ اللہ البالغہ ص۲ جلد ۲)

قرآن مجید کی تلاوت

ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت بھی "ذکر اللہ" کی ایک قسم ہے" اور بعض حیثیتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس میں بندے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کو بیحد محبوب ہے۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور مثال سے وراء الوراء ہے، لیکن ناچیز راقم سطور نے اس حقیقت کو اپنے اس ذاتی تجربہ سے خوب سمجھا ہے کہ جب کبھی کسی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ میری لکھی ہوئی کوئی کتاب قدر اور توجہ سے پڑھ رہا ہے تو دل سرور سے بھر گیا اور اس شخص سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہو گیا، ایسا تعلق اور لگاؤ جو بہت سے قریبی عزیزوں دوستوں سے بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال میں نے تو اپنے اسی تجربہ سے یہ سمجھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے پاک کلام قرآن مجید کی تلاوت کرتے سنتا اور دیکھتا ہو گا، تو اس بندہ پر اس کو کیسا پیار آتا ہو گا (اِلّا یہ کہ اپنے کسی شدید جرم کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیار اور نظرِ کرم کا مستحق ہی نہ ہو)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قرآن مجید کی عظمت سے آشنا کرنے اور اس کی تلاوت وغیرہ کی ترغیب دینے کے لئے مختلف عنوانات استعمال فرمائے ہیں۔ ہم نے بھی اس سلسلہ کی احادیث کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے وہ نفع اٹھانے کی توفیق دے، جو ان کا اصل مقصد ہے۔

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت :—

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے — واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں، اور عالمِ بالا و عالمِ غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے، یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذاتِ عالی کے ساتھ قائم ہے — یہ اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسولِ امینؐ کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہونچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طُویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سُنوایا تھا۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت و احترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اُس کو اُس وقت شجرۂ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے، اور گویا وہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اِس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید کی عظمت و فضیلت کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل چند حدیثیں پڑھئے! —

(۴۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ ــــــ رواه الترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے، میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں، اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو ـــــــ

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات فرمائیں اور وہ بات قرآن مجید میں نہ ہو تو خاص عرف و اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں ـــــ حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث بھی اسی طرح کی ہے ـــــ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں :- ایک یہ کہ اللہ کے جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ایسا شغف ہو کہ وہ دن رات اسی میں لگا لپٹا رہتا ہو، یعنی اس کی تلاوت میں، اس کے یاد کرنے میں، اس کے تدبر اور تفکر میں، یا اس کے سیکھنے سکھانے میں اخلاص کیساتھ مشغول رہتا ہو، اور قرآن پاک میں اس ہمہ وقتی مشغولیت کی وجہ سے اس کے علاوہ اللہ کے ذکر اس کی حمد و تسبیح اور اس سے دعائیں کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملتا ہو، تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا اور ذکر و دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ

اس کو نہ پا سکے گا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ـــــ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے بندوں کو میں اس سے زیادہ اور اس سے بہتر دوں گا جو ذکر کرنے والے اور دعائیں مانگنے والے اپنے بندوں کو دیتا ہوں ـــــ دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلہ میں ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلہ میں، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت قائمہ ہے۔

(۳۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ كِتَابُ اللهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ"، مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ـــــ رواہ الترمذی والدارمی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ایک دن فرمایا:- آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے!- میں نے عرض کیا:- یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟- آپ نے فرمایا:- کِتَابُ اللّٰہِ، اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دُنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں اُن سب کی آگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے مُنہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا، اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اُس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایت حق سے محروم رہے گا) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور مُحکم نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ وہی وہ حق مُبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اس کو محرف کر دیا اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا، بلکہ قرآن کے طالبینِ علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ

وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی (انُ کا
احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے
جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا
(یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے
پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ
جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اُتنا ہی اُسکے لطف و
لذت میں اضافہ ہوگا) اور اس کے عجائب (یعنی اسکے دقیق و لطیف حقائق و معارف)
کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سُنا تو بے اختیار
بول اُٹھے۔ ——

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي	ہم نے قرآن سُنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے
إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ.	بھلائی کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اُس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ
مستحقِ اجر و ثواب ہوا، اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اُس نے عدل و انصاف کیا۔
اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی۔

(جامع ترمذی و سنن دارمی)

(**تشریح**) یہ حدیث قرآنِ کریم کی عظمت و فضیلت کے بیان میں بلاشبہ نہایت جامع
حدیث ہے۔ اس میں جو کلمات اور جو جملے وضاحت طلب تھے ان کی وضاحت ترجمہ ہی
میں کر دی گئی ہے۔

قرآن کا معلّم اور متعلّم: ——

(۳۶) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ ـــــ رواه البخاری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سب سے بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ ـــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) قرآن مجید کو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے جب دوسرے کلاموں پر اس طرح کی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس طرح کی اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا سیکھنا سکھانا دوسرے تمام اچھے کاموں سے افضل واشرف ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کے ذریعہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے لینا، اس کی حکمت کو سمجھنا اور دوسروں تک اس کو پہونچانا اور اس کو سکھانا تھا اس لئے اب قیامت تک جو بندہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کو اپنا شغل اور وظیفہ بنائے گا وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہوگا، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص الخاص نسبت حاصل ہوگی۔ اس بنا پر قرآن پاک کے متعلم اور معلم کو سب سے افضل واشرف ہونا ہی چاہئے ـــــ لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ قرآن مجید کا یہ سیکھنا سکھانا اخلاص کے ساتھ اور اللہ کے لئے ہو، اگر بدقسمتی سے کسی دنیوی غرض کے لئے قرآن سیکھنے سکھانے کو کوئی اپنا پیشہ بنائے تو حدیث پاک میں ہے کہ :ـــــ وہ ان بدنصیبوں میں سے ہوگا جو سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے، اور اس کا اولیں ایندھن بنیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا ـــــ (یہ حدیث صحیح مسلم کے حوالے سے معارف جلد دوم کے بالکل آخر میں درج ہو چکی ہے)۔

حاملِ قرآن پر رشک برحق :ـــــ

(۳۷) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ

اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں (اور اُن پر رشک آنا برحق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے ——— اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال ودولت سے نوازا، اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) دن اور رات میں قرآنِ پاک میں مشغول ہونے اور لگے رہنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے سیکھنے سکھانے میں لگا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں اور بیرونِ نماز اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ فکر و اہتمام کے ساتھ اس کے احکام وہدایات پر عمل کرتا رہتا ہے۔ حدیث کے الفاظ: "فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ" اس طرح کی سب شکلوں پر حاوی ہیں ——— قرآنِ پاک کی عظیم نعمت کا شکر یہی ہے کہ بندہ اس کو اپنا شغل اور اپنی زندگی کا دستور بنا لے۔

قرآن کے خاص حقوق: ———

(۳۸) عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ

فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا ــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبیدہ مُلیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اسکی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اور اس کو پھیلاؤ، اور اس کو دلچسپی سے اور مزہ لے لے کر پڑھا کرو، اور اس میں تدبر کرو، اُمید رکھو کہ تم اس سے فلاح پاجاؤ گے، اور اس کا عاجل معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب اور معاوضہ (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے" ــــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اُسی پر تکیہ کرکے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں، بلکہ انھیں چاہئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں، رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اسکی تلاوت کیا کریں، اس کو اور اس کے پیغامِ ہدایت کو دوسروں تک پہونچائیں ...... اس کو مزہ لے لے کے پڑھیں، اس کے احکام، اس کی ہدایات، اس کے قصص اور نصائح پر غور وفکر کیا کریں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری اُمید ہے۔ اور انھیں چاہئے کہ وہ قرآن کے اس پڑھنے اور پڑھانے اور اس کی خدمت کا معاوضہ دُنیا ہی میں نہ چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اپنے وقت پر اس کا بڑا غیر معمولی معاوضہ اور عظیم صلہ ملنے والا ہے۔

قرآن اور قوموں کا عروج وزوال : ـــــــــــ

(۳۹) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفتِ قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو اُمت خواہ وہ کسی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور اُمت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے گرا دی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے ——— اس حدیث میں "اَقْوَامًا" کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور اُمتوں سے ہے۔ واللہ اعلم

تلاوتِ قرآن کا اجر و ثواب: ———

(۳۰) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ "الٓمّٓ" حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ ——— رواه الترمذى والدارمى

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآنِ پاک کا ایک حرف پڑھا اُس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانونِ کرم کے مطابق دَس نیکیوں کے برابر ہے (مزید وضاحت کے لئے آپ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (اس طرح "الٓمٓ" پڑھنے والا بندہ تیش نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا) ——— (جامع ترمذی، سنن دارمی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دَس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے ——— سُورۂ انعام میں ارشاد ہے: ———

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ (الانعام۔ ع ۲۰)　　جو بندہ ایک نیکی لیکر آئے گا اس کو اُس جیسی دَس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجۂ بالا حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ خوشخبری سُنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروفِ تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دَس نیکیوں کے برابر ہوگی ——— اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ——— "میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ ب ایک حرف ہے، س ایک حرف ہے، م ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ ا ل م الگ الگ حروف ہیں۔" ——— اللہ پاک یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اِس حدیث میں کلامِ پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ فطوبیٰ لھم۔

اِس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لئے

یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھ کر ہی ہو۔ کیونکہ "الم" اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے، اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

قرآن کی تلاوت قلب کا صیقل:

(۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ۔

——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:— بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: حضورؐ! دلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:— موت کو زیادہ یاد کرنا، اور قرآن مجید کی تلاوت ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بے فکر ہو جائے، یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے، اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے، اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو انشاء اللہ قلب کے زنگ کو دور کرکے اس کو نور سے

بھردے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔[۱]

ماہر قرآن کا مقام :—

(۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِىْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن میں مہارت حاصل کرلی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو ——— حفظ یا ناظرہ ——— بہتر طریقے پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو) وہ

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "احسان" کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "تلاوتِ قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور انتہائی تعظیم و اجلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے، اور اُس کے مواعظ اور نصائح میں غور اور اُن سے اثر لینے کی کوشش کرے، اور اُس کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے، اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے "سُبْحَانَ اللّٰهِ!" اور جب اُن آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دُعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب اُن آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ کا اور اللہ کے غضب کا بیان ہو، تو اللہ سے پناہ مانگے"

بلاشبہ اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے اور جس بندہ کو کسی درجہ میں بھی ایسی تلاوت نصیب ہو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہو ——— اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔ ۱۲

معزز اور وفادار و فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بندہ قرآن پاک اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت و مشقت کا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں سَفَرَہ کا جو لفظ ہے اُس سے اکثر شارحین نے حامل وحی فرشتے مُراد لئے ہیں، اور بعض حضرات نے اس سے انبیاء و رُسل علیہم السلام مُراد لئے ہیں، اور لفظی معنیٰ میں ان دونوں ہی کی گنجائش ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے قرآن کو کلام اللہ یقین کرتے ہوئے اس سے شغف رکھیں اور کثرتِ تلاوت اور اہتمام کی وجہ سے قرآنِ پاک سے ان کو خاص مناسبت اور مہارت حاصل ہو جائے ان کو انبیاء و رُسل کی یا حاملِ وحی فرشتوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی ـــــــ اور جن ایمان والے بندوں کا حال یہ ہو کہ صلاحیت اور مناسبت کی کمی کی وجہ سے وہ قرآن کو رواں نہ پڑھ سکتے ہوں، بلکہ تکلف کے ساتھ اور اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں اور اس کے باوجود اجر و ثواب کی اُمید پر تلاوت کرتے ہوں، ان کو تلاوت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس زحمت و مشقت کا بھی ثواب ملے گا، اس لئے ان کو اپنی اس حالت کی وجہ سے شکستہ دل نہ ہونا چاہئے۔

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا انعام: ـــــــ

(۴۳) عَنْ مَعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا ـــــــ رواہ احمد و ابو داؤد

حضرت معاذ جُہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ حسین ہوگی، جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس اُتر آئے ——— (اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا) پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اس آدمی کے بارے میں جس نے خود یہ عمل کیا ہو؟ ——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے والدین کو جب ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی حسین تر ہوگی، تو سمجھ لو کہ خود اس قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا عطا فرمایا جائے گا۔

قیامت میں قرآنِ پاک کی شفاعت و وکالت: ———

(۴۴) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ۔

——— رواہ مسلم

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ:۔ قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا ــــــ (خاصکر) "زہراوین" یعنی اس کی دو اہم نورانی سورتیں البقرۃ اور آل عمران پڑھا کرو، وہ قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لئے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ ابر کے ٹکڑے ہیں، یا سائبان ہیں۔ یا صف باندھے پرندوں کے پَرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی ــــــ (آپ نے فرمایا) پڑھا کرو سورۂ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے، اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہلِ بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

ــــــــــــــ (صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔ قرآن اپنے "اصحاب" کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کریگا۔ "اصحابِ قرآن" وہ سب لوگ ہیں جو قرآنِ پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور لگاؤ رکھیں جس کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں مثلاً:۔ کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر و تفکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، یا اس کی تعلیم و ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جد وجہد کریں، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہوگا۔ ہاں اخلاص یعنی اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآنِ پاک کی قرأت و تلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت و قرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے، اور فرمایا ہے کہ:۔ قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہوگا، یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے

پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کئے رہیں گی، اور ان کی طرف سے وکالت اور جوابدہی کریں گی۔
اور آخر میں سورۂ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ:۔ اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے، اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے۔ اور اہلِ بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے ــــــ
اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد "ساحرین" ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا ــــ
سورۂ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان اُس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے[1]۔
بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہلِ بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۂ بقرہ کی برکات حاصل نہ کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کا دروازہ بند کردیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۵) عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتَى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلُ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا ــــــ رواہ مسلم

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ قیامت کے دن قرآن کو اور اُن قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عامل تھے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران (جو قرآن کی سب سے پہلی سورتیں ہیں) وہ پیش پیش ہوں گی (محسوس ہوگا) گویا کہ وہ بادل کے

[1] ان الشيطان ينفر من البيت الذى يقرء فيه سورة البقرة ــــ رواہ الحاکم عن ابی ہریرہ

دو ٹکڑے ہیں، یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے، یا صف باندھے
پرندوں کے دو پرے ہیں، اور وہ مدافعت اور وکالت کریں گی اپنے سے تعلق
رکھنے والوں کی ـــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو حضرت ابوامامہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے۔ ذرا تصور کیا جائے قیامت اور میدانِ حشر کی ہولناکیوں کا۔ کیسے خوش نصیب ہوں گے اللہ کے وہ بندے جو قرآنِ پاک سے خاص تعلق اور شغف اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کی برکت سے حشر کے اُس پرہول میدان میں اِس شان سے آئیں گے کہ اللہ کا کلام پاک ان کا شفیع و وکیل بن کر ان کے ساتھ ہوگا، اور اس کی سب سے پہلی اور اہم نورانی سورتیں بقرہ اور آلِ عمران اپنے انوار کے ساتھ ان کے سروں پر سایہ افگن ہونگی ـــــ ان احادیث پر مطلع ہو جانے کے بعد بھی جو بندے اس سعادت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کریں، بلاشبہ وہ بڑے محروم ہیں۔

خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات :ـــــــــ

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ اور حضرت نواس بن سمعانؓ کی مندرجۂ بالا حدیثوں میں پورے قرآن کی فضیلت کے ساتھ خاص طور سے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔

اِسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ـــــ ذیل میں اس سلسلہ کی بھی چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں۔

ـــــــــــ

سُورۃ الفاتحہ :—

(۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ ـ

رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب سے فرمایا کہ :۔ کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن ہی میں ؟ —— اُبی نے عرض کیا کہ : ہاں حضورؐ ! مجھے وہ سورت بتا دیں ! ۔ آپؐ نے فرمایا :۔ تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو ؟ —— اُبی نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں، اور اس طرح پڑھتا ہوں) ۔ آپؐ نے فرمایا :۔ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ۔ توریت، انجیل، زبور میں سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، یہی وہ "سبعٌ من المثانی والقرآنُ العظیمُ"

جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ——————— (جامع ترمذی)

(**تشریح**) قرآن مجید میں سورۂ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خاص الخاص انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ" (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآنِ عظیم) ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مندرجۂ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ "سبعٌ من المثانی والقرآن العظیم" سورۂ فاتحہ ہی ہے ۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں بھی نازل نہیں کی گئی، اور قرآن میں بھی اس کے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے ۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے ۔ اسی لئے اس کو "ام القرآن" بھی کہا جاتا ہے ۔ اور اسی لئے اس کو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ اس حدیث کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جس بندے کو سورۂ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے ۔ چاہئے کہ وہ اس کی قدر و عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے ۔

سورۂ بقرہ :

(۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ، وَسَنَامُ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ آيَةُ الْكُرْسِيِّ ۔

——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ہر چیز کی کوئی چوٹی ہوتی ہے (جو سب سے اوپر اور بالاتر ہوتی ہے) اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے، اور اس میں ایک آیت (آیت الکرسی) تمام آیاتِ قرآنی کی گویا سردار ہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اسلام کے بنیادی اصول وعقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ میں کیا گیا ہے، اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا۔ غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن مجید میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے، اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں "سنام القرآن" کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ وَاِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ تُقْرَءُ الْبَقَرَةُ فِیْهِ لَا یَدْخُلُهُ الشَّیْطَانُ ـ

——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اپنے گھروں کو مقبرے نہ بنالو (یعنی جس طرح قبرستانوں میں مردے ذکر وتلاوت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے قبرستانوں کی فضا ذکر وتلاوت کے انوار وآثار سے خالی رہتی ہے، تم اس طرح اپنے گھروں کو نہ بنالو، بلکہ گھروں کو ذکر وتلاوت سے معمور رکھا کرو) اور جس گھر میں (خاص کر) سورۂ بقرہ پڑھی جائے اُس گھر میں شیطان نہیں آسکتا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) بعض سورتوں کے، اور اسی طرح بعض آیات کے کچھ خواص ہیں۔ اس حدیث میں سورۂ بقرہ کی خاص برکت اور تاثیر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جائے وہ شیطان کے اثرات اور تسلط سے محفوظ رہے گا۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی بعض خاص فضیلتوں کا بیان اس سے پہلے بھی بعض حدیثوں میں ضمناً گزر چکا ہے۔

سُورۃ الکہف :

(۴۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَۃَ الْکَہْفِ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ اَضَاءَ لَہُ النُّوْرُ مَا بَیْنَ الْجُمُعَتَیْنِ۔

—— رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے اُس کے لئے نور روشن ہو جائے گا دو جمعوں کے درمیان —— (دعوات الکبیر للبیہقی)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی —— اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے "ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ"

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے) سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ: "جو ان کو یاد کرلے گا اور پڑھے گا وہ دجّال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا" —— اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۂ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو تمہیدی مضمون ہے اور اسی کے ساتھ اصحاب کہف کا

جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اُس میں ہر دجّالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے۔ اور جس دل کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہو جائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجّالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کریںگے اور ان کی تلاوت کریںگے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجّالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سُورۂ یٰسٓ:

(۵۰) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لئے سورۂ یٰسٓ پڑھی اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لہذا یہ مبارک سورۃ مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یٰسٓ شریف پڑھنے کے لئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اُس کے آخری وقت میں یہ سورۃ پڑھی جائے۔ اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اس لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرجانے والے کی قبر پر یہ سورت پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

(۵۱) عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِي صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهُ ——— رواہ الدارمی مرسلاً

عطا بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو بندہ دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۂ یٰس پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا۔

——— (سنن دارمی)

سورۂ واقعہ :———

(۵۲) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتَهُ يَقْرَأْنَ بِهَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے اُسے کبھی فقر وفاقہ کی نوبت نہیں آئے گی ——— (نیچے کے راوی بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعودؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اور وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتی تھیں ——— (شعب الایمان للبیہقی)

سورۃ الملک :———

(۵۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ

لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ —

—— رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- قرآن کی ایک سورت نے جو صرف تیس آیتوں کی ہے اس نے ایک بندہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں سفارش کی، یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا۔ اور وہ سورہ ہے :- تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

—— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

الٓمٓ تنزیل :——

(۵۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَءَ الٓمٓ تَنْزِيْل وَتَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ —— رواہ احمد والترمذی والدارمی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ "الٓمٓ تَنْزِيْل" اور "تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" نہ پڑھ لیتے —— (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضورؐ کا معمول تھا)۔

—— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

سُورۂ الاعلیٰ :——

(۵۵) عَنْ عَلِىٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" —— رواہ احمد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سورۃ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى) خاص طور سے محبوب تھی۔

مسند احمد

(تشریح) کتاب الصلوٰۃ میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں اور اسی طرح عیدین کی نماز میں اکثر پہلی رکعت میں: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھتے تھے۔ آپ کا یہ معمول اسی لئے تھا کہ یہ سورۃ اپنے خاص مضمون اور پیغام کے لحاظ سے آپ کو زیادہ محبوب تھی۔

سورۃ التکاثر:

(۵۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَءَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ؟ قَالُوْا وَمَنْ يَّسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ، قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرے؟ صحابہؓ نے عرض کیا:- حضورؐ! کس میں یہ طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھے (یعنی یہ بات ہماری استطاعت سے باہر ہے)۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- کیا تم میں کوئی اتنا نہیں کرسکتا کہ سورۂ "الھٰکم التکاثر" پڑھ لیا کرے ــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) قرآن مجید کی بعض بہت چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو اپنے مضمون اور پیغام کی

اہمیت کی وجہ سے سیکڑوں یا ہزاروں آیتوں کے برابر ہیں۔ انہی میں سورۂ تکاثر بھی ہے۔ اس میں دُنیا پرستی اور آخرت فراموشی پر سخت ضرب لگائی گئی ہے، اور آخرت کے محاسبہ اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر دل بالکل مُردہ نہ ہوگیا ہو تو اس میں فکر اور بیداری پیدا ہو جانا لازمی ہے ــــ اس حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لحاظ سے اس کے پڑھنے کو ہزار آیتیں پڑھنے کے قائم مقام بتایا ہے ــــ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں میں جن دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کو نصف قرآن یا تہائی قرآن یا چوتھائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے، ان کے بارے میں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے، اور ممکن ہے ان کی تلاوت کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ عطا فرمایا جائے ــــ اللہ کا خزانہ ہمارے وہم وگمان سے زیادہ وسیع ہے۔

سُورۂ زلزال، سُورۂ کافرون، سُورۂ اخلاص :ــــ

(۵۷) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِذَا زُلْزِلَتْ" تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَ "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ ــــ رواه الترمذی

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ــــ سُورۂ "اذا زلزلت" نصف قرآن کے برابر ہے، اور "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے، اور "قل یا ایھا الکفرون" چوتھائی قرآن کے برابر ہے ــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) سورۂ "اذا زلزلت" میں قیامت کا بیان اور اس کی منظر کشی نہایت ہی مؤثر انداز میں کی گئی ہے، اور اسی طرح اس کی آخری آیت:۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" میں جزا وسزا کا بیان اختصار کے باوجود ایسے مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی جائے تو اس سے زیادہ مؤثر نہ ہوگی۔ غالباً اس سورت کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس حدیث میں اس کو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) میں انتہائی اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی تنزیہہ، اور اس کا صفاتی کمال جس معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس سورت کی خصوصیت ہے، اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کو تہائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔ اور "قل یا ایھا الکفرون" میں واشگاف طریقہ پر شرک اور اہل شرک سے برأت اور بیزاری کا اعلان کر کے جس طرح خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے (جو دین کی جڑ بنیاد ہے) وہ اس سورت کی خصوصیت ہے، اور غالباً اسی کی وجہ سے اس سورت کو اس حدیث میں چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۵۸) عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَقُولُهُ إِذَا أَوَيْتُ إِلَى فِرَاشِي فَقَالَ اِقْرَأْ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ ـــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی

فروۃ بن نوفل اپنے والد ماجد نوفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ مجھے کوئی ایسی چیز پڑھنے کو بتا دیجیے، جس کو میں سوتے وقت بستر پر پڑھ لیا کروں؟ ـــــ آپؐ نے فرمایا:ـــــ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" پڑھ لیا کرو، اس میں

شرک سے براءت ہے ——— (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی)

(۵۹) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَأَ فِىْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" يَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ ——— رواہ مسلم ورواہ البخاری عن ابی سعید وروی الترمذی عن ابی ایوب الانصاری بمعناہ)۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کیا تم میں سے کوئی اس سے بھی عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے؟۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے (تو جس نے رات میں وہی پڑھی اُس نے گویا تہائی قرآن پڑھ لیا)۔

——— (صحیح مسلم)

اور امام بخاریؒ نے یہی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۶۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ ——— رواہ الترمذی وروی البخاری معناہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔ حضرتؐ! مجھے یہ سورت "قل ھو اللہ احد" خاص طور سے محبوب ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اس سورت کے ساتھ تمہاری

یہ محبت تم کو جنت میں پہونچادے گی ——— (جامع ترمذی)

(الفاظ وعبارت کے کچھ فرق کے ساتھ اسی مضمون کی ایک حدیث

امام بخاریؒ نے بھی روایت کی ہے) ———

(۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ ——— رواہ مالک والترمذی والنسائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا:۔ "اس کے لئے واجب ہوگئی"۔ میں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟۔ آپ نے فرمایا:۔ جنت ——— (موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) صحابۂ کرامؓ جنھوں نے تعلیم و تربیت براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی اور جو ہر عمل میں آپ کی تقلید اور پیروی کے حریص تھے، ظاہر ہے کہ جب وہ قرآنِ پاک کی اور خاص کر ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کرتے ہوں گے جن میں اللہ کی توحید اور صفات کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے تو دوسروں کو بھی صاف محسوس ہوتا ہوگا کہ یہ ان کے دل کا حال ہے اور ان کی زبان پر اللہ بول رہا ہے۔ اس حدیث میں جن صحابیؓ کے (قل ھو اللہ احد) پڑھنے کا ذکر ہے ان کا حال اس وقت یہی ہوگا اور حضورؐ کو محسوس ہوا ہوگا کہ یہ پوری ایمانی کیفیت اور ایمانی ذوق کے ساتھ "قل ھو اللہ احد" پڑھ رہے ہیں ——— ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہونے میں کیا شبہ ہے ——— اللہ تعالیٰ اس نعمت کا کچھ حصہ ہم کم نصیبوں کو بھی نصیب فرمائے۔

(۶۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشِهِ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ

مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ ——

—— رواہ الترمذی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے، پھر وہ (سونے سے پہلے) سَو دفعہ سورۂ "قل ھو اللہ احد" پڑھے، تو جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُس سے فرمائے گا:- اے میرے بندے! اپنے داہنے ہاتھ پر جنت میں چلا جا۔

—— (جامع ترمذی)

(تشریح) "عَلٰى يَمِيْنِكَ" "(اپنے داہنے ہاتھ پر) کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بندہ حساب کے موقف میں جہاں ہوگا وہاں سے جنت اس کے داہنی جانب ہوگی اور اس سے فرمایا جائے گا کہ: "اپنے داہنے رُخ پر چل کر جنت میں چلا جا" —— دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود جنت کا جو داہنی جانب کا حصہ ہوگا وہ بائیں جانب کے حصے سے افضل ہوگا، اور اُس بندے سے فرمایا جائے گا کہ: —— "تو داہنی جانب والی جنت میں چلا جا" —— بلاشبہ بڑا سستا ہے یہ سودا کہ سونے سے پہلے صرف سَو دفعہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے پر یہ دولت نصیب ہو جائے —— اللہ تعالیٰ توفیق دے کوئی بڑی بات نہیں ہے اللہ کے بعض بندوں کو دیکھا ہے کہ ان کا رات کو سونے سے پہلے کا روزمرہ کا معمول اس سے بہت زیادہ ہے۔

معوذتین :- ——

(۶۳) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

ـــــــــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ) اُن کے مثل نہ کبھی دیکھی گئیں نہ سُنی گئیں :۔ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ـــــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ دونوں سورتیں اِس لحاظ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اوّل سے آخر تک تعوّذ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے، ظاہر کے شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے، گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ حصن حصین ہیں، اور دونوں اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

(۶۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْ غَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا ـــــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جُحْفَةَ اور اَبْوَاء کے درمیان (یہ دونوں دو مشہور مقام تھے مدینہ اور مکہ کے درمیان) اچانک سخت آندھی آگئی اور سخت اندھیری چھاگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اللہ سے پناہ مانگنے لگے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے :۔ عقبہ! تم بھی یہ دو سورتیں پڑھ کر اللہ کی پناہ لو کسی پناہ

لینے والے نے ان کے مثل پناہ نہیں لی (یعنی اللہ کی پناہ لینے کے لئے کوئی دُعا ایسی نہیں ہے جو اِن دونوں سورتوں کے مثل ہو، اس خصوصیت میں یہ بے مثل اور بے مثال ہیں) ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مصیبت اور خطرے کا سامنا ہو تو معوذتین پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہئے، اس سے بہتر بلکہ اس جیسا بھی کوئی دوسرا تعوذ نہیں ہے۔

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اَوىٰ إِلىٰ فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلىٰ رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ———

——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر رات کو جب آرام فرمانے کے لئے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا لیتے (جس طرح دُعا کے وقت دونوں ہاتھ ملائے جاتے ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونکتے اور قل ھواللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے، پھر جہاں تک ہو سکتا اپنے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرتے، سر مبارک اور چہرۂ مبارک اور جسد اطہر کے سامنے کے حصّے سے شروع فرماتے (اس کے بعد باقی جسم پر جہاں تک آپ کے ہاتھ جا سکتے وہاں تک ہاتھ پھیرتے) یہ آپ تینؔ دفعہ کرتے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) رات کو سونے سے پہلے کا یہ مختصر معمولِ نبوی تو بہت آسان ہے، کم از کم اس کا اہتمام

ہم سب کو کرنا چاہئے، اس کی برکات بیان سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

چند مخصوص آیات کی فضیلت اور امتیاز :

مندرجۂ بالا احادیث میں جس طرح خاص خاص سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص آیات کی فضیلت اور ان کا امتیاز بھی بیان فرمایا گیا ہے اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

آیۃ الکرسی :

(۴۶) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِىْ اَىُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِىْ اَىُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ" قَالَ فَضَرَبَ فِىْ صَدْرِىْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔

رواہ مسلم

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی کنیت ابوالمنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا:۔ اے ابوالمنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے (مکرر) فرمایا:۔ اے ابوالمنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟۔ میں نے عرض کیا:۔ "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ"۔ تو آپ نے

میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا:۔ اے ابوالمنذر! تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں اُبیّ بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ "اللہ ورسولہ اعلم" (اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا، لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو اُبیّ بن کعب نے اپنے علم وفہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو "اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" یعنی آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی، اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ نے غالباً اس لئے ٹھوکا کہ قلب (جو محل علم ومعرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے ——— بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہہ اور صفاتِ کمال اور اس کی شانِ عالی کی عظمت ورفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد اور بےمثال ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں: ———

(۶۷) عَنْ اَيْفَعَ بْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ "اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَاُمَّتَكَ؟ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ۔

——— رواہ الدارمی

ایفع بن عبد الکلاعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ آپ نے فرمایا: "قل ھو اللہ احد"۔ اس نے عرض کیا:۔ اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ آیۃ الکرسی "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"۔ اس نے عرض کیا:۔ اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپ کو اور آپ کی امت کو پہونچیں؟ آپ نے فرمایا:۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورہ تک)۔ پھر آپ نے فرمایا:۔ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُن خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ رحمت اِس امت کو عطا فرمائی ہیں، یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

——— (مسند دارمی)

(**تشریح**) قل ھو اللہ احد اور آیۃ الکرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے بلاشبہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص خزائن رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" سے "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے، اُس کے بعد "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" میں اسلام اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لیا گیا ہے، اُس کے بعد "غُفْرَانَكَ رَبَّنَا

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" میں ان کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہدِ اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا جاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو اُن کی حدِ استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے بعد "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" سے آخر سورت تک نہایت جامع دُعا کی تلقین فرمائی گئی ہے ——— بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمتِ الٰہی کا خزانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(۶۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِىْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَاءَكُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَقُرْبَانٌ وَدُعَاءٌ۔

——— رواہ الدارمی مرسلاً

جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو اُس نے اپنے اُس خاص خزانے سے مجھے عطا فرمائی ہیں جو اُس کے عرش عظیم کے تحت ہے۔ تم لوگ ان کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سکھاؤ، کیونکہ یہ آیتیں سراپا رحمت ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا خاص وسیلہ ہیں، اور ان میں بڑی جامع دُعا ہے۔

——— مسند دارمی۔

(فائدہ) واضح رہے کہ جبیر بن نفیر جنھوں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے تابعی ہیں، انھوں نے اُن صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے ان کو یہ حدیث پہونچی،

اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث بھی مرسل ہے، کیونکہ اس کے راوی ایفع بن عبد کلاعی بھی تابعی ہیں، انھوں نے بھی کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر اس کو روایت کیا ہے۔

(۶۹) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ مَنْ قَرَأَ بِہِمَا فِیْ لَیْلَۃٍ کَفَتَاہُ ــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں جو کوئی کسی رات میں ان کو پڑھے گا وہ اس کیلئے کافی ہوں گی ــــــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص رات کو بقرہ کی یہ آخری آیتیں پڑھ لیگا وہ انشاء اللہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد میں صرف یہی آیتیں پڑھ لے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

آل عمران کی آخری آیات :ــــــــ

(۷۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَءَ آخِرَ آلِ عِمْرَانَ فِیْ لَیْلَۃٍ کُتِبَ لَہٗ قِیَامُ لَیْلَۃٍ ــــــــــــ رواہ الدارمی

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ :- جو شخص کسی رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے گا اُس کے لئے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا ــــــــــــ (سند دارمی)

(تشریح) "آخر آل عمران" سے مراد "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے ختم سورت تک کی آیات ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لئے اُٹھتے تو سب سے پہلے (وضو کرنے سے بھی پہلے) یہی آیات

پڑھتے تھے۔

آل عمران کا یہ آخری رکوع بھی سورۂ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح نہایت جامع دُعا پر مشتمل ہے، اور غالباً اس رکوع کی خاص فضیلت کا راز ان دُعائیہ آیات ہی میں مضمر ہے۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرنے والے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے بندوں کی زبان سے یہ جامع دُعا اس رکوع میں اس طرح ذکر کی گئی ہے:—

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ
فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝
رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا
مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ
أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ
فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا
مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا
وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا
عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا
تُخْزِنَا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝

اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانۂ ہستی
بے مقصد نہیں پیدا کیا، تو اس بات سے
پاک اور مقدس ہے کہ کوئی عبث کام کرے
(یقیناً اس دنیوی زندگی کے بعد جزا و سزا
برحق ہے) سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے
بچا۔ اے ہمارے رب! جس کو تو نے دوزخ
میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا
اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی حمایتی اور مددگار
نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے
ایک داعی اور منادی کو سُنا کہ وہ ایمان
کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگو!
اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔
اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے
ہماری برائیوں کو ہم سے دُور کر دے، اور
ہمیں اپنے وفادار اور نیکوکار بندوں کے ساتھ
دنیا سے اُٹھا، اور اے ہمارے رب! ہمیں

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ وہ سب عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی اہلِ ایمان کے لئے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی یہ دُعا قرآن مجید کی جامع ترین دو تین دُعاؤں میں سے ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس رکوع کی خاص فضیلت اِن دُعائیہ آیات ہی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ "جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے اُس کیلئے پوری رات کے نوافل کا ثواب لکھا جائے گا" ـــــ ظاہر ہے کہ یہ بات انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سُنی ہوگی۔ حضورؐ سے سُنے بغیر کوئی صحابیؓ اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے، اِس لئے حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد حدیثِ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

(فائدہ) اُمتِ مسلمہ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی جو خاص رحمتیں ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تھوڑے عمل پر بڑے اجر و ثواب کی بہت سی صورتیں اور بہت سے طریقے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اِس اُمت کو بتلائے گئے ہیں، تاکہ جو لوگ اپنے خاص حالات کی وجہ سے بڑے بڑے عمل نہ کر سکیں وہ یہ چھوٹے چھوٹے عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے مستحق ہو سکیں۔

مندرجۂ بالا حدیثیں جن میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص سورتوں اور مخصوص آیتوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں، یہ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ بہت سے بندے جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت نہیں کر سکتے وہ اِن مخصوص سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے ذریعہ بڑے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے قابل ہو جائیں۔ اِس لئے اِن حدیثوں کا حق ہے کہ ان پر یقین کر کے ان سورتوں اور آیات کی تلاوت کا ہم خاص طور سے اہتمام کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات

میں ہمارا بھی حصہ ہو ـــــ بلاشبہ ہم بڑے محروم ہیں اگر اتنا بھی نہ کر سکیں۔
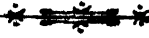
یہاں تک جو ستر حدیثیں درج ہوئیں وہ "ذکر اللہ" اور "تلاوتِ قرآن مجید" سے متعلق تھیں۔

آگے وہ حدیثیں پیش کی جارہی ہیں جن کا تعلق بابِ دُعا سے ہے، اِن میں وہ بھی ہیں جن میں دُعا کی عظمت و اہمیت بیان فرمائی گئی ہے ـــــ وہ بھی ہیں جن میں دُعا سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں ـــــ وہ بھی ہیں جن میں اللہ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں محفوظ کر کے پیش کی گئی ہیں جو اُمت کے لئے آپؐ کی عظیم ترین میراث ہیں ـــــ آخر میں استغفار اور درود شریف سے متعلق احادیث ہیں۔

دُعَا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا اُن میں سب سے بڑا امتیاز و کمال **عبدیتِ کاملہ** کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سر افگندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اُسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اس کے در کی فقیری و گدائی ——— اس سب کے مجموعہ کا عنوان **مقامِ عبدیت** ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں اور اسی لئے افضل مخلوقات اور اشرفِ کائنات ہیں ——— قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی، وقس علیٰ ہذا ———
انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے:۔
"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" اس لئے سب سے افضل و اشرف انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ کمالِ عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ افضلِ مخلوقات اور اشرفِ کائنات ہیں،
اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپؐ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ
کے آپؐ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپؐ کو
عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے ـــــ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اسراء
میں فرمایا گیا ہے: "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" ـــــ پھر اسی سفرِ معراج کی آخری
منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ النجم میں فرمایا گیا: "فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی"۔
اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآنِ حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ فرقان میں
ارشاد فرمایا گیا: "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ" ـــــ اور
سورۂ کہف میں فرمایا گیا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ"۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے، اور سیدنا
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے امام یعنی اس وصفِ خاص میں سب پر فائق ہیں۔
اور دُعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے وقت (بشرطیکہ
حقیقی دُعا ہو) بندہ کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دُعا کا ہے، اور اُمت کو آپؐ کے
ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں اُن میں سب سے بیش قیمت خزانہ اُن دُعاؤں کا ہے
جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ نے کیں یا اُمت کو ان کی تلقین فرمائی۔

ان میں سے کچھ دُعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و
حاجات سے ہے، اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دُعاؤں کی قدر و قیمت
اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دُعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے
کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی،
اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی رُوحِ پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا، اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی و لاچاری اور اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کے لئے غیب نہیں شہود تھا ـــــ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سیکڑوں دُعائیں محفوظ ہیں اُن میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دُعا معرفتِ الٰہی کا شاہکار اور آپ کے کمالِ رُوحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے صدقِ تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثور دُعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلّم۔

اِس عاجز راقم سطور کا دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے اور سمجھ دار غیر مسلموں کے سامنے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپؐ کی کچھ دُعائیں ان کو ضرور سُناتا ہوں۔ قریب قریب سَو فی صدی تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپؐ کی دُعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ کے کمالِ خدا رسی و خدا شناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔

اِس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی برکتیں بیان فرمائی ہیں، یا دُعا کے آداب بتائے ہیں، یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دُعائیں مذکور ہیں۔ جو مختلف موقعوں پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیں، یا اُمت کو جن کی تلقین فرمائی۔

دُعا کا مقام اور اس کی عظمت ـــــــ:

(۱۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝

—— رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دُعا عین عبادت ہے"۔ اس کے بعد آپ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی:۔ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ الخ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دُعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا، جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے اُن کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا)۔

—— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔ "دُعا عین عبادت ہے"۔ غالباً حضورؐ کے اِس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اُسی طرح کی ایک کوشش دُعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا، اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دُعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصولِ مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذاتِ خود عبادت ہے، اور عینِ عبادت ہے اور اس پہلو سے وہ بندے کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اُس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا عین عبادت ہے —— آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دُعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

(۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ —— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) عبادت کی حقیقت ہے اللہ کے حضور میں خضوع و تذلل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ، اور دعا کا جزو و کل اور اول و آخر اور ظاہر و باطن یہی ہے، اس لئے دعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

(۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْئٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔

——— رواه الترمذی وابن ماجة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جب یہ معلوم ہو چکا کہ دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہو گئی کہ انسانوں کے اعمال و احوال میں دعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

(۷۴) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِیْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْاَلَ الْعَافِيَةَ ——— رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے

دروازے کھل گئے ـــــ اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے
کہ بندے اُس سے عافیت کی دُعا کریں، یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔

ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اُخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہے وہ برملا اِس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا پس ایسی دُعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمالِ عبدیت ہے، اِس لئے عافیت کی دُعا اللہ تعالیٰ کو سب دُعاؤں سے زیادہ محبوب ہے ـــــ دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دُعا کی حقیقت نصیب ہو گئی اور اللہ سے مانگنا آ گیا اُس کے لئے رحمتِ الٰہی کے دروازے کھل گئے ـــــ

دُعا دراصل اُن دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دُعا کا لباس یا قالب کہا جا سکتا ہے۔ دُعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اُس کی رُوح کی طلب اور تڑپ ہے، اور حدیثِ پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو بابِ دُعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَسْأَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ۔

ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ـــ (جامع ترمذی)

(تشریح) دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑھ جاتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اُسے پیار آتا ہے۔۔۔۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندہ کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دعا اور سوال ہے۔۔۔۔

لك الحمد یا ربّ العالمین ویا ارحم الراحمین!

(۷۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْأَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ ۔۔۔۔ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دعا کرو کہ وہ فضل و کرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں! ۔۔۔۔ اور فرمایا کہ:۔ (اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید رکھتے ہوئے) اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دُور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے) ۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

دُعا کی مقبولیت اور نافعیت :۔۔۔۔

(۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ۔

۔۔۔۔ رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے اُن حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور اُن میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی)

(اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبداللہ بن عمر کے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اُس سے حفاظت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اُس کے دفعیہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اُس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

(۷۸) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا ـــــــ رواه الترمذی وابوداؤد

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہارے پروردگار میں بدرجۂ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اُس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے)۔

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۷۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيُدِرُّ لَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللّٰهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ ـــــــ رواه ابو یعلی فی مسنده

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے ـــــ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دُعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دُعا مومن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے ـــــ (مسند ابو یعلی موصلی)

(تشریح) دُعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پا سکتا۔ اِس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ دُعا کی رُوح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعتِ رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام و خاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے تو اُس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دُعا قبول فرماتا ہے، اِس لئے بلاشبہ دُعا اُن بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دُعا کی رُوح و حقیقت نصیب ہو۔

دُعا سے متعلق ہدایات :ـــــ

رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دُعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں، ضروری ہے کہ دُعا کرنے والے بندے اُن کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔

ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ سے مانگو اور دُعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا، اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اس کی دُعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دُعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پروا ہو ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دُعا کے وقت دل کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے، تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دُعا ہوگی وہ بے جان اور رُوح سے خالی ہوگی۔

(۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِىْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِىْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهٗ۔

——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: "اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخشدے، اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما، اور تو چاہے تو مجھے روزی دے" بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔

——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے ربِ کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو ایسا کردے، اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقامِ عبدیت اور

دُعا کے منافی ہے، نیز ایسی دُعا کبھی جاندار دُعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ: میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے ــــــ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اُس سے کچھ کرالے۔

(۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔

ــــــ رواه الترمذی

جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دُعا زیادہ کیا کرے۔

ــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اُسی وقت اُن کے ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھتے ہیں، اُن کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر اُن کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دُعا میں رُوح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر اُن کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی دُعا قدرتی طور پر جاندار ہوتی ہے ــــــ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دُعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو ان کی دُعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

ــــــــــــ

دُعا میں عجلت طلبی کی ممانعت :

دُعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالکِ کُل اور قادرِ مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دُعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے۔ بلکہ بسا اوقات خود اُس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اُس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دُعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیتِ دُعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اُس کی یہ جلد بازی ہی اُس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

(۴۳ ۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَا لَمْ يُعَجِّلْ فَيَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِىْ ــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ تمہاری دُعائیں اُس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دُعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی ــــــــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی ــــــ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دُعا جو وہ بڑے اخلاص و اضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ

اس دُعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دُعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

حرام کھانے اور پہننے والے کی دُعا قبول نہیں :

(۸۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ "يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ" وَقَالَ "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ" ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ۔

——— رواه مسلم عن ابی ہریرة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اُس نے اِس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے "اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا، اور عمل کرو صالح، میں خوب جانتا ہوں تمہارے اعمال" اور اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ:۔ "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)"۔ اس کے بعد حضورؐ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا، جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر)

ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد وغبار ہے،
اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دُعا کرتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!!"
اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے،
اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے، تو اس آدمی کی دُعا کیسے قبول ہوگی۔
—————— (صحیح مسلم)

(**تشریح**) آج بہت سے دُعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ جب دُعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دُعا کرنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہے: "أُدْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (تم دُعا کرو میں قبول کروں گا) تو پھر ہماری دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ —————
اِس حدیث میں اس کا پورا جواب ہے۔ آج دعا کرنے والوں میں کتنے ہیں جن کو اطمینان ہو کہ وہ جو کھا رہے ہیں جو پی رہے ہیں جو پہن رہے ہیں وہ سب حلال اور طیّب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

وہ دُعائیں جن کی ممانعت ہے: ———

انسان بے صبرا اور جلد گھبرا جانے والا ہے، اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دُعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اُسی کا خسارہ ہو ——— رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دُعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۸۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبُ لَكُمْ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم کبھی (اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال وجائداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو، اور تمہاری وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (جس کے نتیجہ میں خود تم پر یا تمہاری اولاد یا مال وجائداد پر کوئی آفت آجائے)۔

(صحیح مسلم)

(۸۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّىٰ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ وَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهٗ اِلَّا خَيْرًا ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے، نہ جلدی موت آنے کے لئے اللہ سے دعا کرے، کیونکہ جب موت آجائے گی تو عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (اور اللہ کی رضا ورحمت حاصل کرنے والا کوئی عمل بندہ نہیں کرسکے گا، جو عمل بھی کیا جاسکتا ہے جیتے جی ہی کیا جاسکتا ہے) اور بندۂ مومن کی عمر تو اس کے لئے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے (اس لئے موت کی تمنا اور دعا کرنا بڑی غلطی ہے)۔

(صحیح مسلم)

(۸۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلَا تَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَا بُدَّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ——— رواہ النسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ، تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو ، اگر کوئی آدمی ایسی دعا کے لئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کے لئے دوبھر ہو) تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے :۔ اے اللہ ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھالے ! ــــــــــــــ (سنن نسائی)

(**تشریح**) ان حدیثوں میں دراصل موت کی اُس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آکر زبان پر آجاتی ہے ۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے ۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔ "لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ" الحدیث (تم میں سے کوئی کسی پیش آجانے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے) ۔

اس صورت میں موت کی تمنا اور دعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے ، اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اُس کے لئے توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات و طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے ۔ پس موت کی دعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دعا ہے ، اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے ــــــ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاء الٰہی کے غلبۂ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دعا کا ظہور بھی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا :۔ "فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ" [1]

---

[1] اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں ، مجھے اٹھالے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں ، اور مجھے ساتھ کردے اپنے اچھے نیک بندوں کے ۱۲ ۔

اور آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى" (اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں) اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دعا کے چند آداب:

(دوسرے سے پہلے اپنے لئے دعا)

دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کیلئے دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کے لئے۔ اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے گا تو اسکی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف "سفارشی" کی سی ہوگی، اور یہ بات دربارِ الٰہی کے کسی منگتا کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ کسی دوسرے کے لئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیتِ کاملہ کا تقاضہ یہی تھا۔

(۸۸) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ اَحَدًا فَدَعَا لَهٗ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یاد فرماتے اور اس کے لئے دعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے، پھر اس شخص کے لئے دعا فرماتے (جامع ترمذی)

ہاتھ اٹھا کے دعا کرنا:

(۸۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْاَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رُخ سامنے ہو ہاتھ اُلٹے کر کے نہ مانگا کرو، اور جب دُعا کر چکو تو اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آنے والی اور نازل ہونے والی کسی بلا کو روانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی، اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے، اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ مُنہ پر پھیر لئے جائیں اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، ربِّ کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

(۹۰) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ۔

رواہ ابوداؤد والبیہقی

سائب بن یزید تابعی اپنے والد یزید بن سعید بن ثمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ ہاتھ اٹھا کے دُعا مانگتے تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔

(سنن ابی داؤد۔ دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) دعا میں ہاتھ اٹھانا اور آخر میں ہاتھ مُنھ پر پھیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قریب قریب بتواتر ثابت ہے۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے صرف غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام نووی نے شرح مہذب میں قریباً تیس حدیثیں اس کے متعلق یکجا کر دی ہیں، اور تفصیل سے ان حضرات کی غلط فہمی کی حقیقت واضح کی ہے۔

دُعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ :—

(۹۱) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُوْ فِي صَلٰوتِهٖ لَمْ يَحْمِدِ اللهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَوْ لِغَيْرِهٖ إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهٖ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔

—رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی

فضالہ بن عبید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا اس نے نماز میں دعا کی، جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، تو حضور نے فرمایا کہ:۔ اس آدمی نے دعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر اس کے رسول پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔

—(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

دُعا کے آخر میں آمین :—

(۹۲) عَنْ اَبِیْ زُهَیْرٍ النُّمَیْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِى الْمَسْئَلَةِ فَوَقَفَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ مِنْهُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِآمِيْنَ، فَاِنَّهٗ اِنْ خَتَمَ بِآمِيْنَ فَقَدْ اَوْجَبَ۔

رواہ ابوداؤد

ابو زہیر نُمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے۔ ہمارا گزر اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاح سے اللہ سے مانگ رہا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا اور اللہ کے حضور میں اس کا مانگنا، گڑگڑانا سننے لگے۔ پھر آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ:— اگر اس نے دُعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مُہر ٹھیک لگائی، تو جو اس نے مانگا ہے اس کا اس نے فیصلہ کرا لیا۔— ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ: حضورؐ! صحیح خاتمہ کا اور مُہر ٹھیک لگانے کا طریقہ کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا:— آخر میں "آمین" کہہ کے دُعا ختم کرے (تو اگر اس نے ایسا کیا تو بس اللہ سے طے کرا لیا) (رواہ ابوداؤد)

(تشریح) ختم کے معنی ختم کرنے کے بھی ہیں اور مُہر لگانے کے بھی ہیں، بلکہ یہ دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، اس لئے ترجمہ میں دونوں ہی لفظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث کا اصل سبق یہ ہے کہ ہر دُعا کے خاتمہ پر بندہ کو "آمین" کہنا چاہئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری یہ دُعا قبول فرما!۔ اسی پر ہر دُعا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت عنقریب

ہی پہلے لکھی جاچکی ہے۔

اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست :۔

(۹۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَأَذِنَ وَقَالَ أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا ــــــ رواه ابوداؤد والترمذی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ :۔ ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرمادی، اور ارشاد فرمایا :۔ بھیّا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا ! ــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔ آپ نے مجھے مخاطب کرکے یہ بھیّا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دُنیا دے دی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا۔

ــــــ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کے لئے یا ایسے مقدس مقام کو جا رہا ہو جہاں قبولیت کی خاص اُمید ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "اُخَيَّ" کے لفظ سے خطاب فرمایا جو "اَخِیْ" کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ "بھیّا" ہے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جتنی خوشی ہوئی (جس کا انھوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اسی کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی رفعت اور

بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دُعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں :ـــــــ

(۹۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهٖ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔

ـــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی مسلمان کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کے لئے (غائبانہ) کوئی اچھی دُعا کرے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ :- تیری یہ دُعا اللہ قبول کرے، اور تیرے لئے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) غائبانہ دُعا کی جس خصوصی قبولیت اور برکت کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی خاص وجہ بظاہر یہ ہے کہ ایسی دُعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(۹۵) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ۔

ـــــــ رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں ان کی قبولیت میں شک ہے؟

نہیں ہے ۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دُعا۔ دوسرے مسافر و پردیسی کی دُعا۔
تیسرے مظلوم کی دُعا ـــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دُعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کے لئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔ اسی طرح بیچارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے، اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

(۹۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يُفْقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔

ـــــــ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ آدمیوں کی دُعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں مظلوم کی دُعا جب تک وہ بدلہ نہ لیوے، اور حج کرنے والے کی دُعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی دُعا جب تک وہ شہید ہو کے دنیا سے غائب نہ ہو جائے، اور بیمار کی دُعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لئے غائبانہ دُعا ـــــــ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دُعا کسی بھائی کے لئے غائبانہ دُعا ہے۔

ـــــــ (دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) دُعا اگر حقیقۃً دُعا ہو اور خود دُعا کرنے والے کی ذات اور اس کے احوال میں کوئی

ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دُعا عموماً قبول ہی ہوتی ہے لیکن بندۂ مومن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمتِ الٰہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دُعاؤں کا ذکر ہے اُن میں سے مظلوم کی دُعا اور غائبانہ دُعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مردِ مومن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قربِ الٰہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے، اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اس لئے اس کی دُعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیتِ دُعا کے خاص احوال و اوقات :

دعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" اور "ابتہال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجۂ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احوال و اوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

(۹۷) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فَرِيْضَةً فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـ جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دُعا کرے) تو اس کی

دُعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دُعا کرے) تو اس کی دُعا بھی قبول ہوگی ——— (معجم کبیر للطبرانی)

(**تشریح**) نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو، بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندۂ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمتِ الٰہی خود آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

(۹۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔

——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۹۹) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِىْ اَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ رُؤْيَةِ الْكَعْبَةِ۔

——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار موقعے ہیں جن میں دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے:۔ ① راہِ خدا میں جنگ کے وقت، ② اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو)۔ ③ اور نماز کے وقت، ④ اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو ——— (معجم کبیر طبرانی)

(۱۰۰) عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةُ مَوَاطِنَ لَا تُرَدُّ فِيْهَا دَعْوَةٌ رَجُلٌ يَكُوْنُ فِيْ بَرِّيَّةٍ حَيْثُ لَا يَرَاهُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ فَيَقُوْمُ وَيُصَلِّيْ وَرَجُلٌ يَكُوْنُ مَعَهُ فِئَةٌ فَيَفِرُّ عَنْهُ اَصْحَابُهُ فَيَثْبُتُ وَرَجُلٌ يَقُوْمُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ ——— رواہ ابن مندۃ فی مسندہ

حضرت ربیعہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین موقعے ایسے ہیں کہ ان میں دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی):۔ ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اُسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دعا کرے)۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدانِ جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو، اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، مگر وہ (دشمنوں کے نرغہ میں) ثابت قدم رہا ہو (اور اس حال میں دعا کرے)۔ تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو (اور پھر دعا کرے، تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی)۔

——— (مسند ابن مندہ)

(۱۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی ہے کہ:۔ رات میں ایک خاص وقت ہے جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے گا تو

اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرما دے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث (معارف الحدیث کی جلد سوم میں) تہجد کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے ذکر کی جا چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں، کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں ——— اس حدیث کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث میں ہر رات میں قبولیتِ دعا کے جس خاص وقت کا ذکر کیا گیا ہے وہ رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مندرجۂ بالا حدیثوں سے دعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:———

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدانِ جہاد میں جنگ کے وقت، بارانِ رحمت کے نزول کے وقت، جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدانِ جہاد میں جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصے میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں شبِ قدر میں اور عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفرِ حج اور سفرِ جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دعا کا مطلب، دعا کے الفاظ اور صرف اسکی

صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، پودا اُسی دانے سے اُگتا ہے جس میں مغز ہو ـــــــ اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دُعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے۔

دُعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں: ـــــــ

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیتِ دُعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے، اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی ـــــــ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے ـــــــ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتمندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومتی اقتدار خدا سے دُوری اور اُس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے ـــــــ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے، اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی یا اُس کا عطا کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکمت کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرما دے ـــــــ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اُس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دُعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دُعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا، کبھی تو اُس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دُعا میں اُس نے مانگا اور کبھی اس کی دُعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے، اور اس طرح اس کی یہ دُعا اس کے لئے ذخیرۂ آخرت

بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے ــــ بہرحال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائگاں نہیں جاتی، اور دُعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورۂ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے ــــ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

(۱۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَۃُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ بِھَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَہٗ دَعْوَتَہٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَھَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَھَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ اللّٰہُ اَکْثَرُ۔

ــــــــــ رواہ احمد

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تینؔ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے:۔ یا تو جو اُس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اُس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا:۔ جب بات یہ ہے (کہ ہر دُعا ضرور قبول ہوتی ہے) اور اُس کے

حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے ————

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔

———————— رواہ احمد

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے۔ اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی ———— مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :۔ اللہ تعالیٰ جب اُس بندے کو جس نے دُنیا میں بہت سی ایسی دُعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دُنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی اُن دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائینگے تو بندے کی زبان سے نکلے گا :————

يَا لَيْتَهُ لَمْ يُعَجَّلْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ دُعَائِهِ ————	اے کاش! میری کوئی بھی دُعا دُنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دُعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

(کنز العمال ۳۵ جلد ۲)
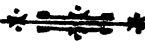
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں

دُعا سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک مذکور ہوئیں، ان میں یا تو دعا کی ترغیب اور اس کی عظمت و برکات کا بیان تھا یا دعا کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات اور موجباتِ قبولیت بیان فرمائے گئے تھے۔ یہ سب مضامین گویا تمہیدی تھے۔ اب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اصل دعائیں اور سوز و گداز سے بھری ہوئی بارگاہِ خداوندی میں آپ کی وہ مناجاتیں پڑھئے جو آپ کے مقامِ معرفت اور قلبی کیفیات و واردات کو ممکن حد تک جاننے کا بہترین وسیلہ اور امت کے لئے آپ کا عظیم ترین ورثہ ہیں، اور جن کو پورے ذخیرۂ حدیث کا بجا طور پر گلِ سرسبد کہا جا سکتا ہے ——— نبویؐ دعاؤں کے اس پورے ذخیرے کو تینؔ حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایکؔ وہ جن کا تعلق خاص اوقات اور مخصوص حالات سے ہے، مثلاً صبح نمودار ہونے کے وقت کی دعا، شام کے وقت کی، سونے کے وقت کی دعا، نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا، آندھی یا بارش کے وقت کی دعا، کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت کی دُعا وغیرہ وغیرہ۔

دوسریؔ وہ دعائیں جو عام نوعیت کی ہیں، کسی خاص وقت اور مخصوص حالت سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ یہ دُعائیں اکثر جامع قسم کی ہیں۔

تیسریؔ قسم کی دُعائیں وہ ہیں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یا نماز سے

فارغ ہو کر یعنی سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا کرتے تھے ——— یہاں پہلے یہی تیسری قسم کی نماز والی دعائیں درج کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین اور بیش بہا ورثہ کی شایانِ شان قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق عطا فرمائے۔

نماز میں، اور نماز کے بعد کی جانے والی دُعائیں

تکبیر تحریمہ کے بعد کی بعض افتتاحی دُعائیں : ———

(۱۰۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ "إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ"

——— رواہ النسائی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں سب سے پہلے اس کی فرمانبرداری کرنے والوں میں ہوں، اے میرے اللہ! مجھے بہترین اعمال و اخلاق کی ہدایت فرما، یہ ہدایت صرف تجھ ہی سے مل سکتی ہے، اور برے اعمال و اخلاق سے

مجھے بچا اور میری حفاظت فرما، یہ حفاظت بھی تو ہی فرما سکتا ہے"۔ (سنن نسائی)

(تشریح) اس دعا میں شروع میں تو جیسا کہ چاہئے توحید کی شہادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی و نیازمندی اور مخلصانہ عبدیت و وفاداری کا اقرار و اظہار ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال و اخلاق کی ہدایت و توفیق اور بُرے اعمال و اخلاق سے حفاظت اور بچاؤ کی التجا اور استدعا کی گئی ہے اور دراصل اسی ہدایت اور حفاظت پر انسان کی سعادت اور فلاح کا دارومدار ہے ——— معارف الحدیث جلد سوم میں (صفحہ ۳۳۶ سے ۳۴۰ تک) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے درج کی جا چکی ہے، اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہی افتتاحی دُعا کافی اضافہ کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے اور وہ اضافہ بڑا دلگداز ہے۔ نیز اس میں اس افتتاحی دعا کے علاوہ رکوع اور قومہ اور سجدہ، اور پھر جلسہ اور قعدہ، تیرہ کی خاص پرسوز دعائیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اور بلاشبہ نماز کی دعاؤں کے بارے میں وہ بڑی جامع حدیث ہے۔ اس کی تشریح میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی دعائیں زیادہ تر رات کے نوافل میں پڑھتے تھے ——— حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو دُعائیں تفصیل سے ذکر کی ہیں ان میں آپ کی نماز کی باطنی کیفیات کا عکس ممکن حد تک دیکھا جا سکتا ہے ——— حدیث کے زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے یہاں اس کو مکرر درج نہیں کیا جا رہا ہے (ان چیزوں) کا ذوق و شوق رکھنے والے حضرات اس کو معارف الحدیث جلد سوم میں پڑھ لیں۔

(۱۰۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ

وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہ دُعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ الخ" (اے میرے اللہ! ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے، تو ہی قائم رکھنے والا ہے زمین و آسمان کا اور ان سب چیزوں کا جو ان میں ہیں (یعنی سارے عالم علوی اور سفلی کا وجود تیرے ہی ارادہ سے قائم ہے)۔ مولا! ساری حمد و ستائش کا تو ہی مستحق ہے، تو ہی نور ہے زمین و آسمان کا اور ان سب کا جو زمین و آسمان میں ہیں (یعنی سارے عالم میں جہاں بھی نور کی کوئی کرن ہے وہ تیرے ہی نور سے ہے) اور ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے ہے، تو فرماں روا ہے زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا جو زمین و آسمان میں ہے، ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے، تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، مرنے کے بعد تیرے حضور حاضری اور تیری لقاء حق ہے، اور تیرا فرمان حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور سارے نبی برحق ہیں اور محمد بھی برحق ہیں اور قیامت کا آنا برحق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا

اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں نے تیرا سہارا پکڑ لیا اور پورا بھروسہ تجھ پہ کر لیا اور اپنا رخ تیری طرف کر دیا اور (مخالفینِ حق سے) تیری ہی مدد سے میری ٹکر ہے، اور میں نے اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے تیری ہی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے، پس اے میرے اللہ! بخش دے میرے وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے اور جو میں نے پوشیدہ کئے اور جو علانیہ کئے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو جسے چاہے آگے بڑھانے والا ہے اور جسے چاہے پیچھے ڈال دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں صرف تو ہی معبود برحق ہے ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن دعاؤں میں سے ہے جن سے آپ کے مقامِ معرفت اور آپ کی باطنی کیفیات و واردات کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ——————— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نمازِ تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو بالکل شروع میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ الخ" اے میرے اللہ! جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے، غیب اور شہود کو یکساں جاننے والے، تو ہی فیصلہ فرمائے گا بندوں کے درمیان اُن کے

اختلافات کے بارے میں، مجھے اپنی خاص توفیق سے اُس راہِ حق وہدایت پر چلا جس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوگیا ہے، تو ہی جسے چاہے گا سیدھے راستہ پر چلائے گا۔ (صحیح مسلم)

رکوع و سجود کی دُعائیں:

(۱۰۶) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ "سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ" رواه النسائی

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوگیا۔ جب آپ رکوع میں گئے تو آپ نے اتنی دیر تک رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔ اس رکوع میں آپ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ پاک ہے اللہ زور و قوت اور فرمانروائی والا، اور عظمت و کبریائی والا۔

(سنن نسائی)

(تشریح) معارف الحدیث جلد سوم میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" اور سجدے میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پڑھنے کا تھا، اور آپ نے اسی کی تعلیم فرمائی۔ لیکن کبھی کبھی ان کے علاوہ دوسرے تسبیح و تقدیس کے کلمات اور دوسری دعائیں بھی آپ رکوع و سجود میں کہتے تھے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث وہاں ذکر کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ بھی وہاں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ نفل نماز میں خاص کر رات کے نوافل میں

کبھی کبھی طویل رکوع و سجود بھی کرتے تھے۔ یہ نماز جس میں عوف بن مالکؓ حضورؐ کے ساتھ شریک ہو گئے اور جس میں آپ نے بقدر سورۂ بقرہ کے طویل رکوع کیا یہ بھی نفلی نماز تھی ——— اللہ تعالیٰ ہم اُمتیوں کو کوئی ذرہ اس کیفیت کا نصیب فرمائے جو اس رکوع میں آپ کے قلب مبارک پر طاری رہی ہوگی۔

(۱۰۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا، اُس وقت آپ سجدے میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے (جیسے کہ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں) اور آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ لیتا ہوں، میں تیری ثنا و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے ——— (صحیح مسلم)

(۱۰۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَ سِرَّهٗ ــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دُعا بھی کرتے تھے :- "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ الخ" (اے میرے اللہ! میرے سارے گناہ بخشدے، چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی، پچھلے بھی، کھلے بھی اور ڈھکے چھپے بھی) ــــ (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ دونوں حدیثیں معارف الحدیث جلد سوم میں بھی ذکر کی جا چکی ہیں۔

قعدۂ اخیرہ کی بعض دُعائیں : ــــ

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْا فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ۔

ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا بھی کرتے تھے :- "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ الخ" (اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنے سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اور گناہ کے ہر کام سے اور قرضہ کے بار سے) ــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ متصلاً

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ؛۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد عذاب نار، عذاب قبر، فتنۂ دجال اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے ــــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ دُعا آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے معارف جلد سوم میں ذکر کی جاچکی ہے۔

(۱۱۰) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ ــــــ رواہ النسائی

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے تھے :۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ الخ" "اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں دین میں ثابت قدمی اور حق و ہدایت پر استواری و مضبوطی، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمتوں کی شکر گزاری کا اور اچھی طرح تیری عبادت گزاری کا، اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ دل جس میں روگ نہ ہو اور وہ زبان جو صداقت شعار ہو، اور تجھ سے سائل ہوں اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے، اور پناہ چاہتا ہوں اس شر اور برائی سے جس کا تجھے علم ہے، اور معافی اور بخشش مانگتا ہوں ان گناہوں کے لئے جو تجھے معلوم ہیں ــــــ (سنن نسائی)

(۱۱۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَادٍ قَالَ صَلّٰى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِالْقَوْمِ صَلٰوةً اَخَفَّهَا فَكَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْهَا فَقَالَ اَلَمْ اُتِمَّ الرُّكُوْعَ

وَالسُّجُوْدَ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ اَمَا اِنِّىْ دَعَوْتُ فِيْهِمَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْبِهٖ، اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِىْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِىْ وَتَوَفَّنِىْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِىْ، اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِى الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ فِى الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِى الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَاَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَا وَاَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَاَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِىْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ ——— رواہ النسائی

قیس بن عباد (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ چہ میگوئیاں کیں۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کئے؟۔ لوگوں نے کہا:۔ یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھی — حضرت عمارؓ نے فرمایا:۔ میں نے تو رکوع وسجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے):۔ "اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ الخ" (اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے اور تجھے اپنی

اپنی نعمتیں بھرپور عطا فرما ———— (سنن ابی داؤد)

نماز کے بعد کی دعائیں: ————

(۱۱۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيْدٌ أَنَّكَ أَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيْدٌ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيْدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِجْعَلْنِيْ مُخْلِصًا لَكَ وَأَهْلِيْ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ ———— ———— رواہ ابوداؤد

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے:۔ " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ الخ " (اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی مالک اور پروردگار ہے تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں ۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سارے بندے (بندگی کے رشتے سے) بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لئے دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لئے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنا لے۔

اے ذوالجلال والاکرام میری التجا سُن لے میری دعا قبول فرمالے، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، وہی بزرگ و برتر ہے، اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سارا جہان اسی کے نور سے قائم اور منور ہے) اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے، میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا میرا سہارا اور بھروسہ ہے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے)۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) دُعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں:۔ ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ سے دُنیا یا آخرت کی کوئی چیز طلب کی جائے، یا کسی شر اور بلا سے اس کی پناہ مانگی جائے۔ اور دوسری وہ جن میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت اور بے نہایت احسانات کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنی بندگی و نیازمندی اور مخلصانہ وفاداری و ممنونیت کا مظاہرہ کرے، اور اس طرح اس کی رحمت و عنایت اور اس کا قرب چاہے ـــــ نماز کے بعد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا جو حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے یہاں مذکور ہوئی اسی دوسری قسم کی ہے۔ اس سے پہلے جو دُعائیں درج ہو چکی ہیں ان میں سے اکثر میں بھی یہی عنصر غالب ہے۔

(۱۱۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ـــــ رواہ مسلم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یہ چاہا کرتے تھے کہ آپ کے داہنی جانب کھڑے ہوں آپ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) ہماری طرف رُخ فرماتے تھے تو میں نے سُنا آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے تھے: رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ؛

(اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اُس دن جس دن کہ تو بندوں کو اُٹھائے اور دوبارہ ان کو زندہ کرے) (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت براءؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد داہنی جانب رُخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی ایک روایت سے جس کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سلام کے بعد مقتدیوں کی جانب رُخ کر کے بیٹھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی قدر داہنی جانب کو بھی آپ کا رُخ ہوتا تھا، اس بنا پر یہ دونوں بیان بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ رواہ الترمذی

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دُعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے، اور فقر و فاقہ سے، اور قبر کے عذاب سے) (جامع ترمذی)

(۱۱۶) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ رواہ ابوداؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ الخ"
(اے اللہ! میرے سارے گناہ معاف فرمادے جو میں نے پہلے کئے اور جو بعد میں کئے، اور
جو چھپا کے کئے اور جو علانیہ کئے اور جو بھی میں نے زیادتی کی، اور وہ گناہ بھی معاف فرمادے
جن کا تجھ کو مجھ سے زیادہ علم ہے، تو آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے
تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں) ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۱۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِىْ دُبُرِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا ——— رواہ رزین

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نماز فجر کے بعد (کبھی کبھی) یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا
نَافِعًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا" (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں
اُس علم کا جو نفع مند ہو، اور ایسے اعمال کا جو تیری نگاہ میں قابل قبول ہوں، اور تجھ سے
سائل ہوں حلال طیب روزی کا) ——— (جامع رزین)

(۱۱۸) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسَرَّ اِلَيْهِ فَقَالَ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ" سَبْعَ مَرَّاتٍ قَبْلَ اَنْ تُكَلِّمَ اَحَدًا فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذَالِكَ ثُمَّ مُتَّ فِىْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ذَالِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ يَوْمَكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِنْهَا۔

——— رواہ ابوداؤد

حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کو خصوصیت کے ساتھ تلقین فرمائی کہ جب تم مغرب کی نماز ختم کرو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ یہ دعا کرو:۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِي مِنَ النَّارِ " (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) تم نے مغرب کے بعد اگر یہ دعا کی اور اسی رات میں تم کو موت آگئی تو دوزخ سے تمہارے بچاؤ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اسی طرح جب تم صبح کی نماز پڑھو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرو "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِي مِنَ النَّارِ" (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) اگر اس دن تمہاری موت مقدر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہو جائے گا۔

(سنن ابی داؤد)

(۱۱۹) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعُهُنَّ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

رواہ ابو داؤد والنسائی

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا:۔ اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر:۔ " اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ " (اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی، اور اپنی اچھی عبادت کی) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) نہایت مختصر ہونے کے باوجود یہ بڑی عظیم اور اہم دعا ہے۔ اس کی عظمت اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تاکید کے ساتھ اس کی وصیت اور تلقین فرمائی ——— اسی طرح

اس سے پہلی حدیث کی دعا "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ" کی تلقین بھی آپؐ نے مسلم بن الحارثؓ کو خصوصیت اور اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ بھی نہایت مختصر ہے۔ اس غیر معمولی اہتمام کیساتھ حضورؐ کی تعلیم و تلقین کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا بڑی ناقدری اور کم نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

ختمِ تہجّد پر آپؐ کی ایک نہایت جامع دعا:

(۱۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْلَةً حِيْنَ فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِيْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِيْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِيْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِيْ وَتُزَكِّيْ بِهَا عَمَلِيْ وَتُلْهِمُنِيْ بِهَا رُشْدِيْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِيْ وَتَعْصِمُنِيْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِيْ وَاِنْ قَصُرَ رَأْيِيْ وَضَعُفَ عَمَلِيْ افْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْئَلُكَ يَا قَاضِيَ الْاُمُوْرِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ

نِیَّتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِیْ مِنْ خَیْرٍ وَعَدْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ خَیْرٍ اَنْتَ مُعْطِیْهِ اَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَاِنِّیْ اَرْغَبُ اِلَیْكَ فِیْهِ وَاَسْأَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِیْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِیْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ یَوْمَ الْوَعِیْدِ وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِیْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ وَاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِیْنَ مُهْتَدِیْنَ غَیْرَ ضَالِّیْنَ وَلَا مُضِلِّیْنَ سِلْمًا لِاَوْلِیَائِكَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِیْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَیْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَیْكَ التُّكْلَانُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَنُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَنُوْرًا مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا عَنْ یَمِیْنِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَنُوْرًا مِنْ فَوْقِیْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ وَنُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَنُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ سُبْحَانَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ـــــ

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ الخ"

(اے اللہ! میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں، تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں دور اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور اُلفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔

اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔

اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی، اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز، اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی، اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں، اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور جد و جہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرتِ کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح

تو مجھے آتشِ دوزخ سے اور اُس عذاب سے جُدا اور دُور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دُعا مانگے گا، اور اسی طرح مجھے عذابِ قبر سے بچا۔

اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو' یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل ورائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہونچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اُس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں' اور تیرے کرم کے بھروسے اُس کا بھی طالب اور شائق ہوں' تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔

اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعید" یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما، اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے اُن بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفۂ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔

اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے' اور "فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں۔ جو کوئی تجھ سے محبت رکھے، ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اُس سے محبت کریں، اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اُس سے عداوت اور بغض رکھیں۔

اے اللہ! یہ میری دُعا ہے، اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے، اور یہ میری حقیر کوشش ہے،

اور اعتماد و بھروسہ اپنی کوشش اور دُعا پر نہیں بلکہ صرف تیرے کرم پر ہے۔

اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما، اور میری قبر کو نورانی کر دے اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! نور پیدا فرما میری شنوائی اور بینائی میں۔ اور میرے بال بال اور رُوئیں رُوئیں میں اور میرے گوشت و پوست میں اور میری رگوں میں دوڑنے والے میرے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما، اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کر دے۔

پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت و جلال کی چادر اوڑھ لی ہے اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ ربِّ قدوس جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے ربِّ ذو الجلال والاکرام ——————— (جامع ترمذی)

(**تشریح**) سبحان اللہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دُعا۔ تنہا اسی ایک دُعا سے (اور اس سے پہلے جو دعائیں درج ہوئیں اُن سے بھی) اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اُس میں آپ کا کیا مقام تھا، اور سید العالمینؐ اور محبوب رب العالمینؐ ہونے کے باوجود اپنے کو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیازمندی کی کس فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دُعا کے وقت آپ کے قلبِ مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے رؤف اور رحیم و کریم ہیں اُس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر

اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دُعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔
پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں اُمت کے لئے آپ کا عظیم ترین ورثہ ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔
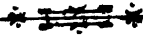
مختلف اوقات و احوال کی دُعائیں

اب تک جو دُعائیں مذکور ہوئیں وہ سب نماز کے اندر کی یا نماز کے بعد کی تھیں، اور نماز چونکہ اپنی روح و حقیقت کے لحاظ سے خود دُعا و مناجات بلکہ اس کی مکمل ترین صورت ہے، اور اس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہارِ عجز و نیاز اور دعا و سوال ہے، اس لئے اس میں اس طرح کی دُعائیں کمالِ معرفت اور کمالِ عبدیت کی علامت ہونے کے باوجود کوئی اعجوبہ نہیں ——— لیکن جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے اوقات خاص کر کھانے پینے سونے جاگنے اور دوسرے بشری وحیوانی تقاضوں والے اعمال و اشغال کے اوقات کے لئے تعلیم فرمائی ہیں جن کے ذریعہ یہ اعمال و اشغال بھی سراسر رُوحانی و نورانی اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بن جاتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا خاص الخاص معجزہ ہے ذیل میں انہی دُعاؤں کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

صبح اور شام کی دُعائیں: ———

ہر آدمی کے لئے رات کے بعد صبح ہوتی ہے اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے، گویا ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہو کر اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عملی نمونہ سے امت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ و مستحکم کرے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اپنے قصوروں کے اعتراف کے ساتھ

معافی مانگے، اور سائل اور بھکاری بن کر ربِّ کریم سے مناسب وقت دعائیں کرے۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِكَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَيْتُ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ وَمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ" قَالَ قُلْهَا اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ وَاِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ ـــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے ذکر و دعا کے وہ کلمے تعلیم فرما دیجئے جن کو میں صبح اور شام کہہ لیا کروں"۔ آپ نے فرمایا ـــ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو "اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ـ تا ـ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ" (اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کا پورا علم رکھنے والے، ہر چیز کے مالک و پروردگار۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے (یعنی اس بات سے کہ وہ مجھے شرک میں مبتلا کر دے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ـ اے ابوبکر! تم اللہ سے یہ دعا کیا کرو صبح کو اور شام کو، اور سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت۔

ـــــــ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُ اَصْحَابَهٗ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ

"اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَاِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔

ــــــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی واللفظ لہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ جب رات ختم ہو کر تمہاری صبح ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا ــ تا ــ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آجانے پر مریں گے، اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے) ــــــــ اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا ــ تا ــ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری صبح، اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے، اور پھر اٹھ کر تیرے ہی حضور حاضر ہوں گے)۔

ــــــــــ (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

(**تشریح**) رات کے اندھیرے کے بعد صبح کے اُجالے کا نمودار ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انسان عموماً دن ہی میں اپنے سارے کام کاج کرتے ہیں، اگر رات کے بعد صبح نہ ہو تو گویا قیامت ہو جائے۔ اسی طرح دن کے ختم پر شام کا آنا اور رات کا شروع ہونا بھی بڑی نعمت ہے، شام آکر کاموں سے چھٹی دلاتی اور آرام و راحت کا پیام لاتی ہے، اگر ایک دن شام نہ آئے، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں پر کیا گزر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا احساس و اعتراف کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر رات

آتی ہے، اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے، اور اُسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آجائے گی، اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہو گی۔ الغرض روزانہ صبح و شام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے۔ نہ صبح کو اس سے غفلت ہو نہ شام کو۔

(۱۲۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمْسٰى قَالَ "أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ" ـــ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ" ـــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: " أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ" (یہ شام اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں۔ ساری حمد و ستائش اسی اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، راج اور ملک اسی کا ہے، وہی لائق حمد و ثنا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ـــــ اے اللہ! یہ آنے والی رات اور جو کچھ اس رات میں ہونے والا ہے میں اس کے خیر کا تجھ سے سائل ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی اور کاہلی سے (جو امورِ خیر سے محرومی کا سبب بنتی ہے) تیری پناہ بالکل نکما کر دینے والے بڑھاپے سے، اور کبرسنی کے بُرے اثرات سے، تیری پناہ دنیا کے ہر فتنہ سے (اور یہاں کی ہر آزمائش سے) تیری پناہ قبر کے عذاب سے ـــــ

اور جب صبح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ" (ہماری صبح اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں الخ)۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے ——— پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں اُن کا سوال ہے، اور جو شر وریاں خیر و سعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں اُن سے پناہ طلبی ہے۔ اور آخر میں دنیا کے ہر فتنہ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگی گئی ہے ——— سُبحان اللہ! کیسی جامع دُعا ہے اور اس میں اپنی بندگی اور نیازمندی کا کیسا اظہار ہے۔

(۱۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِىْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِىْ دِيْنِىْ وَدُنْيَاىَ وَاَهْلِىْ وَمَالِىْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِىْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِىْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِىْ مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ وَمِنْ خَلْفِىْ وَعَنْ يَمِيْنِىْ وَعَنْ شِمَالِىْ وَمِنْ فَوْقِىْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِىْ"

——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب شام یا صبح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا ضرور کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ الخ" (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا طالب و سائل ہوں۔ اے میرے اللہ! میں اپنے دین اور دنیا اور اپنے اہل و عیال اور مال کے

بارے میں معافی اور عافیت کا طلبگار ہوں ۔ اے اللہ! میری شرم وعار والی باتوں کی پردہ داری فرما میرے دل کی گھبراہٹ اور تشویشات دور فرما کر مجھے امن واطمینان نصیب فرما۔ اے اللہ! میری حفاظت فرما میرے آگے سے اور پیچھے سے اور میرے دائیں بائیں اور میرے اوپر کی جانب سے ۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ نیچے کی جانب سے مجھ پر کوئی آفت آئے، مجھے ہمیشہ اس سے محفوظ رکھ ــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح شام کی دعاؤں میں یہ دعا بھی بڑی جامع ہے، انسانی ضرورت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان چند لفظوں میں نہ آگیا ہو ــــــ اللہ تعالیٰ قدر شناسی عطا فرمائے، اور عمل کی توفیق دے۔

(۱۲۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ إِذَا أَمْسٰى وَإِذَا أَصْبَحَ ثَلَاثًا "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا" إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

ــــــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین دفعہ کہے :" رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا " (میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمدؐ کو نبی مان کر) تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کر دے گا ــــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) سبحان اللہ! کتنی عظیم بشارت ہے کہ جو مومن و مسلم بندہ اس مختصر کلمہ کو صبح شام تین تین دفعہ کہہ کے اللہ و رسول اور ان کے دین کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس کو راضی اور خوش کر دوں گا ــــ

اس بشارت کے معلوم ہو جانے کے بعد اس دولت کو حاصل کرنے سے غافل رہنا کتنا عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی ہوگی۔

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ الْبَيَاضِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ. لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ" فَقَدْ أَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ أَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ ——— رواہ ابوداؤد

عبداللہ بن غنام بیاضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرے کہ: " اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ الخ " (اے میرے اللہ! اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، تیرے ہی لئے ساری حمد و ثنا اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے) تو اس نے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح عرض کیا تو اس نے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔

——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ ربّ کریم کا صرف کرم ہے کہ ایسے حقیر سے شکر کو بھی وہ کافی قرار دیتا ہے ——— منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: ——— اے پروردگار! آپ کی نعمتیں بے شمار ہیں میں کیسے ان کا شکر ادا کروں۔ ارشاد ہوا کہ:۔ تمہارا یہ محسوس کرنا کہ وہ نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں، بس یہی شکر کافی ہے۔ لک الحمد و لک الشکر۔

(۱۲۷) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ "اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ" ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذَالِكَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب صبح ہو تو کہو: "اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ — تا اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ" (صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور ساری کائنات اللہ رب العالمین کی ملک اور اس کے قبضہ میں ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس دن کی خیر اور فتح و نصرت، نور و برکت اور ہدایت کا سائل ہوں، اور اس دن اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ پھر جب شام ہو تو اسی طرح کہو۔

——— (سنن ابی داؤد)

(۱۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَيُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَالِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝" اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ يَوْمَهٗ ذَالِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِیْ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِیْ لَيْلَتِهٖ۔

——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو کوئی (سورۂ روم کی یہ تین آیتیں) صبح ہونے پر تلاوت کرے وہ اس دن کی وہ ساری خیر اور برکتیں پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی ۔ اور اسی طرح جو کوئی شام آنے پر یہ تین آیتیں تلاوت کرے وہ اس رات کی وہ ساری خیر و برکات پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی ——— وہ آیات یہ ہیں :———

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ	اللہ کی پاکی بیان کرو جب تمہارے لئے صبح ہو
وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ٥ وَلَهُ الْحَمْدُ	اور جب شام آئے ۔ اور زمین آسمان میں
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ہر وقت اس کی حمد و ثنا ہوتی ہے ۔ اور
وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ٥	چوتھے پہر اور دوپہر کے وقت بھی اس کی پاکی
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ	بیان کرو، وہی قادر مطلق زندہ کو مردہ سے
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ	اور مردہ کو زندہ سے برآمد کرتا ہے، اور زمین پر
وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	مردگی طاری ہو جانے کے بعد اپنی رحمت سے
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ٥	اسے حیات تازہ بخشتا ہے ——— اور تم بھی

اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر دیئے جاؤ گے ۔

——————— (سنن ابی داؤد)

(۱۲۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ "بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَا يَضُرُّهٗ شَيْئٌ ——————— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین۳ دفعہ یہ دُعا پڑھ لیا کرے اُسے کوئی مضرت نہیں پہونچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دُعا یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ	اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کے ساتھ
شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ	زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہونچا سکتی
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔	اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے اَبَان ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہوگیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سُن چکے تھے تو پھر آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہوگیا، اِس حدیث میں تو اس دُعا کے صبح و شام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتائی گئی ہے ——— اَبَان نے اُس آدمی سے کہا۔ میاں دیکھتے کیا ہو، نہ میں غلط بیان کر رہا ہوں نہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا، حدیث بالکل صحیح ہے، اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا، اُس غصہ کی حالت میں اُس دن وقت پر یہ دُعا پڑھنا بھول گیا، اسی دن یہ فالج کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیر الٰہی میں فالج ہونا مقرر تھا اس لئے اُسی دن بھلا دیا گیا ——— حضرت اَبَان کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے ——— صبح شام تین۳ دفعہ اِس دُعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، اور بلاشبہ اس میں آفاتِ ارضی و سماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

(۱۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِىْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ۔

—— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:- شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے پر اور رات شروع ہونے پر) تم قل ھواللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس تین تین بار پڑھ لیا کرو —— یہ ہر چیز کے واسطے تمہارے لئے کافی ہوں گی —— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) قل ھواللہ اور معوذتین قرآن مجید کی بہت چھوٹی سورتوں میں ہیں، لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت فائق اور بالاتر ہیں، جیسا کہ فضائل تلاوت قرآن کے سلسلہ میں کچھ ہی پہلے بیان بھی کیا جا چکا ہے۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جو لوگ اور زیادہ نہ پڑھ سکیں وہ صبح شام کم از کم یہی تین سورتیں تین بار پڑھ لیا کریں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے، یہی انشاءاللہ کافی ہوں گی، ہر مسلمان کو یہ یاد بھی ہوتی ہیں۔

خاص سونے کے وقت کی دعائیں: ——

نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ سونے والا مُردے ہی کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نیند، بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاکید کے ساتھ ہدایت فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے دھیان اور اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور اس سے مناسب وقت دعائیں کرو —— اس سلسلہ میں جو دعائیں آپ نے تلقین فرمائیں اور جو آپ کے معمولات میں سے تھیں وہ ذیل میں پڑھی جائیں۔

(۱۳۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَمَرَ رَجُلًا قَالَ اِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ وَاَنْتَ تَوَفّٰهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ، فَقِيْلَ لَهٗ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُهٗ مِنْ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو بتایا کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر لیٹ جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرو: " اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ ــ تا ــ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ " (اے میرے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور تو ہی جب چاہے گا میری روح قبض کرے گا، میرا مرنا اور جینا تیرے ہی اختیار میں ہے، اگر تو مجھے زندہ رکھے تو (ہر بلا اور گناہ سے اور شر و فتنہ کی ہر بات سے) میری حفاظت فرما، اور اگر تیرا فیصلہ میری موت کا ہو تو میری مغفرت فرما، اور مجھے بخش دے، اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سائل ہوں (تو میرے لئے معافی کا اور دنیا و آخرت میں عافیت کا فیصلہ فرما) ــــــ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ دُعا تلقین فرمائی تو کسی نے ان سے کہا کہ ــ یہ آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے سُنی ہوگی؟ ــ انھوں نے فرمایا: ــ میں نے اُس ہستی سے سُنا ہے جو حضرت عمرؓ سے بھی بہتر تھی میں نے یہ دُعا براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔

ــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ مختصر دُعا عبدیت کے جذبات سے بھرپور ہے اور اللہ کے حضور میں عبدیت و نیازمندی اور اظہارِ عاجزی و بے بسی ہی سب سے زیادہ اس کی رحمت کو کھینچنے والی چیز ہے۔ خاص کر سوتے وقت کسی بندے کو اس طرح کی دُعا کی توفیق ملنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ عنایت

وکرم اس کی طرف متوجہ ہے۔

(۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِّمَّنْ لَّا كَافِىَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِىَ لَهٗ"

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آرام کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو اس طرح اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ — تا — وَلَا مُؤْوِىَ لَهٗ" (اس اللہ کی حمد اور اس کا شکر جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہماری پوری ضرورتیں عطا فرمائیں اور آرام کے لئے ہمیں ٹھکانا دیا، کتنے ہی ایسے بندے ہیں جن کی نہ کوئی ضروریات پوری کرنے والا ہے نہ کوئی انھیں ٹھکانا دینے والا ہے) (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھاتے پیتے ہیں، اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ سب رب کریم کا عطیہ ہے۔ ہمارے کسی ہنر اور کرتب کو اس میں دخل نہیں، اس لئے وہی لائق حمد وشکر ہے — جس نے سوتے وقت یہ دعا کی اس نے کھانے پینے اور ان سب نعمتوں کا جن سے اس نے فائدہ اٹھایا شکر ادا کر دیا۔

(۱۳۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

رواہ البخاری ورواہ مسلم عن البراء بن عازب

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو

آرام فرمانے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے، جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل ہے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے :- "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى" (اے اللہ! تیرے ہی نام پہ مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پہ مجھے جینا ہے) —— اور جب سو کر اُٹھتے تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کرتے :- "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (حمد و شکر اُس اللہ کے لئے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اُسی کے پاس جانا ہے)۔

—————— (صحیح بخاری)

(تشریح) چونکہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے اس لئے اِس دُعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس طرح روزمرّہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاد دہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے —— سونے اور جاگنے کے وقت کی دُعاؤں میں سے یہ دُعا بہت مختصر ہے اور اس کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

(۱۳۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ وَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِىْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِىْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِىْ اِلَيْكَ رَهْبَةً وَّرَغْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِىْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ" فَاِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَقُوْلُ فَقُلْتُ اَسْتَذْكِرُهُنَّ وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ قَالَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِىْ

اَرْسَلْتَ ـــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:- جب تم بستر پر سونے کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو (جس طرح نماز کیلئے وضو کرتے ہو) پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرو: " اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ اِلَیْكَ ـ تا ـ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ " (اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو بالکل تیرے سپرد کر دیا اور اپنے سب اُمور تیرے حوالہ کر دیئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنا لیا تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے اور تیرے رحم و کرم کی طلب و اُمید کرتے ہوئے میرے مولا تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں، میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے نبیؐ پاک پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا) ـــــــ آپ نے یہ دُعا تلقین فرمانے کے بعد براء بن عازبؓ سے ارشاد فرمایا کہ: " رات کو سونے سے پہلے یہ دُعا تمھارا آخری بول ہو، یعنی اس دُعا کے بعد کوئی بات نہ کرو اور بس سو جاؤ، اگر اللہ کے حکم سے اسی حال میں تم کو موت آگئی تو تمھاری موت بڑی مُبارک اور دینِ فطرت پر ہوگی " ـــــــ

براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کے سامنے ہی اس دعا کو یاد کرنے لگا تو میں نے آخری جملہ میں " نَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ " کی جگہ " بِرَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ " کہا (جو بالکل اس کے ہم معنیٰ تھا، صرف ایک لفظ کا فرق تھا) تو آپؐ نے فرمایا:- نہیں " بِنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ " کہو ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) اس دعا میں اللہ پر اعتماد اور تسلیم و تفویض کی رُوح بھری ہوئی ہے، اور ساتھ ہی ایمان کی تجدید بھی ہے۔ اس مضمون کے لئے دنیا کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اس سے بہتر الفاظ تلاش نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ یہ دُعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ دُعاؤں میں سے ہے۔

(۱۳۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اِذَا اَرَادَ اَحَدُنَا اَنْ یَنَامَ اَنْ یَضْطَجِعَ عَلٰی شِقِّهٖ

الْأَيْمَنِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ ـ تا ـ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ" (اے میرے اللہ! آسمان وزمین کے مالک اور عرش عظیم کے مالک، ہمارے اور ہر چیز کے مالک، دانے اور گٹھلی کو اپنی قدرت سے پھاڑ کر اس سے پودا نکالنے والے تورات وانجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں زمین میں چلنے یا رینگنے والی تیری ہر مخلوق کے شر سے جس پر تیرا مکمل قابو ہے ـــــ اے اللہ! تو ہی اول (سب سے پہلا) ہے، کوئی چیز تجھ سے پہلی نہیں، تو ہی آخر (سب کے بعد باقی رہنے والا) ہے، کوئی چیز نہیں جو تیرے بعد ہو (اے مالکِ کُل اور قادرِ مطلق اور اوّل وآخر) مجھ پر جو قرض ہو اُسے ادا کرادے، اور فقر ومحتاجی دُور فرما کر مجھے غنی اور خوش حال کردے)۔

ـــــ (صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث میں بھی سونے کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔ اِس کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں قلب جو بائیں پہلو میں ہے اوپر معلق رہتا ہے، اور اللہ والوں کا تجربہ ہے کہ لیٹتے وقت ذکر ودُعا اور توجہ الی اللہ کے لئے یہی شکل زیادہ مناسب ہوتی ہے ـــــ یہ دعا اُن بندگانِ خدا کے زیادہ حسبِ حال ہے

جو مقروض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ بندہ یہ دُعا کر کے سوئے اور ربِّ کریم سے اُمید رکھے کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

(۱۳۶) عَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ قِنِىْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ———— رواہ ابوداؤد

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دُعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ قِنِىْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" (اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ سارے بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) خاص سوتے وقت اس دُعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے جو ایک خاص مشابہت ہے اس کی وجہ سے آپ سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے تھے، اور جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اُس کو جب موت و قیامت یاد آئے گی تو قدرتی طور پر اس کی سب سے اہم فکر اور دل کی پکار یہی ہوگی کہ وہاں عذاب سے نجات نصیب ہو۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَاْوِىْ اِلٰى فِرَاشِهٖ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَ عَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے، اور تین دفعہ عرض کرے:۔ "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ" (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ حی وقیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے، اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذرّوں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں سوتے وقت مذکورۂ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ و استغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی اگر حضورؐ کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ ہاں یہ استغفار و توبہ سچّے دل سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا دیکھنے والا ہے، اس کو زبان سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

(۱۳۸) عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِىْ اِقْرَأْ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ نَمْ عَلٰى خَاتِمَتِهَا فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔

رواہ ابو داؤد والترمذی

فروہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد نوفل سے فرمایا کہ:۔ (جب تم سونے کا ارادہ کرو) تو سورۂ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" پڑھ لیا کرو، اس کے بعد سو جایا کرو، اس سورت کے مضمون میں شرک سے پوری براءت ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں عرض کیا تھا کہ مجھے کوئی چیز بتا دیجئے جو میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں، اس کے جواب میں آپ نے ان کو یہ بتلایا کہ:۔ "قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" پڑھ لیا کرو۔

(۱۳۹) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ کُلَّ لَیْلَةٍ جَمَعَ کَفَّیْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِیْهِمَا فَقَرَأَ فِیْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ یَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ یَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰی رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ یَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوامی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو "قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے، اور جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے، پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے، تین دفعہ یہ عمل کرتے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے اور اپنے ہاتھوں پر دم کرکے آپ کے جسم مبارک پر پھیروں، اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔

(فائدہ) ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے لئے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہو، وہ کم از کم "قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ"، "قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ"، "قُلْ اَعُوْذُ

بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" تو پڑھ ہی سکتے ہیں، ان کے لئے یہی سب کچھ ہے۔ کم از کم یہ معمول تو مقرر ہی کر لینا چاہئے، جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اُس کی محرومی قابلِ عبرت ہے۔

نیند نہ آنے کی شکایت کی دُعا :-

(۱۴۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكٰى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَا يَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ اَوْ اَنْ يَّبْغِيَ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ"

رواہ الترمذی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تم بستر پر لیٹو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لیا کرو: ——— "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ - تا - لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" (اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور ان سب چیزوں کے مالک جو اس کے نیچے واقع ہیں، اور سب زمینوں کے اور اُن سب چیزوں کے مالک جو اس پر واقع ہیں، اور شیاطین اور ان کی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک، اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کر پائے۔ باعزت اور محفوظ ہے وہ جس کو تیری پناہ حاصل ہے۔

تیری حمد و ثنا کا مقام بلند ہے، تیرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، بس تو ہی معبودِ حق ہے۔

(جامع ترمذی)

نیند میں ڈر جانے کی دُعا:

(۱۴۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعَذَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِيْ صَكٍّ وَعَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ ——— رواه ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (ڈراؤنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دُعا کرے: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ — تا — وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس و اثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں) ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ———
(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبداللہ بن عمروؓ کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دُعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنا لیں،

اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر اُن کے گلے میں (بطور تعویذ کے)
ڈال دیتے ——————— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈراؤنے اور پریشان کُن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں، اور اگر اس دعا کو معمول بنا لیا جائے تو انشاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہوگی۔ صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

سو کر اُٹھنے کے وقت کی دعا: ———————

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ——————— رواہ ابو داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو اللہ کے حضور میں عرض کرتے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ـ تا ـ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" (اے اللہ! تو ہی معبود برحق ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہر حمد و ثنا کا تو ہی سزاوار ہے، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سائل ہوں، اے میرے اللہ! میرے علم و معرفت میں اضافہ فرما اور میرے دل کی حفاظت فرما کہ تیری طرف سے ہدایت ملنے کے بعد وہ کج روی

اختیار نہ کرے، اور اپنے کرم سے مجھے اپنی رحمت سے نواز تو بڑی بخشش والا اور بہت عطا فرمانے والا ہے — (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ دعا مختصر ہونے کے باوجود کتنی جامع ہے اور اس کے ایک ایک جز میں عبدیت کی کیسی روح بھری ہوئی ہے، اس کا کچھ اندازہ ہر وہ شخص کرسکتا ہے جو بندہ کے اور اللہ کے تعلق کو کچھ جانتا سمجھتا ہو۔ بلاشبہ جب بندہ نیند سے بیدار ہو کر اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت اور اس کے بڑے پیار کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس عنایت و رحمت کی سچی طلب اور اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱۴۳) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ أَوْ دَعَا اُسْتُجِيْبَ فَإِنْ تَوَضَّأَ قُبِلَتْ صَلٰوتُهُ — رواه البخاری

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب رات کو سو کر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے:—

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" اس کے بعد کہے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ" (اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی

دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا و التجا قبول فرمائی جائے گی۔ اس کے بعد اگر (وہ ہمت کر کے اٹھ جائے اور) وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مندرجۂ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں کلمۂ "الحمد للہ" "سبحان اللہ" سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن ائمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اُن سب کی روایات میں "سبحان اللہ" پہلے اور "الحمد للہ" بعد میں ہے، جیسا کہ کلمۂ تمجید میں ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں "الحمد للہ" کا مقدم ہو جانا کسی راوی کا تصرف ہے۔ بہرحال ان شارحین کے نزدیک بھی ان کلمات کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بنا پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تمجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے، یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے گی ـــــــ اسی طرح اس وقت وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہوگی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندہ کو یہ حدیث پہونچے وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ سمجھے اور آپ کی اس بشارت پر یقین کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل کر کے استغفار و دعا کی مقبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلا شبہ حضورؐ کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاری سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام ابو عبداللہ فربریؒ فرماتے ہیں کہ:۔ ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمے اپنی زبان سے ادا کئے، اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی:۔ وَهُدُوْا

اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۵ (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی، اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر) ۔

استنجا کے وقت کی دُعائیں :—

سونے اور کھانے پینے کی طرح بول و براز بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے، اور بلا شبہ وہ خاص وقت (جبکہ آدمی اس گندگی کے اخراج میں مشغول ہو) ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ کا نام لینا اور اس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے اللہ سے یہ دعا کرے، اور فارغ ہونے کے بعد اس کے حضور میں یہ عرض کرے :—

(۱۴۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

—————— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- یہ قضائے حاجت کے مقامات (شیاطین اور موذی چیزوں کے) اڈے ہیں لہٰذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے ان میں جانا چاہے تو اللہ کے حضور میں پہلے عرض کرے : " اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ "

(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے) ۔

—————— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

---

۵ فتح الباری باب فضل من تعار من اللیل فصلی - صفحہ ۱۶ (جز ۵) - ۱۲

(تشریح) جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات میں جانے کے وقت کے لئے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ"

(۱۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرما دی اور مجھے عافیت و راحت دی)۔

——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رک جائے اور فطری طریقے سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کے لئے ہسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب پاخانہ کا خارج ہو جانا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ" سبحان اللہ! کیسی برمحل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دُعا: ———

آدمی کے لئے صبح شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے، اس لئے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لئے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لئے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے، وہ مندرجۂ ذیل حدیثوں میں پڑھئے۔

(۱۴۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهِ فَقَالَ "بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" يُقَالُ لَهُ حَسْبُكَ، هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ وَيَتَنَحّٰى عَنْهُ الشَّيْطَانُ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی واللفظ لہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے (اور نکلتے وقت کہے: "بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالمِ غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں): ——
"اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی، اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا" ——— اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دُور ہو جاتا ہے ——— (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) اس مختصر حدیث کا پیغام اور رُوح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو

اپنی ذات کو بالکل عاجز و ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اس کی پناہ میں دے دے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہونچا سکے گا۔

(۱۴۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔

رواہ احمد والترمذی والنسائی

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب گھر سے باہر نکلتے تو کہتے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ - تا - أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بھکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں (یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں) یا ہم کسی پر ظلم و زیادتی کریں، یا ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے)۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حالی نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظلوم و جہول بھک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے، یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے، یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے اور اس میں وہ کوئی ظالمانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے، یا خود کسی کے ظلم و ستم اور جہل و نادانی کا نشانہ بن جائے ——— اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے وقت

اللہ کا نام پاک لینے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے حاجت مند ہیں ——— حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلی حدیث میں مختصر کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" بھی ان سب خطرات سے پناہ جوئی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے وہ بھی کافی ہے۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا"، ثُمَّ يُسَلِّمْ عَلَى أَهْلِهِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۔ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہو۔ "اَللّٰهُمَّ أَسْأَلُكَ ——— تا ——— تَوَكَّلْنَا" (اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم اللہ کا نام پاک لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں، اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی کارساز ہے) ——— اللہ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے: ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ!۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس تعلیم و ہدایت کی رُوح یہی ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کے وقت بھی

بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو، زبان پر اس کا بابرکت نام ہو، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس سے دعا اور سوال ہو اور اسی کی کریمی کارسازی پر بھروسہ اور اعتماد ہو ــــــ پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو، جو درحقیقت ان کیلئے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دُعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دُعا:ــــــ

مسجد گویا خانۂ خدا اور دربارِ الٰہی ہے۔ آنے والے وہاں اس لئے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے، بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دُعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

(۱۴۹) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

ــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے:ــــ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں)۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے رُوحانی اور اُخروی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے کہ نبوت، ولایت، مقامِ قرب و رضا اور نعماءِ جنت وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ہے: "وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ"[1] —— اور "فضل" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دُنیوی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: "فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ"[2] —— پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اخروی نعمتیں ملتی ہیں اس لئے مسجد میں داخلہ کے وقت کیلئے فتح ابوابِ رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لئے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

کسی مجلس سے اُٹھنے کے وقت کی دُعا: ——

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اس میں ایسی باتیں کہتا یا سُنتا ہے جو ایک مومن کے لئے مناسب نہیں ہوتیں، اور ان پر مواخذہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادتِ توحید اور توبہ و استغفار کا کلمہ پڑھو، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفّارہ ہو جائے گا۔

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا كَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ

---

[1] اور تیرے پروردگار کی رحمت اُس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ ۱۲

[2] جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش و جُستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں)۔ ۱۲

فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذَالِكَ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ" اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا كَانَ فِىْ مَجْلِسِهٖ ذَالِكَ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا جس میں اُس سے بہت سی قابل مواخذہ فضول ولایعنی باتیں سرزد ہوئیں، مگر اس نے اس مجلس سے اٹھتے وقت کہا:۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ " (اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کی ان سب لغزشوں کو معاف کردے گا جو اُس مجلس میں اس سے سرزد ہوئیں (جامع ترمذی)

(۱۵۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ اَحَدٌ فِىْ مَجْلِسِهٖ عِنْدَ قِيَامِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِلَّا كُفِّرَ بِهِنَّ عَنْهُ وَلَا يَقُوْلُهُنَّ فِىْ مَجْلِسِ خَيْرٍ اَوْ مَجْلِسِ ذِكْرٍ اِلَّا خُتِمَ لَهٗ بِهِنَّ عَلَيْهِ كَمَا يُخْتَمُ بِالْخَاتَمِ عَلَى الصَّحِيْفَةِ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ"

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ چند مختصر سے کلمے ہیں اگر کوئی بندہ کسی مجلس سے اٹھتے وقت اخلاص سے کہہ لے تو وہ اس مجلس کی ساری لغزشوں کا کفارہ ہو جائیں گے، اور اگر یہی کلمے کسی مجلس خیر یا مجلس ذکر کے خاتمے پر کہے جائیں تو اس مجلس کی روئداد کے نوشتہ پر ان کلموں کی مہر لگا دی جائے گی، جس طرح اہم کاغذات اور دستاویزوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، وہ کلمے یہ ہیں :۔ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ"

(رواہ ابو داؤد)

(**تشریح**) یہ بڑا ہی مختصر اور جامع کلمہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد بھی ہے، اس کی توحید کی شہادت بھی ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار بھی ہے ——

اللہ کے بعض مقبول بندوں کو دیکھا کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اور خاص کر ہر سلسلۂ کلام کے ختم پر دل کی ایسی گہرائی سے جو اُس وقت ان کے چہرے پر اور ان کی آواز میں بھی محسوس کی جاتی تھی یہی کلمے کہتے تھے، جس سے سُننے والوں کے دل بھی متاثر ہوتے تھے۔

بلاشبہ یہ کلمہ اپنی معنویت اور خاص ترتیب کے لحاظ سے ایسا ہی ہے کہ جب اخلاص کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اس کی طرف ضرور بالضرور متوجہ ہو گی —— یہ کلمہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے خاص تحفوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر اور استفادہ کی توفیق دے۔

(۱۵۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ "اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ

بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَ قُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں :- بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے ساتھ اپنے اصحاب کے لئے بھی یہ دعا نہ فرمائیں ۔

"اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ ۔۔ تا ۔ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا" (اے اللہ! ہمیں اپنے خوف اور خشیت سے اتنا حصہ دے جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تیرے اس خوف کی وجہ سے ہمارے قدم تیری نافرمانیوں کے لئے نہ اٹھ سکیں) ۔

اور اپنی طاعت و عبادت سے اتنا حصہ عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دے (یعنی جو ہمارے لئے داخلہ جنت کا وسیلہ بن جائے) ۔

اور (قضا و قدر) کے یقین سے اتنا حصہ دے جو ہمارے لئے دنیاوی مصائب کو ہلکا کر دے، اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس لائق رکھ کہ اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی دوسری قوتوں سے کام لیتے رہیں (یعنی مرتے دم تک ہم آنکھ کان وغیرہ تیری بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں) اور ان کو ہمارے مرنے کے بعد بھی باقی رکھ (یعنی ان سے ہم کچھ ایسے کام کر جائیں جو ہمارے مرنے کے بعد بھی کام آئیں) ۔

اور اے ہمارے مالک و مولا! جو کوئی ہم پر (یعنی تیرے ایمان والے بندوں پر) ظلم

ڈھائے تو تو اُس سے ہمارا بدلہ لے، اور جو کوئی ہماری دشمنی پر کمربستہ ہو تو تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے مقابلہ میں غالب اور منصور فرما ـــــ اور ہم پر ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ آئے (یعنی دینی مصائب اور فتنوں سے خاص طور پر ہماری حفاظت فرما) ـــــ اور اے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمارا مقصدِ اعظم اور ہمارے علم و نظر کا منتہا بن جائے ـــــ اور اے اللہ! ہم پر کبھی بے رحم دشمنوں کو مسلط نہ فرما) ـــــ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) یہ دُعا بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت جامع و بلیغ خاص معجزانہ دعاؤں میں سے ہے ـــــ حق یہ ہے کہ اپنے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان دعاؤں کی قدر و قیمت ظاہر کی جاسکے ۔

اللہ تعالیٰ اُن صحابۂ کرامؓ اور زمانۂ مابعد کے ان سب بزرگوں کی قبروں کو منوّر فرمائے جنھوں نے اہتمام سے ان دعاؤں کو محفوظ رکھا اور اُمّت کو پہونچایا، اور ہمیں قدر و استفادہ کی توفیق دے ۔

بازار جانے کی دُعا: ـــــ

انسان اپنی ضروریات اور خرید و فروخت کے لئے بازار بھی جاتا ہے جہاں اس کے لئے نفع اور نقصان دونوں کے امکانات ہیں اور ہر دوسری جگہ سے زیادہ خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں، اور اسی واسطے اس کو " شَرُّ الْبِقَاعِ " (بدترین جگہ) قرار دیا گیا ہے۔ اِس لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ضرورت سے بازار تشریف لے جاتے تو اللہ کے ذکر اور اسے دُعا کا خاص اہتمام فرماتے ۔

(۱۵۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ السُّوقَ قَالَ "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ

هٰذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُ بِكَ اَنْ اُصِيبَ فِيهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً“ ـــــــــ رواه البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے :۔ ”بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ ــ تا ــ صَفْقَةً خَاسِرَةً“ (میں اللہ کا نام لے کر بازار جاتا ہوں۔ اے اللہ اس بازار میں اور اس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں)۔

ـــــــــ (دعوات کبیر للبیہقی)

بازار کی ظلمانی فضاؤں میں اللہ کے ذکر کا غیر معمولی ثواب :ـــ

(۱۵۴) عَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوقَ فَقَالَ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنَا لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ـــــــــ رواه الترمذی وابن ماجہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شور و شر سے بھرپور فضا میں دل کے

اخلاص سے) کہا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ تا۔
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" تو اللہ کی طرف سے اس کے لئے ہزاروں ہزار نیکیاں
لکھی جائیں گی، اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیئے جائیں گے، اور ہزاروں ہزار درجے اس کے
بلند کر دیئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل
تیار ہوگا ——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں۔ پس اللہ کا
جو باتوفیق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقے پر اور ایسے کلمات کے ساتھ
اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو، وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہو کہ اللہ تعالیٰ
کی اس پر بے حد و حساب عنایت ہو۔ اس کیلئے ہزاروں ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار
گناہوں کا محو کیا جانا، اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا، اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا
اسی عنایتِ الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو
اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف
کھینچنے لگتی ہیں کسی چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے کسی کو سمجھتا ہے کہ
یہ بڑی نفع بخش ہے کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحبِ دولت و حکومت کو دیکھ کر دل سوچنے
لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے۔ بازار کی فضاؤں میں
یہی وہ خیالات اور وساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کے علاج اور تحفظ کے لئے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمۂ توحید تمہاری
زبانوں پر ہو: ———

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ	اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، اکیلا
لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ	وہی معبودِ برحق ہے کوئی اس کا شریک و...

وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ	ساجھی نہیں، صرف اسی کا راج اور اسی کی
وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ	فرمانروائی ہے، وہی حمد وستائش کے لائق ہے
لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ	سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	اور وہ زندۂ جاوید ہے اسے کبھی فنا نہیں،
قَدِيْرٌ ــــــــ	ساری خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے،

اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وسوسوں پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے جو بازار میں انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:۔

(۱) الٰہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل وجان سے چاہا جائے، اس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب و مقصودِ حقیقی بنایا جائے، صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

(۲) ساری کائنات میں صرف اسی کی فرمانروائی ہے، بلا شرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

(۳) حمد وستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے، اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابلِ تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن وجمال اسی کا عطیہ ہے۔

(۴) اس کی اور صرف اسی کی شان "حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، اور ہر ایک کی موت وحیات اور فنا وبقا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) ہر خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

(۶) وہ اور صرف وہی قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اسی کی قدرت میں ہے۔

بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ

کے نام کا عَلَم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں ہدایت کی شمع جلاتا ہے، اس لئے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیثِ پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ "الف الف" کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے "ہزاروں ہزار" کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے جنھوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی کو مصیبت میں مُبتلا دیکھنے کے وقت کی دُعا:

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بیچارے کسی دُکھ اور مصیبت میں مبتلا اور بُرے حال میں ہوتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لئے ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس حمد و شکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

(۱۵۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَأَى مُبْتَلًى فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا"، إِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذَالِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ۔

—— رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عمرؓ

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دُکھی پر

پڑے اور وہ کہے : " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ۔ تا ۔ تَفْضِیْلًا " (حمد اُس اللہ کیلئے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو ——— (جامع ترمذی)

(اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے)

(**تشریح**) امام ترمذیؒ نے اِس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے امام باقرؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو پہلے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دُعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بیچارہ مبتلائے مصیبت سُن نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر سُن لے گا تو اس سے اُس کا دل دُکھے گا۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ: جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہو تو یہی دُعا پڑھتے: " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا "

کھانے پینے کے وقت کی دُعا: ———

کھانا پینا انسان کے لوازم حیات میں سے ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

(۱۵۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ " ——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا)۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ" غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ — رواہ الترمذی

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو بندہ کھانا کھائے اور پھر کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ" (ساری حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری اپنی سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے یہ عطا فرمایا) تو اس حمد و شکر کی برکت سے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) بعض اعمال بظاہر بڑے چھوٹے سے ہوتے ہیں لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ بہت بڑے اور اس کی میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ بڑا غیر معمولی نکلتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو بندہ کھانے کے بعد صدقِ دل سے یہ اعتراف کرے کہ یہ کھانا مجھے میرے پروردگار اور پالنہار نے عطا فرمایا میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت و استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، جو کچھ عطا فرمایا وہ اس نے صرف اپنے کرم سے عطا فرمایا، اور ساری حمد و ستائش کا مستحق وہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حمد کی اتنی قدر فرمائے گا کہ اس کے سارے پہلے گناہ اس کی

برکت سے بخشدے گا ـــــــ اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس بندے نے کپڑا پہنا اور پھر اس طرح اللہ کی حمد کی: ـــــــ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ	ساری حمد و ستائش اُس اللہ کے لئے جس نے
هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ	مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و تدبیر
حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ	اور قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا۔ تو
غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ	اس کے پہلے اور پچھلے سب گناہ بخشدیئے
ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ۔	جائیں گے۔

دراصل بندے کا یہ اعتراف و احساس کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اُس کے رب کا عطیہ ہے وہ خود کسی لائق بھی نہیں ہے، عبدیت کا جوہر ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے اور اُن اعمال میں سے ہے جن کے صدقہ میں عمر بھر کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان پر یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

کسی کے یہاں کھانا کھا کر کھلانے والے کے لئے دُعا: ـــــــ

(۱۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَنَعَ اَبُو الْهَیْثَمِ بْنُ التَّیِّهَانِ طَعَامًا فَدَعَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ فَلَمَّا فَرَغُوْا قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَثِیْبُوْا اَخَاکُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِثَابَتُهٗ؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا دُخِلَ بَیْتُهٗ فَاُکِلَ طَعَامُهٗ وَشُرِبَ شَرَابُهٗ فَدَعَوْا لَهٗ فَذٰلِكَ اِثَابَتُهٗ ـــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو الہیثم بن التیہان نے اپنے ہاں کھانا تیار کرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی دعوت کی جب

سب کھانا کھا کے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اپنے بھائی کو بدلہ دو۔ عرض کیا گیا کہ :- حضورؐ! ان کو کیا بدلہ دیا جا سکتا ہے؟ - آپ نے فرمایا :- جب کسی بھائی کے گھر جائیں اور وہاں کھائیں پئیں اور پھر اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کریں تو بس یہی بندوں کی طرف سے اس کا بدلہ ہے ـــــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۵۹) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَهُ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَأَكَلَ ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ ـــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں تشریف لائے انھوں نے آپ کی خدمت میں پکی ہوئی روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔ آپ نے اس کو تناول فرمایا اور پھر اُن کے لئے اس طرح دُعا فرمائی :-

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ	اللہ کے روزہ دار بندے تمہارے ہاں افطار
وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ	کیا کریں اور ابرار و صالحین تمہارے ہاں
وَصَلَّتْ	کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمہارے لئے
عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ۔	دُعائے خیر کیا کریں۔

ـــــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۶۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ طَعَامًا وَّوَطْبَةً فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوَى بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ أَبِي وَأَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ

أُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ" ——— رواہ مسلم

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بُسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ کی خدمت میں کھانا اور وَطْبَہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ کی خدمت میں پینے کے لئے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو بھی نوش فرمایا، پھر آپ تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لئے دعا فرما دیجئے تو آپ نے دعا کی: ———

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ	اے اللہ! تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا
فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ	فرمایا ہے اس میں ان کے لئے برکت دے اور
وَارْحَمْهُمْ۔	ان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نواز۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لئے جو دعا فرمائی جس کا حضرت انسؓ کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہے، یعنی: ——— "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ الخ" اور بُسر اسلمیؓ کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لئے آپ نے جو دعا فرمائی جس کا عبداللہ بن بُسْر والی اس حدیث میں ذکر ہے، یعنی: ——— "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ الخ" ان دعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہؓ اور بُسر اسلمیؓ کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ آپ کے

خاص فیض یافتہ اور صف اوّل کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے، اُن کو آپ نے دُعا دی کہ :—
"اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں، اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کریں" حضرت سعد بن عبادہؓ کے دینی مقام کے لئے ایسی ہی دُعا زیادہ مناسب تھی ——— اور بُسر اسلمیؓ جو اس درجہ کے نہیں تھے اُن کے لئے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دُعا زیادہ مناسب تھی جو آپ نے ان کو دی۔ واللہ اعلم۔

نیا لباس پہننے کے وقت کی دُعا:———

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ :۔ "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیب تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پُرانا کر کے اُتارا ہے اس کو صدقہ کر دے"۔ آپ نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

(۱۶۱) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ" ثُمَّ عَمِدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِىْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِىْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِىْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِىْ سَتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَمَيِّتًا۔

——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے :" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ " (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لئے سامانِ زینت بنتا ہے) ۔ پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کردے، تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت و نگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا ——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دُعا : ———

(۱۶۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ فِی الْمِرْاٰةِ قَالَ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَوّٰی خَلْقِیْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِیْ وَزَانَ مِنِّیْ مَا شَانَ مِنْ غَیْرِیْ "

——— رواہ البزار

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ آئینہ دیکھتے تو کہتے :" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ — تا — مِنْ غَیْرِیْ " (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل و صورت عطا فرمائی، اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا) ۔

——— (مسند بزار)

(تشریح) دوسری اکثر دعاؤں کی طرح اس دُعا کی روح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حُسن و خوبی اور جو جمال و کمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے، اس طرزِ عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبۂ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خودپسندی اور کبرِ نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا ۔

نکاح اور شادی سے متعلق دعائیں :

نکاح اور شادی بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بظاہر اس کا تعلق انسان کے صرف ایک بہیمی اور نفسانی تقاضہ سے ہے اور اس وقت خدا فراموشی کا بڑا امکان ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ اس موقع پر بھی تمہاری نگاہ خدا پر رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اِس سلسلہ کا خیر و شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس سے دعا کیا کرو، اس طرح آپ نے زندگی کے اس شعبہ کو بھی خدا پرستی کے رنگ میں رنگ دیا۔

(۱۹۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَأَةً اَوِاشْتَرىٰ خَادِمًا فَلْيَقُلْ " اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ ——— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ:۔ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو اپنے نکاح میں لائے اور بیوی بنائے یا خدمت کے لئے غلام یا باندی خریدے تو یہ دُعا کرے: " اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ — تا — وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ " (اے اللہ! اس میں اور اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی ہو میں تجھ سے اس کی استدعا کرتا ہوں، اور اس میں اور اس کی فطرت میں جو شر اور بُرائی ہو اُس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

——— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۹۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّأَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ " بَارَكَ اللهُ لَكَ وَ

بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ"۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شادی کرنے والے آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا اور مبارکباد دیا کرتے تھے:۔ "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ" (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے مُبارک کرے، اور تم پر برکتیں نازل کرے، اور تم دونوں (میاں اور بیوی) کو خیر اور بھلائی پر جوڑے رکھے)۔ یعنی دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور بھلائی کے معاملہ میں تم دونوں کے درمیان باہم اتفاق اور تعاون رہے، اور شیطان کوئی فتنہ انگیزی نہ کر سکے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

مباشرت کے وقت کی دُعا:

(۱۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهُ قَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" فَاِنَّهُ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ اَبَدًا

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کر لیا کرے:۔ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" (بسم اللہ، اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا، اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا تو شیطان اس کو

کبھی نقصان نہ پہونچا سکے گا، اور وہ ہمیشہ شرِ شیطان سے محفوظ رہے گا ——

—— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ

"اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہو کر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضہ پورا کر لیا) تو ایسی مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد شرِ شیطان سے محفوظ نہیں رہے گی "

اس کے بعد فرماتے ہیں: ——

"از ینجاست فساد احوال اولاد و تباہ کاری ایشاں" (یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق و عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے) —— اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی قدر شناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں: ——

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ: سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہئے۔ نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہئے، اور اس کی تیاری سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ "سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ

مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ
اِنَّا نَسْئَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ
مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاَطْوِلَنَا
بُعْدَهُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ
فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ
السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْاَهْلِ
وَالْمَالِ" ۔۔۔ وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰئِبُوْنَ
تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے، اس کے بعد کہتے: "سُبْحَانَ الَّذِىْ ۔۔۔ تا ۔۔۔ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کیلئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی، اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے)۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے

ہو اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج دہ بات دیکھوں، اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل وعیال یا مال وجائداد میں کوئی بُری بات پاؤں) ——— اور جب آپ سفر سے واپس ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دُعا کرتے۔ اور آخر میں اِن کلمات کا اضافہ کرتے "آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" (ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد وستائش کرنے والے ہیں) ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اِس دُعا کا ایک ایک جُز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اِس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے تھے ——— اُس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا۔ اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت وبڑائی کا جو خیال آسکتا تھا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تین دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ کے اُس پر تین ضربیں لگاتے تھے، اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت وکبریائی بس اللہ کے لئے ہے ——— اس کے بعد آپ کہتے تھے: "سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں ہے ——— اس کے بعد آپ فرماتے ہیں: "وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں، اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود ومطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہئے ——— اس کے بعد سب سے

پہلی دُعا آپ یہ کرتے کہ "اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور اُن اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو" بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کیلئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اوّلین دُعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دُعا کرتے ــــــــ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ" یعنی اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگراں بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے ــــــــ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ سفر کی مشقت سے یا دَورانِ سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: "اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک و مولا کی عبادت اور حمد و ثنا کرتے ہیں ــــــــ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کے قالب میں زبانِ مبارک پر جاری ہوتی تھیں، تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اُس اُمت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابلِ عبرت بدنصیبی ہے اُس اُمت کی جس کے ۹۹ فی صد افراد یا اس سے

بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے استفادہ سے محروم ہیں۔

(۱۶۷) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يُرِيْدُ سَفَرًا اَوْ غَيْرَهٗ فَقَالَ حِيْنَ يَخْرُجُ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ، اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اِلَّا رُزِقَ خَيْرَ ذٰلِكَ الْمَخْرَجِ وَصُرِفَ عَنْهُ شَرُّ ذٰلِكَ الْمَخْرَجِ۔

رواہ احمد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ بارادۂ سفر یا بغیر ارادۂ سفر، اور گھر سے روانگی کے وقت کہے :۔ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ۔ تا ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (میں اللہ پر ایمان لایا، میں نے اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا، میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا، اور میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی سعی و حرکت اور کوئی قوت و طاقت کام نہیں کرسکتی اللہ کے حکم کے بغیر) تو اس مسلمان کو گھر سے اس نکلنے کا خیر ضرور حاصل ہوگا، اور اس کے شر سے وہ محفوظ رکھا جائے گا ۔ (مسند احمد)

سفر میں کسی منزل پر اترنے کے وقت کی دعا:

(۱۶۸) عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ۔ رواہ مسلم

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سُنا آپ فرماتے تھے:۔ جو شخص اثنائے سفر میں کسی منزل پہ اُترے اور اُس وقت یہ دُعا کرلے:۔ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" (میں اللہ کے کلماتِ تامہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوقات کے شر سے) تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہو جائے گا اُس کو کوئی چیز ضرر نہ پہونچا سکے گی ——— (صحیح مسلم)

کسی بستی میں داخل ہونے کے وقت کی دُعا: ———

(۱۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَى قَرْيَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّدْخُلَهَا قَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا"

——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب وہ بستی دکھائی دیتی جس میں آپ جانے کا ارادہ رکھتے تو پہلے تین دفعہ کہتے:۔ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا" (اے اللہ ہمارے لئے اس بستی کو مبارک کردے) اس کے بعد یہ دُعا فرماتے:۔ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا — تا — وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا" (اے اللہ! اس بستی کی اچھی پیداوار کو ہمارا رزق بنا، اور ہماری محبت اس بستی والوں کے دل میں ڈال دے، اور اس میں جو تیرے صالح بندے ہوں اُن کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے)۔

——— (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) کسی نئی بستی میں جانے والے کے لئے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ سُبحان اللہ! کتنی مختصر، برمحل اور جامع دُعا ہے۔

سفر پر جانے والے کو وصیت اور اس کے لئے دُعا:

(۱۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِیْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ "اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَیْهِ السَّفَرَ"

رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: میرا ارادہ سفر کا ہے، حضورؐ مجھے کچھ وصیت اور نصیحت فرمائیں؟ ۔ آپ نے فرمایا: ۔ پہلی وصیت تو یہ ہے کہ اللہ کا خوف اور اس کی ناراضی سے بچنے کی فکر کو لازم پکڑ لو (اس بارے میں ادنیٰ تساہل اور غفلت نہ ہو) اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ اثنائِ سفر میں جب کسی بلندی پر پہونچنا ہو تو "اللہ اکبر" کہو ۔۔۔ پھر جب وہ آدمی روانہ ہو گیا تو آپ نے دعا دی: "اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَیْهِ السَّفَرَ" (اے اللہ! اس کے لئے طولِ مسافت کو سمیٹ کر مختصر کر دے، اور سفر کو اس کے واسطے آسان فرما دے) ۔۔۔ (جامع ترمذی)

(۱۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِیْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِیْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِیْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِیْ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ قَالَ وَیَسَّرَ لَكَ الْخَیْرَ حَیْثُ مَا كُنْتَ ۔۔۔ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا :۔ یا رسول اللہؐ! میرا ارادہ سفر کا ہے، آپؐ مجھے "زادِ سفر" عنایت فرما دیجئے؟ (یعنی ایسی دُعائیں کر دیجئے جو سفر میں میرے کام آئیں) آپ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تقوے کو تمہارا زادِ سفر بنائے (اور تمھیں پورے سفر میں یہ دولت نصیب رہے)۔ اُس شخص نے عرض کیا :۔ حضرتؐ! اس میں اور اضافہ فرمائیے؟۔ آپ نے فرمایا :۔ اور تمہارے گناہوں کی اللہ مغفرت فرمائے۔ اُس نے پھر عرض کیا :۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس میں اور اضافہ فرمائیے؟۔ آپ نے فرمایا :۔ اور جہاں بھی تم پہونچو، اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی تمہارے لئے میسّر فرمائے ——— (جامع ترمذی)

(۱۷۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ ——— رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ الخطمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ لشکر کو رخصت کرتے وقت فرماتے :۔ "أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ" (میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو، اور تمہارے آخری اعمال کو) ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہاں "امانت" سے مراد انسان کے دل کی وہ خاص صفت اور کیفیت ہے جو اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ مختصر لفظوں میں اس کو "بندگی کی ذمہ داریوں کے احساس" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مومن کی خاص پونجی اس کی یہ صفت امانت اور اس کا دین اور دینی اعمال ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو رخصت کرتے وقت مجاہدین کی ان چیزوں کو خاص طور سے اللہ کی سپردگی میں دیتے تھے اور دُعا فرماتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح کسی شخص

کو رخصت کرتے وقت بھی آپ کا معمول تھا کہ آپ اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور فرماتے: "أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ" (تمہارے دین تمہارے امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، وہ ان کی حفاظت فرمائے)۔

رواہ الترمذی عن ابن عمر ———— اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت مصافحہ فرمانا بھی آپ کا معمول تھا۔ واللہ اعلم۔

سخت خطرے کے وقت کی دُعا: ————

(۱۷۳) عَنْ أَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىْ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهُ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ أَعْدَائِهِ بِالرِّيْحِ هَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ ———— رواہ احمد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ۔ حضرتؐ! کیا اس نازک وقت کے لئے کوئی خاص دُعا ہے، جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں، حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آرہے ہیں؟ ۔ تو آپ نے فرمایا: ۔ ہاں! اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" (اے اللہ! ہماری پردہ داری فرما، اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے)۔ ———

(ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ: ۔ پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر دیئے، اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی ———— (مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرامؓ پر جو سخت سے سخت

دن گزرے ہیں اُن میں غزوۂ خندق کے بعض ایام بھی تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی اِس طرح کیا گیا ہے:۔

اِذْ جَآؤُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ	جب آگئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی
مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ	جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب
زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ	آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ	گلوں تک پہونچ گئے اور تم خدا کی نسبت
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ه هُنَالِكَ ابْتُلِيَ	طرح طرح کے گمان کرنے لگے اُس وقت
الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا	اہل ایمان بڑی آزمائش میں جا پڑے اور
شَدِيْدًا ـــــ (الاحزاب ع ۲)	سخت طریقے سے ہلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضورؐ سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر دُعا تلقین فرمائی تھی:۔ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے سارے لشکر کو تتر بتر کر دیا، اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

(۱۷۴) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ـــــ رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی دشمن گروہ کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے تھے:۔

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ"

(اے اللہ! ہم تجھے ان دشمنوں کے مقابلہ میں کرتے ہیں تو ان کو دفع فرما، اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں) ـــــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

فکر اور پریشانی کے وقت کی دُعا:۔

(۱۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے :۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ۔ تا ۔ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ" (کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے، کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ رب العرش العظیم ہے، کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ رب السموات والارض اور رب العرش الکریم ہے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَرَبَهٗ اَمْرٌ يَقُوْلُ "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ" وَقَالَ "اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ کی دُعا یہ ہوتی تھی :۔ "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ" (اے حی و قیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں) اور (دوسروں سے) فرماتے: "اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" (یا ذا الجلال والاکرام سے چپٹے رہو، یعنی اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے استغاثہ اور فریاد کرتے رہو) (جامع ترمذی)

(۱۷۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُوْلِيْنَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ ؟ "اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا" ——— رواه ابوداؤد

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔ میں تمھیں ایسے کلمے بتا دوں جو پریشانی اور فکر کے وقت تم کہا کرو۔ (انشاء اللہ وہ تمھارے لئے باعث سکون ہوں گے) "اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا" (اللہ اللہ وہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی)۔

——— (سنن ابی داؤد)

(۱۷۸) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهٗ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَاَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا ——— رواه رزين

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ ——— تا ——— جِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" ———

(اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا، اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دستِ قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے

بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اُس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے، یا اپنے خاص مخفی خزانۂ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے۔ استدعا کرتا ہوں کہ قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے، اور میری فکروں اور میرے غموں کو اسکی برکت دُور فرما دے)۔۔۔۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دُور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرمائے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔ (رزین)

(تشریح) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ اس دُعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار واعتراف کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا بندہ اور میری ماں بھی تیری بندی تھی یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں، تو میرا مالک و رب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک و رب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لئے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے اور نافذ ہونیوالا ہے، مجھے اور کسی کو بھی چون وچرا کی مجال نہیں ہے ۔۔۔۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو، اس لئے تیرے ہی اُن اسماءِ پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذاتِ پاک کو موسوم کیا ہے، یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنھیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآنِ پاک کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دُور فرما دے ۔۔۔۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔ جب بندہ اس طرح دُعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دُور فرما دی جائیں گی ۔

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں :

اِس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان ابتلائات اور مجاہدات کے ذریعہ اہلِ ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ اُن کے لئے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع کے لئے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب و مشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قربِ خداوندی کا ذریعہ بھی ــــــ ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھئے :

(۱۷۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِى النُّوْنِ الَّذِىْ دَعَا بِهَا وَهُوَ فِىْ بَطْنِ الْحُوْتِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِىْ شَيْئٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ۔

ــــــ رواہ احمد والترمذی والنسائی

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اُس کے پیٹ میں پہونچ گئے تھے تو اُس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی :- لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔" (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں [جس سے رحم و کرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں] تو پاک اور مقدس ہے [تیری طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہیں] میں ہی ظالم اور پاپی ہوں) ۔ جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا ــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۂ انبیاء) میں انہی الفاظ میں

مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید و تسبیح اور اپنے قصوروار، خطاکار ہونے کا اعتراف ہے، لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہارِ ندامت اور استغفار و انابت کا بہترین انداز ہے، اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

(۱۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ الْعَظِيْمِ فَقُوْلُوْا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" ——— رواہ ابن مردویہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" (ہم کو اللہ کافی ہے، اور وہی سب کام سپرد کرنے کیلئے اچھا ہے)۔

——— (ابن مردویہ)

(تشریح) یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اُن کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبانِ مبارک پر یہی کلمہ تھا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" ——— مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندۂ مومن کا یہی نعرہ ہونا چاہئے!۔

(۱۸۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِكْفِنِيْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ" اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى هَمَّهٗ ——— رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے:۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

اِكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ ۔ (اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور حل کر دے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے) تو اللہ اس کی مشکل کو حل کر کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرما دے گا ۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی)

(۱۸۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اِذَا حَزَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ : اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِىْ بِكَنَفِكَ الَّذِىْ لَا يُرَامُ وَاغْفِرْلِىْ بِقُدْرَتِكَ عَلَىَّ فَلَا اَهْلِكَ وَاَنْتَ رَجَائِىْ ، رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَهَا عَلَىَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِىْ وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِىْ بِهَا قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِىْ فَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِىْ فَلَمْ يَحْرِمْنِىْ وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهٖ صَبْرِىْ فَلَمْ يَخْذُلْنِىْ وَيَا مَنْ رَاٰنِىْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِىْ يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِىْ لَا يَنْقَضِىْ اَبَدًا وَيَا ذَا النَّعْمَاءِ الَّتِىْ لَا تُحْصٰى اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبِكَ اَدْرَأُ فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ ۔

رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علیؓ! جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو: " اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَا تَنَامُ ــ تا ــ فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ " (اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نیند اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی، اور مجھے اپنی اُس حفاظت میں لے لے جس کے قریب جانے کا

بھی کوئی ارادہ نہیں کر سکتا، اور مجھ مسکین و گناہگار بندے پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقہ میں تو میرے گناہ معاف فرما دے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں، تو ہی میری امیدوں کا مرکز ہے ـــــــ اے میرے مالک و پروردگار! تو نے مجھے کتنی ہی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا، اور کتنی ہی آزمائشوں میں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی کمی اور کوتاہی ہوئی۔ پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر اُنڈیلتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہ کرم سے نہیں گرایا (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گنہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد احسان و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے بندے اور پیغمبر حضرت محمدؐ پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوندا! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسہ پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے ـــــــ (مسند فردوس دیلمی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے، اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حاکمِ وقت کے ظلم سے حفاظت کی دعا:ـــــــ

بسا اوقات انسان خاص کر حق پرست انسان کو ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ وہ وقت کے ارباب اقتدار کے غصہ اور ناراضی کا نشانہ بن جاتا ہے، اور ان کے ظلم و عدوان کا خطرہ فطری طور پر

اس کے لئے فکر و پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے مستقل طور سے دعا تعلیم فرمائی۔

(۱۸۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَخَوَّفَ اَحَدُكُمُ السُّلْطَانَ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ كُنْ لِّيْ جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاَتْبَاعِهِمْ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ"۔ —— رواه الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کسی کو حاکم وقت کے ظلم و عدوان کا خطرہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ —— تا —— لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ" (اے اللہ! ہفت افلاک اور عرش عظیم کے مالک! فلاں ابن فلاں (حاکم) کے شر سے اور سارے شریر انسانوں اور جنوں اور ان کے چیلوں کے شر سے میری حفاظت فرما، اور مجھے اپنی پناہ میں لے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے۔ جو تیری پناہ میں ہے وہ باعزت ہے، تیری ثنا و صفت باعظمت ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف تو ہی معبود برحق ہے) —— (معجم کبیر طبرانی)

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا: ——

(۱۸۴) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلٍ

مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ اَبُوْ اُمَامَةَ فَقَالَ يَا اَبَا اُمَامَةَ مَالِيْ اَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ قَالَ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِيْ وَدُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُكَ كَلَامًا اِذَا قُلْتَهٗ اَذْهَبَ اللهُ هَمَّكَ وَقَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذَالِكَ فَاَذْهَبَ اللهُ هَمِّيْ وَقَضٰى دَيْنِيْ ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو (جن کا نام ابو اُمامہ تھا) آپ نے مسجد میں بیٹھے دیکھا، آپ نے اُن سے فرمایا:۔ کیا بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟۔ انھوں نے عرض کیا:۔ حضرتؐ! مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ میں تمھیں ایسا دعائیہ کلمہ بتا دوں جس کے ذریعہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمھیں ساری فکروں سے نجات دے دے اور تمھارے قرضے بھی ادا کرا دے؟۔ (ابو اُمامہ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا:۔ حضرتؐ! ضرور بتا دیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو:۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ ـــ تا ـــ وَقَهْرِ الرِّجَالِ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور نکمّے پن اور ڈھیلے پنے سے، اور سستی و کاہلی سے، اور بزدلی و کنجوسی سے، اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آجانے سے اور لوگوں کے

دباؤ سے)۔ ابو امامہ نے بیان کیا کہ:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پہ عمل کیا (اور اس دعا کو اپنا صبح و شام کا معمول بنا لیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہو گئیں، اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ صاحب واقعہ ابو امامہ، مشہور صحابی ابو امامہ باہلی رضی کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں۔

(۱۸۵) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّي عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَاَعِنِّي قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"

——— رواه الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ:۔ میں زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کر دیجئے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ میں تم کو وہ دعائیہ کلمات نہ بتا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے تھے، اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہو گا تو اس دعا کی برکت سے اور اللہ کے حکم سے وہ ادا ہو جائے گا (وہ مختصر دعا یہ ہے):۔
"اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ" (اے میرے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لئے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو، اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے) ——— (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) "مکاتب" اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کر دیا ہو کہ

تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو، ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا، آپ اُس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لئے ایک خاص دُعا آپ نے اُس کو تعلیم فرما دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی ـــــ معلوم ہوا کہ ضرورت مند سائل کی اگر روپیہ پیسہ سے کسی وقت مدد نہ کی جا سکے تو اس کو اس طرح کی دُعا ہی کی طرف رہنمائی کر دی جائے، یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

خوشی اور غم کے وقت کی دُعا: ـــــ

(۱۸۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاٰى مَا يَسُرُّبِهٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ" وَاِذَا رَاٰى شَيْئًا مِمَّا يَكْرَهُ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" ـــــ رواه ابن النجار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے آپ کو مسرت اور خوشی ہوتی تو کہتے: ـــــ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ" (حمد و ستائش اُس اللہ کے لئے جس کے فضل و احسان سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں)۔ اور جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو آپ کو ناپسند اور ناگوار ہوتی تو کہتے: ـــــ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" (ہر حال میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر) ـــــ (ابن النجار)

(تشریح) اِس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے چاہے اُس میں ہمارے لئے مسرت اور خوشی کا سامان ہو یا رنج و غم کا وہ سب بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے، اور وہ حکیم مطلق ہے

اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں، اس لئے وہ ہر حال میں حمد و ستائش کا مستحق ہے۔

غصہ کے وقت کی دُعا :—

(۱۸۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى عُرِفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِ اَحَدِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَ لَذَهَبَ غَضَبُهُ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ"

—— رواہ الترمذی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہوگئی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرے پر غصہ کے آثار محسوس ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میں جانتا ہوں ایک دُعائیہ کلمہ، اگر یہ آدمی اس وقت وہ کہہ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑجائے گا، وہ کلمہ ہے —— "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ"

—— (جامع ترمذی)

(تشریح) بلاشبہ اگر آدمی شعور اور دُعا کی کیفیت کے ساتھ سخت غصہ کی حالت میں بھی یہ کلمہ کہے اور اللہ سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کردے گا، اور وہ غصہ کے نتائج بد سے محفوظ رہے گا ۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ——

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔	اور اگر (کسی وقت) شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی ہو (اور اس سے تمہارے اندر غصہ کی آگ بھڑک اُٹھے) تو اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ سب کچھ سُننے والا اور

جاننے والا ہے (وہ تمہیں پناہ دے گا)۔ ——— (حٰم السجدہ) ———

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ غصہ کی بحرانی کیفیت میں جب آدمی سنجیدگی اور توازن اور اچھائی بُرائی کا احساس کھو بیٹھتا ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ باتیں اُسے یاد آئیں۔ ایسے وقت میں خیرخواہوں کو چاہئے کہ وہ حکمت سے اس کو اس طرف متوجہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زرّیں ہدایت یاد دلائیں۔

عیادت کے وقت کی دُعائیں: ———

بیماروں کی عیادت اور خدمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچے درجہ کی نیکی اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت قرار دیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے، نیز اپنے عمل اور ارشادات سے اس کی تعلیم دی ہے کہ جب کسی مریض کی عیادت کی جائے تو اُس کے لئے دُعائے صحت بھی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کو تسلی بھی ہو گی۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث کی تیسری جلد میں "کتاب الجنائز" کے ذیل میں اس سلسلہ کی متعدد حدیثیں درج کی جا چکی ہیں یہاں کتاب الدعوات میں بھی بعض حدیثوں کے اضافہ کے ساتھ ان کو درج کیا جا رہا ہے۔

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ "اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سُقْمًا" ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ اُس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دُعا پڑھتے: اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ الخ (اے سب آدمیوں کے پروردگار!

اِس بندے کی تکلیف دُور فرمادے اور شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری کا اثر بالکل نہ چھوڑے)۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۸۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِشْتَکَیْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْئٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَحَاسِدٍ، اَللّٰهُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ"

رواہ مسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کچھ بیمار ہوئے تو) جبرئیل امینؑ آئے اور کہا: "اے محمدؐ! تم کو تکلیف ہو گئی ہے؟" آپ نے فرمایا:- ہاں! - تو جبرئیل امینؑ نے یہ دُعا پڑھ کے جھاڑا:- بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْئٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَحَاسِدٍ، اَللّٰهُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ" (میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا اور دم کرتا ہوں، ہر اُس چیز سے جو تمہیں ایذا پہونچائے، اور ہر نفس اور حاسد کے شر سے، اللہ تم کو شفا دے، میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا پھونکتا ہوں) (صحیح مسلم)

(۱۹۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰی نَفَثَ عَلٰی نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِیَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰی وَجَعَهُ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَیْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِیْ كَانَ یَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِیَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو مُعوّذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے اور خود اپنا دستِ مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ نے وفات پائی، تو میں وہی مُعوّذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ دم کیا کرتے تھے، اور آپ کا دستِ مُبارک آپ کے جسم پر پھیرتی ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اِس حدیث میں "مُعوّذات" سے مُراد بظاہر سورۂ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دُعائیں مراد ہوں جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جاتی ہے، اور جو آپ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دَم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بھی بعض حدیثوں میں آچکی ہیں۔

چھینک آنے کے وقت کی دُعا: ———

آدمی کو چھینک آجانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع کے لئے بھی دُعا تلقین فرمائی، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنادیا۔

(۱۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔

——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" (اللہ کی حمد اور

اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں انھیں جواب میں کہنا چاہئے: ــــــ
"یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہئے
کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے:۔ "یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" (اللہ
تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے) ــــــ (صحیح بخاری)

(**تشریح**) چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے ہلکے ہونے کا ذریعہ ہے۔ جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں، اس لئے بندے کو چاہئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور کم از کم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے۔ بعض روایات میں اس موقع کے لئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" اور بعض دوسری روایات میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" بھی وارد ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر کلمہ کہا جاسکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنا چاہئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دعائے خیر ہوگی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دعائے خیر سے دینا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے "یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" تعلیم فرمایا ــــــ قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کے لئے اور اس کے پاس والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنایا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کا مکلف ہے، نہ سننے والے کو ہر دفعہ "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنے کا حکم ہے۔

(۱۹۲) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰى فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ ــــــ

ــــــ رواه مسلم وفي رواية للترمذي اَنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ اَنَّهُ مَزْكُوْمٌ

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی تو آپ نے "یَرْحَمُكَ اللهُ" فرمایا۔ وہ پھر چھینکا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اِس آدمی کو زکام ہو (اس لئے ہر دفعہ یَرْحَمُكَ اللهُ کہنا ضروری نہیں) ——— (صحیح مسلم)

(**تشریح**) اور جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ یہ بات حضورؐ نے اُس وقت فرمائی جب اُس آدمی کو تیسری دفعہ چھینک آئی۔

ایک دوسرے صحابی عبید ابن ابی رفاعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:۔ ———

شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا	چھینکنے والے کو تین دفعہ تک تو
زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ	یَرْحَمُكَ اللهُ کہو، اس کے آگے کہو
وَاِنْ شِئْتَ فَلَا۔	چاہے نہ کہو۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

(۱۹۳) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر کے خادم نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، اُسے چھینک آئی تو اس نے کہا:۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا:۔ میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" یعنی یہ کلمہ فی نفسہٖ بڑا مبارک ہے، اس میں اللہ کی حمد ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہے، لیکن اس موقع پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لئے ہمیں تعلیم دی ہے کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہیں۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک بڑی اہم اور اصولی بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مواقع کے لئے جو اذکار تعلیم فرمائے ہیں اُن میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ بھی ٹھیک نہیں ہے اگرچہ وہ فی نفسہ بہت مبارک ہے ——
اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری قدر شناسی واحسان مندی اور کامل اتباع نصیب فرمائے۔

بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کے وقت کی دُعا:

بلاشبہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک اللہ تعالیٰ کے جلال کے مظہر ہیں، اور جب خدا پرست بندہ ان سے دوچار ہو تو پوری عاجزی کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم اور عافیت کی دُعا کرنی چاہئے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

(۱۹۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ "اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ"۔

رواہ احمد والترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سُنتے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے: "اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ"۔

(اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر، اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے) ——— (مسند احمد، جامع ترمذی)

آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دُعا:———

تیز و تند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمتِ الٰہی (یعنی بارش) کا مقدمہ بن کر، اس لئے خدا شناس اور خدا پرست بندوں کو چاہئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں، تو وہ جلالِ خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دُعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

(۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا ——— رواه الشافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دُعا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامانِ حیات ہو، عذاب اور سامانِ ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ نہ ہو جس کو قرآن نے "ریح" کہا ہے، وہ ہو جس کو "ریاح" کہا ہے" ——— (مسند شافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

(تشریح) قرآن مجید کی بعض آیات میں اُس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی "ریح" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور بعض دوسری آیات میں اُن ہواؤں کے لئے جو رحمت بن کر آتی ہیں "ریاح" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا کے وقت یہ دُعا بھی فرماتے تھے کہ: "اے اللہ! یہ "ریح" یعنی عذاب والی ہوا نہ ہو

بلکہ "ریاح" یعنی رحمت والی ہوا ہو۔

(۱۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ" وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مُطِرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب تیز و تند ہوا چلتی اور آندھی کی کیفیت ہوتی تو اس طرح دعا کرتے :۔
"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ ــــ تا ــــ وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ"
(اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس ہوا کی خیر و برکت، اور اس ہوا میں جو کچھ مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی جارہی ہے اس کی خیر و برکت، اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی گئی ہے اس کے شر اور برے اثرات سے)۔ اور جب آسمان پر ابر گھر کے آتا (جس میں خیر و شر اور رحمت و عذاب کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں) تو اللہ کے قہر و جلال کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو جاتا کہ آپ کا رنگ بدل جاتا، کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے، کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے۔ پھر جب خیریت سے بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت ختم ہوتی ــــ
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کیفیت کو محسوس کیا تو آپ سے

پوچھا کہ :۔ آپ کا یہ حال کیوں ہو جاتا ہے ؟ ۔آپ نے فرمایا کہ :۔ آسمان پر ابر دیکھ کے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اُس قسم کا ابر نہ ہو جسے اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے علاقے پر برس کے ہماری کھیتیوں کو شاداب کرے گا (حالانکہ وہ عذاب کا بادل تھا جو اُن کی مکمل تباہی و بربادی کا سامان لے کر آیا تھا) ۔

—————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بادل اور بارش کے وقت کی دعا ——————

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ" فَإِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللهَ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ "اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا" —————— رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والشافعی واللفظ لہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ آسمان پر بادل چڑھتا دیکھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہو جاتا کہ جس کام میں آپ مشغول ہوتے اُس کو چھوڑ کے بادل کی طرف رُخ کر لیتے اور اللہ سے دُعا کرتے کہ :۔ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ" (اے اللہ! اِس بادل میں جو شر ہو اُس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں) ۔ پھر اگر وہ بادل چھٹ کر آسمان صاف ہو جاتا تو آپ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ، اور اگر وہ بادل برسنے لگتا تو دُعا فرماتے کہ :۔ "اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا" (اے اللہ! اِس بارش سے پوری سیرابی کر دے ، اور اس کو نفع مند بنا) ۔

—————— (سنن ابی داؤد ، سنن نسائی ، سنن ابن ماجہ ، مسند شافعی)

(۱۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" ــ

ـــــــــــ رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے: ــــ "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" (اے اللہ! بھرپور اور نفع مند بارش ہو) ـــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کے لئے وہ سامانِ حیات بن کر بھی برستی ہے، اس لئے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دعا کرنی چاہئے کہ بارش نفع مند اور رحمت بن کر برسے ــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کی ضرورت محسوس کر کے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے جب بھی آپ کی دعا یہی ہوتی۔

بارش کے لئے دعا ــــــــــــ

(۱۹۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ" قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ ـ

ـــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے بارش کے لئے اس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے تھے: ـــ "اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ" (اے اللہ! ہم پر ایسی بھرپور بارش نازل فرما جو زمین کیلئے موافق اور سازگار ہو، کھیتوں میں سرسبزی اور شادابی لائے، اس سے نفع ہی نفع ہو نقصان بالکل

نہ ہو۔ اے اللہ! جلدی نازل فرما دیر نہ ہو) ——— حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ کے دعا کرتے کرتے آسمان پر گھٹا چھا گئی اور بھرپور بارش ہوئی ——— (سنن ابی داؤد)

(۲۰۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ "اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ" ——— رواه مالك وابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرتے :—
"اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ" (اے اللہ! اپنے بندوں اور اپنے پیدا کئے ہوئے بے زبان چوپایوں اور جانوروں کو سیراب فرما، اپنی رحمت بھیج اور تیری جو بستیاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے مُردہ ہو گئی ہیں بارش نازل فرما کر اُن میں جان ڈال دے) ——— (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

(تشریح) غور کیا جائے اِس دعا میں کیسی اپیل ہے، اور رحمتِ الٰہی کو متوجہ کرنے کی کتنی طاقت ہے۔

مہینہ کا نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا :———

(۲۰۱) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ "اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ" ——— رواه الترمذی

حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مہینہ کا

چاند دیکھتے تو اس طرح دُعا کرتے :۔ "اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ" (اے اللہ! یہ چاند ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا چاند ہو۔ اے چاند تیرا رب اور میرا رب اللہ ہے) ———— (جامع ترمذی)

(تشریح) ہر مہینہ زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ جب ایک مہینہ ختم ہو کے دوسرے مہینے کا چاند آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو گویا اعلان ہو جاتا ہے کہ ہر آدمی کی زندگی کا ایک مرحلہ پورا ہو کے آگے کا مرحلہ شروع ہو رہا ہے، ایسے موقع کے لئے مناسب ترین دُعا یہی ہو سکتی ہے کہ :۔ "اے اللہ! یہ شروع ہونے والا مرحلہ یعنی مہینہ بھی امن و امان اور ایمان و اسلام کے ساتھ گزرے اور تیری فرمانبرداری نصیب رہے" ———— چونکہ دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چاند کو ایک رب اور دیوتا مانتے ہیں، اس لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مندرجۂ بالا دُعا کے ساتھ یہ بھی اعلان فرماتے تھے کہ چاند اللہ کی صرف ایک مخلوق ہے، اور جس طرح ہمارا رب اللہ ہے اسی طرح اس کا رب بھی اللہ ہے۔

(۲۰۲) عَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ "هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ" هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ "اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا ———— رواہ ابوداؤد

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مہینہ کا نیا چاند دیکھتے تو تین دفعہ کہتے :۔ "هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ" (خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا چاند ہے)۔ پھر تین ہی دفعہ کہتے :۔ "اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ" (میرا ایمان ہے اُس اللہ پر جس نے تجھے پیدا کیا)۔ اس کے بعد فرماتے حمد و شکر اُس اللہ کیلئے

جس کے حکم سے فلاں مہینہ ختم ہوا اور فلاں مہینہ شروع ہوا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رویتِ ہلال کے وقت کی یہ دوسری دُعا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ آپ نیا چاند دیکھ کے کبھی مندرجۂ بالا حدیث والی دُعا کرتے تھے اور کبھی یہ دوسری دُعا۔

تین دفعہ "هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ" کہنے کا منشاء غالباً یہ تھا کہ بہت سے طبقے بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں، اِس کلمہ سے اس توہم پرستی کی تردید کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ ہر مہینہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مہینہ ہے۔

"آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ" تین دفعہ کہہ کے آپ اُن گمراہوں کے مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگاتے تھے جو چاند کو رب اور دیوتا مانتے ہیں۔

قتادہ، جو اِس حدیث کے راوی ہیں یہ غالباً قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں انھوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سُنی ہوگی، بعض تابعین اور اسی طرح بعض تبع تابعین بھی کبھی درمیانی راوی کا ذکر کئے بغیر اِس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہونچی ہے۔ محدّثین کی اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو "بلاغات" کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کی موطا میں انکی اچھی خاصی تعداد ہے۔

لیلۃ القدر کی دُعا: ———

قبولیتِ دُعا کے لحاظ سے شب قدر کو جو امتیاز حاصل ہے اُس کے بارے میں حدیثیں "معارف الحدیث جلد چہارم" کتاب الصوم میں درج ہو چکی ہیں۔ اس رات کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک مختصر ترین دُعا یہاں بھی درج کی جا رہی ہے۔

(۲۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ بِمَا اَدْعُوْ بِهٖ؟ قَالَ قُوْلِي "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ" ——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرتؐ! اگر میں شب قدر کو پالوں تو کیا دُعا کروں؟ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: ـــــ "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ" (اے اللہ! تو قصور والوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے) ـــــ (جامع ترمذی)

عرفات کی دُعا: ـــــ

۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ کے خصوصی مہمان، حجاج بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں تو جیسا کہ کتاب الحج میں درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے اُس دن وہاں رحمتِ خداوندی کی موسلادھار بارش ہوتی ہے، وہ قبولیتِ دُعا کا خاص الخاص موقع ہے۔ اس موقع کی جو دُعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھئے: ـــــ

(۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَاَفْضَلُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" ـــــ رواہ الترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن کی بہترین دُعا اور بہترین کلمہ جو میری زبان سے اور مجھ سے پہلے نبیوں کی زبان سے ادا ہوا یہ کلمہ ہے: ـــــ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ایک معبود ہے، کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں، اسی کی فرمانروائی ہے، بس اُسی کے لئے حمد و ستائش سزاوار ہے اور ہر چیز اس کے زیرِ قدرت ہے)۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس کلمہ میں اگرچہ بظاہر دُعا اور سوال نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ "بس وہی رب اور معبود ہے اور ہر چیز پر اس کو قدرت ہے اور اس کی اور صرف اُسی کی فرمانروائی ہے" یہ بھی دُعا ہی کی ایک صورت ہے اور بڑی بلیغ صورت ہے اور بلاشبہ بعض حیثیتوں سے اور بعض پہلوؤں سے یہی افضل ترین کلمہ ہے ——— کلماتِ ذکر کے سلسلہ میں جہاں اس کلمہ سے متعلق حدیث درج کی گئی ہے وہاں اس کی کچھ وضاحت بھی کی جا چکی ہے۔

(۲۰۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَكْثَرُ مَا دَعَا بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي الْمَوْقِفِ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي تَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا نَقُولُ اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ مَآبِي وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِي اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِيئُ بِهِ الرِّيحُ" ——— رواہ الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرفہ کے دن وقوف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ یہ دُعا کی: — "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ——— تا ——— مِنْ شَرِّ مَا تَجِيئُ بِهِ الرِّيحُ" (اے اللہ: تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش سزاوار ہے، اُس طرح جس طرح تو فرماتا ہے، اُس سے بہتر جو ہم تیری حمد وثنا میں کہتے ہیں! اے اللہ! میری نماز اور میرا حج اور میری ساری عبادات اور میرا جینا مرنا سب تیرے ہی لئے ہے، اور مجھے زندگی ختم کر کے تیرے ہی حضور میں واپس جانا ہے، اور جو کچھ میں چھوڑ کے جاؤں تو ہی اس کا وارث ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے اور دل کے وسوسوں سے اور پراگندہ حالی سے۔ اور پناہ مانگتا ہوں ہواؤں کے شر اور اُن کے بُرے اثرات اور عواقب سے) ——— (جامع ترمذی)

(۲۰۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ دُعَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِيْ وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ بِيْ رَؤُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْؤُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ"

رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دُعا یہ تھی :—

"اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے، اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے، اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے، تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ میں دکھی ہوں محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقراری ہوں۔ تجھ سے سوال کر رہا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے دُعا کرتا ہوں جیسے کوئی خوف زدہ آفت رسیدہ دُعا کرتا ہے۔ اور اُس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے

ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ رکھ، اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا۔ اے اُن سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں" ———— (معجم کبیر للطبرانی)

(**تشریح**) اس دعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی روح سے لبریز اور کمالِ معرفت کا ترجمان ہے دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس عاجز کو زندگی میں کئی دفعہ اس کا موقع ملا کہ بعض خدا پرست غیر مسلموں کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سنائی اور اس کا ترجمہ کر کے بتایا تو وہ اپنا یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ دعا اُسی دل سے نکل سکتی ہے جسے اللہ نے اپنے علم کا خاص حصہ دیا ہو اور اس کو معرفتِ نفس اور معرفتِ رب کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو ———— اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قیمتی ورثہ کی قدر شناسی اور اس سے استفادہ کی توفیق دے۔

خاص اوقات و متعلقات اور خاص مواقع کی دعاؤں کا
سلسلہ یہاں ختم ہوا ——— وَالحَمدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ
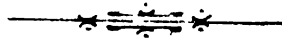
جامع اور ہمہ گیر دُعائیں

عرض کیا گیا تھا کہ کتبِ حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دُعائیں ماثور اور منقول ہیں اگر ان کو مضامین اور موقع محل کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو وہ تین قسم کی ہیں:۔ ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے، دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے، تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے، بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں ـــــــ پہلی دو قسم کی دُعائیں درج کی جا چکیں، تیسری قسم کی اب پیش کی جا رہی ہیں ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع قسم کی ہیں، اسی لئے ائمۂ حدیث نے اپنی مؤلفات میں ان دعاؤں کو "جامع الدعوات" کے زیرِ عنوان درج کیا ہے ۔ یہ دُعائیں اُمت کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ ہم اُمتیوں کو قدر شناسی اور تشکر کی اور ان دعاؤں کو اپنے دل کی آواز اور دھڑکن بنا لینے کی توفیق دے ۔ جس بندے کو یہ دولت مل گئی اُسے سب کچھ مل گیا ـــــــ

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھئے : ـــــــ

(۲۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِيْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْيَایَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ

زِيَادَةً لِّي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّي مِنْ كُلِّ شَرٍّ — — — — رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِي — تا — رَاحَةً لِّي مِنْ كُلِّ شَرٍّ"۔ (اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور سلامتی کا دارومدار ہے اور میری دنیا بھی درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے، اور میری آخرت بھی درست فرما دے جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے، اور میری زندگی کو خیر اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے، اور میری موت کو ہر شر سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے — — — (صحیح مسلم)

(**تشریح**) جیسا کہ ظاہر ہے یہ بہت ہی جامع دعا ہے، اس کا پہلا جز یہ ہے :—

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِي	اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے
دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ	جس پر میری خیریت اور میری ہر چیز کی
اَمْرِي — — —	سلامتی اور تحفظ کا دارومدار ہے۔

دراصل دین ہی وہ چیز ہے کہ اگر وہ درست اور سلامت ہو تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی ولعنت اور اس کے غضب وعذاب سے مامون ومحفوظ ہو کر اس کے لطف وکرم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے اس کے جان ومال اور عزت وآبرو کو ایک خاص درجہ کی حرمت وعصمت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اسی پر آدمی کی سلامتی وخیریت اور صلاح وفلاح کا دارومدار ہے۔ اسی چیز کو اس دعاءِ نبوی میں "عِصْمَةُ اَمْرِي" کہا گیا ہے —— دین کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ایمان ویقین صحیح ہو، اس کے افکار وجذبات اور اعمال واخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہو، اور ظاہر ہے کہ اس کا دارومدار اللہ کی توفیق پر ہے، اس لئے ہر بندۂ مومن کے

دل کی اولین مانگ اور پکار یہی ہونا چاہئے ———— اس دُعا کا دوسرا جزء ہے: ————

وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ۔ اور میری دُنیا درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مومن بندے کی دوسری مانگ اللہ تعالیٰ سے یہی ہونا چاہئے ———— تیسرا جزء دُعا کا یہ ہے: ————

وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ۔ اور میری آخرت اچھی بنا دے، جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور سے آخرت کی درستی کی یہ دُعا کی۔ ایک تو غالباً اس لئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دینی لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندے کو آخرت کے بارے میں مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے: ———— "وَالَّذِیْنَ[1] یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ" (المؤمنون۔ ع ۶)————

چوتھا اور پانچواں جزء دُعا کا یہ ہے: ————

وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔ اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے اور موت کو ہر برائی سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے۔

[1] اس آیت میں اللہ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ اور خیرات کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ قبول ہوتا ہے یا نہیں ۱۲۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا یقینی ہے ـــــــ اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کما سکتا ہے اور بدی بھی، وہ اس کے لئے سعادت میں ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے ساتھ اللہ سے یہ دُعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ! میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنا دے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لمحات اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں، اور میری موت کو شر و فتن کی اذیتوں سے راحت کا ذریعہ بنا دے، یعنی مستقبل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہو سکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت اُن سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر اُن سے مجھے راحت دیدے۔

یہ دُعا بھی "جوامع الکلم" اور دریا بکوزہ کی بہترین مثال ہے، الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!۔

(۲۰۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دُعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (اے میرے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا)۔

ـــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سُبحان اللہ! کتنی مختصر اور کتنی جامع دُعا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے اِس دُنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں بھی بھلائی مانگی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اس میں دُنیا اور آخرت کی ساری ہی اچھی مرغوبات و مطلوبات آگئیں ــــــ اور آخرت میں عذاب دوزخ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی استدعا کی گئی ہے ــــــ الغرض دنیا اور آخرت میں ایک بندے کو جو کچھ چاہئے وہ سب ہی اس مختصر ترین دُعا میں مانگ لیا گیا ہے ــــــ

پھر اس کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ دراصل قرآن مجید کی دُعا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ قرآنِ پاک میں اس کا پہلا لفظ "رَبَّنَا" ہے، اور حدیث میں اس کی جگہ پہلا لفظ "اَللّٰھُمَّ" ہے۔ حاصل ایک ہی ہے۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بکثرت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم اُمتیوں کو بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اکثری معمول کی پیروی کی توفیق دے۔

(۲۰۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى" ــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ ــ تا ــ وَالْغِنٰى" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور تقویٰ اور پاکدامنی اور مخلوق کی نامحتاجی ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس دُعا میں اللہ تعالیٰ سے چار باتوں کا سوال ہے:- ایکؔ ہدایت یعنی راہِ حق پر چلنا، اور استقامت کے ساتھ چلتے رہنا۔ دوسرؔے تقویٰ و پرہیزگاری یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی و منکرات سے بچنا۔ تیسرؔے عفّت و پاکدامنی۔ چوتھےؔ غِنیٰ، یعنی دل کی یہ حالت کہ بندہ اپنے اندر کسی مخلوق کی محتاجی اور دست نگری محسوس نہ کرے، اپنے مالک کی عطا پر مطمئن رہے ــــــ یہ دُعا بھی "جوامع الکلم" کی اعلیٰ مثال ہے۔

(۲۱۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ"

رواه البیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ — تا — وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی اور عفت و پاکدامنی، اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا)۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے — صحت و تندرستی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ عارفین کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر و بیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق و کیف بھی متاثر ہوتا ہے، اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔

امانت، قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے، اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے —

حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے علاوہ عفّت، امانت، حُسنِ اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے
یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے، اور
ساری دینی و دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　＊　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲۱۱) عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ"

رواہ الترمذی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دُعا تعلیم فرمائی، اور مجھ سے ارشاد فرمایا: — اللہ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو:۔

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ — تا — غَیْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ"

(اے اللہ! میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو بھی صلاح سے آراستہ فرما دے۔ اے اللہ! تو اپنے بندوں کو (اپنے فضل و کرم سے) جو ایسے صالح گھر والے صالح مال اور صالح اولاد عطا فرماتا ہے جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کیلئے گمراہ کُن ہوں۔ میں بھی تجھ سے ان چیزوں کا سائل ہوں (مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے یہ چیزیں عطا فرما)

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس دُعا کا پہلا جز یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میرا ظاہر بھی صالح ہو اور میرا باطن بھی صالح ہو، اور باطن کی حالت ظاہر سے بھی بہتر ہو — اور دوسرا جز یہ ہے کہ میرے اہلِ خانہ اور میری اولاد اور میرا مال و منال یہ سب بھی صالح ہوں، نہ خود ان میں ضلال و فساد ہو

نہ دوسروں کے لئے یہ باعث ضلال و فساد نہیں۔

(۲۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهٗ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ"۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر یاد کی تھی (وہ دُعا میں برابر کیا کرتا ہوں) اس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا (وہ یہ ہے) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ ۔۔۔ تا ۔۔۔ اَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ" (اے اللہ! مجھے ایسا کر دے کہ میں تیری نعمتوں کے شکر کی عظمت و اہمیت کو سمجھوں (تاکہ پھر شکر میں کوتاہی نہ کروں) اور تیرا ذکر کثرت سے کروں اور تیری نصیحتوں کی پیروی کروں اور تیری وصیتوں اور حکموں کو یاد رکھوں (اور ان کی تعمیل سے غفلت نہ برتوں) (جامع ترمذی)

(۲۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْكُرْ لِیْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَیَّ وَاهْدِنِیْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاهْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِیْ ۔۔۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یہ دُعا کیا کرتے تھے :- " رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ ـــــ تا ـــــ

وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ " (اے میرے رب میری مدد فرما ، میرے خلاف

(میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان کی) مدد نہ فرما ، میری حمایت فرما (میرے

مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما ، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال

فرما ، میرے خلاف استعمال نہ فرما ۔ مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراطِ مستقیم پر چلنے رہنا

میرے لئے آسان فرما ، جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اُس کے مقابلے میں میری مدد فرما ۔

اے پروردگار ! مجھے بنادے اپنا خوب شکر کرنے والا ، خوب ذکر کرنے والا ، اپنے سے بہت

ڈرنے والا ، سراپا اطاعت گذار و فرمانبردار ، اپنے حضور میں عاجزی اور نیازمندی سے

جھکنے والا ، نرم دل ، اور تیری بارگاہِ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا ـــــ

اے میرے رب ! میری توبہ قبول فرمالے ، میرے گناہوں کے مَیل کچیل کو دھو دے ، میری دُعا

قبول فرما ، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اس کو) مستحکم کر دے ، میری زبان

کو ٹھیک چلنے والی بنادے ، میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینہ سے

کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے) ۔

ـــــ (جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد ، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے ـــــ مندرجۂ بالا سب ہی دُعاؤں کا خاص

قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ ہر دُعا میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں

اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں ، خود عاجز اور بے بس ہوں ،

یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں ۔ اپنے اخلاق

و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نظرِ کرم کا محتاج ہوں ۔ میری صحت اور بیماری

بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے ، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرما سکتا ہے ،

میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں ، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں ـــــ

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال عبدیت ہے، اور بلاشبہ یہ کمال آپ پر ختم ہے، اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ۔

(۲۱۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ مِنْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ، وَاَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِىْ خَيْرًا"

—————— رواہ ابن ابی شیبہ و ابن ماجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ ـــ تا ـــ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِىْ خَيْرًا" (یعنی اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں، دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی، وہ خیر بھی مانگتی ہوں جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی، اور میں تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے، دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے اس شر سے بھی جس کو میں جانتی ہوں اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی ـــــ اے میرے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں تجھ سے اس کی سائل ہوں، اور جس جس شر سے انھوں نے تیری پناہ چاہی اے اللہ

میں بھی اُس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں ـــــ اے اللہ! میں تجھ سے جنت مانگتی ہوں اور اُس قول و عمل کی توفیق کی سائل ہوں جو مجھے جنت سے قریب کر دے، اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اُس قول و عمل سے جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لئے خیر اور بھلائی کا ضامن ہو ـــــ (مصنف ابن ابی شیبہ و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اِس دُعا کے ایک ایک جز پر غور کیا جائے، انسان کو دنیا اور آخرت میں جس چیز کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے یہ اُس سب پر حاوی ہے ـــــ اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے گھر پر حاضر ہوئے اور کوئی بات بالکل تنہائی میں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُس وقت وہیں نماز پڑھ رہی تھیں، اور بہت طویل دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی تخلیہ کرانے کے لئے اُن سے فرمایا کہ:۔ جامع قسم کی دعائیں کر کے جلدی پوری کر لو۔ انھوں نے عرض کیا کہ:۔ مجھے ایسی جامع دُعا بتا دیجئے؟۔ اُس وقت آپ نے اُن کو یہ دُعا تلقین فرمائی۔

(۲۱۵) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ کَثِیْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَیْئًا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ کَثِیْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَیْئًا، قَالَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَجْمَعُ ذَالِكَ کُلَّهٗ؟ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ

وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ـــــ

ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دُعائیں فرمائیں جو ہمیں یاد نہیں رہیں، تو ہم نے آپ سے عرض کیا: ـــــ یا رسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں فرمائی تھیں اُن کو ہم یاد نہیں رکھ سکے (اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ سے وہ سب دعائیں مانگیں، تو کیا کریں؟) ـــــ آپ نے فرمایا:۔ میں تمھیں ایسی دُعا بتائے دیتا ہوں جس میں وہ ساری دعائیں آجائیں! اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرو کہ: ـــــ "اے اللہ! ہم تجھ سے وہ سب مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ سے مانگا، اور ہم اُن سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں جن سے تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری پناہ چاہی، بس تو ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے، اور تیرے ہی کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہونچنا۔ اور کسی مقصد کے لئے سعی و حرکت اور اس کو حاصل کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے" ـــــ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) دنیا میں ایسے ہی بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ زیادہ دُعائیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ اُن کے لئے اِس حدیث میں نہایت آسان طریقہ بتا دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اِس طرح مانگا کریں کہ:۔ "اے اللہ! تجھ سے جو کچھ تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا میں وہ سب تجھ سے مانگتا ہوں، اور جن چیزوں سے انھوں نے تیری پناہ چاہی میں اُن سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں ـــــ

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس میں بھی کوئی خسارہ اور مضائقہ نہیں ہے کہ یہ بات اپنی ہی زبان میں کہی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دل سے عرض کیا جائے، دراصل دُعا وہی ہے جو دل سے ہو۔

(۲۱۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ" ______ رواہ الحاکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ ___ تا ___ مِنَ النَّارِ"

(اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیری رحمت کو واجب کر دینے والے، اور تیری مغفرت کو پکا کر دینے والے اعمال کا اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کی توفیق کا اور تجھ سے مانگتے ہیں جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات)۔

______ (مستدرک حاکم)

(۲۱۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَائِمًا وَاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَاعِدًا وَاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوًّا وَلَا حَاسِدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ" ______ رواہ الحاکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ ___ تا ___ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ"

(اے اللہ! میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھے ہونے کی حالت میں اور سونے کی حالت میں (یعنی میں کھڑے بیٹھے اور سوتے ہر حال میں ایمان و اسلام کے ساتھ محفوظ رہوں) اور میرے دشمنوں اور حاسدوں کو تیرے کسی فیصلے

شماتت کا موقع نہ ملے۔ اے میرے اللہ! تیرے ہاتھ میں خیر کے جو خزانے ہیں میں تجھ سے ان کو مانگتا ہوں، اور تیرے قبضہ میں جو شر ہے اُس سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(مستدرک حاکم)

(۲۱۸) عَنْ بُرَيْدَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا" — رواه البزار

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ — تا — كَبِيْرًا" (اے اللہ! مجھے اپنا شاکر کرنیوالا اور صبر کرنے والا بندہ بنا، اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسرے لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے) — (مسند بزار)

(تشریح) اس دعا کا آخری جز خاص طور سے قابل غور ہے۔ بندے کو چاہیئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور ساتھ ہی اللہ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔

(۲۱۹) عَنِ الْاَوْزَاعِيْ مُرْسَلًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ التَّوْفِيْقَ لِمَحَابِّكَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ" — رواه ابو نعیم فی الحلیہ

امام اوزاعیؒ نے بطریق ارسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ — تا — وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں تو مجھے توفیق دے اُن اعمال کی جو تجھے محبوب ہیں، اور عطا فرما مجھے سچا توکل، اور اپنی ذات پاک کے ساتھ حسن ظن)۔

(حلیہ ابو نعیم)

(۲۲۰) عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِيْ لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِيْ طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُوْلِكَ وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ" ——— رواه الطبرانی فی الاوسط

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِيْ ——— تا ——— وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ" (اے اللہ! اپنے ذکر کے لئے اور اپنی نصیحت کے لئے میرے دل کے کان کھول دے، اور مجھے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول پاکؐ کی تابعداری نصیب فرما اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید پر عمل کی توفیق دے)۔

——— (معجم اوسط طبرانی)

(۲۲۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً فِيْ اِيْمَانٍ وَاِيْمَانًا فِيْ حُسْنِ خُلُقٍ وَنَجَاحًا تُتْبِعُهٗ فَلَاحًا وَرَحْمَةً مِّنْكَ وَعَافِيَةً وَمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا" ———

——— رواه الطبرانی فی الاوسط والحاکم فی المستدرک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً ——— تا ——— وَرِضْوَانًا" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت وتندرستی ایمان کے ساتھ، اور استدعا کرتا ہوں ایمان کی حسن اخلاق کے ساتھ، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے مقاصد میں کامیابی کا آخرت کی فلاح کے ساتھ، اور سائل ہوں تجھ سے رحمت اور عافیت کا، اور تیری مغفرت اور رضامندی کا)۔

——— (معجم اوسط للطبرانی ومستدرک حاکم)

(۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ وَرِضًا مِنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ" ——— رواه البزار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ ـــ تا ـــ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ"

(اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے، اور ایسا یقین صادق جس کے بعد یہ حقیقت میرا علم بن جائے کہ مجھ پر صرف وہی تکلیف آئے گی جو تو نے میرے لئے لکھ دی ہے، اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ میرا یہ حال کر دے کہ زندگی کا جو سامان تو مجھے دے میں اُس پر دل سے راضی رہوں) ۔

——— (مسند بزار)

(۲۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَيْسِيْرِ كُلِّ عَسِيْرٍ فَاِنَّ تَيْسِيْرَ كُلِّ عَسِيْرٍ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ وَاَسْئَلُكَ الْيُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

——— رواه الطبرانی فی الاوسط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ ـــ تا ـــ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

(اے اللہ! میری ہر دشواری کو آسان فرما کے مجھ پہ مہربانی فرما، ساری دشواریوں اور مشکلوں کو آسان کرنا تیرے لئے بالکل آسان ہے ۔ اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں سہولت اور آسانی کے لئے اور کامل عافیت کیلئے) ۔ (معجم اوسط للطبرانی)

(۲۲۴) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ"

مالک فی الموطا

امام مالکؒ سے مروی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے :۔ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ــــ تا ــــ غَيْرَ مَفْتُونٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق، اور بُرے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق، اور تیرے مسکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق ۔ اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کئے بغیر اپنی طرف اُٹھالے) ۔

(موطا امام مالکؒ)

(تشریح) پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں کبھی کبھی بعض حدیثیں سند کا ذکر کئے بغیر "بَلَغَنِي" کے عنوان سے بھی بیان کرتے ہیں ان کو اصطلاح میں "بَلَاغَاتِ مَالِكٍؒ" کہا جاتا ہے، اور محدثین کے نزدیک یہ سب قابلِ قبول ہیں ۔ یہ روایت بھی انھیں "بلاغات" میں سے ہے ۔

(۲۲۵) عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ (مَرْفُوعًا) "اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ"

رواه احمد وابن حبان والحاكم

حضرت بُسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا نقل فرمائی :۔ "اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ ــــ تا ــــ وَعَذَابِ الْآخِرَةِ"

(اے اللہ! ہمارے سارے کاموں کا انجام بہتر کر، اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا، اور ہماری حفاظت فرما)۔

(مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

(تشریح) یہ دعا بھی بہت ہی مختصر اور بہت جامع ہے۔

(۲۲۶) عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ الْخُزَاعِيَّةِ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ" ـــــــ رواه الحكيم الترمذي والخطيب

ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ ـــــ تا ـــــ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ"

(اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے اعمال کو ریا کی آمیزش سے، میری زبان کو جھوٹ سے، اور میری آنکھوں کو نظر کی خیانت سے بالکل پاک صاف کردے، تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی چیز مخفی نہیں)۔

(نوادر حکیم ترمذی، تاریخ خطیب)

(تشریح) ان سب دعاؤں کی جامعیت اور ہمہ گیری ظاہر ہے۔ ان کے مضامین بھی کسی خاص تشریح اور وضاحت کے محتاج نہیں۔ غور کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے ان کا ہر جز معرفت کا خزانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محفوظ اور نہایت قیمتی ورثہ کی قدر کریں، اور ان دعاؤں کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی برکتیں اور رحمتیں براہ راست مالک الملک کے خزانہ سے حاصل کیا کریں۔

(۲۲۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا اَنْ نَقُوْلَ « اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِى الْاَمْرِ وَاَسْئَلُكَ عَزِيْمَةَ الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَّقَلْبًا سَلِيْمًا وَّاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ » ——— رواہ الترمذی والنسائی

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ ——— تا ——— اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ"

(اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملہ میں، اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوجھ بوجھ میں پختگی، اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق، اور طالب ہوں تجھ سے لسان صادق اور قلب سلیم کا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شر سے جس کا تجھے علم ہے، اور سائل ہوں ہر اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے، اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں، تو سارے چھپی پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے) ——— (جامع ترمذی و سنن نسائی)

(تشریح) اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیجئے، یہ ان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مومن کو عزیز ہونے چاہئیں ——— اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ: ———

"اے شداد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے خزانہ کے جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔"

(۲۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُ دُعَاءَكَ اللَّیْلَةَ فَكَانَ الَّذِیْ وَصَلَ اِلَیَّ مِنْهُ اَنَّكَ تَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ" قَالَ فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَیْئًا ـــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ۔۔ رات میں نے آپ کو دعا کرتے سنا، اس دعا میں سے یہ الفاظ مجھے پوری طرح پہونچے، آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ ـــــ تا ـــــ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ" (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے میرے گھر میں وسعت عطا فرما، اور تونے جو رزق مجھے عطا فرمایا ہے اُس میں میرے لئے برکت دے) ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے دیکھا ان مختصر لفظوں نے کچھ بھی چھوڑا ـــــــــ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کے رزق میں برکت دی جائے اس کو رہنے بسنے کے لئے ایسا مکان عطا ہو جس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھے اور اس میں وسعت محسوس کرے اور آخرت کیلئے اس کی لغزشوں گناہوں کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ ہو جائے تو اس کو سب ہی کچھ مل گیا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری جملہ "هَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَیْئًا" کا مطلب یہی ہے کہ بندے کو جو کچھ چاہئے وہ اس مختصر سی دعا میں سب آگیا ہے، چھوٹے چھوٹے ان تین کلموں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔

(۲۲۹) عَنْ طَارِقِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ كَیْفَ اَقُوْلُ حِیْنَ اَسْاَلُ رَبِّیْ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَ

اَرْزُقْنِيْ" (وَجَمَعَ اَصَابِعَهُ الْاَرْبَعَ اِلَّا الْاِبْهَامَ) فَاِنَّ هٰؤُلَاءِ يَجْمَعْنَ لَكَ دِيْنَكَ وَدُنْيَاكَ۔

——— رواہ ابن ابی شیبہ

حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ: — مجھے بتا دیجئے کہ جب میں اپنے پروردگار سے مانگوں تو کس طرح عرض کروں اور کیا عرض کروں؟ ——— آپ نے فرمایا:- یوں عرض کیا کرو "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ" (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے اور مجھے بخش دے، مجھ پہ رحمت فرما مجھے عافیت اور آرام وچین نصیب فرما، اور مجھے روزی عطا فرما) — اور یہ کہہ کے آپ نے اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں ملا کے ہم کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ:—— یہ چار کلمے تیری دینی اور دنیوی ساری ضرورتوں پر حاوی ہیں۔

——— (رواہ ابن ابی شیبہ)

(تشریح) بلاشبہ جس کو دنیا میں بقدر ضرورت [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جائے اور آخرت میں اس کے لئے مغفرت اور رحمت کا فیصلہ ہو جائے اسے سب کچھ مل گیا —— یہ دعا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی نہایت جامع اور مختصر دعاؤں میں سے ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نماز کی تعلیم فرماتے، اور اس دعا کی تلقین فرماتے:— اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔

(۲۳) [illegible]) اَللّٰهُمَّ [illegible] فِيْ قُدْرَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَاقْضِ اَجَلِيْ فِيْ

طَاعَتِكَ وَاخْتِمْ لِيْ بِخَيْرِ عَمَلِيْ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ.

رواہ البیہقی فی السنن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے :-

"اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ ــــ تا ــــ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ" (اے اللہ! مجھے اپنی قدرت سے عافیت عطا فرما اور مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے، اور میری زندگی اپنی طاعت وعبادت میں پوری کرا دے (یعنی میں زندگی کے آخری لمحہ تک تیری طاعت وعبادت کرتا رہوں) اور میرے بہترین عمل پر میرا خاتمہ فرما اور اس کے صلے میں مجھے جنت عطا فرما) ــــ (سنن کبریٰ للبیہقی)

(۲۲۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فَاِنَّهٗ لَا يَمْلِكُهُمَا اِلَّا اَنْتَ".

رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے :- "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ ــــ تا ــــ اِلَّا اَنْتَ" (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل اور تیری رحمت مانگتا ہوں، بس تو ہی فضل و رحمت کا مالک ہے) -

ــــ (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) ہم اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دنیوی اور مادی نعمتیں نصیب ہوں ان کو قرآن و حدیث کی زبان میں "فضل" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روحانی و اخروی نعمتوں کو "رحمت" سے۔ اس بنا پر اس دعا کا مطلب یہ ہوا کہ ـــ اے اللہ! دنیوی و اخروی اور مادی و روحانی سب نعمتوں کا مالک تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو کچھ بھی دے سکے، اس لئے میں تجھ ہی سے دونوں قسم کی نعمتوں کا طالب و سائل ہوں -

(۲۳۲) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِیْشَةً نَقِیَّةً وَمِیْتَةً سَوِیَّةً وَمَرَدًّا غَیْرَ مُخْزِیٍّ وَلَا فَاضِحٍ" ———— رواه البزار والحاکم والطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ ———— تا ———— وَلَا فَاضِحٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں پاک صاف زندگی اور ڈھنگ کی موت (جس میں کوئی بدنمائی نہ ہو) اور (اصلی وطن آخرت کی طرف) ایسی مراجعت جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو)۔

———— (مسند بزار، مستدرک حاکم، معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) آدمی کے لئے تین ہی مرحلے ہیں:۔ ایک اس دُنیا کی زندگی کا مرحلہ، دوسرا موت کا مرحلہ اور تیسرا دارِ آخرت کا مرحلہ۔ اس مختصر دُعا میں تینوں مرحلوں کے لئے بڑے سادہ انداز میں بہترین دُعا موجود ہے۔

(۲۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ"

———— رواه الترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ ———— تا ———— مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ" (اے اللہ! جو کچھ علم تو نے مجھے عطا فرمایا اس کو میرے لئے نفع مند بنا دے (یعنی مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے) اور مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لئے نافع ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے ہر حال میں، اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخیوں کے حال سے) ———— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۳۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنِيْ"

———— رواه البزار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے، "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ ———— تا ———— مَا اَعْطَيْتَنِيْ" (اے اللہ مجھے پل بھر کے لئے میرے نفس کے حوالہ نہ کر، اور جو کوئی اچھی چیز (اچھا عمل یا اچھا حال) تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لے) ———— (مسند بزار)

(تشریح) بندوں کے پاس جو کچھ خیر ہے وہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی عطا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہِ کرم پھیر لے اور بندے کو اس کے نفس کے حوالہ کر دے تو وہ محروم ہو کے رہ جائے گا، اس لئے ہر عارف بندے کے دل کی یہ صدا ہوتی ہے کہ:— اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر، ہر دم میری نگرانی اور مجھ پر نظر کرم فرما۔

(۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ"

———— رواه الحاكم

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے، "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ———— تا ———— وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ" (اے اللہ! میرے بڑھاپے کے دنوں میں اور میری عمر کے آخری حصے میں میری روزی میں زیادہ سے زیادہ وسعت فرما)۔

———— (مستدرک حاکم)

(تشریح) بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے

کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جد و جہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے، اور ہر مومن کی آرزو یہ ہونی چاہئے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو، اس لئے یہ مسنون دعا ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہئے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ"

(۲۳۶) عَنْ اَنَسٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ" ــــــــ رواہ الطبرانی

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے
"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ ــــ تا ــــ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ"
(اے اللہ! میری عمر کے آخری حصے کو میری زندگی کا بہترین حصہ کر دے اور میرے آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں، اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں میری حاضری کا دن ہو) ــــــــ (معجم کبیر طبرانی)

(۲۳۷) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ" ــــ قِيْلَ زِدْنَا قَالَ اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهٗ۔

ــــــــ رواہ احمد وابن ماجہ والطبرانی فی الکبیر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ــــ تا ــــ شَاْنَنَا كُلَّهٗ" (اے اللہ ہم کو بخش دے، ہم پر رحمت فرما اور دوزخ سے ہمیں بچا لے، اور ہمارے حالات اور جملہ

معاملات درست فرمادے) ـــــ آپ سے عرض کیا گیا: حضورؐ! ہمارے لئے اور زیادہ دُعا فرمایئے؟ ـــــ آپ نے فرمایا: کیا (اس دُعا میں جو میں نے ابھی کی) ساری خیر کو ہم نے جمع نہیں کر لیا۔ ـــــ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگی گئی ہے، رحمت مانگی گئی ہے، اللہ کی رضا اور قبولیت مانگی گئی ہے، جنت کا داخلہ اور دوزخ سے نجات مانگی گئی ہے اور سب آخر میں [illegible] مانگی گئی ہے کہ ہمارے جملہ معاملات اور سارے حالات درست فرمادے (وَاَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهُ)۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی بھی انسانی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس سے زیادہ جو کچھ مانگا جائے گا وہ اسی اجمال کی تفصیل ہوگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ" (یعنی اس دُعا میں ہم نے وہ سب مانگ لیا ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں مطلوب ہو سکتا ہے)۔

(۱۲۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ يَوْمًا ...... فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا"

ـــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی (اور اس وقت آپ کی وہ کیفیت ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہو جایا کرتی تھی، جب وہ کیفیت ختم ہوئی) تو آپ قبلہ رو ہوگئے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دُعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا ـــ نا ـــ وَارْضَ عَنَّا" (اے اللہ! ہماری تعداد زیادہ کر اور اضافہ فرما، کمی نہ فرما، اور ہمیں عزت و عظمت عطا فرما،

ہماری اہانت و ذلت نہ فرما، ہمیں اپنی ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ فرما، ہمیں اپنائے، ہمارے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح نہ دے، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں خوش کر دے)۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ پر سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، ان کا آپ کے قلب مبارک پر غیر معمولی اثر تھا، اسی تاثر کے ماتحت آپ نے خاص اہتمام سے اپنی جماعت اور اُمّت کے لئے یہ دعا فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دعا زیادہ اہتمام سے کرنی ہو تو بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اُٹھا کر کی جائے۔

(۲۳۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِىْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا۔

_____ رواه الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا _____ تا _____ وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا" (اے اللہ! ہمارے آپس کے تعلقات درست فرما دے اور ہمارے دلوں کو جوڑ دے، اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلا، اور ہر طرح کی گمراہیوں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لا، اور ظاہری و باطنی قسم کی ساری بے حیائیوں سے ہمیں بچا۔

اے اللہ! ہماری سماعت و بصارت اور ہمارے قلوب میں اور اسی طرح ہمارے بیوی بچوں میں برکت عطا فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر عنایت فرما، تو بڑا عنایت فرما بڑا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناخواں اور قدر کے ساتھ قبول کرنے والا بنا، اور ہمیں اپنی وہ نعمتیں بھرپور عطا فرما .... (معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم)

(تشریح) اس جامع ترین دُعا میں سب سے پہلے آپس کے تعلقات کی درستی اور دلوں کے جوڑ کی استدعا کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دلوں میں پھوٹ اور سینوں میں بغض و عداوت ہو تو دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی اور مادی و رُوحانی ساری نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرہ بغض و عداوت کے عذاب سے محفوظ ہو ...... علاوہ ازیں اہلِ ایمان کے دلوں کا باہمی جوڑ اور ان کے تعلقات کی خوشگواری بجائے خود اہم مطلوبات میں سے ہے۔

آنکھوں، کانوں اور بیوی بچوں وغیرہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں برابر نصیب رہیں، اور ان سے وہ فوائد و برکات حاصل ہوتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہیں۔

نعمتوں کی قدر اور ان پر شکر و حمد کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور ان سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، اس لئے اس کو بھی اللہ سے مانگنا چاہئے، اور ایک محتاج بندے کی حیثیت سے ہر نعمت کے اتمام کی بھی اس سے استدعا کرنی چاہئے۔

(۲۴۰) عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوْعًا) رَبِّ اَعْطِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔

رواه احمد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "رَبِّ اَعْطِ نَفْسِيْ ـــ تا ـــ اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا"

اے میرے رب! میرے نفس کو تقوے سے آراستہ فرما اور (اس کی گندگیاں دور فرماکر) اس کو پاکیزہ بنادے، تو ہی سب سے اچھا پاکیزہ بنانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مالک مولیٰ ہے)۔

——— (مسند احمد)

(۲۴۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ (مَرْفُوعًا) قُلْ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ"

——— رواہ الضیاء فی المختارہ والطبرانی فی الکبیر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ ——— تا ——— تَقْنَعُ بِعَطَائِكَ"

(اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں "نفس مطمئنہ" یعنی ایسا نفس جس کو تیری طرف سے اطمینان اور جمعیت کی دولت نصیب ہو، اور مرنے کے بعد تیرے حضور میں حاضری کا اس کو کامل یقین ہو اور تیرے فیصلوں پر وہ راضی و مطمئن ہو، اور تیری طرف سے جو کچھ ملے وہ اس پر قانع ہو) ——— (مختارہ للضیاء المقدسی معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) "نفس مطمئنہ" وہی ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں، اور یہ وہ نعمت ہے جو خاص ہی خاص بندوں کو عطا ہوتی ہے ——— اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

(۲۴۲) عَنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ لِي عَلِيٌّ أَلَا أُعَلِّمُكَ دُعَاءً عَلَّمَنِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِي طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُولِكَ وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ" ——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حارث اعور سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ ـ میں تم کو ایک دُعا بتاؤں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی! ـ میں نے عرض کیا ـ ضرور بتائیے! ـ آپ نے فرمایا ـ یوں عرض کیا کرو "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ ـ تا ـ وَعَمَلاً بِكِتَابِكَ" (اے اللہ! تو اپنے ذکر کے لئے (یعنی اپنی ہدایت ونصیحت قرآن پاک کے لئے) میرے دل کے کان کھول دے، اور مجھے اپنی اور اپنے رسولِ پاک کی تابعداری کی اور اپنی کتاب پاک قرآن مجید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما)۔

(معجم اوسط للطبرانی)

(۲۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ اَخْشَاكَ كَاَنِّیْ اَرَاكَ اَبَدًا حَتّٰى اَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنِیْ بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِيَتِكَ"

رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ ـ تا ـ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِيَتِكَ" (اے اللہ! میرا حال ایسا کر دے کہ تیرے حضور میں حاضر ہونے تک (یعنی مرتے دم تک) تیرے قہر وجلال سے میں ہر وقت اس طرح ترساں ولرزاں رہوں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ رہا ہوں، اور اپنے خوف وتقوے کی دولت نصیب فرما کر مجھے خوش بخت کر دے، اور ایسا نہ ہو کہ تیری نافرمانی کر کے میں بدبختی میں مبتلا ہو جاؤں)۔

(معجم اوسط طبرانی)

(تشریح) غور کیا جائے مندرجہ بالا دُعاؤں میں خاص کر اس دُعا میں کتنے مختصر الفاظ میں کتنی عظیم نعمتوں کی استدعا کی گئی ہے۔ یہ دُعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص میراث میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان کی قدر وقیمت کو سمجھیں۔

(۲۴۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدَّمُ دَمْعًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا" — رواه ابن عساکر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي ... تا ... وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا" (اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں نصیب فرما جو تیرے عذاب اور غضب کے خوف سے آنسوؤں کی بارش برسا کر دل کو سیراب کر دیں اُس گھڑی کے آنے سے پہلے جب بہت سی آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی اور بہت سے مجرمین کی ڈاڑھیں انگارہ بن جائیں گی)۔ — ابن عساکر

(تشریح) جن کو اللہ نے حقائق کی معرفت دی ہے اُن کے نزدیک وہی آنکھ زندہ اور بینا ہے جو اللہ کے خوف سے روئے اور آنسوؤں کی بارش برسائے ان کے دل اسی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اس لئے وہ اللہ سے رونے والی آنکھیں مانگتے ہیں۔

(۲۴۵) عَنِ الْهَيْثَمِ الطَّائِيِّ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ كُلِّهَا وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِيْ وَاقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ۔ — رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ

ہیثم بن مالک طائی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ ... تا ... مِنْ عِبَادَتِكَ"۔

(اے اللہ! ایسا کردے کہ کائنات کی ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیری محبت ہو، اور ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیرا خوف ہو، اور اپنی ملاقات کے شوق کو مجھ پر اتنا طاری کردے کہ دنیا کی ساری حاجتوں کا احساس اس کی وجہ سے فنا ہو جائے، اور جہاں تو بہت سے اہل دنیا کو ان کی مرغوبات دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو میری آنکھیں طاعت و عبادت سے ٹھنڈی کر (یعنی مجھے عبادت کا وہ ذوق و شوق بخش دے کہ اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اور پھر مجھے عبادت کی بھرپور توفیق دے)

(حلیہ ابی نعیم)

(۲۴۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِىْ يُبَلِّغُنِىْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ نَّفْسِىْ وَاَهْلِىْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ" قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے پیغمبر داؤد (علیہ السلام) جو دعائیں کرتے تھے ان میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ ـــــ تا ـــــ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت (یعنی مجھے اپنی محبت عطا فرما) اور اپنے اُن بندوں کی محبت بھی مجھے عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، اور اُن اعمال کی بھی محبت مجھے عطا فرما جو تیری محبت کے مقام تک پہونچاتے ہوں۔ اے اللہ! ایسا کردے کہ اپنی جان اور اہل و عیال کی محبت اور ٹھنڈے

پانی کی چاہت سے بھی زیادہ مجھے تیری محبت اور چاہت ہو) ——— حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت داؤد (علیہ السلام) کا ذکر فرماتے تو ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:- وہ بہت ہی زیادہ عبادت گذار بندے تھے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا جو اُن کے جذبۂ محبت اور عشقِ الٰہی کی آئینہ دار تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی پسند تھی، اسی لئے آپ نے خاص طور سے صحابۂ کرامؓ کو بتلائی ... وصفِ نبوت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک مشترک ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ خصائص بھی ہوتے ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثرتِ عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت تھی

(۲۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِيْ حُبُّهُ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ" ——— رواه الترمذی

حضرت عبد اللہ بن یزید خطمی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ ——— تا ——— فِيْمَا تُحِبُّ" (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما جن کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع مند ہو۔ اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں اُن سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو

تجھے محبوب ہیں، اور میری رغبت و چاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو اُن کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں) ـــــ ـــ ـــ ـــ (جامع ترمذی)

(تشریح) آدمی کو اس کی مرغوبات دے دی جائیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ اُن میں مست اور منہمک ہو کر خدا سے غافل ہو جائے، یا وہ ان کو اس طرح استعمال کرے کہ معاذ اللہ خدا سے اور دُور ہو جائے۔ اسی طرح مرغوبات نہ ملنے کی صورت میں بھی امکان ہے کہ وہ دوسری قسم کی خرافات میں اپنا وقت برباد کرے۔ ـــ ـــ ـــ اس لئے بندے کو برابر یہ دُعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اگر اس کی مرغوبات عطا فرمائے تو اس کو اس کی بھی توفیق دے کہ وہ مرغوبات کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائے، اور اگر مرغوبات نہ ملیں اور اس کی وجہ سے فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو توفیق ملے کہ فارغ اور خالی وقت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات ہی میں لگائے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دُعا اور اس کا ہر جزو بلاشبہ معرفت کا خزانہ ہے۔

(۲۴۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ"۔ ـــــ رواه الترمذی

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دُعا تلقین فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ" (اے میرے اللہ! میرے دل میں وہ ڈال جس میں میرے لئے بھلائی اور بہتری ہو، اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچا، اور اپنی پناہ میں رکھ)۔

ـــــ (جامع ترمذی)

(۲۴۹) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ اَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ عِنْدَهَا يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ" ——— رواہ الترمذی

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے: "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ" (اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھ) ——— (جامع ترمذی)

(**تشریح**) اِس روایت میں آگے حضرت اُمِّ سلمہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے ایک دن حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ: ـ کیا بات ہے کہ آپ اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ (حضرت اُمِّ سلمہؓ کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ تو لغزشوں سے محفوظ ہیں پھر آپ یہ دُعا کیوں کرتے ہیں) ـ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ـــ ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے اُسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کردے ——— آپ کے اِس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اس لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے ——— بلاشبہ جس بندے کو اپنے نفس کی، اور ساتھ ہی اپنے رب کی معرفت نصیب ہوگی اُس کا یہی حال ہوگا اور وہ کبھی اپنے کو مامون و محفوظ نہیں سمجھے گا ——— بندوں کے حق میں یہی بلندی اور کمال ہے ———

"قربیا نزا بیش بود حیرانی"

(۲۵۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِيْ رِضَاكَ ضُعْفِيْ وَخُذْ إِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ وَاجْعَلِ الْإِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِيْ وَإِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَأَعِزَّنِيْ وَإِنِّيْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ.

——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي ضَعِيْفٌ ــــ تا ــــ وَإِنِّي فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِي"

(اے میرے اللہ! میں تیرا ایک کمزور بندہ ہوں تو اپنی رضا طلبی کی راہ میں میری کمزوری کو قوت سے بدل دے (تاکہ میں پوری تندہی اور تیز رفتاری سے تیری رضا کے لئے کام کر سکوں) اور میری پیشانی پکڑ کے میرا رُخ خیر کی طرف کر دے، اور اسلام کو میرا انتہائے رضا بنا دے (یعنی میری انتہائی خوشی یہ ہو کہ میں پورا پورا مسلم ہو جاؤں)۔ اے میرے اللہ! میں ضعیف و ناتواں ہوں، تو میری ناتوانی کو توانائی سے بدل دے، اور میں ذلت و پستی کے حال میں ہوں تو مجھے عزت بخشدے، اور میں فقیر و نادار ہوں تو مجھے میری ضروریات عطا فرما دے) ـــــــ (معجم کبیر طبرانی)

(۲۵۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ رَبِّ حَبِّبْنِيْ وَفِيْ نَفْسِيْ لَكَ فَذَلِّلْنِيْ وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ فَعَظِّمْنِيْ وَمِنْ سَيِّئِ الْأَخْلَاقِ فَجَنِّبْنِيْ" ـــــ رواہ ابن لال فی مکارم الاخلاق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ رَبِّ حَبِّبْنِيْ ــــ تا ــــ فَجَنِّبْنِيْ"

(اے میرے پروردگار! مجھے اپنا پیارا بنا لے اور مجھے ایسا کر دے کہ میں اپنے کو تیرے حضور میں ذلیل سمجھوں، اور دوسرے بندوں کی نگاہ میں مجھے باعظمت بنا دے، اور بُرے اخلاق سے مجھے بالکل بچا دے اور دُور رکھ) ـــــ (مکارم الاخلاق لابن لال)

(تشریح) کسی بندے سے اللہ تعالیٰ کا محبت فرمانا عظیم ترین دولت ہے جس کی ہر مومن کو دلی آرزو ہونی چاہیئے، اس دُعا میں سب سے پہلے یہی نعمت مانگی گئی ہے ــــ اسی طرح یہ بھی بندے پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ وہ خود کو تو ذلیل و حقیر سمجھے لیکن اللہ کے بندے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کا احترام و اکرام کریں ــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا پہلے گزر چکی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا"[1]

(۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ فَاغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاسْتُرْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَلَا تُضِلَّنِيْ وَاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" ـــــ تَعَلَّمْهُنَّ وَعَلِّمْهُنَّ عَقِبَكَ مِنْ بَعْدِكَ۔

ـــــــــــ رواہ الدیلمی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا تلقین فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ ـــ تا ـــ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" (اے میرے اللہ! تو خالق کل اور خلاق عظیم ہے تو سمیع و علیم (سب کچھ سننے والا اور جاننے والا) ہے۔ تو غفور و رحیم (بخشنے والا اور نہایت مہربان) ہے۔ تو مالک عرش عظیم ہے، تو نہایت فیاض اور کریم ہے ـــ اپنی ان عالی صفات کے صدقہ میں تو مجھے بخشدے، مجھ پر رحمت فرما، مجھے عافیت عطا فرما، مجھے رزق نصیب فرما، میری پردہ داری فرما، میری شکستگی کو جوڑ دے، مجھے عزت و رفعت عطا فرما، مجھے اپنی راہ پر چلا، مجھے گمراہی سے بچا۔ اور اے ارحم الراحمین

[1] اے اللہ! مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور حقیر بنا دے اور دوسرے لوگوں کی نگاہ میں بڑا کر دے۔ ۱۲

(مرنے کے بعد آخرت میں) اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخلہ نصیب فرما) ———

(حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی اور مجھ سے ارشاد فرمایا) : ——— اس کو سیکھ لو اور اپنے بعد والوں کو سکھاؤ۔

——— (مسند فردوس دیلمی)

(تشریح) کس قدر جامع دعا ہے! اس کو نہ سیکھنا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا بلاشبہ بڑے خسارے کی بات ہے ——— اللہ تعالیٰ ان انمول جواہرات کی قدر نصیب فرمائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

دعواتِ استعاذہ

ذخیرۂ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں ماثور و منقول ہیں، جو آپ نے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود کیں یا امت کو ان کی تعلیم و تلقین فرمائی ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیوی یا اخروی، روحانی یا جسمانی، انفرادی یا اجتماعی نعمت اور بھلائی کا سوال کیا گیا ہے اور مثبت طور پر کسی حاجت اور ضرورت کے لئے استدعا کی گئی ہے ـــــ ڈیڑھ سو سے کچھ اوپر جو دعائیں اس سلسلہ میں اب تک درج ہو چکی ہیں وہ سب اسی قبیل کی تھیں ـــــ ان کے علاوہ بہت سی ایسی دعائیں بھی آپ سے مروی ہیں جن میں کسی خیر و نعمت اور کسی مثبت حاجت و ضرورت کے سوال کے بجائے دنیا یا آخرت کے کسی شر سے اور کسی بلا اور آفت سے پناہ مانگی گئی ہے اور حفاظت و بچاؤ کی استدعا کی گئی ہے ـــــ پھر جس طرح پہلی قسم کی دعاؤں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر یہ کہنا برحق ہے کہ دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی اور کوئی حاجت و ضرورت ایسی نہیں ہے جس کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نہ کی ہو، اور امت کو تلقین نہ فرمائی ہو اسی طرح دوسری قسم کی دعاؤں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ دنیا اور آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت اس عالمِ وجود میں ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو اس کی تلقین

نہ فرمائی ہو ـــــــ غور کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نہایت روشن معجزہ ہے کہ آپ کی دعائیں انسانوں کی دنیوی و اُخروی، رُوحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی ظاہری اور باطنی، مثبت اور منفی ساری ہی حاجتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہیں اور کوئی خفی سے خفی اور دقیق سے دقیق حاجت نہیں بتائی جاسکتی جس کو آپ نے بہتر سے بہتر پیرایہ میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو، اور امت کو اس کے مانگنے کا طریقہ نہ سکھایا ہو ـــــــ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ہی قسموں کی یعنی مثبت اور منفی دعائیں موجود ہیں، اور بالکل آخر کی دو مستقل سورتیں: "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اوّل سے آخر تک منفی قسم کی دُعا یعنی استعاذہ ہی پر مشتمل ہیں، اور اسی لئے ان کو "معوذتین" کہا جاتا ہے، اور ان ہی پر قرآن مجید ختم ہوا ہے۔

قرآن پاک کے اس طریقے ہی کی پیروی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ جو احادیث ایسی دُعاؤں پر مشتمل ہیں جن میں شرور اور فتن اور بلیات سے اور بُرے اعمال و اخلاق اور ہر قسم کی ناپسندیدہ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان کو آخر میں درج کیا جائے اور ان ہی کو اس سلسلہ کا خاتمہ بنایا جائے ـــــــ اب ذیل میں وہی حدیثیں پڑھئے!: ـــــــ

(۲۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔

ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـــــــ "اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے، اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بُری تقدیر سے، اور دشمنوں کی شماتت سے" ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن

فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی بُرائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جا سکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے:۔ "جَهْدُ الْبَلَاءِ" (کسی بلا کی مشقت اور سختی)۔ بظاہر اُس حالت کا نام ہے جو انسان کیلئے باعثِ تکلیف اور موجبِ پریشانی ہو، اور جس میں اُس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہو سکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی ——— الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب و تکالیف اور آفات و بلیات کو حاوی ہے ——— اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے:۔ "دَرْكُ الشَّقَاءِ" (بدبختی کا لاحق ہونا)۔ اور تیسری چیز ہے:۔ "سُوْءُ الْقَضَاءِ" (بُری تقدیر)۔ ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بدبختی سے اور بُری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گئی بلاشبہ اُسے سب کچھ مل گیا ——— آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے "شَمَاتَةُ الْأَعْدَاءِ" (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا) بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف و اذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اُس سے خصوصیت کیساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ	اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی
جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ	سختی سے، اور بدبختی لاحق ہونے سے اور
وَسُوْءِ الْقَضَاءِ	بُری تقدیر سے، اور دشمنوں کے ہنسنے اور
شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ"	ان کی طعنہ زنی سے۔

(۲۵۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ" — رواه البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ — تا — غَلَبَةِ الرِّجَالِ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی و بزدلی سے، اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بارسے اور لوگوں کے دباؤ سے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر و غم، قرضہ کا بار، اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحب شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوت کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی، اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے وہ اعمال نہیں کر سکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و فلاح اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہو سکتا ہے — اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، اور اپنے عمل سے امت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

(۲۵۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ

مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَاىَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِىْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ خَطَايَاىَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ ——— تا ——— كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی، کاہلی سے، اور انتہائی بڑھاپے سے (جو آدمی کو بالکل ہی از کار رفتہ کر دے) اور قرضہ کے بوجھ سے، اور ہر گناہ سے ——— اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں دوزخ کے عذاب سے، اور دوزخ کے فتنہ سے اور فتنہ قبر سے، اور عذاب قبر سے، اور دولت وثروت کے فتنہ کے شر سے، اور مفلسی و محتاجی کے فتنہ کے شر سے اور فتنہ دجال کے شر سے ——— اے میرے اللہ! میرے گناہوں کے اثرات دھو دے اولے اور برف کے پانی سے اور میرے دل کو (گندے اعمال و اخلاق کی گندگیوں سے) اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے، اور میرے اور گناہوں کے درمیان اتنی دُوری پیدا کر دے جتنی دُوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دی ہے)۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس دُعا میں علاوہ اور چیزوں کے "ھَرَم" یعنی انتہائی بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے ——— عمر کی اس حد تک درازی کہ ہوش وحواس صحیح سالم رہیں اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، لیکن ایسا بڑھاپا

جو بالکل ہی از کار رفتہ کر دے، جس کو قرآن پاک میں " اَرْذَلُ الْعُمُرِ" فرمایا گیا ہے ایسی ہی چیز ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے "ھَرَم" بڑھاپے کا وہی درجہ ہے۔

اس دُعا میں "عذاب نار" کے ساتھ "فتنۂ نار" سے، اور "عذاب قبر" کے ساتھ "فتنۂ قبر" سے بھی پناہ مانگی گئی ہے ــــــ عذاب نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو اُن دوزخیوں کو ہوگا جو کفر و شرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اِسی طرح عذابِ قبر سے مراد بظاہر قبر کا وہ عذاب ہے جو اسی طرح کے بڑے مجرموں کو قبر میں ہوگا ــــــ لیکن، جو اِن سے کم درجہ کے مجرمین ہیں اُن کو اگرچہ دوزخیوں کی طرح دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا، اور قبر میں بھی اُن پر درجۂ اوّل کے ان مجرمین والا وہ سخت عذاب مسلّط نہیں کیا جائے گا، لیکن دوزخ اور قبر کی کچھ تکلیفوں سے ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑیگا اور بس یہی سزا اُن کے لئے کافی ہوگی۔ اِس عاجز کے نزدیک "فتنۂ نار" اور "فتنۂ قبر" سے یہی سزا مُراد ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "عذاب نار" اور "عذاب قبر" کے ساتھ اس "فتنۂ نار" اور "فتنۂ قبر" سے بھی پناہ چاہی، اور اپنے عمل سے ہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔

دجّال کا فتنہ بھی اُن عظیم ترین فتنوں میں سے ہے جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بکثرت پناہ مانگتے تھے، اور اہلِ ایمان کو اس کی تلقین فرماتے تھے ــــــ اللہ تعالیٰ دجّالِ اکبر کے فتنہ سے (جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے) اور ہر دجّالی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مرتے دم تک ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے، اور اس کے ساتھ فقر و محتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے ــــــ دولت و ثروت بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: "عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہوگی (مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَرَّتَيْنِ)[1]"۔ اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہلِ فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے ــــــــ

لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی و خوش حالی تکبّر و غرور پیدا کرے اور مال و دولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ اسی طرح اگر فقر و محتاجی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناکردنی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ـــ "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا" (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہونچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اُس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دُعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے کی اور دل کی صفائی کی اور گناہوں سے بہت دُور کئے جانے کی جو دُعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر ثبت دُعاؤں میں سے ہے، لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کی سلبی دُعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

(۲۵۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا

---

[1] رواہ الترمذی۔۱۲

اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا" ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ ـــــ تا ـــــ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کم ہمتی سے اور سُستی و کاہلی اور بزدلی سے، اور بخیلی و کنجوسی سے، اور انتہائی درجہ کے بڑھاپے سے، اور قبر کے عذاب سے ـــــ اے میرے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما دے اور اُس کا تزکیہ فرما کے اس کو مصفّٰی بنا دے، تو ہی سب سے اچھا تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے ـــــ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نفع مند نہ ہو، اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، اور اس (ہوسناک) نفس سے جس کو سیری نہ ہو، اور ایسی دُعا سے جو قبول نہ ہو) ـــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) علم غیر نافع، قلب غیر خاشع، اور ہوسناک نفس جس کی ہوسناکی ختم ہی نہ ہو، اور وہ دُعا جس کی اللہ کے ہاں سماعت نہ ہو ـــــــــ ان چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرمائے، قلب کو خشوع کی صفت مرحمت فرمائے، نفس کو ہوسناکی سے پاک فرما کر اس کو قناعت سے آراستہ فرمائے اور دُعاؤں کو قبولیت سے نوازے۔

(۲۵۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ" ــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ ـــ تا ـــ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمتوں کے زائل ہو جانے سے، اور تیری بخشی ہوئی عافیت کے چلے جانے سے، اور تیرے عذاب کے ناگہانی آجانے سے، اور تیری ہر قسم کی ناراضی اور ناخوشی سے) ـــ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے، بلکہ اس سلسلہ کی ساری ہی دعاؤں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبوت و رسالت بلکہ مقام محبوبیت پر بھی فائز ہونے کے باوجود قضا، و قدر کے فیصلوں سے آپ کتنے لرزاں و ترساں رہتے تھے، اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم اور اُس کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے ـــ صحیح ہے ـــ

"قربیانرا بیش بود حیرانی"

(۲۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ"

ـــ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف سے اور نفاق سے اور بُرے اخلاق سے)۔

ـــ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) "شقاق" اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن

کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے، یہ تینوں چیزیں جن سے اس دُعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی، خلاف وشقاق، نفاق اور بُرے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کی دنیا کو بھی برباد کردیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے، لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی ہی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے ——— اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اُتنی فکر کریں جتنی ایک مومن کو ہونی چاہئے، اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

(۲۵۹) عَنْ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ عَلِّمْنِي تَعَوُّذًا أَتَعَوَّذُ بِهِ فَأَخَذَ بِكَفِّي وَقَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي"۔

——— رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی

شکل بن حُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! مجھے کوئی تعوذ تعلیم فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی دُعا بتا دیجئے) جس کے ذریعہ میں اللہ سے پناہ وحفاظت طلب کیا کروں! آپ نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں تھام کر فرمایا:۔ کہو "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي ——— تا ——— وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي"۔ (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے قلب کے شر سے، اور اپنے مادۂ شہوت کے شر سے)۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) سمع وبصر اور زبان وقلب اور اسی طرح جنسی خواہش کا شر یہ ہے کہ یہ چیزیں

احکامِ خداوندی کے خلاف استعمال ہوں، جس کا انجام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جائے، وہی اگر بچائے گا تو بندہ بچ سکے گا ورنہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

(۲۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ" ——— رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ ——— تا ——— بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے، وہ بڑا تکلیف دہ رفیقِ خواب ہے اور خیانت کے جرم سے، وہ بہت بُری ہمراز ہے)۔

——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیقِ خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے۔ اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنیوالے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بِطَانَة" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پناہ مانگنا کمالِ عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے جو بلاشبہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے، اور اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

(۲۶۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ

وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ" ——— رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دُعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ ——— تا ——— وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص، جذام اور پاگل پن سے، اور سب خراب بیماریوں سے) ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) برص، جذام، جنون، اور اس طرح کی وہ سب بیماریاں جن کی وجہ سے لوگ مریض سے نفرت اور گھن کریں اور جن کی وجہ سے آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے ——— بلاشبہ ان سے ہر آدمی کو پناہ مانگنی چاہئے، لیکن ہلکی اور معمولی قسم کی بیماریاں بعض پہلوؤں سے یقیناً خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔

(۲۶۲) عَنْ اَبِي الْيُسْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا" ——— رواہ ابوداؤد والنسائی

ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ ——— تا ——— وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا" (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں [اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کا] ڈھے جانے سے، اور [کسی بلندی کے اوپر سے] گر پڑنے سے، اور [دریا وغیرہ میں] ڈوب جانے سے، اور آگ میں جل جانے سے، اور انتہائی بڑھاپے سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ

یں میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں، اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آئے) ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر، یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفاجاتی اور ناگہانی موت کی ہیں ——— علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمان اور توبہ و استغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مومن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ علیٰ ہٰذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑبڑا سکے اور گمراہ کر سکے ——— خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دار و مدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دُعا میں پناہ مانگی گئی ہے، دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے، اور ان کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے ——— اپنی بشری کمزوری کے لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے لیکن جب تقدیرِ الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آجائے تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس مفاجاتی موت ہی کی وجہ سے اس کو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائے گا۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہو گی تو یقیناً ربِّ کریم کی طرف سے ایسا ہی ہو گا۔ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(۲۶۳) عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ" ——— رواه الترمذی

قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بُرے اخلاق، بُرے اعمال اور بُری خواہشات سے) ——— (جامع ترمذی)

(۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ" ——— رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اُن اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں، اور اُن اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے) ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) کسی بُرے عمل کا سرزد ہو جانا، اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا، دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے عامی بھی پناہ مانگتے ہیں، لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے، اور بُرے اور گندے اعمال سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عُجب وغرور اور نیکی و پاکدامنی کا پندارنہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جُرم عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور بُرے اعمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ——— سیح ث۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ۔

بیماری اور برے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ :——

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُولُ: "أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" وَيَقُولُ هٰكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحٰقَ وَإِسْمٰعِيلَ -

—— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اپنے دونوں نواسوں) حضرت حسن و حسین پر دم کیا کرتے تھے (یہ کلمات پڑھ کے دم فرماتے تھے): "أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" (میں تم کو اللہ کے پورے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان کے اثر سے، اور ڈسنے والے ہر زہریلے کیڑے سے، اور لگنے والی ہر نظر بد سے)۔

—— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ کلمات پڑھ کر بچوں پر دم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی سنت ہے —— بلاشبہ بڑے بابرکت ہیں یہ کلمات۔

(۲۶۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَى إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ "أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ

مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ" ______________ رواہ مسلم

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی تکلیف عرض کی کہ :۔ جب سے میں اسلام لایا ہوں جسم کے فلاں حصہ میں درد رہتا ہے ؟ ۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ جس جگہ درد ہے اُس جگہ اپنا ہاتھ رکھو اور تین۳ دفعہ بسم اللہ پڑھ کر سات دفعہ کہو :۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ" (میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے) ۔

______________ (صحیح مسلم)

(تشریح) ہر جسمانی تکلیف کے لئے یہ عمل اور تعوذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاص عطیہ ہے اور بہت مجرب ہے ۔

استغفار و توبہ

دُعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا ——— اور توبہ گویا اُس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم وملزوم ہیں ——— توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے اُس کے بُرے انجام کے خوف کے ساتھ اس پر اُسے دلی رنج و ندامت ہو، اور آئندہ کے لئے اس سے بچے رہنے اور دُور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ توبہ والی کیفیت نصیب ہوگی تو جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ سے اُن کی معافی اور بخشش کی استدعا بھی ضرور کرے گا، تاکہ ان کی سزا اور بُرے انجام سے بچ سکے۔ اور اسی طرح جب سزا اور عذاب کے خوف سے معافی اور بخشش مانگے گا تو اس کو گناہ پر رنج و افسوس اور آئندہ کے لئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم بھی ضرور ہوگا ——— اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

توبہ و استغفار کی حقیقت اس مثال سے اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ کوئی آدمی مثلاً غصہ کی حالت میں خودکشی کے ارادہ سے زہر کھالے، اور جب وہ زہر اندر پہونچ کر اپنا عمل شروع کرے اور آنتیں کٹنے لگیں، اور وہ ناقابلِ برداشت تکلیف اور بے چینی ہونے لگے جو

زہر کے نتیجہ میں ہوتی ہے، اور موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کو اپنی اس احمقانہ حرکت پر رنج وافسوس ہو، اور اُس وقت وہ چاہے کہ کسی بھی قیمت پر اس کی جان بچ جائے، اور جو دوا حکیم یا ڈاکٹر اسے بتائیں وہ اسے استعمال کرے، اور اگر قے کرنے کے لئے کہیں تو قے لانے کیلئے بھی ہر تدبیر اختیار کرے ——— یقیناً اس وقت وہ پوری صدق دلی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔

بالکل اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی صاحب ایمان بندہ غفلت کی حالت میں اغواءِ شیطانی یا خود اپنے نفس امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے، لیکن جب اللہ کی توفیق سے اس کا ایمانی حاسہ بیدار ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے مالک ومولیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، اور اللہ کی رحمت وعنایت اور اس کی رضا کے بجائے میں اس کے غضب اور عذاب کا مستحق ہو گیا، اور اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو قبر میں اور اس کے بعد حشر میں مجھ پر کیا گزرے گی اور وہاں اپنے مالک کو کیا مُنھ دکھاؤں گا اور آخرت کا عذاب کیسے برداشت کر سکوں گا ——— الغرض جب توفیقِ الٰہی سے اس کے اندر یہ فکر واحساس پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ یقین وعقیدہ رکھتے ہوئے کہ میرا مالک ومولیٰ بڑا رحیم وکریم ہے، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتا ہے، وہ اس سے معافی اور بخشش کی استدعا کرتا ہے اور اسی کو گناہ کے زہر کا علاج سمجھتا ہے ——— نیز اس کے ساتھ وہ آئندہ کے لئے فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کروں گا اور کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا ——— بس بندے کے اِسی عمل کا نام استغفار اور توبہ ہے۔

توبہ و استغفار بلند ترین مقام: ———

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقبولین ومقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام

عبدیت اور بندگی کا ہے، اور دُعا چونکہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے بلکہ ارشادِ نبوی کے مطابق وہی "مُخُّ الْعِبَادَة" (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اس لئے انسانی اعمال و احوال میں سب سے اکرم و اشرف دُعا ہی ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنے موقع پر درج ہو چکا ہے :- لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاء (اللہ کے یہاں کوئی چیز دُعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے)۔

اور استغفار و توبہ کے وقت بندہ چونکہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساسِ پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے مالک کو مُنھ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا، اور اپنے کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے، اس لئے بندگی اور تذلل اور گنہگاری و قصور واری کے احساس کی جو کیفیت استغفار و توبہ کے وقت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسری دُعا کے وقت نہیں ہوتی، بلکہ نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر استغفار و توبہ در اصل اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قربِ الٰہی کے مقامات میں بلند ترین مقام ہے، اور توبہ و استغفار کرنے والے بندوں کے لئے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و محبّت اور اس کے پیار کی بشارت سُنائی گئی ہے۔

وہ حدیثیں آگے آئیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت توبہ و استغفار کرتے تھے۔ اوپر کی سطروں میں توبہ و استغفار کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس کثرتِ استغفار کی وجہ آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔

در اصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ اور غلط ہے کہ استغفار و توبہ عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے، اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السّلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ

سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بالکل ادا نہ ہو سکا، اس لئے وہ برابر توبہ و استغفار کرتے ہیں، اور اپنے ہر عمل کو حتیٰ کہ اپنی نمازوں تک کو قابلِ استغفار سمجھتے ہیں۔

اِس سلسلہ کی تیسری جلد "کتاب الصلوٰۃ" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ کہتے تھے:۔
اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ (یعنی اے اللہ میں تجھ سے بخشش و معافی چاہتا ہوں) نماز کے بعد آپ کا یہ استغفار اسی بنیاد پر ہوتا تھا کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ نماز کا حق ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال توبہ و استغفار عاصیوں اور گنہگاروں کے لئے مغفرت و رحمت کا ذریعہ اور مقربین و معصومین کے لئے درجاتِ قرب و محبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے ——— اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

اِس تمہید کے بعد استغفار و توبہ سے متعلق احادیث پڑھئے۔ اور سب سے پہلے وہ احادیث پڑھئے جن میں توبہ و استغفار کے باب میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ذکر کیا گیا ہے:———

توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ:———

(۲۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَاللهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً"———

——————— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:۔ "خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ اور استغفار کرتا ہوں"۔ (صحیح بخاری)

تشریح) اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہوگا وہ اُسی درجہ میں اپنے آپ کو اداءِ حقوقِ عبودیت میں قصوروار سمجھے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ یہ چیز بدرجۂ کمال حاصل تھی اس لئے آپ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا، اسی واسطے آپ بار بار اور مسلسل توبہ و استغفار فرماتے تھے ــــــ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

(۲۶۸) عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ ــــــ رواہ مسلم

حضرت اغرّ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو، میں خود دن میں سو سو دفعہ اُس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں ــــــ (صحیح مسلم)

تشریح) پہلی حدیث میں "اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" (ستر دفعہ سے زیادہ) اور اس حدیث میں "مِائَةَ مَرَّةٍ" (سو دفعہ) دراصل صرف کثرت کے بیان کے لئے ہیں، اور قدیم عربی زبان کا یہ عام محاورہ ہے، ورنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے استغفار و توبہ کی تعداد یقیناً اس سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّا كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ ـــــ

ـــــ رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ سَو سَو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے :- رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ (اے میرے رب مجھے معاف کر دے، بخشدے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما. بیشک تو بہت ہی عنایت فرما اور بہت ہی بخشنے والا ہے) ۔

ـــــ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور ورد و وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سَو دفعہ پڑھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ جس میں تشریف فرما ہوتے، ہم لوگ بھی حاضر رہتے، بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا، اور آپ اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کے ساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے، اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ نے سَو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم۔

(۲۷۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ "اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَإِذَا أَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا"

ـــــ رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے :- "اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَإِذَا أَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا" (اے اللہ! مجھے اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو

نیکی کریں تو خوش ہوں، اور اُن سے جب کوئی غلطی اور بُرائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔۔۔۔۔۔۔ (سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) کسی بندے کو اُن اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ ہے اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے، اس لئے اس کا حق ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اعمالِ حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔۔۔۔۔۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ — اللہ کے فضل اور اس کی رحمت وعنایت پر

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا — اُس کے بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے کوئی چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دُکھ ہونا چاہئے، اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہئے۔۔۔۔۔۔ جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لئے دُعا فرماتے تھے کہ:۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔

گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ

(۲۷۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِىْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِىْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔۔۔۔۔۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:- مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے، اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:- یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:- كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝"

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قرآن مجید میں ایک موقع پر بدانجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝" جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آگئی ہے — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ و استغفار کرلے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے بلکہ معصیت و نافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے، اور کسی مسلمان کے لئے بلاشبہ یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے، اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے — اعاذنا اللہ منہ۔

(۲۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ

اَلتَّوَّابُوْنَ ــــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر آدمی خطاکار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطاکاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا و قصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں ــــــ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خطا اور لغزش تو گویا آدمی کی سرشت میں ہے۔ آدم کا کوئی فرزند اس سے مستثنیٰ نہیں لیکن وہ بندے بڑے اچھے اور خوش نصیب ہیں جو خطا و قصور اور گناہ کے بعد نادم ہو کر اپنے مالک کی طرف رجوع ہوں، اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کی رضا و رحمت حاصل کریں۔

(۲۷۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ــــــ رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو ــــــ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ باقی نہیں رہتا، اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ) ــــــ اور وہ احادیث انشاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں، اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی

ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِیْنَ۔

غفاریت کے ظہور کے لئے گناہوں کی ضرورت:

(۲۷۴) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّهٗ قَالَ حِیْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ كُنْتُ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ يَغْفِرُ لَهُمْ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ:۔ میں نے ایک بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی اور تم سے ابتک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمھارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ:۔ اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اُس کی شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا)۔ ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہگاروں کو پسند کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی بھاری غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی جائے ـــــــ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کو ظاہر کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا

کی جائے، اور صفتِ رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔ علیٰ ہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے ——— اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے اُن میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفتِ مغفرت اور شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے: ———

(۲۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ

عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :۔ اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا، مجھے معاف فرمادے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخشدیا اور اس کو معاف کردیا ——— اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رکا رہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا، اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا تو اس کو بخشدے اور معاف فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کر سکتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف کردیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رکا رہا۔ اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے اور گناہ ہوگیا تو مجھے معاف فرمادے اور میرا گناہ بخشدے! ۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کیا میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخشدیا، اب جو اس کا جی چاہے کرے :

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار گناہ اور بار بار استغفار

کہنے والے جس بندے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کا کوئی امتی ہو اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کا امتی ہو، لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کسی خاص اور معین واقعہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ ایک کردار کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندے ہوں گے جن کا حال اور کردار یہی ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کے باوجود ان سے گناہ ہو جاتا ہے، اور پھر وہ نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتے ہیں اور اس کے بعد بھی ان سے بار بار گناہ سرزد ہوتے ہیں، اور وہ ہر بار سچے دل سے استغفار کرتے ہیں، ایسے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی کریمانہ معاملہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے: "غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ" (یعنی میں نے اپنے بندے کو بخشدیا اب اُس کا جو جی چاہے کرے) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اب اس کو گناہوں کی بھی اجازت دے دی گئی ہے، بلکہ ان الفاظ میں بندے کے مالک و مولیٰ کی طرف سے صرف اس لطف و کرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ:۔ اے بندے تو جتنی بار بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا میں تجھے معافی دیتا رہوں گا، اور تو اپنے اس صادق و مومنانہ استغفار کی وجہ سے گناہوں کے زہر سے ہلاک نہ ہوگا، بلکہ یہ استغفار ہمیشہ تریاق کا کام کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مومن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا، اور اس کے دل میں مالک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ اُبھرے گا۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان فرمایا ——— اس روایت کی بنا پر یہ "حدیث قدسی" ہے۔

(۲۷۶) عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو بندہ (گناہ کر کے) استغفار کرے (یعنی سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے) وہ اگر دن میں ستر دفعہ بھی پھر وہی گناہ کرے تو (اللہ کے نزدیک) وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) گناہ پر اصرار یعنی بے فکری اور بے خوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر دائم قائم رہنا بڑی بدبختی اور بہت بُرے انجام کی نشانی ہے، اور ایسا عادی مجرم گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں ہے ——— اس حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر بندہ گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یعنی معافی مانگے تو پھر بار بار گناہ کرنے کے باوجود وہ "اصرار کرنے والوں" میں سے نہیں ہے ——— مگر ملحوظ رہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے، زبان اس کی صرف ترجمانی کرتی ہے، اگر استغفار اور معافی طلبی دل سے ہو تو بلاشبہ ستر دفعہ بلکہ ستر ہزار دفعہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی رحمتِ الٰہی کا مستحق ہے، اور گناہ پر اصرار کرنے والے مجرموں میں سے نہیں ہے۔

کس وقت تک کی توبہ قابلِ قبول ہے :———

(۲۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ۔

——— رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اُس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو ــــــ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ

(تشریح) موت کے وقت جب بندے کی رُوح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے، جسے عربی میں "غرغرہ" اور اُردو میں "خرخرہ چلنا" کہتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور اُمید نہیں رہتی، یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے ــــــ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ غرغرہ کی اس کیفیت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اِس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے جُڑ جاتا ہے، اِس لئے اُس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قبول نہ ہوگا۔ ایمان اور توبہ اُسی وقت تک کی معتبر اور قابلِ قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور اُمید ہو، اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آگئی ہو ــــــ قرآن پاک میں بھی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے: ــــــ

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ. (النساء۔ ع ۳)	ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔

حدیث کے مضمون کا ماخذ بظاہر یہی آیت ہے، اور اس کا پیغام یہی ہے کہ:۔

بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملہ میں ٹال مٹول نہ کرے، معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آجائے ــــــ اور

خدانخواستہ

توبہ کا وقت ہی نہ ملے۔

مرنے والوں کے لئے سب سے بہتر تحفہ استغفار : —— ——

(۲۷۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ ——

—————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- قبر میں مدفون مُردے کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لئے چیخ پکار رہا ہو۔ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہونچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہونچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے —— اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے —— اور مُردوں کے لئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے۔

—————— (شعب الایمان للبیہقی)

(۲۷۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَۃَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ

فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ أَنَّى لِي هٰذِهِ؟ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ ـــــــــــــ رواه احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ - جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے ــــــــــــ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے اہلِ ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں ـــــــــ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے ــــــــــــ

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے، بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کے لئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں، اور جنت تک مرحومین کو پہونچتے رہیں گے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے کہ کسی کی دعاؤں سے کسی بندے کو اُس عالم میں کیا ملا، اور اس کے حال اور درجہ میں کیسی ترقی ہوئی ـــــــــ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

عام مومنین کے لئے استغفار:

قرآن مجید میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ:- آپ اپنے لئے اور عام مومنین و مومنات کے لئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) —— یہی حکم ہم اُمتیوں کے لئے بھی ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئیے!:—

(۲۸۰) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ۔

—— رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اُس کے لئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔

—— (معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دُعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس لئے جب کسی بندے نے عام اہلِ ایمان (مومنین و مومنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دُعا کی، تو فی الحقیقت اُس نے اوّلین و آخرین، زندہ اور مُردہ سب ہی اہلِ ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اُس کی یہ نیکی لکھی جائے گی —— سُبحان اللہ! ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا

راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے ——— جمیع مومنین و مومنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں :———

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ——— اے ہمارے رب! مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو بخش دے، اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرمادے قیامت کے دن۔

(۲۸۱) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ اَهْلُ الْاَرْضِ۔

——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو بندہ عام مومنین و مومنات کے لئے ہر روز (۲۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا وہ اللہ کے اُن مقبول بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔

——— (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اُس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہونچانے کی کوشش کی جائے ——— ایک حدیث میں ہے :———

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ ——— (کنز العمال) سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہونچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، کپڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہونچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اُس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوایا اور کتنا نفع پہونچایا —— پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے "اصحاب خدمت" ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں، اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابلِ لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہونچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے: "فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبٍ صَدَقَةٌ" لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہلِ ایمان ہی کے لئے کی جا سکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں، اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دُعا بھی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اُن کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے، جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کُھل سکے —— اُن کے حق میں یہی دُعا کرنا اُن کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

توبہ و انابت سے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی : ——

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے، اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر بڑے سے بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے، اور بڑے سے بڑے پاپیوں اور گناہگاروں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ اس میں قہر و جلال کی صفت بھی ہے، اور یہ صفت بھی اس کی شانِ عالی کے مطابق بدرجۂ کمال ہے، لیکن وہ انہی مجرموں کے لئے ہے جو جرائم اور گناہ کرنے کے بعد بھی توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہ ہوں اور اس سے معافی اور مغفرت نہ مانگیں، بلکہ اپنے مجرمانہ رویہ ہی پر قائم رہیں اور اسی حال میں دنیا سے چلے جائیں —— مندرجۂ ذیل حدیثوں کا یہی مدعا اور یہی پیغام ہے۔

سَو آدمیوں کا قاتل سچی توبہ سے بخش دیا گیا : ——

(۲۸۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ فِیْمَنْ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَاھِبٍ فَاَتَاہُ وَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَھَلْ لَہٗ مِنْ تَوْبَۃٍ؟ فَقَالَ لَا فَقَتَلَہٗ فَکَمَّلَ بِہٖ مِائَۃً، ثُمَّ سَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ مِائَۃَ نَفْسٍ فَھَلْ لَہٗ مِنْ تَوْبَۃٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ التَّوْبَۃِ؟ اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ کَذَا وَکَذَا فَاِنَّ بِھَا اُنَاسًا یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاعْبُدِ اللّٰہَ تَعَالٰی مَعَھُمْ وَلَا تَرْجِعْ اِلٰی اَرْضِکَ فَاِنَّھَا اَرْضُ سُوْءٍ فَانْطَلَقَ حَتّٰی اِذَا نَصَفَ الطَّرِیْقَ

أَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهِ إِلَى اللهِ وَقَالَتْ مَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَأَتَاهُمْ مَلَكٌ فِي صُورَةِ آدَمِيٍّ فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيسُوا مَا بَيْنَ الْأَرْضَيْنِ فَإِلَى أَيَّتِهِمَا كَانَ أَدْنَى فَهُوَ لَهُ فَقَاسُوا فَوَجَدُوهُ أَدْنَى إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي أَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ ــــــ رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :۔ تم سے پہلی کسی امت میں ایک آدمی تھا جس نے اللہ کے ننانوے (۹۹) بندے قتل کئے تھے (پھر ایک وقت اس کے دل میں ندامت ہوئی اور اپنے انجام اور آخرت کی فکر پیدا ہوئی) تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس علاقہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے (تاکہ اس سے جاکر پوچھے کہ میری بخشش کی کیا صورت ہوسکتی ہے) لوگوں نے اس کو ایک راہب (کسی بزرگ درویش) کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ میں (ایسا بدبخت ہوں) جس نے ننانوے (۹۹) خون کئے ہیں، تو کیا ایسے آدمی کی بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ (اور وہ بخشا جاسکتا ہے؟)۔ اس راہب بزرگ نے کہا۔ بالکل نہیں، تو ۹۹ آدمیوں کے اس قاتل نے اس بزرگ راہب کو بھی قتل کر ڈالا، اور سو (۱۰۰) کی گنتی پوری کردی (لیکن پھر اس کے دل میں وہی خلش اور فکر پیدا ہوئی) اور پھر اس نے کچھ لوگوں سے کسی بہت بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے اس کو کسی بزرگ عالم کا پتہ بتادیا، وہ ان کے پاس بھی پہونچا اور کہا کہ :۔ میں نے سو (۱۰۰) خون کئے ہیں تو کیا ایسے مجرم کی توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے؟ (اور وہ بخشا جاسکتا ہے؟) :۔ انھوں نے کہا :۔ ہاں ہاں! (ایسے کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے) اور کون ہے جو اس کے اور توبہ کے درمیان حائل ہوسکے۔

(یعنی کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی توبہ کو قبول ہونے سے روک دے۔ پھر انھوں نے کہا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ) تو فلاں بستی میں چلا جا، وہاں اللہ کے عبادت گزار کچھ بندے رہتے ہیں تو بھی (وہیں جا پڑ اور) ان کے ساتھ عبادت میں لگ جا (اس بستی پر خدا کی رحمت برستی ہے) اور پھر وہاں سے کبھی اپنی بستی میں واپس نہ آ، وہ بڑی خراب بستی ہے؛ چنانچہ وہ اُس دوسری بستی کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب آدھا راستہ اس نے طے کر لیا تو اچانک اس کو موت آگئی، اب اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں نزاع ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے آیا ہے اور اس نے صدق دل سے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے (اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہو چکا ہے)۔ اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے (اور یہ سَو خون کر کے آیا ہے اس لئے یہ سخت عذاب کا مستحق ہے)۔ اس وقت ایک فرشتہ (اللہ کے حکم سے) آدمی کی شکل میں آیا، فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اس کو حکم مان لیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں بستیوں تک کے فاصلہ کی پیمائش کر لی جائے (یعنی شر و فساد اور خدا کے عذاب والی وہ بستی جس سے وہ چلا تھا اور اللہ کے عبادت گزار بندوں والی وہ قابلِ رحمت بستی جس کی طرف وہ جا رہا تھا) پھر جس بستی سے وہ نسبتہً قریب ہو اس کو اُسی کا مان لیا جائے، چنانچہ پیمائش کی گئی تو وہ نسبتہً اسی بستی سے قریب پایا گیا جس کے ارادہ سے وہ چلا تھا، تو رحمت کے فرشتوں نے اس کو اپنے حساب میں لے لیا ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث دراصل صرف ایک جزئی واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ اسی پیرایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کی وسعت اور اس کے کمال کو بیان فرمایا ہے، اور اس کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ بڑے سے بڑا گنہگار اور پاپی بھی اگر سچے دل سے اللہ کے حضور میں توبہ اور آئندہ کے لئے فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لے تو وہ بھی بخش دیا جائے گا، وہ ارحم الراحمین کی رحمت بڑھ کر اس کو اپنے آغوش میں

لے لیگی، اگرچہ اس توبہ و نابت کے بعد وہ فوراً ہی دنیا سے اٹھالیا جائے اور اسے کوئی نیک عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے اور اس کا اعمال نامہ اعمالِ صالحہ سے بالکل خالی ہو۔

اس حدیث کے مضمون پر ایک علمی اور اصولی اشکال بھی کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "ناحق قتل" ان گناہوں میں سے ہے جن کا تعلق صرف حق اللہ ہی سے نہیں بلکہ حق العباد سے بھی ہے جس مجرم اور قاتل نے کسی بندے کو ناحق قتل کیا، اس نے اللہ کی نافرمانی کے علاوہ اُس مقتول بندے پر اور اس کے بیوی بچوں پر بھی ظلم کیا، اور مسلّمہ اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مظالم صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، بلکہ ان کے لئے مظلوم بندوں سے معاملہ صاف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے ——— شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے اور صحیح جواب دیا ہے کہ بیشک اصول اور قانون یہی ہے لیکن مظلوموں کے حق کی ادائیگی اور ان سے معاملہ صاف کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اُن پر ظلم کرنے والے اور پھر اس ظلم سے سچی اور گہری توبہ کرنے والے بندوں کی طرف سے ان کے مظلوموں کو اپنے خزانۂ رحمت سے دے کر راضی کر دے۔ اس حدیث میں سَو خون کرنے والے جس تائب بندے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ یہی کرے گا، اور اس کی طرف سے اس کے مقتولوں اور سب مظلوموں کو اپنے خزانۂ رحمت سے اتنا دے دیگا کہ وہ راضی ہو جائیں گے ——— اور یہ سَو خون کرنے والا تائب بندہ اللہ کی رحمت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

مشرکوں اور کافروں کے لئے بھی منشورِ رحمت :———

(۲۸۳) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْآيَةِ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ——— رواه احمد

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ:- مجھے اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا (اور اس کی نعمتوں) کا لینا بھی پسند نہیں :- يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (اے میرے بندو! جنھوں نے (گناہ کر کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے کو تباہ کر لیا ہے) تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے) - ایک شخص نے عرض کیا :- حضرت! جن لوگوں نے شرک کیا ہے، کیا ان کے لئے بھی یہی ارشاد ہے؟" آپ نے پہلے تو کچھ سکوت کیا، پھر تین دفعہ فرمایا :- "اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ" سُن لو! مشرکوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے، سُن لو مشرکوں کے لئے بھی یہی ارشاد ہے، ہاں! مشرکوں کے لئے بھی میرے مالک کا یہی ارشاد ہے) ——— (مسند احمد)

(**تشریح**) اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ہے، یہ سورۂ زُمر کی آیت ہے۔ بلا شبہ اس میں ہر قسم کے گنہگاروں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ خود ان کا مالک و پروردگار اُن ہی کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ تم بھی میری رحمت سے نااُمید نہ ہو۔ آگے اس کا تکملہ یہ ہے :- ———

وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ	اور رُخ کر لو اپنے پروردگار کی طرف قبل اس کے
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ	کہ تم عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور پھر کوئی
ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ. وَاتَّبِعُوْا	تمہاری مدد اور حمایت نہ کر سکے، اور جو
اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	بہترین ہدایت نامہ بھیجا ہے لئے تمہارے

مِنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ	پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے،
أَنْ يَّأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ	اس کی پیروی اختیار کرلو اُس وقت کے
بَغْتَةً وَّأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔	آنے سے پہلے جب اچانک خدا کا عذاب

نازل ہو کر تم کو اپنی گرفت میں لے لے، اور تمہیں پہلے سے پتہ بھی نہ ہوگا۔

اس تکملہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے مجرموں اور گنہگاروں کے لئے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کسی کے لئے بھی دروازہ بند نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ عذاب یا موت کے آنے سے پہلے توبہ کرلیں، اور نافرمانی کی راہ چھوڑ کر ہدایتِ ربانی کی فرمانبرداری اختیار کرلیں۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ "رحمتِ خداوندی" کا جو "منشورِ عام" سب کے لئے ہے کافر اور مشرک بھی اس کے مخاطب ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ خود رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپ کو اس "منشورِ رحمت" سے بے حد خوشی تھی، اور فرماتے تھے کہ مجھے اس آیت کے نزول کی اتنی خوشی ہے کہ اگر ساری دنیا مجھے دے دی جائے تو اتنی خوشی مجھے نہ ہوگی۔

توبہ و استغفار کے خاص کلمات: ——————

توبہ اور استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اُس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ و استغفار ہے اور قابلِ قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے توبہ و استغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور اُن کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے: ——————

(۲۸۴) عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد یسار سے نقل کیا اور انھوں نے اپنے والد حضرت زید[۱] سے (جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام تھے) نقل کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار کیا:

أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا — میں اُس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں

إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ — جو حیّ و قیوم ہے، اور اُس کے حضور میں

وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔ — توبہ کرتا ہوں۔

تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا، اگرچہ اس نے میدانِ جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) جان بچانے کے لئے میدانِ جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ

[۱] یہ زید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زید ہے اور ان کے والد کا نام بولیٰ بتایا گیا ہے، یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، آپؐ نے ان کو بھی آزاد فرما دیا تھا۔۱۲

کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا ——
یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی و الہام کے بغیر نہیں فرما سکتے، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کے لئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کے لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرما دیا گیا ہے —— قربان اس رحمت کے —— لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے، اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

سیّد الاستغفار: ——

مندرجۂ ذیل حدیث میں استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے "سیّد الاستغفار" بتایا ہے، اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور بلاشبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

(۲۸۵) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ" قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

رواہ البخاری

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- "سید الاستغفار" (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے :-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ـــــ

اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک و مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں، اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا، اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخشدے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آگئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا اور وہ صبح ہونے سے پہلے اسی رات میں وہ چل بسا تو بلاشبہ وہ جنت میں جائے گا۔

ـــــــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی رُوح بھری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے:—

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ	اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ	مالک و معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے وجود بخشا ہے
وَاَنَا عَبْدُكَ۔	اور میں بس تیرا بندہ ہوں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ:—

وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ	یعنی میں نے ایمان لاکے تیری عبادت
مَا اسْتَطَعْتُ۔	واطاعت کا جو عہد و میثاق اور وعدہ کیا ہے

جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا اُس پر قائم رہنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے—

اس کے آگے عرض کیا گیا ہے:—

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا	مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور
صَنَعْتُ۔	آئندہ ہوں اُن کے بُرے نتیجہ سے اے میرے

مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں اعترافِ قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے:—

اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ	میں تیرے انعامات و احسانات کا اور اپنی
وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ۔	گناہگاریوں اور خطاکاریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔

آخر میں عرض کیا گیا ہے:—

فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ	میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے
اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ	میرے جرائم میرے گناہ بخش دے، جرموں اور
اِلَّا اَنْتَ۔	گناہوں کو بخشنے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ اپنے کو صرف قصور وار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجا بھی ہو گی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے ——— اس کو "سید الاستغفار" اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہونچ جانے کے بعد آپ پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کر لیا کرے ——— اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہمارے استاذ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ پر اب سے ۴۵ سال پہلے دار العلوم دیوبند میں ان ہی سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی۔ جب سبق میں یہ حدیث آئی تو حضرت مولاناؒ نے پوری جماعت کو حکم دیا کہ یہ "سید الاستغفار" سب یاد کر لیں کل میں سب سے سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن قریب قریب سب طلباء سے سنا، اور وصیت فرمائی کہ دن رات میں کم از کم ایک دفعہ اس کو ضرور پڑھ لیا کرو۔

(۲۸۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَایَایَ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ" ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ ——— تا ——— وَکُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ" (اے اللہ! میری خطا میرے قصور معاف

کردے، اور (علم و معرفت کے تقاضے کے خلاف) جو نادانی کا کام میں نے کیا ہو اس کو معاف فرمادے اور اپنے جس معاملہ میں بھی میں نے تیرے حکم اور تیری رضا کی حد سے تجاوز کیا ہو اس کو بخش دے۔
اے میرے اللہ! میرے وہ گناہ بھی معاف فرمادے جو ہنسی مذاق میں مجھ سے سرزد ہو گئے ہوں اور وہ بھی معاف کردے جو میں نے سوچ سمجھ کے اور سنجیدگی سے کئے ہوں میرے مالک! میری وہ خطائیں بھی معاف کردے جو بلا ارادہ مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں، اور وہ بھی معاف فرمادے جو میں نے جان بوجھ کے ارادہ سے کی ہوں ——— اور (اے میرے مالک! تو جانتا ہے کہ) یہ سب طرح کی خطائیں میں نے کی ہیں ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ اکبر! سید المرسلین محبوب رب العلمین صلے اللہ علیہ وسلم جو یقیناً معصوم تھے اُن کے احساسات اپنے بارے میں یہ تھے، اور وہ اپنے کو سرتاسر خطا کار اور قصوروار سمجھتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح استغفار کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہو گی وہ اُتنا ہی زیادہ اپنے کو ادائے حق عبدیت کے بارے میں قصوروار سمجھے گا۔——— "قربیاں رابیش بود حیرانی"۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس استغفار کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے، اور ہم اُمتیوں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

حضرت خضرؑ کا استغفار: ———

(۲۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا مَّا يَقُوْلُ لَنَا مَعْشَرَ اَصْحَابِىْ مَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُكَفِّرُوْا ذُنُوْبَكُمْ بِكَلِمَاتٍ يَسِيْرَةٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هِىَ؟ قَالَ تَقُوْلُوْنَ مَقَالَةَ اَخِى الْخِضْرِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا كَانَ يَقُوْلُ؟ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ؟ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا

أَعْطَيْتُكَ مِنْ نَفْسِيْ ثُمَّ لَمْ أُوْفِ لَكَ بِهِ وَ أَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَتَقَوَّيْتُ بِهَا عَلَى مَعَاصِيْكَ وَ أَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ خَيْرٍ أَرَدْتُ بِهِ وَجْهَكَ فَخَالَطَنِيْ فِيْهِ مَا لَيْسَ لَكَ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ فَإِنَّكَ بِيْ عَالِمٌ وَ لَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ ــــــــــ رواہ الدیلمی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے :۔ اے میرے ساتھیو! تمہارے لئے کیا چیز اس سے مانع ہو سکتی ہے کہ چند آسان کلموں کے ذریعہ اپنے گناہوں کی صفائی کر لیا کرو! ــــــ عرض کیا گیا :۔ یا رسول اللہ! وہ کون سے کلمے ہیں؟ ــــ آپ نے فرمایا :۔ وہ کہا کرو جو میرے بھائی خضر کہا کرتے تھے ــــ عرض کیا گیا :۔ یا رسول اللہ! وہ کیا کہا کرتے تھے؟ ــــ فرمایا :۔ وہ کہا کرتے تھے :۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ إِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ ــــ تا ــــ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ فَإِنَّكَ بِيْ عَالِمٌ وَ لَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ۔

(اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن گناہوں کی جن سے میں نے تیرے حضور میں توبہ کی ہو [اور شامتِ نفس سے] پھر پلٹ کر وہی گناہ دوبارہ کئے ہوں، اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُس عہد کے بارے میں جو میں نے اپنی ذات کی طرف سے تجھ سے کیا ہو اور پھر میں نے اس کو وفا نہ کیا ہو [بلکہ عہد شکنی کی ہو] اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن نعمتوں کے بارے میں جن سے طاقت و قوت حاصل کر کے میں نے تیری نافرمانیاں کی ہوں، اور تجھ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں ہر اُس نیکی کے بارے میں جو میں نے تیری رضا جوئی کی نیت سے کرنی چاہی ہو پھر اُس میں تیرے ماسوا دوسرے اغراض کی آمیزش ہو گئی ہو۔ اے میرے اللہ! مجھے [دوسروں کے سامنے] رسوا نہ کرنا۔ بیشک تو مجھے خوب جانتا ہے، تجھ سے

میرا کوئی راز ڈھکا چھپا نہیں ہے اور [میرے گناہوں پر] مجھے عذاب نہ دینا، تجھے مجھ پر ہر طرح قدرت حاصل ہے [اور میں بالکل عاجز اور تیرے قبضہ و اختیار میں ہوں])۔

(مسند فردوس دیلمی)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ پورے صدق و خلوص کے ساتھ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے لیکن پھر اس سے وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و میثاق کرتا ہے اور پھر کسی وقت اس کے خلاف کر بیٹھتا ہے ——

اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور راحت و آرام وغیرہ کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان کے استعمال سے وہ جو قوت و طاقت یا دولت حاصل کرتا ہے اس کو وہ بجائے طاعت کے معصیت کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیک عمل خالص اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے جذبہ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن بعد میں دوسرے غلط جذبات اور ناپسندیدہ اغراض کی اس میں آمیزش ہو جاتی ہے ——

یہ سب روزمرہ کے تجربے اور روزمرہ کی واردات ہیں اور اچھے اچھوں کو پیش آتی ہیں ——

ایسے حالات میں اللہ سے تعلق اور آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کے دل و زبان کی استدعا کیا ہونی چاہئے؟ —— مندرجۂ بالا استغفار کے کلمات میں اسی کی پوری رہنمائی اور تلقین فرمائی گئی ہے، اور یہ کلمات اپنے مضمون کی گہرائی اور جامعیت کے لحاظ سے یقیناً معجزانہ ہیں، اسی لئے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے، اگرچہ "کنز العمال" میں اس کی تخریج صرف دیلمی سے کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ "کلماتِ استغفار" کے زیر عنوان یہاں صرف ان چار ہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا ہے، نماز سے متعلق دعاؤں میں، اور اسی طرح مخصوص حالات و اوقات کی دعاؤں میں، اور علیٰ ہذا جامع اور ہمہ گیر دعاؤں میں ان کے علاوہ استغفار کے بیسوں بلکہ پچاسوں کلمات گزر چکے ہیں۔ اس طرح استغفار کے اُن کلمات کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب حدیث میں ماثور و منقول ہیں اور بلاشبہ وہ سب ہی بڑے بابرکت ہیں۔

استغفار کی برکات :

استغفار کی اصل غرض و غایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ اُن کے عذاب و وبال سے بچ جائے لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دنیوی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ یقین و عمل نصیب فرمائے۔

(۲۸۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ـــــ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ جو بندہ استغفار کو لازم پکڑلے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنادے گا۔ اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دُور کرکے کشادگی اور اطمینان عطا فرمادے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا کہ اس کو خیال و گمان بھی نہ ہوگا۔

ـــــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ملحوظ رہے کہ یہ وعدہ صرف زبان سے کلماتِ استغفار پڑھنے پر نہیں ہے، بلکہ استغفار کی حقیقت پر ہے جس کی پہلے وضاحت کی جاچکی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نصیب فرمائے۔

(۲۸۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا

كَثِيْرًا ـــــــــــ رواہ ابن ماجہ والنسائی

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ خوشی ہو اور مبارک ہو اُس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے) ۔

ـــــــــــ (سنن ابن ماجہ، سنن نسائی)

(تشریح) واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے اور عنداللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا، اور اگر اندراج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ "طُوْبٰى لِمَنْ اِسْتَغْفَرَ كَثِيْرًا" (خوشی ہو اور مبارک ہو اس کو جو بکثرت استغفار کرے) ۔ بلکہ یہ فرمایا کہ :۔ "طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِىْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا" (خوشی اور مبارک ہو اُس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے) ـــــــــ امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ :۔ ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کی حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے ۔

اِس حدیث میں "طوبیٰ" کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں ۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے ۔

استغفار پوری اُمت کے لئے امان : ـــــــــ

مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں میں استغفار کی جن برکات کا ذکر کیا گیا وہ انفرادی تھیں

یعنی وہ استغفار کرنے والے افراد ہی کو حاصل ہوں گی۔ مندرجۂ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان انفرادی برکات کے علاوہ استغفار کرنے والوں کے استغفار کی ایک بہت بڑی اور عمومی برکت یہ ہے کہ وہ پوری امت کے لئے عذاب عام سے امان ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے قیامت تک اُمّت گویا اسی کے سایہ میں ہے۔

(۲۹۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ اَمَانَیْنِ لِاُمَّتِیْ "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ"، فَاِذَا مَضَیْتُ تَرَکْتُ فِیْھِمُ الْاِسْتِغْفَارَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ـــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں (سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا) "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ الآیۃ" (یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کردے، اور اللہ انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں گے اور معافی و مغفرت مانگتے ہوں گے) ـــــ (آپ نے فرمایا): ـــــ پھر جب میں گزر جاؤں گا تو قیامت تک کے لئے تمہارے درمیان استغفار کو (بطور امان) چھوڑ جاؤں گا۔

ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) سورۂ انفال کی آیت ۳۳ "مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ"۔ جس کا اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حوالہ دیا ہے اس کا مدعا اور مقتضا یہ ہے کہ ایک تو خود آپ کی ذات اور آپ کا وجود امت کے لئے عذاب سے امان ہے، جب تک آپ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب عام نازل نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسری چیز جو اُن کے لئے وسیلۂ امان ہے وہ خود ان کا استغفار ہے۔

جب تک یہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت مانگتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے عذاب عام سے ہلاک نہیں کئے جائیں گے ——— گویا ایک امان خود آپ کا وجود تھا، جس سے امت آپ کی وفات کے بعد محروم ہوگئی۔ دوسری امان خود امت کا استغفار ہے، وہ بھی امت کو آپ ہی کے ذریعہ ملا ہے، اور وہ قیامت تک باقی رہے گا ——— اور امت انتہائی بداعمالیوں کے باوجود جو عذاب عام سے آج تک محفوظ ہے، یہ استغفار کرنے والے بندوں کے استغفار ہی کی برکت ہے۔

توبہ و استغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے: ———

توبہ و استغفار سے متعلق احادیث و روایات کے سلسلہ کو مندرجۂ ذیل حدیث پر ختم کیا جاتا ہے جو صحیحین میں بھی متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہے، اور جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے توبہ کرنے والے گناہگاروں کو وہ بشارت سنائی ہے جو کسی دوسرے بڑے سے بڑے عمل پر بھی نہیں سنائی گئی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کو سمجھنے کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو کافی تھی۔ حق یہ ہے کہ اس چند سطری حدیث میں معرفت کا ایک دفتر ہے ——— اللہ تعالیٰ فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

(۲۹۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَلّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِىْ اَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْ مَاشَاءَ اللهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِىَ الَّذِىْ كُنْتُ

فِيهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوْتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهٖ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ -

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے : ۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اُس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اُتر گیا ہو جو سامانِ حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو اُسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کے لئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اُسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پہ بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اُسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آکر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے، تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ذرا تصور کیجئے اس بدّو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اُسی پر لاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی

ملنے کی اُمید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اُترا اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا، اُس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے سازوسامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بیچارہ حیران و سراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لب دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی، اور اب بھوک پیاس سے یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے، اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آ کے پڑ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے سازوسامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے ——
ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اُس بدو کو، جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوگی —— صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ: - خدا کی قسم! بندہ جب جرم و گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم و کریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابوہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بدو مسافر کی فرطِ مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: - اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ" (خداوندا! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ)

لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اُس نے کہا: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّكَ" (میرے اللہ! بس تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا) ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم نے اُس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ" (فرطِ مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اُس بیچارے بدّو کی زبان بہک گئی)[۱] ۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جس خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے ۔

شیخ ابن القیمؒ نے "مدارج السالکین" میں توبہ و استغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب و غریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آجاتی ہے ۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل و خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے، دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت و عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، ساری مخلوقات کو اُس کے لئے مسخر کیا، اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا، پھر اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرفِ ہم کلامی بخشا، اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قربِ خصوصی کی دولت سے نوازا ــــــــ اور انسانوں ہی کے لئے در اصل جنت و دوزخ کو بنایا ــــــــ الغرض دنیا و آخرت میں اور عالمِ خلق و امر میں جو کچھ ہے اور ہوگا اُس سب کا اصل مرکز

---

[۱] علماء و فقہاء نے حضورؐ کے اِس ارشاد سے سمجھا ہے کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے ۔ ۱۲

ومحور بنی نوع انسان ہی ہے اُسی نے امانت کا بوجھ اٹھایا، اُسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا، اور ثواب و عذاب در اصل اسی کے لئے ہے ——— پس اس پورے کارخانۂ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے، اللہ نے اس کو اپنے خاص دستِ قدرت سے بنایا، اس میں اپنی روح ڈالی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، اور ابلیس اس کو سجدہ ہی نہ کرنے کے جرم میں مردودِ بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا ——— یہ سب اس لئے کہ اُس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور مادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق و پروردگار کی (جو وراء الورا اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے، ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو، اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے، اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور اپنی ہر چیز کو قربان کرے، اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے، اور پھر اس کی خاص الخاص عنایتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر اس کی رحمت و رافت، اس کے پیار و محبت اور اس کے بے انتہا لطف و کرم کا مورد بنے ——— اور چونکہ وہ ربّ کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف و کرم اس کی ذاتی صفت ہے (جس طرح بلا تشبیہ مامتا ماں کی ذاتی صفت ہے) اسی لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات و احسانات سے نوازنا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اُس کے لئے بلا تشبیہ اسی طرح بے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے جس طرح اپنے بچے کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنانا مامتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے ——— اب اگر بندے نے بدبختی سے اپنے اُس خالق و پروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے بغاوت و نافرمانی کا

طریقہ اختیار کرلیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہوگیا اور ربِّ کریم کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور لطف و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اُس کے قہر و غضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلا تشبیہ) اُس غصہ اور ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہو گی جو نالائق اور ناخلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر مامتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے ـــــــ پھر اگر اُس بندے کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک و پروردگار کو ناراض کر کے اپنے کو اور اپنے مستقبل کو برباد کرلیا اور اُس کے دامن رحم و کرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہو اور مغفرت و رحمت کا سائل بن کر اُس کی بارگاہِ کرم کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، روئے اور گڑگڑائے اور معافی مانگے اور آئندہ کے لئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد و ارادہ کرلے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت و رأفت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا نعمتوں کو پاکر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندے کی اس توبہ و انابت سے کتنی خوشی ہوگی؟"

شیخ ابن القیم نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفسِ امارہ کے اغوا سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی و نافرمانی کے جراثیم ان کی رُوح میں پیدا ہونے لگے تھے ـــــــ وہ لکھتے ہیں کہ: ـــــــ

"وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا

اور ایک بچّہ روتا چلاّتا ہوا اُس میں سے نکلا، اس کی ماں اس کو گھر سے دھکّے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ دروازہ سے باہر ہوگیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا، بچّہ اسی طرح روتا چلاّتا بکتا بڑبڑاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہونچ کر کھڑا ہوگیا اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جاسکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے، یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا، دروازہ پر پہونچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ بیچارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑگیا اور اسی حالت میں سوگیا۔ ماں آئی، اُس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچّے کو اس طرح چوکھٹ پر سَر رکھ کے پڑا دیکھ کے اس کا دل بھر آیا اور ماما کا جذبہ اُبھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی، اور کہہ رہی تھی:۔ بیٹے تونے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے، تونے نالائقی نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کرکے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے، میری فطرت اور ماما کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ پر پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہونچانے کی کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے ——— اُن عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں اُن کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔"

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سامنے رکھئے:۔—— "لَلّٰهُ اَرْحَمُ لِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا"[۱] (خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچّے کے لئے ہے)۔

---

[۱] یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں (بقیہ ۳۵۲ پر)

کیسے بدبخت اور محروم ہیں وہ بندے جنھوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کرلیا ہے اور اس کے قہر و غضب کو بھڑکا رہے ہیں، حالانکہ توبہ کا دروازہ اُن کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اُس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ تعالیٰ کا وہ پیار حاصل کرسکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں ——— اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

يَا غَفَّارُ اغْفِرْ لِيْ يَا تَوَّابُ تُبْ عَلَيَّ يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ يَا رَؤُفُ ارْؤُفْ بِيْ يَا عَفُوُّ اعْفُ عَنِّيْ يَا رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَطَوِّقْنِيْ حُسْنَ عِبَادَتِكَ۔

(ص ۳۵۱ کا بقیہ حاشیہ) اپنے بچے کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی، دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ ماتنا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا۔ "خدا کی قسم! اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اُس سے زیادہ پیار اور ترحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے" ۱۲

صلوٰۃ وسلام

"صلوٰۃ وسلام" دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفاکیشی کے اظہار کے لئے آپ کے حق میں کی جاتی ہے، اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک میں دیا گیا ہے، اور بڑے پیارے اور مؤثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب - ع ۷)۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے پہلے بطورِ تمہید فرمایا گیا ہے کہ: "إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" یعنی نبی پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے) خداوند قدوس اور اُسکے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کہا گیا کہ خدا اور اُسکے فرشتے

یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو ــــــ بلاشبہ صلوٰۃ وسلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت کے خصائص میں سے ہے۔

صلوٰۃ علی النبی کا مطلب اور ایک اشکال کا حل: ــــــ

سورۂ احزاب کی اس آیت میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مومن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر "یُصَلُّوْنَ" کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مومنین کا عمل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عمل صلوٰۃ کا مطالبہ "صَلُّوْا" کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہو سکتا۔

اس کو حل کرنے کے لئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت کے بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا، اور جب ملائکہ یا مومنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا ــــــ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم و تشریف، مدح و ثنا، رفع مراتب محبت و عطوفت، برکت و رحمت، پیار دلار، ارادۂ خیر و دعائے خیر، ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف اور ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جا سکتی ہے ــــــ البتہ یہ فرق ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شانِ عالی کے مطابق ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق، اور مومنین کی طرف سے اُن کی حیثیت کے مطابق۔

اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبیؐ پر خاص الخاص عنایت و نوازش

اور بڑا پیارا دُلارا ہے، اور وہ ان کی مدح و ستائش کرتا اور عظمت و شرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہونچانا چاہتا ہے، اور فرشتے بھی ان کی تکریم و تعظیم اور مدح و ثنا کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف و عنایات اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں ——— اے ایمان والو! تم بھی ایسا ہی کرو، اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف و عنایت، محبت و عطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت و امامت اور مقام محمود و قبولیتِ شفاعت کی دعا کیا کرو اور آپ پر سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت: ———

اس آیت میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہلِ ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت و عظمت ہے اور وہ کیسا محبوب عمل ہے ——— آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اس میں اہلِ ایمان کے لئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہا کے مسالک: ———

امت کے فقہا اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا ہر فرد امت پر فرض ہے، پھر ائمہ امت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجباتِ نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی ——— لیکن امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بیشک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھی آجاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں

بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے ——
مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہر مسلمان پر اسی طرح فرضِ عین ہے جس طرح مثلاً آپ کی رسالت کی شہادت دینا، جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اُس پر قائم رہے۔

آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جب جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے آپ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی —— ان احادیث کی بنا پر بہت سے فقہا اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ کا ذکر کرے، یا کسی دوسرے سے سُنے تو اس وقت آپ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلۂ کلام میں بار بار آپ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا، اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت: ——

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور اُن میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی قرب اور آپ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر اُمتی کا درود و سلام اُس کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچایا جاتا ہے، اور

اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

ذرا غور کریں! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، تو آپ کے دل میں اُس کی کیسی قدر و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملے گا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اُس سے ملیں گے ——— اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظرِ عنایت ہوگی، اور قیامت و آخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا ——— اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس بندہ سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اُس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درود و سلام کا مقصد: ———

یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دُعا کرنے کا اصلی مقصد اس کو نفع پہونچانا ہوتا ہے، اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات پاک کو نفع پہونچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت! ———
بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں، اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہونچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہونچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے محاسن و کمالات، آپ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاسگزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود و سلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ کو کوئی نفع پہونچانا نہیں ہوتا، بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و ثواب آخرت اور اس کے رسول پاک کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے، اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارا درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہونچاتا ہے اور بہت سوں کا آپ کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود و سلام کی خاص حکمت: ______

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ اُن پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دُعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظرِ کرم کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ

دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور اُمتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاگو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعاگو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

احادیث میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات :-

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تکریم و تشریف اور آپ پر جو خاص الخاص عنایت و نوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت و عنایت کے لئے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے:- صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا" (یعنی حضورؐ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے) مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی

ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہوگا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی اور اُس ایمان والے بندے کے درجہ میں ہوگا۔

آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اُس مبارک عمل (الصَّلٰوۃ علی النّبی) کی ترغیب دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صلوات یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قربِ روحانی کی برکات سے بہرہ در ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے ــــــ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے۔

(۲۹۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ ــــــ رواہ النسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو بندہ مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اُس پر دسؔ صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کی دسؔ خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور اس کے دسؔ درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

ــــــ (سنن نسائی)

(۲۹۴) عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ اُمَّتِيْ صَلٰوةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكَتَبَ لَهٗ بِهَا عَشْرَ

حَسَنَاتٍ وَمُحِيَ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ ـــــــــ رواه النسائی

ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
میرا جو امتی خلوصِ دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس صلوٰتیں بھیجتا ہے، اور اُس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے، اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے اور اُس کے دس گناہ محو فرما دیتا ہے ـــــــــ (سنن نسائی)

(**تشریح**) حضرت ابوہریرہؓ والی پہلی حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلوٰتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت انسؓ والی دوسری حدیث میں دس صلوٰتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ اور ابو بردہ بن نیارؓ والی اِس تیسری حدیث میں ان سب کے علاوہ اس بندے کے نامۂ اعمال میں مزید دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی ـــــــــ
اِس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے، واللہ اعلم ـ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ "اخلاصِ قلب" سے بھیجی جائے۔

(۲۹۵) عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّهُ جَاءَنِي جِبْرَئِيلُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

ـــــــــ رواہ النسائی والدارمی

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نمایاں تھے (اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپ نے فرمایا کہ :- آج جبرئیل امینؑ آئے اور انھوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمدؐ! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کرے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے، میں اُس پر دس صلوٰتیں بھیجوں، اور جو تم پر سلام بھیجے، میں اُس پر دس سلام بھیجوں ——— (سنن نسائی، مسند دارمی)

(تشریح) قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے :- "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ" (اے نبیؐ! تمہارا رب تم کو اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)۔ اس وعدہ کا پورا ظہور تو آخرت میں ہوگا، لیکن یہ بھی اس کی ایک قسط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اتنا اکرام فرمایا، اور محبوبیتِ کبریٰ کا وہ مقام عالی آپ کو عطا فرمایا کہ جو بندہ آپ کی محبت اور آپ کے احترام میں خالصاً لِلّٰہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اُس پر دس صلوٰتیں اور دس سلام بھیجنے کا دستور اپنے لئے مقرر فرمایا ——— اور جبرئیلِ امینؑ کے ذریعہ آپ کو اس کی اطلاع دی، اور اس پیارے انداز میں دی :- "اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ" (تمہارا رب فرماتا ہے اے محمدؐ! کیا تمہیں ہمارا یہ فیصلہ راضی اور خوش نہیں کرے گا) ———

اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے تو ان احادیث سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت کو کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔

(۲۹۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ؟ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذَالِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ

اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ ــــــــــ رواہ احمد

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہونچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ مجھے خطرہ ہوا کہ آپ وفات تو نہیں پاگئے میں آپ کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپکے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا اس لئے میں آپ کو دیکھ رہا تھا ــــــ تو آپنے فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اُس پر صلوٰۃ بھیجوں گا، اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا ــــــــــ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کا ذکر ہے، لیکن دسؔ کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے، مگر اس سے پہلی حضرت ابوطلحہؓ والی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دسؔ دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی ــــــ پھر یا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بتاتے وقت دسؔ کے عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا، یا بعد کے کسی راوی کے بیان کرنے سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ "فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا" (یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں یہ سجدہ کیا تھا)۔ امام بیہقی نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدۂ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۹۷) قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرؓ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آپ نے سجدے سے اٹھ کر مجھے بتایا کہ :-

اِنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَانِيْ فَقَالَ
مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ مِنْ اُمَّتِكَ
وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا
وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ۔
(معجم اوسط للطبرانی وسنن سعید بن منصور)

جبرئیل میرے پاس آئے اور انھوں نے یہ پیغام پہونچایا کہ تمہارا جو امتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دسؔ صلوٰتیں بھیجے گا اور اس کے دسؔ درجے بلند فرمائے گا۔

ان سب حدیثوں کا مقصد و مدعا ہم امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوص قلب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ وسلام کے صلہ میں دسؔ دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے، دسؔ درجے بلند فرماتا ہے، نامۂ اعمال میں سے دسؔ گناہ محو کر دیئے اور مٹا دیئے جاتے ہیں اور دسؔ نیکیاں لکھا دی جاتی ہیں ——

مثلاً اگر کوئی بندہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر روزانہ صرف سَوْ دفعہ درودِ پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث کی بشارت کے مطابق (جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابۂ کرامؓ[۱] سے صحاح اور سنن ومسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابلِ اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر

[۱] حضرت ابوہریرہ، حضرت انسؓ، حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت ابو طلحہ انصاری اور حضرت عمرؓ کی احادیث تو یہاں درج کی جا چکی ہیں، ان کے علاوہ حضرت براء بن عازب، سعید بن عمر انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے بھی یہ مضمون مختلف کتب حدیث میں مروی ہے، گویا یہ مضمون "قدرِ مشترک" کے لحاظ سے متواتر ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت اس لحاظ سے یقینی اور قطعی ہے۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے یعنی رحمتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اس کے مرتبہ میں ایک ہزار درجے ترقی دی جاتی ہے، اس کے اعمال نامہ سے ایک ہزار گناہ محو کئے جاتے ہیں اور ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں ـــــ اللہ اکبر ـــــ کتنا ارزاں اور نفع بخش سودا ہے ـــــ اور کتنے خسارہ و بے نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے اس سعادت اور کمائی سے اپنے کو محروم کر رکھا ہے ـــــ

اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے ۔

آپ کے ذکر کے وقت بھی درود سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت :-

(۲۹۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ ـــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے) ۔ اور ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہونچیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کرلے ۔

ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت و خواری کی بد دعا ہے

مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت و مغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انھوں نے خدا کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بیشک وہ بدبخت ایسی ہی بد دعا کے مستحق ہیں ــــ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرئیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بد دعا کی ہے، اللہ کی پناہ! ۔

(۲۹۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوْا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ اٰمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بَعِدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ اٰمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بَعِدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعِدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِيْن ۔

ــــ رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد

حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو فرمایا: ـ میرے پاس آجاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہوگئے (تو آپ کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ نے قدم رکھا تو فرمایا: ـ آمین ـ پھر جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: ـ آمین ـ اسی طرح [illegible] جو کچھ آپ کو فرمانا تھا جب اس سے

فارغ ہو کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا :- یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھنے کے وقت آج آپ "امین" کہتے تھے، یہ نئی بات تھی)۔ آپ نے بتایا کہ :- جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرئیل امین آگئے انھوں نے کہا کہ :- "بَعِدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ" (تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا "امین" - پھر جب میں نے منبر کے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا :- "بَعِدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ" (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے تمہارا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے) تو میں نے اس پر بھی کہا :- "امین" - پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا :- "بَعِدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرُ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ" (تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا ان دو میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے اور ان کو راضی خوش کر کے) جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا :- "امین" ——— (مستدرک حاکم)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بد دعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہر بد دعا پر "امین" کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کی بد دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "امین" کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ، مالک بن الحویرثؓ اور عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے ... ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ بد دعا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ "امین"

کہئے، تو آپ آمین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورۂ بالا تینوں قسم کے محروموں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ کی طرف سے سخت ترین بد دعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاءِ اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاءِ اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرئیل کے دل سے اتنی سخت بد دعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آمین کہلواتے ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

ان ہی احادیث کی بنا پر فقہا نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے تو آپ پر درود بھیجنا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والوں پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۳۰۰) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ـــــــ رواہ الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اصلی بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ (ذرا سی زبان ہلا کے) مجھ پر درود بھی نہ بھیجے ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عام طور سے بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے، لیکن اُس سے بھی بڑا بخیل اور بہت بڑا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا

ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے ——— حالانکہ آپ نے امت کے لئے وہ کیا ہے اور امت کو آپ کے ہاتھوں سے وہ دولت عظمیٰ ملی ہے کہ اگر ہر امتی اپنی جان بھی آپ کے لئے قربان کردے تو حق ادا نہ ہوسکے گا۔

مرحبا اے پیک مشتاقاں بدہ پیغام دوست

تا کنم جاں از سر رغبت فدائے نام دوست

مسلمانوں کی کوئی نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبیؐ سے خالی نہ ہونی چاہئے

(۳۰۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ ——— رواه الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کہیں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبیؐ سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ ان کیلئے حسرت و خسران کا باعث ہوگی۔ پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرما دے اور بخش دے۔ ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی، اُس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی۔ پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری

حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں حضورؐ کے خصوصی قرب کا وسیلہ:-

(۳۰۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔

(رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین اور مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا میرا وہ امتی ہوگا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجنے والا ہوگا (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور ایمان والی زندگی کی بنیادی شرط کے ساتھ میرا جو امتی مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجے گا، اس کو قیامت میں میرا خصوصی قرب اور خاص تعلق حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت اور سعادت حاصل کرنے کی توفیق دے۔

(۳۰۳) عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔

رواہ احمد

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا جو امتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے:۔ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (اے اللہ! ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمدؐ کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ (کرسی) عطا فرما) تو

اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گی ——— (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں "مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ" اس میں صلوٰۃ اور دعا کے پورے الفاظ آگئے ہیں اور بہت مختصر ہیں یوں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سب ہی اُمتیوں کی انشاء اللہ شفاعت فرمائیں گے لیکن جو اہل ایمان آپ پر ان الفاظ میں دُرود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے یہ دُعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی سفارش اُمید ہے کہ اہتمام سے فرمائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اگر کوئی اپنے مقاصد کیلئے دُعاؤں کی جگہ بھی دُرود ہی پڑھے تو اس کے سارے مسائل غیب سے حل ہوں گے

(۳۰۴) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ النِّصْفَ، فَقَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ، قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ، قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلٰوتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر دُرود زیادہ بھیجا کروں (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ کی استدعا زیادہ کیا کروں) آپ مجھے بتا دیجئے کہ اپنی دُعاؤں سے کتنا حصہ آپ پر

صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں ؟ (یعنی میں اپنے لئے دُعا کرنے میں جو وقت صرف کیا کرتا ہوں اسمیں سے کتنا آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں) آپ نے فرمایا: جتنا چاہو ـــــــ میں نے عرض کیا کہ :- میں اُس وقت کا چوتھائی حصہ آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں گا۔ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو، اور اگر اور زیادہ کروگے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا ـــــــ میں نے عرض کیا: تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جتنا چاہو کردو، اور اگر اور زیادہ کروگے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا ـــــــ میں نے عرض کیا: تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہو کردو، اور اگر زیادہ کروگے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا ـــــــ میں نے عرض کیا، پھر تو میں اپنی دُعا کا سارا ہی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی (یعنی تمہارے سارے دینی و دنیاوی مہمات غیب سے انجام پائیں گے) اور تمہارے گناہ و قصور ختم کردیئے جائیں گے۔ ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ میں کردی گئی ہے۔ عام طور سے شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں "صلوٰۃ" دُعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جو اس کے اصل معنی ہیں۔

حضرت اُبی بن کعب کثیر الدعوات تھے، اللہ تعالیٰ سے بہت دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اُنکے دل میں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دُعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطے مانگنے کے لئے) مخصوص کردوں۔ اس بارے میں انہوں نے خود حضور سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کردوں، آپ نے اپنی طرف سے وقت کی کوئی تحدید و تعیین مناسب نہیں سمجھی، بلکہ ان ہی کی رائے پر چھوڑ دیا، اور یہ اشارہ فرمادیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دوگے

تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ میں وہ سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے ہی میں یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے مانگنے میں صرف کروں گا۔ ان کے اس فیصلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کروگے تو تمہارے وہ سارے مسائل و مہمات جن کے لئے تم دعائیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ سے آپ حل ہوں گے، اور تم سے جو گناہ و قصور ہوئے ہوں گے وہ بھی ختم کردیئے جائیں گے، ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

"معارف الحدیث" کی اسی جلد میں تلاوت قرآن مجید کے فضائل کے بیان میں حدیث قدسی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:—

"مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ"

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ تلاوتِ قرآن میں اتنا مشغول رہے کہ اسکے علاوہ اللہ کے ذکر کیلئے اور اپنے مقاصد کے واسطے دعا کرنے کے لئے اسے وقت ہی نہ ملے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے اس سے بھی زیادہ اور بہتر دے گا جتنا دعا کرنے والوں اور مانگنے والوں کو دیتا ہے۔

جس طرح اس حدیث میں اُن بندوں کے لئے جو تلاوتِ قرآن میں اپنا سارا وقت صرف کردیں، اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالیں، اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت و نوازش کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کو دعائیں کرنے والوں اور مانگنے والوں سے بھی زیادہ اور بہتر عطا فرمائے گا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب والی اس زیر تشریح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان محبین و مخلصین کے بارے میں جو اپنی دعائیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کردیں، اور اپنے ذاتی مسائل و مقاصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی بس آپ پر صلوٰۃ بھیجیں، بتایا ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص کرم ہوگا کہ اُن کے مسائل و مہمات غیب سے حل کئے جائیں گے اور ان کے گناہ دھو ڈالے جائیں گے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف اور بس اسی کو اپنا وظیفہ

بطالبنا اللہ کی مقدس کتاب پر ایمان اور اس سے محبت و تعلق کی خاص نشانی ہے، اور اسلئے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل کے مستحق ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام سے ایسا شغف کہ اپنے ذاتی مقاصد و مسائل کے لئے دعا کی جگہ بھی بس آپ پر صلوٰۃ بھیجی جائے اور اپنے لئے کچھ مانگنے کی جگہ بس آپ ہی کے لئے خدا سے مانگا جائے ——— اللہ کے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صادق ایمان اور سچے ایمانی تعلق اور قلبی محبت کی علامت ہے اور ایسے مخلص بندے بھی اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے مسائل اپنی رحمت سے بلا اُن کے مانگے حل فرمائے۔

علاوہ ازیں وہ احادیث ابھی گزر چکی ہیں جن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دس صلاتیں بھیجی جاتی ہیں، اس کے اعمال نامے میں دس نیکیاں درج کی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں ——— ذرا غور کیا جائے، جس بندے کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بھی بس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ سے اپنے لئے کچھ بھی نہ مانگے، صرف حضورؐ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰت و برکات اور رحمتوں و عنایتوں کی کیسی موسلا دھار بارش ہوگی، جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہوگا کہ اللہ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کرے گی، اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین اور عمل نصیب فرمائے۔

درود شریف دعا کی قبولیت کا وسیلہ: ———

(۳۰۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْئٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ ——— (رواه الترمذی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:۔ دُعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رُکی رہتی ہے اوپر نہیں جا سکتی جب تک کہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود نہ بھیجا جائے۔ —————— (جامع ترمذی)

(تشریح) وہ حدیث "آداب دُعا" کے ذیل میں صفحہ ۱۳۲ پر گزر چکی ہے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دُعا کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دُعا کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنی چاہئے، وہ دُعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے —————— "حصن حصین" میں شیخ ابو سلیمان دارانیؒ سے نقل کیا گیا ہے انھوں نے فرمایا کہ دُرود شریف (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایک اعلیٰ و اشرف دُعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دُعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضورؐ کے حق میں دُعا کرے اور اسکے بعد بھی دُعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اوّل و آخر کی دُعائیں تو قبول کرلے اور درمیان کی اس بیچارے کی دُعا رد کردے، اسلئے پوری اُمید رکھنی چاہئے کہ جس دُعا کے اوّل و آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجہ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات (جو انھوں نے دُعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر سے سُن کے ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے، اسلئے محدثین کے مسلّمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دُنیا میں کہیں بھی دُرود بھیجا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتا ہے

(۳۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ ——— رواہ النسائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا، آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو، اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا، ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا، تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہونچے گی۔

——— (سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں تین ہدایتیں فرمائی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ "اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو" اس کا مطلب عام طور سے شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح قبروں میں مُردے ذکر و عبادت نہیں کرتے، اور قبریں ذکر و عبادت سے خالی رہتی ہیں، تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذکر و عبادت سے خالی رہیں، بلکہ ان کو ذکر و عبادت سے معمور رکھو ——— اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں، بلکہ مردوں کے قبرستان ہیں۔ دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ "میری قبر کو میلہ نہ بنالینا"۔ یعنی جس طرح سال کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگانِ دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روح پاک کو کتنی شدید اذیت پہونچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو، مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، وہ مجھے پہونچے گی ——— یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں۔ "حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ" ——— اللہ تعالیٰ نے

جن بندوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہو اُن کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلّی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دُور ہوں اُن کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہونچتا ہے۔ ع

قرب جانی چو بود بُعد مکانی سہل است

(۷۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِى الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِىْ مِنْ اُمَّتِىْ السَّلَامَ ـــــــــ رواہ النسائی والدارمی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکّر لگاتے رہتے ہیں اور میرے امتیوں کا سلام وصلوٰۃ مجھے پہونچاتے ہیں ـــــــــ (سنن نسائی، مسند دارمی)

(تشریح) ایک دوسری حدیث میں جس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کیا ہے، یہ بھی تفصیل ہے کہ صلوٰۃ وسلام پہونچانے والا فرشتہ بھیجنے والے امتی کے نام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پہونچاتا ہے، کہتا ہے: "یا محمد صلّی علیک فلان کذا وکذا" (اے محمدؐ! تمہارے فلاں امتی نے تم پر اس طرح صلوٰۃ وسلام بھیجا ہے) ـــــــــ

اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ فرشتہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے امتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتا ہے: "یا محمد صلی علیک فلان بن فلان" ـــــــــ کتنی خوش قسمتی ہے اور کتنا ارزاں سودا ہے کہ جو امتی اخلاص کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے، وہ حضورؐ کی خدمت میں اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ فرشتے کے ذریعہ پہونچتا ہے، اور اس طرح آپ کی بارگاہِ عالی میں اُس بے چارے مسکین امتی اور اس کے باپ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ ع

جاں میدہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے کہ از ما میرود

(۳۰۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

—— رواہ ابو داؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں —— (سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) حدیث کے ظاہری الفاظ "اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ" سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسدِ اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے جسدِ اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں —— ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ کی روح مبارک جسمِ اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا —— علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماءِ امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کا جسدِ اطہر روح سے خالی

رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے ——— اس بنا پر اکثر شارحین نے "ردِّ روح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ تک پہونچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اِذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس رُوحانی توجہ والتفات کو "ردِّ رُوح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

عاجز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالمِ برزخ کے معاملات واحوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص قلب سے آپ پر سلام بھیجتا ہے، آپ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوٰۃ وسلام کا کچھ بھی اجر وثواب نہ ملے صرف آپ کا جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا ——— اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

(۳۰۹) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ ——— رواه البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا)

وہ میں خود سنوں گا، اور جو کہیں دُور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہونچایا جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہونچتا ہے جو کوئی دُور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہونچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں، اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سیکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور آپ کا جواب پاتے ہیں ——— حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ و سلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے اُن کے لئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے ——— کسی محب نے کہا ہے۔ ؎

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

دُرُودِ شریف کے خاص کلمات

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرُود و سلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا، اور خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے وہ برکات اور فضائل بیان فرمائے جو ناظرین کو مندرجہ سابق احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں ——— پھر صحابۂ کرام کے دریافت کرنے پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُرُود و سلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے ——— اپنے امکان کی حد تک کتبِ حدیث کی پوری چھان بین کے بعد اس سلسلہ کی مستند روایات جمع کر کے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں ——— وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْق ———

(۳۱۰) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِىْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِىْ لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰى فَاَهْدِهَا لِىْ، فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ——— رواه البخاری ومسلم

مشہور جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) انھوں نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں ایک خاص تحفہ پیش کروں (یعنی ایک بیش بہا حدیث سناؤں) جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، میں نے عرض کیا مجھے وہ تحفہ ضرور دیجئے! ———
انھوں نے بتایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ پر سلام کس طرح بھیجا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہد میں "السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں، آپ نے فرمایا یوں کہا کرو ———

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ	اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت
عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ	و رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت
عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ	محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ	نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ	حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ	کے گھر والوں پر، بیشک تو حمد و

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔	ستائش کا سزاوار اور عظمت و بندگی والا ہے۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمدؐ اور حضرت محمدؐ کے گھرانے والوں پر، جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھرانے والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت کعب بن عجرہ نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو یہ حدیث جس طرح اور جس تمہید کے ساتھ سنائی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو اور اس دُرود شریف کو کتنا عظیم اور کیسا بیش بہا تحفہ سمجھتے تھے ——— اور طبری کی اسی حدیث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کعب بن عجرہ نے یہ حدیث عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سُنائی تھی[۱]۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اس کی کتنی عظمت تھی۔

اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ صلوٰۃ یعنی دُرود کے طریقہ کے بارے میں یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کیا گیا جب سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی[۲]۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

۱، ۲۔ فتح الباری کتاب الدعوات۔

اس آیت میں صلوٰۃ وسلام کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کے بارے میں تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا ہم کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح ہم آپ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ صلوٰۃ کے جو کلمات اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری حدیثوں میں تلقین فرمائے یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ...... الخ۔ ان سے معلوم ہوا کہ آپ پر ہمارے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے التجا اور استدعا کریں کہ وہ آپ پر صلوٰۃ بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے ——— یہ اس لیے کہ ہم خود چونکہ محتاج ومفلس اور تہی مایہ ہیں، ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے محسنِ اعظم اور اللہ کے نبیِّ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ پیش کر سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ وہ آپ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجے، یعنی آپ کی تشریف وتکریم، آپ پر نوازش وعنایت، رحمت ورأفت، پیار دُلار میں اور مقبولیت کے درجات ومراتب میں اضافہ فرمائے اور آپ کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، نیز آپ کے گھر والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

استدعاءِ "صلوٰۃ" کے بعد "برکت" مانگنے کی حکمت :———

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدرِ ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف وتکریم، مدح وثنا، رحمت ورأفت، محبت وعطوفت، رفعِ مراتب، ارادۂ خیر، اعطاءِ خیر، اور دُعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے ——— اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر "برکت" ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے لیے بھرپور نوازش وعنایت اور خیر و

نعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر اضافہ و ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہر حال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو "صلوٰۃ" کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو ——— اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ کے واسطے برکت یا رحمت کی دُعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ و عبارات میں بار بار عرض و معروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدقِ طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کے لیے یہی مناسب ہے۔ اس لیے اس درود شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے۔ اور بعض دوسری روایات میں (جو عنقریب درج ہوں گی) صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترحم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود شریف میں لفظ "آل" کا مطلب: ———

اس درود شریف میں "آل" کا لفظ چار دفعہ آیا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ "گھرانے والوں" کیا ہے ——— عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو جیسے اس کے بیوی بچے، یا رفاقت اور عقیدت و محبت، اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین[1] ——— اس لیے نفس لغت کے لحاظ سے

---

[1] امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں "آل" کے معنی بیان کرتے ہوئے (اگلے صفحہ پر)

یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں ــــــ لیکن اگلے ہی نمبر پر اسی مضمون کی حضرت ابو حُمید ساعدی کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس میں دُرود شریف کے جو الفاظ ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "آل" سے "گھرانے والے" ہی مراد ہیں یعنی آپؐ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی نسل و اولاد، اور جس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف حاصل ہے (جو دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ درجہ میں ان سے افضل ہوں) اسی طرح یہ بھی ان کا ایک مخصوص شرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان پر بھی درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ازواجِ مطہرات وغیرہ جو لفظ "آل" کے مصداق ہیں، اُمت میں سب سے افضل ہوں، عند اللہ افضلیت کا مدار ایمان اور ایمان والے اعمال اور ایمانی کیفیات پر ہے جس کا جامع عنوان تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ــــــ

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس دُنیا میں بھی جب کوئی مخلص محب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص مرغوب تحفہ اور سوغات پیش کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر خود وہ بزرگ اور ان کے ذاتی تعلق کی بنا پر ان کے گھر والے ہوتے ہیں اور اس مخلص کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ یہ تحفہ ان بزرگ کے ساتھ ان کے گھر والے یعنی اہل و عیال بھی استعمال کریں، کسی کے ساتھ تعلق و محبت کا دراصل یہ فطری تقاضا ہے ــــــ درود شریف بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تحفہ اور سوغات ہے، اس میں آپ کے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ــــــ

لکھا ہے "ویستعمل فیمن یختص بالانسان اختصاصاً ذاتیا امّا بقرابۃ قریبۃ او بموالاۃ قال عزوجل (وآل ابراھیم وآل عمران) وقال (ادخلوا آل فرعون اشد العذاب) ص۳۰

ساتھ آپ کے خاص متعلقین یعنی اہل و عیال کو بھی شریک کرنا بلاشبہ آپ کی محبت کا تقاضا ہے، اور اس سے آپ کے قلب مبارک کا بہت زیادہ خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے ــــــ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی کلامی بحث کرنا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے ــــــ بہرحال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں آلِ محمدؐ سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے، اور اسی طرح سے آلِ ابراہیمؑ سے حضرت ابراہیمؑ کے گھر والے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝ بلاشبہ آلِ ابراہیمؑ وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔

درود شریف میں تشبیہ کی حقیقت اور نوعیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین فرمائے ہوئے اس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل کرنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جیسی کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل فرمائی ــــــ اس تشبیہ کے بارے میں ایک مشہور علمی اشکال ہے کہ تشبیہ میں مُشَبَّہ، مُشَبَّہ بہ کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے اور مُشَبَّہ بہ اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔ مثلاً ٹھنڈے پانی کو برف سے تشبیہ دی جاتی ہو تو پانی خواہ کتنا ہی ٹھنڈا ہو ٹھنڈک میں بہرحال برف سے کمتر ہوتا ہے اور برف میں اس سے زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے ــــــ اس اصول پر درود شریف کی مذکورہ بالا تشبیہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر نازل ہونے والی صلوات و برکات ان صلوات و برکات سے اعلیٰ اور افضل ہوں جن کی اس درود پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے استدعا اور التجا کی گئی ہے۔

شارحین حدیث نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیے ہیں جو فتح الباری وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ تشبیہ کبھی صرف نوعیت کی تعیین کے لیے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی خاص قسم کے کپڑے کا ایک پرانا ٹکڑا لے کر کپڑے کی بڑی دکان پر جاتا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہیے، حالانکہ جس ٹکڑے کو وہ نمونے کے طور پر دکھا رہا ہے اور جو مشبہ بہ ہے وہ ایک پرانا اور بے قیمت ٹکڑا ہے اور اسی قسم کا جو کپڑا وہ دوکاندار سے چاہتا ہے وہ ظاہر ہے کہ نیا اور قیمتی ہوگا اور اس لحاظ سے نمونہ والے ٹکڑے سے بہتر ہوگا ــــ پس درود شریف میں تشبیہ اسی قسم کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس خاص نوعیت کی صلوات و برکات سے سیدنا ابراہیمؑ و آلِ ابراہیم کو نوازا گیا، اسی نوعیت کی صلوات و برکات سیدنا محمدؐ و آلِ محمد پر نازل فرمائی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام نبیوں بلکہ ساری مخلوق میں یہ امتیازات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا) ان کو امامتِ کبریٰ کے عظیم شرف سے مشرف اور سرفراز فرمایا (اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۰) ان کو بیت اللہ کا بانی بنایا۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ اُن ہی کی نسل اور اُن ہی کے اخلاف میں منحصر کر دیا گیا ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشیں اور عنایتیں نہیں ہوئیں اور کسی کو بھی محبوبیت و مقبولیت کا یہ مقام عالی عطا نہیں ہوا۔ پس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا اور التجا کی جاتی ہے کہ اسی قسم کی اور اسی نوع کی عنایتیں اور نوازشیں اپنے حبیب حضرت محمدؐ اور اُن کی آل پر بھی فرما اور محبوبیت و مقبولیت کا ویسا ہی مقام ان کو بھی عطا فرما ــــ الغرض یہ تشبیہ صرف نوعیت کی تعیین اور وضاحت کے لیے ہے جس میں بسا اوقات مشبہ مشبہ بہ کے مقابلہ میں

اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے اور اس کی مثال وہی ہے جو اوپر کپڑے کی دی گئی ہے۔

دُرودِ شریف کا اوّل و آخر اَللّٰھُمَّ ـــ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

دُرودِ شریف کو اَللّٰھُمَّ سے شروع کرکے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں حمید و مجید پر ختم کیا گیا ہے۔ بعض جلیل القدر ائمہ سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حُسنیٰ کے قائم مقام ہے۔ اور اس کے ذریعہ دُعا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تمام اسماءِ حسنیٰ کے ذریعہ دُعا کی جائے۔ شیخ ابن القیم نے جلاء الافہام میں اس پر بڑی نفیس فاضلانہ بحث کی ہے جو اہلِ علم کے لیے قابل دید ہے! انہوں نے بتایا ہے کہ یہ معنیٰ اَللّٰھُمَّ کی میم مشدد سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو فلسفۂ لغت سے ثابت کیا ہے پھر اس دعوے کی تائید میں چند ائمہ سلف کے اقوال بھی نقل کیے ہیں[۱]۔ اور حمید و مجید اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفاتِ جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں حمید وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور سزاوار ہو ـــ اور مجید وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجۂ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو تمام صفاتِ جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے اس لیے سیّدنا محمد اور آلِ محمد پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی تجھ ہی سے استدعا ہے ـــ قرآن مجید میں

---

[۱] زیر بحث صفحہ پر یہ بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وھذا القولُ الّذی اِختَرناہ قد جاء عن غیرِ واحدٍ من السلف قال الحسن البصری اللّٰھم مجمع الدعاء وقال ابو رجاء العطاردی أن المیم فی قولہ اللّٰھم فیھا تسعۃ وتسعون إسمًا من اسماء اللہ تعالیٰ وقال النظر بن شمیل من قال اَللّٰھم فقد دعا اللہ بجمیع اسماءہ ـ جلاء الافہام ص۹۲۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہو وہاں بھی اللہ کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے انہی کو بالکل اسی طرح خاتمہ کلام بنایا گیا ہو۔ سورہ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہو رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

الغرض اَللّٰهُمَّ سے درود شریف کا آغاز اور اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہو اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بہت بڑھ جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اس درود شریف کے الفاظ کی روایتی حیثیت :—

حضرت کعب بن عجرہ کی روایت سے درود شریف کے جو الفاظ اوپر نقل کیے گئے ہیں وہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی "کتاب الانبیاء" میں روایت کیے ہیں۔ (جلد اول ص۴۷۷) اس کے علاوہ کم سے کم دو جگہ اور یہ حدیث امام بخاریؒ نے روایت کی ہے۔ ایک سورہ احزاب کی تفسیر میں (ص۷۰۸ ج ۲) اور دوسرے کتاب الدعوات میں (ص۹۴۰ ج۲) ان دونوں جگہوں پر درود شریف میں "كَمَا صَلَّيْتَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ" کے بعد عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ" کی جگہ صرف "عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ" روایت کیا ہو اور صحیح مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی صحیحین اور غیر صحیحین کی تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے فتح الباری میں اس رائے کا اظہار کیا ہو کہ کعب بن عجرہ کی روایت میں درود شریف کے پورے الفاظ یہی ہیں جو یہاں نقل کیے گئے ہیں۔ اور جن روایات میں صرف "عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ" یا "عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ" وارد ہوا ہو وہاں بعض راویوں کے حافظہ کے فرق سے ایسا ہو گیا ہو۔[۱] (فتح الباری جزو ۲۶ ص۱۵۸)

[۱] شیخ ابن القیمؒ کی کتاب "جلاء الافہام" کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ یہ درود و سلام کے (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت کعب بن عجرہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے قریب قریب یہی مضمون اور درود شریف کے قریباً یہی الفاظ کتب حدیث میں روایت کیے گئے ہیں۔ وہ تمام روایات آگے پیش کی جا رہی ہیں۔

(۱۱۳) عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ——— رواہ البخاری

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ) کے موضوع بیان کی بہترین تالیف ہے جو ان کے کمال علمی کی آئینہ دار ہے۔ لیکن درود شریف کے الفاظ کے بارے میں اس میں ان سے یہ بھول ہو گئی ہے کہ "کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" کے بارے میں انھوں نے لکھ دیا ہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح روایت میں وارد نہیں ہوئے۔ صحیح روایات میں یا صرف "علی ابراھیم" روایت کیا گیا ہے یا صرف "علی آل ابراھیم" (جلاء الافہام صفحہ ۲۳) ——— حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ کی اس روایت میں موجود ہیں جس کو امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں روایت کیا ہے (صفحہ ۴۷۷/۱) اور اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ابو سعید خدری کی روایت میں بھی موجود ہیں (صفحہ ۹۴۰/۲) ——— درود شریف کے ان الفاظ کے بارے میں قریب قریب یہی سہو شیخ ابن القیم رح کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو بھی ہوا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" کی کوئی سند میرے علم میں نہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱۹۱/۱) ——— اس طرح کے سہو بڑے بڑے اکابر سے ہو جاتے ہیں اور اس سے اُن کی جلالت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سہو و نسیان سے پاک صرف ایک ہی ذات ہے۔ "لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی" ۱۲

مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ ..... الخ" اے اللہ! اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بی بیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی آلِ ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بی بیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیم پر، اے اللہ تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار ہو اور تیرے ہی لیے ساری عظمت و بڑائی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ کعب بن عجرہؓ والی پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں۔ پہلی حدیث میں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ" اور "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ" فرمایا گیا تھا، اور اس حدیث میں دونوں جگہ "وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ" کے بجائے "وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ" فرمایا گیا ہو، اسی بنا پر اس عاجز نے پہلی حدیث کی تشریح میں ان حضرات کے قول کو راجح قرار دیا تھا جنھوں نے کہا ہو کہ درود شریف میں آلِ محمد سے مراد ازواجِ مطہرات اور آپ کی ذریتِ طیبہ ہو۔ ایک دوسرا خفیف لفظی فرق یہ بھی ہو کہ پہلی حدیث میں "کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ" اور "کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ" فرمایا گیا تھا اور اس حدیث میں دونوں جگہ صرف "عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ" ہے۔ اور حضرت ابو حمید ساعدی کی اس روایت کے علاوہ دوسرے اکثر صحابہ کی حدیثوں میں بھی جو آگے درج ہوں گی، اسی طرح صرف "عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ" وارد ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ صرف لفظی فرق ہو۔ اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ عربی محاورات میں جب کسی کا نام لے کر اس کی آل کا ذکر کیا جائے اور خود اس کا ذکر الگ نہ کیا جائے تو وہ بھی اس میں شامل ہوتا ہو۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا گیا ہو "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" (اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری قوموں میں

برگزیدہ کیا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو) ظاہر ہے کہ یہاں آل ابراہیم میں خود حضرت ابراہیم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح "وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ" اور "وَاَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ" میں خود فرعون بھی شامل ہے۔

بہرحال ان دونوں حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں ان میں خفیف سا فرق صرف الفاظ میں ہے۔ اسی لیے علماء و فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں سے آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات آ رہے ہیں، جن میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے، وہ سب بھی نماز میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

(۲۱۲) عَنْ اَبِي مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ بَشِيْرُ بْنُ سَعْدٍ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ؟ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَمَنَّيْنَا اَنَّهُ لَمْ يَسْئَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کچھ لوگ سعد بن عبادہ کی نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو (حاضرین مجلس میں سے) بشیر بن سعد نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے (ہمیں بتائیے کہ) ہم کس طرح آپ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ دیر تک خاموش رہے اور آپ نے بشیر بن سعد کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا (جس سے ہمیں یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ سوال آپ کو اچھا نہیں لگا) یہاں تک کہ ہمارے دل میں آیا کہ کاش یہ سوال نہ کیا گیا ہوتا، پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ	اے اللہ اپنی خاص نوازش و عنایت
وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ	اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور ان کے
عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ	گھرانے والوں پر جس طرح تو نے نوازش و
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ	عنایت اور رحمت فرمائی حضرت ابراہیم
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى	کے گھرانے پر اور اپنی خاص برکتیں نازل
آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ	فرما حضرت محمد اور ان کے گھرانے پر،
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ــــ	جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت
وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ ـ	ابراہیم کے گھرانے پر، ساری دنیا میں تو

حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لیے ساری عظمت و بزرگی ہے ــ
اور سلام اُس طرح جس طرح کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو مسعود انصاری کی اس حدیث کی طبری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب بشیر بن سعد نے آپ سے سوال کیا کہ ہم آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں؟ تو آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی (فَسَكَتَ حَتّٰى جَاءَهُ الْوَحْيُ) اس کے بعد آپ نے مندرجہ بالا درود تلقین فرمایا ــ اس اضافہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کی خاموشی وحی کے انتظار میں تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درود شریف کے کلمات آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے تھے ــــ اور مزید یہ بھی معلوم ہو گیا

کہ درود کے بارے میں یہ سوال آپ سے پہلی دفعہ سعد بن عبادہ کی مجلس ہی میں کیا گیا تھا جبکے جواب میں آپ کو وحی کا انتظار کرنا پڑا ــــ دوسرے بعض صحابہ (کعب بن عجرہ اور ابو حمید ساعدی وغیرہ) کی روایات میں جو اسی طرح کے سوال کا ذکر ہے وہ یا تو اسی مجلس کے واقعہ کا بیان ہے۔ یا مختلف حضرات نے مختلف موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا اور آپ نے جواب میں ان کو درود شریف کے وہ کلمات تلقین فرمائے جو ان کی روایات میں وارد ہیں۔ اکثر احادیث کے سیاق اور الفاظ و کلمات کے فرق سے اسی دوسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابو سعید انصاری کی اس حدیث کی امام احمد اور ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ کی روایات میں ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ بشیر بن سعد نے درود بھیجنے کے بارے میں سوال کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلٰوتِنَا۔ جب ہم نماز میں آپ پر درود بھیجیں تو کس طرح بھیجا کریں؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سوال خاص طور سے نماز میں درود پڑھنے کے بارے میں کیا گیا تھا اور یہ درود ابراہیمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے نماز میں پڑھنے کے لیے تلقین فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری کی اس روایت میں بھی ابو حمید ساعدی کی حدیث کی طرح "كَمَا صَلَّيْتَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ" کے بعد صرف "عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ" روایت کیا گیا ہو اور آخر میں "إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" سے پہلے "فِي الْعَالَمِيْنَ" کا اضافہ بھی ہے۔

(۳۱۳) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَلِمْنَا فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ ـــــــ رواہ البخاری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو گیا (یعنی تشہد کے ضمن میں بتا دیا گیا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" اب ہمیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ ہم آپ پر "صلوٰۃ" کس طرح بھیجا کریں؟ ـــــ آپ نے فرمایا ـــــ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ	اے اللہ اپنی خاص عنایت و نوازش
عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا	اور محبت و رحمت فرما اپنے خاص بندے
صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	اور رسول (حضرت) محمد پر، جیسی تو نے
وَبَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ	نوازش و عنایت اور محبت و رحمت
وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ	فرمائی (اپنے خلیل حضرت) ابراہیم پر
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ۔	اور خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد
ـــــ رواہ البخاری	آلِ محمد پر جس طرح تو نے برکتیں نازل

فرمائیں حضرت ابراہیم و آلِ ابراہیم پر ـــــ (صحیح بخاری)

(۱۴۳) عَنْ طَلْحَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ـــــ (رواہ النسائی)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے پیغمبر خدا ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجا کریں؟ ـــــ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو۔ اے اللہ نوازش و عنایت اور محبت و رحمت

فرما محمد پر جیسی نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرمائی تو نے ابراہیم پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور ہر طرح کی عظمت و بزرگی تیرے لیے ہے۔ (سنن نسائی)

(۳۱۵) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا السَّلَامَ عَلَيْكَ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ قُوْلُوا اللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

——— رواہ احمد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا اب بتا دیجئے کہ آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجی جائے؟ — آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو،

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ	اے اللہ اپنی خاص نوازشیں، عنایتیں
وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ	اور اپنی مخصوص رحمت نازل فرما حضرت
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى	محمد اور ان کے گھر والوں پر، جیسے تو نے
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝	نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر، تو ہر حمد و

ستائش کا سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے ——— (مسند احمد)

(۳۱۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

——— رواہ احمد و ابن حبان والدارقطنی والبیہقی فی السنن

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر صلوٰۃ بھیجو تو اس طرح کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ (مسند احمد، صحیح ابن حبان سنن دارقطنی، سنن بیہقی)

[چونکہ درود پاک کے ان کلمات کا ترجمہ بار بار کیا جا چکا ہے اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔]

(تشریح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک آپ کی امتیازی صفت اور خاص لقب "النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ" کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں آپ کی یہ صفت ایک خاص نشانی اور پہچان کے طور پر ذکر کی گئی ہے (اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ـــــ الاعراف) اس آیت میں اشارہ ہے کہ تورات و انجیل میں آپ کا ذکر اس صفت کے ساتھ کیا گیا تھا۔ "اُمّی" کے معنی ہیں "بے لکھے پڑھے" مطلب یہ ہے کہ جو علم و ہدایت آپ لے کر آئے وہ آپ نے کسی اُستاد یا کتاب سے حاصل نہیں کیا ہے، بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے لحاظ سے آپ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اس صفت اور اس لقب میں ایک خاص محبوبیت ہے اور اس چھوٹے سے لفظ میں آپ کی نبوت و رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل پیش کر دی گئی ہے ○

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

(۳۱۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ صَلُّوْا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ وَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ——— رواه احمد والنسائی

حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ تو آپ نے فرمایا مجھ پر درود بھیجا کرو اور خوب اہتمام اور دل لگا کے دعا کیا کرو اور یوں عرض کیا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔" (اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر اپنی خاص عنایت و رحمت اور برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں، تو ہر حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور عظمت و بزرگی تیری صفت ہے) (مسند احمد، سنن نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خارجہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ درود کے کلمات بھی تلقین فرمائے اور اس سے پہلے ارشاد فرمایا "صَلُّوْا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ" اس عاجز نے "وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ" کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ درود شریف جو دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک دعا ہے، صرف زبان سے سرسری طور پر نہیں، بلکہ اہتمام اور دل کی پوری توجہ سے مانگی جائے۔ واللہ اعلم۔

(۳۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ مَنْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ

عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، شَهِدْتُّ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشَفَعْتُ لَهٗ ——— رواہ الطبری فی تہذیب الآثار (فتح الباری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ" تو میں قیامت کے دن اس کے لیے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

(تہذیب الآثار للطبری)

(تشریح) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی ہوئی اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے صلوٰۃ اور برکت کے علاوہ ترحّم کی بھی دعا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے علماء اور فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ دعا تو عام مومنین کے لیے کی جاتی ہے لیکن اگر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت اور ترحّم کی استدعا آپ کے لیے کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ کے لیے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ کے روایت کیے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا

کے بعد ترحّم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح ترحّم کی استدعا صلوٰۃ و سلام کا تکملہ بن جاتی ہے۔

(۳۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلِ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اس سے خوشی ہو اور وہ چاہے کہ مجھ پر اور میرے گھر والوں پر درود بھیج کر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ اور بھرپور حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے۔

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (سنن ابی داؤد)

اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما نبی اُمّی حضرت محمد پر اور ان کی ازواج مطہرات اُمّہات المومنین پر اور ان کے سب گھر والوں پر، تو ہر حمد و ستائش کا مستحق و سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ہی صفت ہے۔

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ درودوں میں یہ درود سب سے افضل ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ اور بھرپور رحمت و برکت اور اجر و ثواب حاصل کرنا چاہے وہ یہ درود پڑھے ــــ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ نماز میں تو وہ درود پڑھنا افضل ہے جو ابتدائی حدیثوں میں گزر چکا اور نماز سے

باہر یہ درود افضل ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

(۳۲۰) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَدَّهُنَّ فِي يَدِي جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ جِبْرَئِيْلُ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

——— رواه البيهقي في شعب الايمان والديلمي

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ رب العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اترے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ........ الخ

(مسند فردوس دیلمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ اور برکت اور ترحم کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحنن کی استدعا کی گئی ہے۔ تحنن کے مفہوم کو اُردو زبان میں شفقت اور پیار دُلار سے ادا کیا جا سکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔

اس حدیث کے بارہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب مستدرک ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری کی "معرفۃ علم الحدیث" کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے، ساتھ ہی سیوطی سے نقل کیا گیا ہو کہ انھیں اس حدیث کے بعض اور "طریقے" بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابن عساکر کے حوالے سے کنز العمال میں بھی درج ہے اور اصحاب فن کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل عمل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علی والی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "غایۃ الامر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔" (شرح شفاء صفحہ ۲۰۹) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود یہاں درج کر دی گئی ہے۔

یہاں تک جو احادیث درج ہوئیں جن میں درود و سلام کے کلمات تلقین فرمائے گئے ہیں، یہ سب مرفوع حدیثیں تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے

اور ان میں درود و سلام کے جو کلمات تعلیم فرمائے گئے ہیں ـــــ ان سب کی بنیاد وحی ربانی پر ہے، حضرت ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث کے ذیل میں اوپر گزر چکا ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشیر بن سعد نے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں؟ تو آپ کچھ دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ وحی آئی اس کے بعد آپ نے درودِ ابراہیمی تلقین فرمایا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے بارہ میں آپ کو بنیادی رہنمائی وحی سے ملی تھی، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ درود و سلام کے جو کلمات بھی کسی وقت آپ نے تلقین فرمائے اُن کی بنیاد وحی پر ہے اور یہ فضیلت درود و سلام کے انھیں کلمات کو حاصل ہے جو کسی وقت آپ نے تعلیم فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض صحابۂ کرام اور دوسرے سلف صالحین سے درود و سلام کے جو کلمات منقول ہیں ان کو یہ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے بعض لفظی اور معنوی لحاظ سے بہت ہی بلند ہیں اور ان کی مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں ہے ـــــ ان میں سے ایک جو کتبِ حدیث میں فقیہ الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا گیا ہے، اور دوسرا جو حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے یہاں درج کیے جا رہے ہیں اور انہی پر روایات کا یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔

(۲۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوا الصَّلٰوةَ عَلَيْهِ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذَالِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ فَقَالُوْا لَهُ فَعَلِّمْنَا، فَقَالَ قُوْلُوْا

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى

اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

—————— رواہ ابن ماجہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو بہتر سے بہتر طریقہ پر درود بھیجنے کی کوشش کرو، تم جانتے نہیں ہو انشاء اللہ تمہارا وہ درود آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا ۔۔۔ لوگوں نے عرض کیا تو آپ ہمیں بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ ہم کس طرح درود بھیجا کریں ۔۔۔ آپ نے فرمایا یوں عرض کیا کرو ۔

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ ..... اِلٰى قَوْلِهٖ ..... اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

(اے اللہ اپنی خاص عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرما سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں، نیکی اور بھلائی کے راستہ کے امام اور راہنما ہیں، رحمت والے پیغمبر ہیں (یعنی جن کا وجود ساری دنیا کے لیے باعث رحمت ہے) ۔۔۔ اے اللہ ان کو اس "مقام محمود" پر فائز فرما جو اولین و آخرین کے لیے قابل رشک ہو ۔۔۔ اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر اپنی خاص نوازشیں اور عنایتیں فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر نوازشیں اور عنایتیں فرمائیں اور حضرت محمد و آل محمد پر اپنی خاص برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں تیری ذات ہر حمد و ستائش کی سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے ۔　　(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) درود شریف کے یہ کلمات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو تعلیم فرمائے تھے۔ بلاشبہ بڑے مبارک اور مقبول کلمات ہیں اور اس میں وہ درود ابراہیمی بھی لفظ بہ لفظ شامل ہے جو کعب بن عجرہ کی اس روایت میں گزر چکا ہے جو صحیحین کے حوالہ سے سب سے پہلے درج کی جا چکی ہے۔

(۳۲۲) عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ ــــ
لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ الدَّاعِي إِلَيْكَ بِإِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ

ــــ اوردہ القاضی عیاض فی کتاب الشفا

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح درود بھیجتے تھے ــــ (پہلے سورۂ احزاب کی آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے) ــــ إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ ــــ اس کے بعد کہتے "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ" اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسر و چشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔

"صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ .... الخ"

اُس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں، اور اس کے ملائکۂ مقربین اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اُس ساری مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے بہترین دُعائیں اور نیک تمنائیں ہوں حضرت محمد بن عبداللہ کے لیے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں نافرمانوں کو بُرے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں، جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کیے ہوئے چراغ ہیں، اور ان پر سلام ہو۔　　　　(شفاء قاضی عیاض)

(تشریح) یہ درودِ پاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ و مطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہو۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفا بحقوق المصطفیٰ" میں اس کو حضرت علی مرتضیٰؓ سے نقل کیا ہے[1] اور علامہ قسطلانی نے "مواهب لدنیه" میں شیخ زین الدین بن الحسین مراغی کی کتاب "تحقیق النصرہ فی دار الهجرہ" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ پر یہی درود پاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر ان کو بھی تعلیم فرمایا تھا[2] ——— بہرحال الفاظ و مطالب کے لحاظ سے بڑا پیارا اور رُوح پرور یہ درود ہو۔

---

[1] شرح شفاء صفحہ ۳۸۱ ج ۲　　[2] زرقانی شرح مواہب لدنیہ صفحہ ۳۹۱ ج ۷

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے درود وسلام کے جو کلمات یہاں نقل کیے گئے ان سے معلوم ہو گیا کہ امت کے لیے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف آپ کے تلقین فرمائے کلمات ہی کے ذریعہ درود وسلام بھیجے، بلکہ ارباب ذوق ومحبت کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہے وہ حدود شریعت کے پابند رہتے ہوئے اپنے ذوق و شوق کے تقاضے کے مطابق دوسرے کلمات کے ذریعہ بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیج سکتے ہیں ــــ چنانچہ بہت سے اکابر امت، تابعین اور بعد کے علماء عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں لیکن وہ سلسلۂ معارف الحدیث کے دائرہ سے باہر ہیں اس لیے ان کو یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو ان میں سے بھی چند منتخب کلمات کو ایک مستقل مضمون میں جمع کرنے اور ان پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے معارف الحدیث کی پانچویں جلد یہاں ختم ہو گئی ــــ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے مؤلف اور ناظرین کے لیے وسیلۂ رحمت ومغفرت بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

مَعَارِفُ الحَدِیث

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

مَعَارِفُ الْحَدِيث

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ششم
(حصہ اوّل)

کِتَابُ الْمُعَاشَرَةِ وَالْمُعَامَلَات

تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ

بار دوم یک ہزار	قیمت مجلد ۱۵/-
اکتوبر سنہ ۱۹۷۶ء	غیر مجلد ۱۲/۵۰

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ
از نبیِ اُمّی پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں۔ جو
"نبیِ اُمّی" سیدنا حضرت محمد ﷺ عربی (فداہ اُمّی وابی وروحی وقلبی)
پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپؐ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام
اولادِ آدمؑ کی نجات کا یقین کرتے ہیں
اور اسلئے آپؐ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آیئے
علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہوکر
آپؐ کے ارشادات سُنیں!
اور
اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دِلوں کے لئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد ششم (حصہ اوّل) ۔ بقید صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو "ہدایت" اور "دین حق" لے کر آئے اس میں سب سے پہلی چیز ایمان اور توحید کی دعوت تھی۔ پھر جو لوگ آپ کی اس دعوت کو قبول کر لیتے، ان کو آپ عملی زندگی کے بارہ میں ہدایات دیتے تھے —

آپ کی اس ہدایت اور تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے —

ایک وہ جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے، جس میں آپ نے بتلایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے۔ اور اس باب میں اُن کے فرائض کیا ہیں، اور اس حق اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرا حصہ آپ کی تعلیم کا وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں، اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہئے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں —

حقوق العباد کا مسئلہ اس لحاظ سے زیادہ اہم اور قابل فکر ہے کہ اس میں اگر تقصیر

اور کوتاہی ہو جائے یعنی کسی بندہ کی ہم سے حق تلفی یا اس پر ظلم و زیادتی ہو جائے تو اسکی معافی اور اُس سے نجات و سبکدوشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے (جو رحیم و کریم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ یا تو اس دُنیا میں اُس بندہ کا حق ادا کر دیا جائے یا اُس سے معافی حاصل کر لی جائے، اگر ان دونوں میں سے کوئی بات بھی یہاں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اُس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا اور وہ بہت مہنگا پڑے گا یا اُس کے حساب میں آخرت کا سخت عذاب بھگتنا ہوگا، جیساکہ حدیثوں میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:-

من کانت له مظلمة لاخيه	جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم زیادتی
من عرضه او شيئ فليتحلله	کی ہو اُسکی آبرو ریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ
منه اليوم قبل ان لايكون	میں حق تلفی کی ہو تو اسکو چاہئے کہ آج ہی
دينار ولا درهم ان كان	اور اسی زندگی میں اُس سے معاملہ صاف
له عمل صالح اخذ منه بقدر	کرلے، آخرت کے اُس دن کے آنے سے پہلے
مظلمته وان لم يكن له	جب اُسکے پاس ادا کرنے کیلئے دینار درہم
حسنات اخذ من سيئات	کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر اُسکے پاس اعمال صالحہ
صاحبه فحمل عليه.	ہونگے تو اُسکے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلادیئے
(صحيح بخاری، ابواب المظالم والقصاص)	جائینگے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ

ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لاد دیئے جائینگے (اور اسطرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائیگا)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، آپؐ نے فرمایا:-

الدواوين ثلثة ديوان لا　　اعمالنامے (جن میں بندوں کے گناہ لکھے

يغفر الله الاشراك بالله يقول الله عزوجل "ان الله لا يغفر ان يشرك به" وديوان لا يتركه الله ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم وبين الله فذالك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه ۔
— رواه البيهقي في شعب الايمان (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۵)

گئے ہیں) تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو ہرگز معافی اور بخشش نہ ہوگی، وہ "شرک" ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ ہرگز نہیں بخشے گا — اور گناہوں کی ایک وہ فہرست ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا، وہ بندوں کے باہمی مظالم، زیادتیاں اور حق تلفیاں ہیں ان کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا۔ اور ایک فہرست گناہوں کی وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت اور پرواہ نہیں یہ بندوں کے وہ مظالم اور وہ تقصیرات ہیں جن کا تعلق بس ان سے اور ان کے اللہ سے ہے، ان کے بارہ میں فیصلہ بس اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کو معاف کردے۔

بہرحال حقوق العباد کا معاملہ اس لحاظ سے بہت زیادہ سنگین اور قابلِ فکر ہے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے (جو کریم و رحیم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ وہ بندوں ہی سے متعلق ہے اور انکا حال معلوم ہے۔

پھر حقوق العباد سے متعلق آپ کی تعلیم و ہدایت کے بھی دو حصے ہیں، ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ، اولاد کا ماں باپ کے ساتھ، بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، قریب و بعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ، نوکروں، ماتحتوں کے ساتھ، خاص کر کمزور اور ضرورتمند طبقوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے۔ علیٰ ہذا آپس میں ملنے جلنے، ہنسنے بولنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، شادی بیاہ اور خوشی یا غم کے موقعوں پر کن احکام اور آداب کی پابندی

کرنی چاہیے ــــــ دین کے اس حصہ کا جامع عنوان **معاشرت** ہے۔

دوسرا حصہ **حقوق العباد** سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا وہ ہے جس میں معاشی مالی معاملات مثلاً خرید و فروخت، تجارت و زراعت، قرض، امانت، ہبہ و وصیت، محنت و مزدوری یا باہمی نزاعات میں عدل و انصاف، محکمۂ قضا اور شہادت و وکالت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، اس کا جامع عنوان **معاملات** ہے۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث ایک خاص نہج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی تھی جن کو حضرات محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابواب ایمان میں درج کیا ہے، اور قیامت آخرت، جنت، دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اس جلد میں شامل کر دیا گیا تھا، کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔

پھر دوسری جلد (کتاب الرقاق والاخلاق) میں ان حدیثوں کی تشریح کی گئی جن کا تعلق ابواب زہد و رقاق اور اخلاق سے ہے کیونکہ ایمان اور احسان سے ان کا بہت قریبی رابطہ ہے اور ان کا تعلق بھی عملی زندگی سے نہیں بلکہ قلب و باطن سے ہے۔

پھر تیسری جلد میں طہارت و نماز، اور چوتھی جلد میں زکوٰۃ، روزہ اور حج، اور پانچویں جلد میں، تلاوت قرآن، اذکار و دعوات، توبہ و استغفار وغیرہ سے متعلق احادیث جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی ــــــ اس طرح ان تینوں جلدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا وہ حصہ ضروری تشریح اور وضاحت کے ساتھ کم از کم اصولی طور پر پورا آگیا جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خاص کر **عبادات** سے ہے۔

اب یہ چھٹی جلد ــــ جس کو ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا ــــ اس میں کتب حدیث سے وہ حدیثیں منتخب کر کے ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق

حقوق العباد یعنی معاشرت اور معاملات کے ابواب سے ہے۔

جلد ششم حصہ اوّل (جو آپکے ہاتھ میں ہے) اس میں صرف ابواب معاشرت سے متعلق سوا تین سو حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے، اسکی جامعیت کا کچھ اندازہ آپ اُس فہرستِ عنوانات سے بھی کر سکتے ہیں جو کتاب کے شروع میں شامل ہے ——— اسکے حصہ دوم میں معاشرت و معاملات کے بقیہ ابواب، مثلاً نکاح و طلاق اور اُنکے متعلقات۔ اور تجارت و زراعت، وصیت و امانت، قرض و ہبہ اور اجارہ و وکالت وغیرہ معاشی و مالی معاملات اور قضاء و عدالت وغیرہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و معمولات کی تشریح انشاء اللہ اسی انداز میں آپکے سامنے آئیگی۔ واللہ الموفق۔

اس جلد کی بھی زیادہ تر بلکہ قریباً تمام تر حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح، جمع الفوائد اور کنز العمال سے منتخب کی گئی ہیں اور سابقہ جلدوں کی طرح اسکی احادیث کی تخریج میں بھی انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف انہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا جمہور محدثین کے نزدیک اسکی صحت کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

حدیثوں کی ترتیب و تشریح اور عنوانات وغیرہ میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، اور اُن ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر سابقہ جلدوں کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے، اس لئے اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس سلسلہ معارف الحدیث کی تالیف سے مقصود چونکہ عام تفہیم ہے اس لئے اس جلد کی حدیثوں کے ترجمہ میں بھی لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے لیکن اگر مصنف سے کسی حدیث کا مفہوم سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی ہو گئی ہو (جو بلاشبہ ممکن ہے) تو جو صاحب علم اُس پر مطلع ہوں وہ از راہ کرم اس عاجز کو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔

—— واجرہم علی اللہ

اپنے باتوفیق ناظرین سے

آخری گذارش یا وصیّت!

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے

کہ

حدیثِ نبوی کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضورؐ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں ——— اور ہم سُن رہے ہیں

اگر ایسا کیا گیا ——— تو

قلب و رُوح کو اُن انوار و برکات اور اُن ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبویؐ کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رُوحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی ——— اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اندراہِ ادب حدیثِ نبویؐ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے ——— اللہ تعالیٰ راقم سطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے

آخری بات اللہ کی حمد اور اُس کا شکر ہے اور اِس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حُسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجاء

عاجز و گنہگار بندہ ——— محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ربیع الاول ۱۳۹۵ھ ——— اپریل ۱۹۷۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں —— اس سلسلۂ معارف الحدیث کی اس سے پہلی پانچ جلدوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اور آپؐ کے جو ارشادات مرتب کر کے پیش کئے جا چکے ہیں اُن کا تعلق یا عقائد و ایمانیات سے تھا یا اخلاق و جذبات اور قلب و روح کی کیفیات سے یا طہارت اور نماز روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور اذکار و دعوات سے! —— اب اُن احادیث کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جن کا تعلق معاشرتی حقوق و آداب اور معاشی معاملات سے ہے، اور جن سے معلوم ہو گا کہ ہم اپنے ابنائے جنس اور عزیزوں قریبوں، چھوٹوں اور بڑوں، اپنوں اور پرایوں کے ساتھ، جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں، کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں —— اور لین دین، خرید و فروخت، قرض و امانت، تجارت و زراعت، مزدوری و دستکاری کارخانہ داری و کرایہ داری، اور اسی طرح دوسرے معاشی مشغلوں کے بارے میں اللہ و رسولؐ کے کیا احکام ہیں، اور اُن کی کون سی شکلیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔

———————

معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت :————

یہ دونوں باب (معاشرت و معاملات) اِس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایت ربّانی اور خواہشاتِ نفسانی، اور احکامِ شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہے، اِسلئے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری اور اُس کے رسولؐ اور اس کی شریعت کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی، ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور رُوح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کرسکتا۔

معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات

اِس تمہید کے بعد ہم پہلے معاشرت کے سلسلہ کی حدیثیں پیش کرتے ہیں نکاح و طلاق اور عدّت و نفقہ وغیرہ سے متعلق احادیث بھی اس ضمن میں درج ہوں گی۔

معاشرتی احکام و ہدایات کا سلسلہ بچے کی پیدائش ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ اسلئے ہم انہی حدیثوں سے اس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں جن میں پیدائش ہی کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں، اور بتلایا گیا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں ماں باپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں

نومولود بچہ کے کان میں اذان :——

(۱) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ ——— رواہ الترمذی و ابوداؤد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (اپنے نواسے) حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا جب (آپ کی صاحبزادی) فاطمہ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت ابورافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابویعلی موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نومولود بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی، اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ امّ الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید

اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُس کے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے ـــــ اذان و اقامت میں دینِ حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اسلئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے وقت نومولود مسلمان بچّے کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی، اور جب عُمر پوری کرنے کے بعد اُس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ تبلادیا اور جتلادیا کہ مومن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور وہ بس اس طرح گزرنی چاہئے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اُس کی تیاری میں گزرتی ہے ـــــ نیز یہ کہ مسلمان بچّے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اُس کے کان میں اذان دی جائے، اور آخری حق یہ ہے کہ اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دُعائے برکت :ـــــ

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابۂ کرامؓ کو آپ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نومولود بچے آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ اُن کے لئے خیر و برکت کی دُعا فرما دیں، اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مَل دیں، اور اپنا لُعابِ دہن اُس کے مُنہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو ـــــ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ.

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ان کیلئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے ——— (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِي حِجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِي فِيهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ.

رواہ البخاری ومسلم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء میں ان کے ولادت ہوئی، اور عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے کہتی ہیں کہ میں بچے کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے چھوارہ منگوایا اور اس کو چبایا پھر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کے تالو پر ملا، پھر اس کے لئے دعا کی اور برکت سے نوازا، اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صحیح بخاری کی اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت

عبداللہ بن زبیرؓ کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خاص کر اسلئے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ اُن کے بچے پیدا ہی نہ ہوں گے ——— عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے وہ ذلیل ہوئے۔

کتب حدیث میں "تحنیک" کے بہت سے واقعات مروی ہیں ——— ان سے معلوم ہوا کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس اُس کو لے جائیں، اس کے لئے خیر و برکت کی دُعا بھی کرائیں اور "تحنیک" بھی کرائیں۔ یہ اُن سنّتوں میں سے ہے جن کا رواج بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

عقیقہ : ———

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملّتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لیکے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے، اور اُس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملّتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ہے) ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب

ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

(۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلِقُ رَأْسَهُ وَنُلَطِّخُهُ بِزَعْفَرَانٍ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اُس کے خون سے بچّے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچّے کا سر صاف کرا کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں (سنن ابی داؤد)

اور اسی حدیث کی رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ ہم بچّے کا نام بھی رکھتے ہیں۔

(۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ فَإِذَا حَلَقُوا رَأْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوهَا عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوقًا۔

رواہ ابن حبان فی صحیحہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچّے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ

کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اس کے سر پہ رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے، یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو" ——— (صحیح حبان)

(تشریح) خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کیجاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا۔ چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اور یہ بنیادی طور پر شریعتِ اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا، اور غالباً مناسکِ حج کی طرح ملتِ ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ غالباً لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے[1]۔ البتہ دونوں صنفوں میں جو قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانونِ شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

---

[1] ان الیہود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجاریۃ فعقوا عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃً ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔ (کنز العمال) صفحہ ۲۶۲ جلد ۸

(۶) عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اُنَاثًا۔

رواہ الترمذی والنسائی

اُمِّ کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ (عقیقہ کے بارے میں) فرمارہے تھے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ ۔۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی سنن نسائی)

(۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً ۔۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :—
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے بچہ پیدا ہو، اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے، تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے ۔۔۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض وواجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ۔۔۔۔ اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے ورنہ ایک بھی کافی ہے ۔۔۔۔۔۔
آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں ایک ہی ایک بکری کی قربانی کی تھی۔

(۸) عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی

حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ہر بچّہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اُس کا سر منڈوا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) عقیقہ کے جانور کے عوض بچّے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچّہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچّہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اسلئے نہیں دیا گیا کہ اُس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اُسی دن بچّے کا سر صاف کرا دینے میں طبّی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدّت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچّہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اُس کا سر صاف کرا دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

اِس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ

کے ساتھ ساتویں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے ـــــ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا، اسلئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام بھی رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے اُن کا مطلب یہی سمجھنا چاہیئے۔

(۹) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى ـــــ رواه البخاری

حضرت سلمان بن عامر الضبیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بچے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچے کی طرف سے قربانی کرو اور اُس کا سر صاف کرا دو ـــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچے کا سر منڈوا دینا اور دوسرا اُس کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے، اور یہ ملتِ ابراہیمیؑ کے شعائر میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے، اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، اور یہ بچہ بھی ملتِ ابراہیمیؑ ہی کا ایک فرد ہے۔

(١٠) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا۔

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسوں) حسنؓ اور حسینؓ کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اسلئے کی کہ اُس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح اُن لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی ——— اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابلِ ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(١١) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَّقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِيْ رَأْسَهٗ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا اَوْبَعْضَ دِرْهَمٍ

رواہ الترمذی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی، اور آپ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو، ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم برابر یا اس سے

بھی کچھ کم تھے ــــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرما دیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں، تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

تسمیہ (نام رکھنا): ــــــــــ

بچے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔ احادیثِ نبویؐ میں اس بارے میں بھی واضح ہدایات وارد ہوئی ہیں۔

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهٗ وَيُحْسِنَ اَدَبَهٗ ــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے ــــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا یَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ اِسْمُهٗ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَهٗ ——— رواہ ابوالشیخ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے، اسلئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے ——— (ابوالشیخ)

(۱۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَكُمْ ——— رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔

——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ——— (رواہ مسلم)

(تشریح) عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے، اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور یہ چیز اللہ کو پسند ہے ———

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ" (یعنی پیغمبروں کے ناموں پہ نام رکھو)۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے، جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام مُنْذِرْ رکھا ——— الغرض اس باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور آپ کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

حُسنِ ادب اور دینی تربیت : ———

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں اُن کے خاتم سیّدنا حضرت محمّد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چند روزہ دُنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اُخروی زندگی کی تمہید اور اُس کی تیاری کے لئے ہے جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے، اور جو کبھی ختم نہ ہوگی ——— اِس نقطۂ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر صاحبِ اولاد پر اُس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصوروار ہوگا ———

اِس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے ! : ———

(۱۶) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ——— رواه البیہقی فی شعب الایمان

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہلواؤ۔ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سُنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اُس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان واقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حسین بن علی کی متذکرۂ بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے ——— حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھُلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمۂ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے، اور اسی سے زبانی تعلیم وتلقین کا افتتاح ہو ——— آگے یہ بھی ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقتِ آخر آئے تو اُس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے ———

بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے، اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو ——— اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(۱۷) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ ـــــــ رواہ الترمذی

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حُسن ادب اُو اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ اُن کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

(۱۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَابَهُمْ ـــــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو، اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) اُن کو حُسن ادب سے آراستہ کرو ـــــــ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اولاد کا اکرام یہ ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اُس کی امانت سمجھ کر اُن کی قدر اور اُن کا لحاظ کیا جائے حسب استطاعت اُن کی ضروریات حیات کا بندوبست کیا جائے۔ اُن کو بوجھ اور مصیبت سمجھا جائے۔

(۱۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ ـــــــ رواہ ابوداؤد ورواہ فی شرح السنۃ عن سبرۃ بن معبد

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تمھارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو، اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار اور با شعور ہو جاتے ہیں، اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئیے، اور اس کے لئے اُن سے نماز کی پابندی کرانی چاہئیے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آجاتا ہے، اُس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئیے، اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہئیے۔ نیز اس عمر کو پہونچ جانے پر ان کو الگ الگ سُلانا چاہئیے، ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سُلانا چاہئیے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی، اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

نما صکر لڑکیوں کے ساتھ حُسن سلوک کی اہمیّت :————

آج تک بھی بہت سے علاقوں اور طبقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے، اور اسکے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے، لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بیچاری لڑکی کو باعثِ ننگ و عار تصوّر کیا جاتا تھا، اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے قسی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے، یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے ————

ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ (النحل - ع ۷)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے، تو وہ دل مسوس کے رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا، اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے، کیا اس نومولود بچی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لیجا کے مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں اُن عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیشِ نظر رکھ کے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھئے! :-

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا — يَعْنِي الذُّكُورَ — أَدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الْجَنَّةَ —

رواہ احمد والحاکم فی المستدرک

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اُسے کوئی ایذا پہونچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے، اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اُس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کیساتھ کرتا ہے)

تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حُسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنّت عطا فرمائے گا۔

(مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اُس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لئے آئی، اُس کے ساتھ اُس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے اُن کے پاس اُس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اُس بیچاری کو دے دی۔ اُسنے اُسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے، اور خود اُس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔۔۔۔۔ "جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا

سامان بنیں گی" ـــــــ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی، اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اُسنے ایک ایک دونوں بچیوں کو دے دی، اور ایک خود کھانے کیلئے اپنے مُنھ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اُس تیسری کھجور کو بھی مانگا، تو اُسنے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دے دی ـــــــ حضرت عائشہؓ اس کے اس طرزِ عمل سے بہت متاثر ہوئیں، اور انھوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ: ـــــــ " اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنّت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرما دیا" ـــــــ ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

(۲۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـــ جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سنِ بلوغ کو پہونچ جائیں، تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے ـــــــ راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا

(یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے) ——————— (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلٰثَ اَخَوَاتٍ اَوْ اُخْتَيْنِ اَوْ بِنْتَيْنِ فَاَدَّبَهُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ ——————— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کیلئے جنت کا فیصلہ ہے ——————— (سنن ابی داود، جامع ترمذی)

(تشریح) ان حدیثوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کو لڑکیوں کا صرف حق ہی نہیں تبلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلۂ جنت اور عذاب دوزخ سے نجات کا آپ نے اعلان فرمایا، اور یہ انتہائی خوش خبری سنائی کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہل ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔

داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے: ———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی کہ خاص کر داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے ——— یہ چیز

بذاتِ خود بھی مطلوب ہے، اور اُس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اِسکے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم، تو اُن میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور تقوے کے لئے تباہ کن اور ہزار فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ نا انصافی ہو گی اس کے دل میں باپ کی طرف سے مَیل آئے گا اور شکایت و کدورت پیدا ہو گی، اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہو گا۔ ان سب وجوہ سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں، اور اس رَوّیہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اس باب میں مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھیئے!:—

(۲۴) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ نَحَلْتُ اِبْنِىْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وُلْدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ؟ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ —— وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ اَعْطَيْتُ اِبْنِىْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِىْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وُلْدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ، وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ

لَا اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لیکر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے (بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، بہرحال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا :" کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے ؟" انھوں نے عرض کیا کہ :۔ نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اِسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) ۔ آپ نے فرمایا :۔ پھر یہ تو ٹھیک نہیں ۔ اور فرمایا کہ :۔ اس کو واپس لے لو ـــــــ اور ایک روایت میں ہے کہ :۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری سب اولاد یکساں طور پر تمھاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے ؟ ـــــ انھوں نے عرض کیا کہ :۔ ہاں ! حضرتؐ یہ تو ضرور چاہتا ہوں ! ۔ تو آپؐ نے فرمایا :۔ پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) ـــــــــ اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عَمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے ۔ چنانچہ میرے والد نعمان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عَمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لئے کچھ ہبہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ میں حضورؐ کو اس کا گواہ بنا دوں (اور اس طرح حضورؐ کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ :۔ کیا تم نے اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے ؟ ۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا) ۔ آپ نے

ارشاد فرمایا:۔ فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) ۔حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کرلیا اور ہبہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے :۔حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ :۔ میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جور یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل و قرائن کی بنا پر) اس کو حرام تو نہیں لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے ہو جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جد و جہد نہیں کرسکتا تو اس کے ساتھ خصوصی سلوک عدل و انصاف کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین و ملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جد و جہد میں زیادہ حصّہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز بلکہ باعث اجر ہوگا۔ علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

(۲۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ

كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ ـ

—— رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر

(اور دینے میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی اگر مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے) —— (سنن سعید ابن منصور، معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے فقہا کی ایک جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

نکاح اور شادی کی ذمہ داری: ——

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے، اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

(۲۶) عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَاَدَبَهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلَى اَبِيْهِ ـ

—— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے، پھر جب وہ سن بلوغ کو پہونچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے، اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہونچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہوگیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) اس حدیث میں اولاد کے قابلِ شادی ہو جانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بیحد بھاری اور بوجھل بنا لیا ہے اور ان کے رسم ورواج کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کئے تھے، تو یہ کام اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنا، اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

مَاں بَاپ کے حُقُوق اَولَاد پَر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور

اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی تبلائے، بلکہ اس کو آپ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں جز وِ ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا ہوا صحیفۂ ہدایت ہے، اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے ــــــ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا	اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ
تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ	صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ٥	اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا
(بنی اسرائیل۔ ع ۳)	برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ٥

(سورۂ لقمان۔ ع ۲)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

ماں باپ اولاد کی جنّت اور دوزخ ہیں :—

(۲۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ :— حضرتؐ! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے ؟— آپ نے ارشاد فرمایا کہ :— وہ تمہاری جنّت اور دوزخ ہیں —

——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت کروگے اور ان کو راضی رکھوگے تو جنّت پالوگے، اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کرکے انھیں ناراض کروگے اور ان کا دل دکھاؤگے تو پھر تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا —

اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے :—

(۲۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :— اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے، اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے، اور والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے، لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کیلئے استعمال ہوتا ہے (ماں کے لئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) ——— اس بنا پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحۃً نہیں آیا ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ : ———

(۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:- مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ - آپ نے ارشاد فرمایا کہ:- تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا گیا ہے کہ میرے دادا مُعاویہ بن حَیدہ قشیری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ "مَنْ اَبَرُّ؟" (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے؟۔ تو آپ نے فرمایا کہ "اُمَّكَ" (تمھاری ماں کا)۔ انھوں نے پوچھا "ثُمَّ مَنْ؟" (پھر کس کا حق ہے)۔ آپ نے پھر فرمایا "اُمَّكَ" (تمھاری ماں کا)۔ انھوں نے پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا "اُمَّكَ"۔ انھوں نے اس کے بعد پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟)۔ تو چوتھی دفعہ میں آپ نے فرمایا: "اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ" یعنی ماں کے بعد تمھارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہلِ قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اسلئے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حَیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم سے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حُسنِ سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے ــــــ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی اُن تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت

ہیں، اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنیوالے بدبخت اور محروم

(۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ ــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ آدمی ذلیل ہو، وہ خوار ہو، وہ رسوا ہو، ۔عرض کیا گیا، یا رسول اللہ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے) ۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ بدنصیب، جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کرکے) جنت حاصل نہ کرلے۔

ــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اوپر درج ہوچکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں (یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اسکے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخی بنادیتی ہے)۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہونچ کے ازکار رفتہ ہوجائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہونچنے کا سیدھا زینہ ہے ــــــ پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور

وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے، اور پھر اُن کی خدمت کرکے جنت تک نہ پہونچ سکے، بلاشبہ وہ بڑا بدنصیب اور محروم ہے، اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل و خوار ہوں، رسوا ہوں۔

ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم:-

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُجَاهِدُ، قَالَ أَلَكَ أَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟۔ اس نے کہا:— ہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا:— تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے —————— (سنن ابی داؤد)۔

(تشریح) غالباً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں، اور یہ ان کو چھوڑ کے اُن کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جاکر ماں باپ کی خدمت کرے، کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے، اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ جو صحابۂ کرامؓ جہاد کرتے تھے ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

(۴۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْیَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ اَحَدٌ بِالْیَمَنِ ؟ فَقَالَ اَبَوَایَ، فَقَالَ اَذِنَا لَكَ؟ قَالَ لَا، قَالَ اِرْجِعْ اِلَیْهِمَا فَاسْتَاْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَاِلَّا فَبِرَّهُمَا ـــــــ رواہ ابوداؤد واحمد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا، تو آپ نے اس سے پوچھا:۔ کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ ہاں میرے والدین ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا:۔ کیا انھوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟)۔ اس نے عرض کیا:۔ ایسا تو نہیں ہے آپ نے فرمایا:۔ تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ، اور یہاں آنے کی (اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو، پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں، تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ، اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ــــــ (سنن ابی داؤد، مسند احمد)

(تشریح) ہجرت کرکے آنے والوں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جو عام مستقل رویہ اور اسوۂ حسنہ تھا اس کی روشنی میں اس قسم کی تمام احادیث کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق اُس صورت سے ہے جب ماں باپ خدمت کے سخت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا اُن کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو، اور اس وجہ سے وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور

خبرگیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہوگی ۔

جنّت ماں کے قدموں میں ہے :—

(۳۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا — رواه احمد والنسائی

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: "میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں" آپ نے اُن سے پوچھا: — کیا تمہاری ماں ہیں؟ — انھوں نے عرض کیا: "ہاں! ہیں"۔ آپ نے فرمایا: — تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، اُن کے قدموں میں تمہاری جنت ہے — (مسند احمد، سنن نسائی)

(۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِمْتُ فَرَأَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ۔

— رواه البغوی فی شرح السنة والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: — میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں،

وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سُنی، تو میں نے دریافت کیا کہ:—
"اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟"، تو مجھے بتایا گیا کہ
"یہ حارثہ بن النعمان ہیں"—— ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری
ایسی ہی چیز ہے، ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ (رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے
بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے (یعنی اسی عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اُن کی قرأت سُنی)۔

——(شرح السنہ للبغوی و شعب الایمان للبیہقی)

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ:——

(۳۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا —— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:— حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے؟) آپ نے پوچھا:— تمہاری ماں زندہ ہے؟— اس نے عرض کیا کہ:— ماں تو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟— اس نے عرض کیا کہ:— ہاں خالہ موجود ہے، آپ نے فرمایا:— تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ

اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا) ۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے، اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرما دے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمالِ صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ) لیکن بعض اعمالِ صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے، اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

خدمت اور حسنِ سلوک کافر و مشرک ماں کا بھی حق ہے :۔۔۔

(۳۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ مُشْرِکَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلِیْهَا ۔۔۔۔۔۔۔۔ رواہ البخاری و مسلم

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریشِ مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانہ میں، میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینے میں) میرے پاس آئی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ :۔ یا رسول اللہ! میری ماں میرے

پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہشمند ہے، تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اس کی خدمت کرو (اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے) ———— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) حضرت اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں، ان کی ماں کا نام روایات میں قُتَیلہ بنت عبد العزیٰ ذکر کیا گیا ہے (جن کو حضرت ابو بکرؓ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا؛ بہرحال اسلام کے دور میں یہ اُن کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے پُرانے مشرکانہ طریقے ہی پر قائم رہیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب مشرکینِ مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہوگئی تو حضرت اسماء کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینے آئیں۔ حضرت اسماء نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: "مجھے ان کے بارے میں کیا رَویہ اختیار کرنا چاہئے، کیا ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے میں ان سے "ترکِ موالات" کروں، یا ماں کے رشتے کا لحاظ کر کے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟" آپ نے حکم دیا کہ:۔ ان کی خدمت کرو، اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔

حدیث میں "رَاغِبَةٌ" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اِس عاجز نے خواہشمند کیا ہے، اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسماء نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہشمند ہو کر آئی ہیں، یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کروں۔ بعض شارحین نے اس کا ترجمہ منحرف اور بیزار بھی کیا ہے اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اِس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ میری ماں ملنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے منحرف اور بیزار ہیں، ایسی صورت میں ان کے ساتھ میرا رَویہ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ماں ہونے کی وجہ سے اُن کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں، یا بے تعلقی اور بے رخی کا رَویہ اختیار کروں ———— بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، جو ماں کا حق ہے (نَعَمْ صِلِيْهَا)۔

اوپر قرآن مجید کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں، اور وہ اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں اور دباؤ ڈالیں تو اولاد اُن کی یہ بات تو نہ مانے، لیکن ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک برابر کرتی رہے۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد اُن کے خاص حقوق :——

اولاد پر ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے کچھ اور حقوق عائد ہو جاتے ہیں، جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا وسیلہ ہے۔

(۳۷) عَنْ اَبِىْ اُسَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِىْ سَلِمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ بَقِىَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْئٌ اَبَرُّهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِىْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا۔

—————— رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ میں کے ایک شخص آئے، اور

انھوں نے دریافت کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو اُن کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئیں؟ ۔ آپ نے فرمایا:۔ "ہاں! اُن کے لئے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا، ان کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا، اُن کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا، اُن کے تعلق سے جو رشتے ہوں اُن کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا، اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا ——— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصِلَ اَبَاهُ فِىْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ اَبِيْهِ بَعْدَهٗ ——— رواہ ابن حبان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہونچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ رکھے، جو رکھنا چاہیے ——— (صحیح ابن حبان)

(۳۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّىَ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد اُن کے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے

بھائیوں اور اہلِ محبت کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ابھی اوپر حضرت ابو اُسید ساعدی کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے اس میں ماں باپ دونوں کے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اہلِ محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

(۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْا لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور وہ اولاد زندگی میں اُن کی نافرمان اور ان کی رضا مندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دُعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے)۔

ــــــــــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک اعلیٰ درجے کا عملِ صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اُن کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دُعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف

اس سے اولاد کے اُن قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں اُن سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے ——— قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ (بنی اسرائیل ع ۲)

اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ :- اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے مجھے بچپنے میں (شفقت کے ساتھ) پالا تھا!

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دُنیوی برکات :———

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزا تو جنت اور رضائے الٰہی ہے جیسا کہ اُن احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو "ماں باپ کے حقوق" کے زیرِ عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ کچھ خاص برکتوں سے اِس دُنیا میں بھی نوازتا ہے۔

(۱۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ فِي عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهِ وَالِدَيْهِ.

——— رواہ ابن منیع وابن عدی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے ——— (مسند ابن منیع، کامل ابن عدی)۔

(تشریح) اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

(۴۲) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُّوا آبَاءَكُمْ يَبِرَّ اَبْنَاءُكُمْ وَعِفُّوْا تَعِفَّ نِسَاءُكُمْ ——— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت وفرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار ہوگی، اور تم پاکدامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی ——— (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنا دے گا، اسی طرح جو لوگ پاکدامنی کی زندگی گذاریں گے اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاکدامنی کی توفیق دے گا۔

والدین کی نافرمانی وایذارسانی عظیم ترین گناہ ———:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ماں باپ کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے (جو جنت اور رضائے الٰہی کا خاص وسیلہ ہے)۔ اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذارسانی کو "اکبر الکبائر" یعنی بدترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے

بتلایا ہے۔

(۴۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ۔

رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون گناہ ہیں) تو آپ نے فرمایا کہ :- خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی وایذارسانی کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" (یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ) بتایا گیا ہے، اور جس ترتیب سے آپ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد والدین کے عقوق (یعنی ان کی نافرمانی اور ایذارسانی) کا درجہ ہے، حتّٰی کہ قتل نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ — رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ

گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے، (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا، اور یہ گناہِ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے ——— اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے، اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہئے۔

دوسرے اہلِ قرابت کے حقوق اور صلۂ رحمی کی اہمیت:۔

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے، اور "صلۂ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے ——— قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "وَذِي الْقُرْبَىٰ" فرما کر دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حُسنِ سلوک اور ان کے حقوقِ قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے ——— ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ:۔ "خدمت اور حُسنِ سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے، اس کے بعد باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے

اہلِ قرابت کا :—— اب یہاں چند وہ حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں، یا اس کے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهٗ۔

—— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :— رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا، اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔

—— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ کے اسم پاک رحمٰن سے اور اس کی صفتِ رحمت سے خاص نسبت ہے، اور وہی اس کا سرچشمہ ہے، اور اسی لئے اس کا عنوان رحم مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے عنداللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلہ رحمی کریگا (یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا، اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا) اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کرلے گا اور اپنا بنالے گا، اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رَوَیہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا، اور دُور اور بے تعلق کردے گا —— اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں صلہ رحمی کی (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت

کے ساتھ حسن سلوک کی) کتنی اہمیت ہے، اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی محرومی ہے ـــــ آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مضمون بھی اسکے قریب ہی قریب ہے۔

(۴۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَا اللّٰهُ وَأَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ ـــ

ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ :- اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :- میں اللہ ہوں، میں اَلرَّحْمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رَحِم کا نام دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

ـــــــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رَحِم مقرر کیا ہے جو اس کے نام پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ "اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنالے گا اور فضل وکرم سے نوازے گا) اور اسکے برعکس

جو کوئی قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے اُن حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑے گا، یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آرہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے، اور اس باب میں ہمارا طرزِ عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلہ رحمی کے بعض دنیوی برکات :—

(۴۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ — جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو، اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہلِ قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے ——— اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی

یعنی اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک وہ مُبارک عمل ہے جس کے صِلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عُمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صِلۂ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہلِ قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصّہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صِلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرینِ قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوقِ قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متأثر کرتی ہیں، لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کیساتھ نیکی اور صلۂ رحمی کا برتاؤ کرتے، اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں اُنکی زندگی انشراح وطمانیت اور خوشدلی کے ساتھ گزرتی ہے، اور ہر لحاظ سے اُن کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضلِ خداوندی اُن کے شاملِ حال رہتا ہے۔

قطع رحمی جنّت کے راستے میں رکاوٹ :

(۴۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔
رواه البخاری ومسلم

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنّت میں نہ جاسکے گا — (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اسی ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلۂ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے گا تو جا سکے گا، جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی :-

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا، اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

(۴۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِىْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِىْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا ـــــــــ رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- وہ آدمی صلۂ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو صلۂ رحمی کرنیوالے اپنے اقرباء کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلۂ رحمی کرتا ہے۔ صلۂ رحمی کا حق ادا کرنیوالا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلۂ رحمی کرے (اور قرابت داروں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم (اور حق تلفی) کا معاملہ کریں۔

ـــــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر

قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور
اس کے برعکس جب اُن کے ساتھ صلۂ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے اُمید ہے
کہ دیر سویر اُن کی اصلاح ہو گی اور معاشرے میں صلۂ رحمی کو فروغ ہو گا ۔
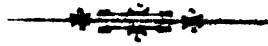
میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اُس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری پر اور باہمی اُلفت واعتماد پر موقوف ہے — پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور لذتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسلِ انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے لئے خالق کی مشیت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اُن کا حاصل مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو، دل جُڑے رہیں، اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں ———

اس باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیرخواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے ـــــ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر و تحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاصکر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بیچاری بیوی کی حیثیت ایک خرید کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا ـــــ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھئے! :ـــــ

بیوی پر سب سے بڑا حق اُسکے شوہر کا ہے :ـــــ

(۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ زَوْجُهَا وَأَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ أُمُّهُ۔

ـــــ رواہ الحاکم فی المستدرک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـ عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے۔ اور مرد پر

سب سے بڑا حق ماں کا ہے ——— مستدرک حاکم)

اگر غیر اللہ کے لئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا :———

(۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا ——— رواه الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :— اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا — حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اُس کے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اُسکی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

(۵۲) اور امام احمد نے مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے :— —

لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ   کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے

اَنْ یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَحَ	کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے
لِبَشَرٍ اَنْ یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ	اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ	حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ
تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا مِنْ	کیا کرے، کیونکہ اُس پر اُسکے شوہر کا
عِظَمِ حَقِّہٖ عَلَیْھَا (الحدیث)	بہت بڑا حق ہے ۔

(۵۳) اور سنن ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے حضرت معاذ بن جبل کے ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے ۔ اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ۔۔ ـــــ

"مشہور انصاری صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مُلکِ شام گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس آئے تو انھوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا ۔ آپ نے تعجب سے پوچھا : ـــــ

"مَا ھٰذَا یَا مُعَاذ؟"　　(معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟)

انھوں نے عرض کیا کہ ۔۔ میں شام گیا تھا ۔ وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی پیشواؤں، پادریوں کو اور قومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ۔۔ ایسا نہ کرو

ـــــ اس کے بعد ارشاد فرمایا : ـــــ

فَاِنِّیْ لَوْ کُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا	اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور
اَنْ یَّسْجُدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ	کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ	عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو
تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا (الحدیث)	سجدہ کرے ۔

(۵۴) اور سنن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسُول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن سعد سے روایت کیا گیا ہے ——— وہ خود
اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ :———

"میں حیرہ گیا تھا (یہ کوفہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں، پھر جب میں (سفر سے لوٹ کے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہی بات عرض کی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا :———

أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي	بتاؤ اگر (میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر
أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟ فَقُلْتُ	کے پاس سے گزرو گے تو کیا میری قبر کو بھی
لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا،	سجدہ کرو گے؟۔ (قیس کہتے ہیں) میں نے
لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا	عرض کیا کہ نہیں (میں آپ کی قبر کو تو سجدہ
أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَ	نہیں کروں گا) تو آپ نے فرمایا ایسے ہی اب بھی
مَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ	نہ کرو۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اگر میں
لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا	کسی کو کسی دوسری مخلوق کیلئے سجدہ کرنے
جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ	کیلئے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں
مِنْ حَقٍّ ———	کو سجدہ کیا کریں، اس عظیم حق کی بنا پر جو

اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے ———"

لہ اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں، ایک دن وفات پاکر قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدے کے لائق نہ سمجھو گے، پھر مجھے سجدہ کیونکر روا ہو سکتا ہے سجدہ تو اس ذات کے لئے روا ہے جو "حَيٌّ لَا يَمُوتُ" ہے اور جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ ۱۲

(۵۵) اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی وہ اس طرح آپ کے حضور میں جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ :— یا رسول اللہ! اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ کے لئے سجدہ کرتے ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں — آپ نے اُن سے فرمایا :—

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا	عبادت اور پرستش بس اپنے رب کی کرو
اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمِرُ	اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا) بس اکرام
اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ	واحترام کرو، اور اگر میں کسی کو کسی دوسری
لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ	مخلوق کیلئے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو
لِزَوْجِهَا ... (الحدیث)	کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے ... الخ

ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوی پر شوہر کے حق کے بارے میں یہ سجدے والی بات مختلف موقعوں پر اور بار بار فرمائی۔

ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کے لئے :—

ان سب حدیثوں سے یہ بات بھی پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ شریعتِ محمدیؐ میں سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، اُس کے سوا کسی دوسرے کے لئے حتّٰی کہ افضلِ مخلوقات سید الانبیا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کسی طرح کے سجدہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معاذ یا قیس بن سعدؓ یا جن دوسرے صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدے کے بارے میں

عرض کیا تھا وہ سجدۂ تحیہ ہی کے بارے میں عرض کیا تھا (جس کو لوگ سجدۂ تعظیمی بھی کہہ دیتے ہیں) اس کا تو شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان صحابہؓ نے معاذ اللہ سجدۂ عبادت وعبودیت کے بارے میں عرض کیا ہو۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا اور آپ کی دعوتِ توحید کو قبول کر چکا اس کو تو اس کا وسوسہ بھی نہیں آسکتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدۂ عبادت کرے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان حدیثوں کا تعلق خاص کر سجدۂ تحیہ ہی سے ہے۔ اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کسی مخلوق کے لئے سجدۂ تحیہ بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ اپنے بزرگوں، مرشدوں کو، یا مرنے کے بعد ان کے مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ بہرحال شریعتِ محمدیؐ کے مجرم اور باغی ہیں اور اُن کا یہ عمل صورۃً بلا شبہ شرک ہے۔

[غیر اللہ کے لئے سجدے کے بارے میں یہاں جو چند سطریں لکھی گئیں،
یہ مندرجۂ بالا احادیث کی تشریح کا ضروری حق اور تقاضا تھا، اب
اصل موضوع (یعنی بیوی پر شوہر کے حقوق) سے متعلق بقیہ احادیث پڑھئے]

شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری :———

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اُس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں، اور ظاہر ہے کہ اپنی فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعتِ محمدیؐ میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں ——— فرمایا گیا ہے:۔ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) ——— اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:۔ وہ گھر کے سربراہ وذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں، اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے:۔

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ" (نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں، اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی) حفاظت کرتی ہیں) ــــــ اگر عورت شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رُویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہوگی، جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے، اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

(۵۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ ــــــ رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ــ عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اُسے حق ہو کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو ــــــ (حلیہ ابو نعیم)

(تشریح) اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کیلئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان و فرائض کی۔

(۵۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ

دَخَلَتِ الْجَنَّةَ ـــــــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی ـــــــــــــــ (جامع ترمذی)

تشریح اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار واضح کی جا چکی ہو کہ جن احادیث میں کسی خاص عمل پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اللہ کو بہت محبوب ہے اور اس کا صلہ جنت ہے اور اس کا کرنے والا جنتی ہے، لیکن اگر بالفرض وہ عقیدہ یا عمل کی کسی ایسی گندگی میں ملوث ہو جس کی لازمی سزا دوزخ کا عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کا اثر بھی ظاہر ہو کے رہے گا ـــــــ اسی روشنی میں حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث کا مطلب سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہاں یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اگر کوئی شوہر ناواجب طور پر اپنی بیوی سے ناراض ہو تو اللہ کے نزدیک بیوی بے قصور ہوگی، اور ناراضی کی ذمہ داری خود شوہر پر ہوگی۔

(یہاں تک وہ حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں بیویوں پر شوہروں کا حق بیان کیا گیا ہے، اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب وہ حدیثیں پڑھئے جن میں شوہروں کو بیویوں کی رعایت اور دلجوئی و دلداری اور بہتر رویّہ کی تاکید فرمائی گئی ہے)۔

بیویوں کے حقوق اور انکی رعایت و مدارات کی تاکید :ـــــــ

(۵۸) عَنْ جَابِرٍ (فی حدیث طویل فی قصۃ حجۃ الوداع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبتہٖ یوم عرفۃ) اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ

وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے اُن کو اللہ کی اَمان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اُسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آ کر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو اُن کو (تنبیہہ وتادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر اُن کے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) اِس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے با اختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پرواہ ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ اُن کے اور اُن کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں، اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی اَمان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی اَمان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے ——— "أَخَذْتُمُوْهُنَّ

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اِس "بِاَمَانِ اللّٰہِ" کا یہی مطلب ہے ـــــ
جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص اَمان حاصل ہو جاتی ہے ـــــ
یہ عورتوں کے لئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی اَمان میں ہیں ۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انھیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں ـــــ "وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ" کا یہی مطلب ہے
آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو اُن کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کیلئے مناسب سمجھیں تو اُن کو سزا دیں، لیکن

لہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں گھروں کے اندر دور و قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا، حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اِس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں، اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہر کو ناپسند ہو ۔ الغرض "لا یوطئن فرشکم" کا یہی مطلب ہے ـــــ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ :- اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا بھی حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو [ضربًا غیر مبرّح] ـــــ جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے ۔ ۱۲

حضرات کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو "غیر مبرح" کا یہی مطلب ہے۔
آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہروں پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں ــــــ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

بیویوں کے ساتھ حُسن سلوک کی وصیّت :ــــــ

(۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْئٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ کَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَکْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- لوگو ! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصّے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اُسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کروگے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اسلئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔
ــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے :- اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ

مِنْ ضِلَعٍ "(ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہرصورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے[1]، جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے، جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے ——— آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آجائے، اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کریگا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتۂ ازدواج کا خاص مقصد ہے، اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں، اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی، یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے اس پر کاربند ہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمۂ کلام پر پھر فرمایا: "فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ" ——— اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے:۔ معناه اقبلوا وصيتي واعملوا بها في النساء وان في خلقهن عوجا وسوءا وهو كالامر اللازم بمنزلة ما يتوارثه الشئ من مادته وان الانسان اذا اراد استيفاء مقاصد المنزل منها لا بد ان يجاوز عن محقرات الامور ويكظم الغيظ فيما يجد ه خلاف هواه ... ... الخ
حجۃ اللہ البالغہ۔ صفحہ ۱۳۵ (جلد ۲)

آپ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

(۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ ـــــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی ـــــــــــ (صحیح مسلم)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں اُن پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت سمجھے، یہ مومن شوہر کی صفتِ ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے ـــــ اسی صورتِ حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ـــ (النساء۔ ع ۳)	اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے سے گزران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمالِ ایمان کی شرط :ـــــ

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ ——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاصکر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو ——— (جامع ترمذی)

(۶۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں، اور (واقعہ میں اور اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں ——— (جامع ترمذی)

بیویوں کے ساتھ رسول اللہؐ کا معیاری اور مثالی برتاؤ: ———

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِىْ ——— رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباس

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـ وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو ——— (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں ——— (جامع ترمذی)

نیز مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتا ہوں ——

واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہونگی۔

(۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي۔

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی نکاح ورخصتی کے بعد آپ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لئے میرے پاس یہاں بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرما دیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آکے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں —— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ گئی تھیں[۵]، اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور انھیں اس سے دلچسپی تھی ۔۔۔ صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے :۔ " وَزُفَّتْ اِلَیْہِ وَھِیَ بِنْتُ تِسْعٍ وَلُعَبُھَا مَعَھَا " (یعنی جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور ان کے کھیلنے کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیرِ تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انھیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں اُن کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرما دیتے ۔ ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے ۔

حضرت عائشہؓ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ

یہاں بعض ذہنوں میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ذی رُوح کی تصویر بنانا اور اس کا گھر میں رکھنا جائز نہیں اور اس پر صحیح حدیثوں میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ کو گڑیوں سے کھیلنے اور

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی جن ازواج مطہرات سے نکاح کیا وہ عموماً سن رسیدہ بیوائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہؓ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی ۔ اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کے لئے کیا گیا تھا ان کی وضاحت کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے ۔ اتنا اشارہ یہاں بھی مناسب ہوگا کہ اُمت کو ایک ایسی معلّمہ کی ضرورت تھی جس کی مکمل تربیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری محرم راز رہی ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے حضرت عائشہؓ کا انتخاب فرمایا تھا، اور اسی لئے گویا بچپن ہی سے انکو اپنی رفاقت اور تربیت میں لے لیا تھا ۔ ۱۲

گھر میں رکھنے کی اجازت کیوں دی؟ بعض شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گڑیوں سے کھیلنے کا یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ تصویروں کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، بعد میں جب تصویروں کے بنانے اور رکھنے کی سخت ممانعت کردی گئی تو گڑیوں کے بنانے اور کھیلنے کی بھی گنجائش نہیں رہی ——— لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گڑیاں تصویر کے حکم میں داخل ہی نہیں تھیں ——— وہ تو چودہ سو برس پہلے کی بات ہے، خود ہمارے اس زمانہ میں جبکہ سینے پرونے کے فن نے وہ ترقی کرلی ہے جو معلوم ہے، گھروں کی چھوٹی بچیاں اپنے کھیلنے کے لئے جو گڑیاں بناتی ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ تصویریت کے لحاظ سے وہ اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ اُن پر کسی طرح بھی تصویر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اسلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں کے بارے میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضورؐ کا حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ :———

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهٗ فَسَبَقْتُهٗ عَلٰى رِجْلَىَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهٗ فَسَبَقَنِىْ قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی، اس کے بعد جب (فربہی سے) میرا جسم بھاری ہوگیا تو (اس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اس وقت آپ نے فرمایا:۔ "یہ تمہاری اُس جیت کا جواب ہوگیا"——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے، اور اس میں ان لوگوں کے لئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی کوئی جگہ نہیں۔

حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو خود کھیل دکھایا:

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللّٰهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ لِأَنْظُرَ إِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ أَجْلِيْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَنَا الَّتِيْ أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں :—
خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے ان کا کھیل دکھانے کیلئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپؐ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے، یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ کرو کہ ایک نو عمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا — (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حسن معاشرت اور

ان کی دلجوئی و دلداری کی انتہائی مثال ہے، اور اس میں اُمّت کے لئے بڑا سبق ہے۔

عید میں لہو ولعب کی بھی گنجائش البتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ یہ عید کا دن تھا، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے[۱]، اور عید میں لہو ولعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن ونشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے ـــــ صحیحین اور دوسری کتب حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ :- ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے۔ دو بچیاں آئیں اور دف بجا بجا کر جنگ بُعاث سے متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آگئے، انھوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مُنہ کھول کر فرمایا: "دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ[۲]" (ابوبکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یعنی جو کر رہی ہیں کرنے دو، یہ عید کا دن ہے) مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کے لہو ولعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔

الغرض زیرِ تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے اُس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ عید کا دن تھا، اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا اسی لئے خود حضورؐ نے بھی اس میں دلچسپی لی علاوہ ازیں نیزہ بازی کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا جو فنِ جنگ کی تعلیم وتربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا، غالباً اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث

[۱] و [۲] صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب العیدین۔ ۱۲

کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کھلاڑیوں کو "دُوْنَکُمْ یَا بَنِیْ اَرْفِدَۃ" کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔[1]

—— اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑی حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔ "دَعْهُمْ" (یعنی انہیں کھیلنے دو)۔ اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا:۔ "آمِنًا بَنِیْ اَرْفِدَۃ"[2] (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)۔

پردہ کا سوال اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے، پھر انھوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دکھایا؟۔

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ:۔ یہ واقعہ اُس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا —— لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی، فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آچکا تھا ——

اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا، اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔

---

[1] و [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب العیدین ۔۱۲

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہؓ کے دل میں کوئی بُرا خیال اور وسوسہ پیدا ہو، اسلئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا، اور جب بھی کسی عورت کے لئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا ناجائز نہیں ہوگا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب النکاح میں اسی حدیث پر "باب النظر الی الحبش ونحوهم من غیر ریبة" کا ترجمۃ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ تشفی بخش ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمسایوں کے حقوق

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے، اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین و سکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے، اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو جزوِ ایمان اور داخلۂ جنت کی شرط اور اللہ و رسولؐ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے ——— اس سلسلہ میں آپ کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھئے!۔

پڑوسی کے بارے میں حضرت جبرئیلؑ کی مسلسل وصیت اور تاکید :———

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ کے خاص قاصد) جبرئیلؑ پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے

یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ مسلسل ایسے تاکیدی احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بھی بنا دیا جائے گا، یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا ——
ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لئے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ اللہ و رسولؐ کی محبت کی شرط اور اس کا معیار:-

(۶۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا؟ قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ —— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہؓ آپ کے وضو کا استعمالی پانی لے لے کر اپنے پر

ملنے لگے حضورؐ نے اُن سے فرمایا کہ: ـ تمھارے لئے اس کا کیا باعث اور محرک ہے؟ ـ
انھوں نے عرض کیا کہ: ـ بس اللہ و رسُول کی محبت! ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ـ
"جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ و رسُول کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے
اللہ و رسُول کو محبت ہو تو اُسے چاہئیے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے: ـــــ
بات کرے تو سچ بولے، جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو امانت داری کیساتھ
اس کو ادا کرے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے"
ـــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمۂ ایمان: ـــــ

(۶۹) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ قَالَ سَمِعَتْ اُذُنَایَ وَاَبْصَرَتْ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ یہ فرما رہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا: ـــــ
"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے ــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم
ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے)

وہ آدمی مومن اور جنّتی نہیں جس کے پڑوسی اُس سے مامون اور بےخوف نہ ہوں :-

(۷۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ :" خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، خدا کی قسم! اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں" ــــ عرض کیا گیا کہ :- "یا رسول اللہ! کون شخص؟" (یعنی حضور کس بدنصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں، اور اس میں ایمان نہیں؟) ــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :" وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں" (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے) -
ــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت طلق بن علیؓ سے طبرانی نے معجم کبیر میں، اور حضرت انسؓ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے) -

(تشریح) حدیث کے الفاظ میں غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے، اور جس وقت آپ نے یہ ارشاد

فرمایا ہوگا اُس وقت آپ کا حال اور آپ کے خطاب کا انداز کیا رہا ہوگا ——
بہرحال اس پُر جلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں، ان کے دلوں دماغوں میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو —— اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

(۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔

—— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ آدمی جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں —— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بداطواریوں سے خائف رہتے ہوں وہ اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اور اس کی سزا پائے بغیر جنّت میں نہ جا سکے گا۔

(تشریح) ان دو حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں ہمسایوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لئے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مومن نہیں، یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جا سکے گا —— افسوس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں

ہیں اب کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں، شاذونادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں، حالانکہ حضورؐ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے ــــ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد "کتاب الایمان" میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں جن میں کسی عملی یا اخلاقی تقصیر اور کوتاہی کی بنا پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا جنت میں نہ جا سکنے کی وعید سنائی گئی ہے اُن کا مدعا اور مطلب کیا ہے اور شریعت میں ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے۔

وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو :ــــ

(۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِيْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهٖ ــــــ رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :ــ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔

ــــــــ (مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے، اور حاکم نے

"مستدرک" میں، ان کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت کیا ہے)۔

(ف) افسوس! ہم مسلمانوں کے طرزِ عمل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں اتنا بُعد اور فاصلہ ہوگیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبرؐ کی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اعلان فرما دیا ہے کہ :۔ جو شخص اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسئلوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر زندگی گذارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا نہیں ہے ——— یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، بلکہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ یہ سارے حقوق غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی ہیں۔

ہمسائگی کے بعض متعیّن حقوق :———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بعض متعیّن حقوق کی نشان دہی بھی فرمائی ہے، ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

(۳۷) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْجَارِ إِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ وَإِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَإِنِ اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ وَإِنْ أَعْوَرَ سَتَرْتَهُ وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَكَ فَوْقَ بِنَائِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ إِلَّا أَنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا ——— رواہ الطبرانی فی الکبیر

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبرگیری کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو (بشرط استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارکباد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہونچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے، اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اس کے بچوں کے لئے) باعثِ ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) اِلّا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیجدو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں) ——— (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعین حقوق بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے آخری دو خاص طور سے قابلِ غور ہیں :- ایک[1] یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اِس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اسکو تکلیف پہونچے ۔ اور دوسرے[2] یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی، اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو اُن کے لئے باعثِ ایذا ہوگی، اِسلئے یا تو اپنے پر لازم کرلو کہ اُس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھی بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو[2] ہدایتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور

باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ نے ضروری قرار دیا ہے۔
قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے "کامل" میں، اور خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے :۔

وَاِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً	اور اگر تم کوئی پھل پھلاری خرید کر لاؤ، تو
فَاهْدِ لَهُ فَاِنْ لَّمْ	اس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو
تَفْعَلْ فَاَدْخِلْهَا سِرًّا	اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ
وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ	(کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو) اور اس کی بھی
لِيَغِيْظَ بِهَا وَلَدَهُ۔	احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لیکر
(کنز العمال)	گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے

دل میں اسے دیکھ کے جلن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ امت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو سمجھیں، اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

(۴۷) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخَ اَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَهَا ثُمَّ لِيُنَاوِلْ جَارَهُ مِنْهَا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اُسے چاہئے کہ شوربہ زیادہ کر لے، پھر اُس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔

(معجم اوسط للطبرانی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت قریب قریب انہی الفاظ میں جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے)۔

پڑوسی کی تین۳ قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے:

(۷۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِيْرَانُ ثَلٰثَةٌ فَجَارٌ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ وَهُوَ اَدْنَى الْجِيْرَانِ حَقًّا وَجَارٌ لَهٗ حَقَّانِ وَجَارٌ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارٌ مُشْرِكٌ لَا رَحِمَ لَهٗ، لَهٗ حَقُّ الْجِوَارِ، وَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ حَقَّانِ فَجَارٌ مُسْلِمٌ لَهٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الْجِوَارِ وَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَجَارٌ مُسْلِمٌ ذُوْ رَحِمٍ لَهٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الرَّحِمِ۔

(رواہ البزار فی المسند وابو نعیم فی الحلیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ پڑوسی تین قسم کے، اور تین۳ درجے کے ہوتے ہیں۔ ایک۱ وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو، اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے اور دوسرا۲ وہ پڑوسی جس کے دو۲ حق ہوں، اور تیسرا۳ وہ جس کے تین۳ حق ہوں — تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے، جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے۔ اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو

پڑوسی بھی ہو مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا، اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔

——— (مسند بزار، حلیہ ابی نعیم)

(تشریح) اس حدیث میں صراحت اور وضاحت فرمادی گئی ہے کہ پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن و حدیث میں بیان فرمائے گئے اور ان کے اکرام اور رعایت و حُسنِ سلوک کی جو تاکیدیں فرمائی گئی ہیں اُن میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور ان کے بھی وہ سب حقوق ہیں ——— صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہی سمجھا۔ جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن اُن کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے تو انھوں نے گھر والوں سے کہا: ———

اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيْ	تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے
اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيْ؟	بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ	یہودی پڑوسی کیلئے بھی بھیجا؟ میں نے
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ
يَقُوْلُ مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ	فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کیساتھ حُسنِ سلوک
يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى	کے بارے میں مجھے جبرئیلؑ (اللہ تعالیٰ کی
ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ۔	طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے

یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بھی قرار دے دیں گے۔

افسوس ہے کہ عہدِ نبویؐ سے جتنا بُعد ہوتا گیا اُمت آپ کی تعلیمات اور ہدایات سے اتنی قدر دُور ہوتی چلی گئی ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بارے میں جو وصیت اور تاکید امت کو فرمائی تھی اگر صحابۂ کرامؓ کے بعد بھی اس پر امت کا عمل رہا ہوتا تو یقیناً آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا ——— اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو

توفیق دے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے: ———

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات یہاں تک درج ہوئے اُن کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں اُن کے ساتھ اکرام و رعایت کے برتاؤ اور حُسن سلوک سے تھا۔ آخر میں آپ کا ایک وہ ارشاد بھی پڑھئے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:۔ اگر کسی کے پڑوس میں بیچارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور اُن کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۷۶) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا يَعِظُوْنَهُمْ، وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا يَتَّعِظُوْنَ وَاللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَاْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِى الدُّنْيَا۔

——— رواه ابن راهويه والبخاري في الوحدان وابن السكن وابن مندة

علقمہ بن عبدالرحمن بن ابزیٰ نے اپنے والد عبدالرحمن کے واسطے سے اپنے دادا ابزیٰ خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا:- کیا ہو گیا ہے اُن لوگوں کو اور کیا حال ہے اُن کا (جنھیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے، اور اُن کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین سکھانے اور اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں ——— اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو، کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں ——— خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں، اور انھیں نیک کاموں کی تاکید اور بُرے کاموں سے منع کریں ——— اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں اور اُن سے نصیحت لیں ——— یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں اُن کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا ——— (مسند اسحاق بن راھویہ کتاب الوحدان للبخاری، مصنف ابن السکن، مسند ابن مندہ)۔

(تشریح) یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مذکور ہے جس طرح یہاں درج کی گئی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضورؐ کا یہی خطاب قریب قریب انھی الفاظ میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو مالک اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا اس قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے، لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے بہت پسماندہ تھے، نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی ——— اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصوروار تھے، اس بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضورؐ کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے حضورؐ سے یہ وعدہ کیا کہ ہم انشاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر علاقہ کے ان لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں اس کا ذمہ دار قرار دیا، کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہلِ علم اور اہلِ دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں ——— اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو اُمت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور اللہ و رسول سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں اُمت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے ——— بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ اُمت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے۔

کمزور اور حاجت مند طبقوں کے حقوق

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ، یا ہمسائگی اور پڑوس کا تعلق، یا عارضی اور وقتی سنگھ ساتھ ــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپ نے اپنے پیروؤں کو ان کی خدمت و خبرگیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے، اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے ــــ ان سب طبقوں سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے! ۔

مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی : ــــ

(۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ

كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بیچاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجتمند کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے ــــــ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ــــــ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو، اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو ــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابلِ رشک حال ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام اُن لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کیلئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبرگیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کریں ــــــ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

(۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ

بَيْنَهُمَا شَيْئًا ــــــــــ رواہ البخاری

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے، اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے تبلایا، اور اُن کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ ــــــــــ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر کہ ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مردِ مومن کے مقام میں ہوگا جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجہ وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میسر فرمائے جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

(۷۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اَلْبَتَّةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ عَمِلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ ــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا، اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں

داخل کرے گا ــــــ اِلَّا یہ کہ اُس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابلِ معافی ہو۔

ــــــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابلِ معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خونِ ناحق وغیرہ) در اصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے، اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو بہرحال اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيْمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ يَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهٗ حَسَنَاتٌ وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰى يَتِيْمَةٍ اَوْ يَتِيْمٍ عِنْدَهٗ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِى الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَقَرَنَ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ ــــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ــ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا تو ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں گی، اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے، اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے)۔

ــــــــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ

حُسنِ سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ ۔۔۔۔۔ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین وہ گھرانہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے۔

۔۔۔۔۔ (سنن ابن ماجہ)

(۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ ۔۔۔۔۔ رواہ احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوتِ قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکینوں حاجتمندوں کو کھانا کھلایا کرو۔

۔۔۔۔۔ (مسند احمد)

(تشریح) یتیموں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں حاجتمندوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو دل کی دردمندی اور ترحم کے جذبہ سے صادر ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبۂ ترحم سے خالی ہو اور اس کے بجائے اس میں قساوت ہو، تو

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزم اور قوتِ ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے، انشاء اللہ اس کے دل کی قساوت دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طریقِ علاج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت واعانت:

(۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِىْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِىْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اسلئے) نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار ومددگار چھوڑے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۸۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا

نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دُور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے عوض) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا، اور (جو قرض خواہ اپنے) کسی تنگ دست مقروض کو (اپنے قرضے کی وصولی کے سلسلہ میں) سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا، اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی امداد و اعانت کرتا ہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا ——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۸۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقَا مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَأٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے گا اللہ تعالیٰ

اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس (جنت کی) شراب طہور پلائے گا جس پر غیبی مُہر لگی ہوگی۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۸۶) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِىَ۔

——— رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے "عیادت" کے متعلق یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے، اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمارداری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے، اسلئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں، بلکہ تیمارداری اور حسب استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے ——— اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیرانِ بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں، یا کم از کم اُن کے رہا ہو جانے سے خیر کی اُمید ہو، بلاشبہ ایسے گرفتارانِ بلا کا رہا کرانا اور اُن کو آزادی دلانا بڑا کارِ ثواب ہے۔

(۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِىْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِىْ عِنْدَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِىْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِىْ۔

———— رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :— اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرزند آدمؑ سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی؟ بندہ عرض کرے گا :— اے میرے مالک اور پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری یا بیمار پرسی کر سکتا تھا تو تو رب العلمین ہے (بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ اور تیری بارگاہ میں اس کا کہاں گزر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا :— کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی اور خبر نہیں لی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی خبر لیتا اور تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا؟ ——— اے ابن آدمؑ! میں نے

تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا :۔ (خداوندا!) میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو تو رب العلمین ہے (تجھے کھانے سے کیا واسطہ!) ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا :۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے اس کو کھانا نہیں دیا کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا ۔۔۔۔۔ اے ابن آدم! میں نے پینے کے لئے تجھ سے (پانی) مانگا تھا، تو نے مجھے نہیں پلایا؟ ۔ بندہ عرض کرے گا :۔ میں تجھے پانی کیسے پلاتا تو تو رب العالمین ہے (تجھے پینے سے کیا واسطہ!) ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کے لئے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا، سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا ۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جس مؤثر اور غیر معمولی انداز میں کسمپرس بیماروں کی عیادت و تیمارداری اور بھوکوں پیاسوں کو کھلانے پلانے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں غور کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں ان معاشرتی اعمال اور حاجتمند بندوں کی خدمت و اعانت کی کس قدر اہمیت ہے اور ان کا درجہ کتنا بلند ہے ۔۔۔۔۔۔ فرمایا گیا ہے کہ جو کسی حاجتمند اور بیمار کی خدمت و عیادت کرے گا وہ خدا کو اس کے پاس پائے گا اور اُسے خدا مل جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ۔

غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں ہدایات : ۔۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب میں بلکہ قریب قریب اس پوری دنیا میں جس کی تاریخ معلوم ہے غلاموں کا طبقہ موجود تھا ۔ فاتح قومیں مفتوح قوموں کے افراد کو غلام بنا لیتی تھیں پھر وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لئے جاتے تھے، اور ان کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا ۔۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو غلاموں کو آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دی، دوسری طرف ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے، ان پر محنت و مشقت کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، ان کے طعام و لباس جیسی بنیادی ضرورتوں کا مناسب انتظام کیا جائے، بلکہ حکم دیا کہ جو گھر میں کھایا جائے وہی ان کو کھلایا جائے، جیسا کپڑا خود پہنا جائے ویسا ہی ان کو پہنایا جائے، ان کے معاملے میں خدا کے محاسبہ اور مواخذہ سے ڈرا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان ہدایات اور تعلیمات نے غلاموں کی دنیا ہی بدل دی، پھر تو ان میں سے ہزاروں اُمّت کے ائمہ اور پیشوا تک ہوئے، ہزاروں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اُن کی حکومتیں تک قائم ہوئیں یہ سب اُس ہدایت و تعلیم ہی کے نتائج تھے جو انسانیت کے اس مظلوم و ناتواں طبقہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو دی تھی، اور پھر ساری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

غلاموں کے بُنیادی حقوق :۔۔۔۔

(۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا يُطِيْقُ ۔۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ طعام اور لباس غلام کا حق ہے، اور یہ بھی اس کا حق ہے کہ اسے ایسے سخت کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے ۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے۔ آقا کی

یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ حق ادا ہو، اسے ضرورت بھر کھانا اور کپڑا دیا جائے۔

آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اسے وہی کھانا کھلایا جائے جو گھر میں کھایا جائے، وہی لباس پہنایا جائے جو خود پہنا جائے ـــــ یہ بھی فرمایا گیا کہ:۔ اس پر کام کا بیجا بوجھ نہ ڈالا جائے، اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکے۔ یہ گویا غلاموں کے بنیادی حقوق ہیں۔

یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے:ـــ

(۸۹) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللهُ اَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ اِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ ۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ (یہ بیچارے غلام) تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارا زیردست (محکوم) بنا دیا ہے، تو اللہ جس کے زیردست (اور تحت حکم) اس کے کسی بھائی کو کردے، تو اس کو چاہئے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے، اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے، اور اس کو ایسے کام کا مکلف نہ کرے جو اس کے لئے بہت بھاری ہو۔ اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر اس کام میں خود اس کی مدد کرے۔

ـــــــــــــ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر غلام کو اس کے آقا کا بھائی بتایا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحت میں کر دیا ہے۔ اس تعبیر میں اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کی جتنی مؤثر اپیل ہے

غلام اور آقا کو بھائی غالباً اِس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ دونوں بہرحال وہ ظاہر ہے ــــــ آدم و حوا کی اولاد ہیں ۔ ــ بنی آدم اعضائے یکدیگر ند

کہ در آفرینش زیک جوہر اند

پھر اسی تعلق اور رشتہ کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا غلام اور خادم تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہئے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے، اُسے وہی کھلایا اور پہنایا جائے، جو خود کھایا اور پہنا جائے ۔

غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اُس میں سے اُس کو ضرور کھلایا جائے :ــــ

(۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِکُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْیُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْیَاْکُلْ فَاِنْ کَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِیْلًا فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِهٖ مِنْهُ اُکْلَةً اَوْ اُکْلَتَیْنِ ــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لیکر آئے ــــ اور اُس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے ــــ تو آقا کو چاہئے کہ کھانا تیار کرنے والے اُس خادم کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ بٹھالے اور وہ بھی کھائے ــــ پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لئے کافی نہ ہو سکے) تو آقا کو چاہئے کہ اُس کھانے میں سے دو ایک لقمے ہی اس خادم کو دے دے ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن گھروں میں غلام یا باندیاں تی تھیں

کھانے پکانے، جیسے خدمت کے کام انہی سے لئے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ نے ہدایت فرمائی کہ جب وہ کھانا پکا کے لائیں تو ان کو اپنے کھانے میں شریک کرلو اور ساتھ بٹھا کر کھلاؤ، اور جب کھانا کم ہو، اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ان کو اس میں سے کچھ حصہ ضرور دو، کیونکہ انھوں نے اس کے پکانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف برداشت کی ہے ———
ہمارے زمانہ میں اسی بنیاد پر یہی حکم کھانا پکانے والے نوکروں اور نوکرانیوں کے لئے ہوگا۔

غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے: ———

(۹۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اُعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: — یا رسول اللہ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کردینا چاہئیں؟ ———
آپ نے سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا) ——— اس شخص نے دوبارہ آپ کی خدمت میں یہی عرض کیا ——— آپ پھر خاموش رہے، اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا ——— پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ ——— (سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تأثر دینا چاہا کہ

یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیردست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے اسلئے جہانتک ہوسکے معاف ہی کیا جائے لیکن جب دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی اُن صاحب نے پوچھا تو آپ نے فرمایا :۔ "كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستّر قصور کرے تب بھی اُسے معاف ہی کر دو ۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہاں "سَبْعِيْنَ" سے ستّر کا خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا زیردست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کر دو ۔

اِس عاجز کے نزدیک معافی کے اِس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقاماً سزا نہ دیجائے، لیکن اگر اصلاح و تادیب کے لئے کچھ سرزنش مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے، اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا ۔

(۹۲) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا إِمَاءَكُمْ عَلٰى كَسْرِ إِنَاءِكُمْ فَإِنَّ لَهَا أَجَالًا كَآجَالِكُمْ ـــــــ رواه الدیلمی

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ :۔ اپنی باندیوں کو برتن توڑ دینے پر سزا نہ دیا کرو، اس لئے کہ برتنوں کی بھی عمریں مقرر ہیں تمہاری عمروں کی طرح ۔

ـــــــ (مسند الفردوس للدیلمی)

(تشریح) گھروں میں کام کرنے والی باندیوں اور نوکرانیوں سے اور اسی طرح غلاموں اور نوکروں سے برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے اور ان بیچاروں کی پٹائی ہوتی تھی ۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح وقت پورا ہونے پر آدمی

مرجاتا ہے اسی طرح وقت پورا ہونے پر برتن بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں' اس لئے ان بیچاروں سے انتقام لینا اور مارنا پیٹنا بہت ہی غلط بات ہے (ہاں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصلاح وتادیب کی نیت سے مناسب تنبیہ اور سرزنش کیجا سکتی ہے)۔

غلام پر ظلم کرنیوالے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا: —

(۹۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوكَهُ ظَالِمًا أُقِيدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواه البيهقي في شعب الايمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- جو کوئی اپنے غلام کو ناحق مارے گا قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا ——— (شعب الایمان للبیہقی)

غلام پر ظلم کا کفّارہ : —

(۹۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ ——— رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ :- جس کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جو اُس نے نہیں کیا تھا' یا اُس کو طمانچہ مارا' تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے (یعنی اگر ایسا نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا)۔

——— (صحیح مسلم)

(۹۵) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہئے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بیچارے غلام پر ہے ـــــــ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے ـــــــ میں نے عرض کیا: ـــ یا رسول اللہ! (میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لئے آزاد ہے ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا: ـ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لئے آزاد نہ کر دیتے) تو "لَلَفَحَتْكَ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی) ـــ یا فرمایا "لَمَسَّتْكَ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی)۔

ـــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پکڑ اور آخرت کے مواخذہ و محاسبہ کو یاد دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نصیب فرمائے۔

غلاموں کے بارے میں حضورؐ کی آخری وصیت :

(۹۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ـــــــــــــ رواه ابوداؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا، وہ یہ تھا: "اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (یعنی نماز کی پابندی کرو، نماز کا پورا اہتمام کرو، اور اپنے غلاموں زیردستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو) ۔

ـــــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی ۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس میں غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے ـــــ دوسری یہ کہ غلاموں باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اُس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا ـــــ غلاموں زیردستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ اُن کے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کی فرمائی، اور اس حدیث کے مطابق سب سے آخری لفظ آپ کی زبانِ مبارک سے جو ادا ہوا وہ یہ تھا: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ ادا ہوا تھا: " اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی" (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اُٹھا لے)۔ شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ اُمت سے مخاطب ہو کر آپ نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

آقاؤں کی خیر خواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت:—

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایات دیں اسی طرح غلاموں کو بھی آپ نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیر دست ہیں اُس کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو۔

(۹۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ یَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَیِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غلام اور مملوک کے لئے بڑی اچھی اور کامیابی کی بات ہے کہ اللہ اس کو ایسی حالت میں اٹھائے کہ وہ اپنے پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا فرمانبردار ہو ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۹۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کوئی غلام جب اپنے سید وآقا کی خیرخواہی اور وفاداری کرے، اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وتعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔

سیدوں اور آقاؤں کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں، اُن کے حقوق ادا کریں، اُن کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اُن کو اپنا بھائی سمجھیں، اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملوکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیرخواہ اور وفادار ہوکر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر وفساد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر وزور کو صحیح سمجھتا ہے، اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے، اور اُس وقت تک یہ دنیا امن وسکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر عقل وبصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایات :—

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں کے چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کے بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں ۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں خوشگواری اور روحانی سرور و سکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ہے ———

اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں بھی پڑھ لی جائیں :———

(۹۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا ـ

——— رواہ الترمذی وابوداؤد

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :— جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت کا خیال نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے ——— (جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد)

(۱۰۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيْدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبْطَاءَ الْقَوْمُ اَنْ يُّوَسِّعُوْا لَهٗ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا ——— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے ، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچنا چاہتے تھے ، لوگوں نے (جو اس وقت حاضر تھے)

اُن کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ اُن کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے اُن کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو حضورؐ نے فرمایا کہ: — جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ رکھے، اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی طرف اور آپ کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ۔

رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اُس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اُس وقت اُس کا ادب و احترام کریں گے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اوپر جو دو حدیثیں درج ہوئی ہیں اُن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بڑوں کے ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں

کیا درجہ ہے، اور اس میں غفلت اور کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے — اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا —
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب و احترام اور اُن کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے، اور اصل جزاء و ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔
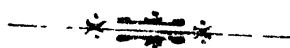
اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینِ حق کی دعوت اور ہدایت لے کر آئے تھے، جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور اُمّت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل "اسلامی برادری" اور "اُمّتِ مسلمہ" تھی۔

جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری اور یہی اُمّت آپ کا دست و بازو اور دعوت و ہدایت کی مہم میں آپ کی رفیق و مددگار تھی، اور آپ کے بعد قیامت تک اسی کو آپ کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان و یقین، تعلق باللہ اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اور جذبۂ دعوت کی ضرورت تھی، اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دل پھٹے ہوئے ہوں، اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابتِ نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جا سکتی ——— اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔

اور اُمت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں، اور باہم خیرخواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے، اور اس دینی ناطہ سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں اُن کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اِسلئے بھی تھی کہ اُمت میں مختلف ملکوں، نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں، اور یہ رنگا رنگی آگے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی ——— اس سلسلہ کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ہدایات مندرجۂ ذیل حدیثوں میں پڑھئے! :———

(۱۰۲) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے، اُس کا ایک حصّہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہئے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اُسی طرح اُمتِ مسلمہ ایک قلعہ ہے، اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں باہم وہی تعلق و ارتباط ہونا چاہئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے ———

پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح اُمتِ واحدہ بن جانا چاہئے جس طرح

الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

(۱۰۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ۔
——— رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دُکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے، اور اسی طرح اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پوری اُمّتِ مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے، اور اس کے افراد اس کے اعضاء ہیں کسی کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اس کے سارے اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح پوری ملّتِ اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے، اور ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہئے۔

(۱۰۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اسلئے) نہ تو خود اُس پر ظلم و زیادتی کرے، نہ دوسروں کا نشانۂ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی مدد کرے) ——— اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا ——— اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا ——— اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کرکے فرمایا) "تقویٰ یہاں ہوتا ہے"۔ کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لَا یَحْقِرُہٗ) اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ "اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا" (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی، چھوٹائی، عظمت و حقارت اور عزت و ذلت کا دار و مدار "تقوے" پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:——

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ　　　اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابلِ اکرام

اَتْقٰکُمْ ——　　　وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے ——

اور تقویٰ درحقیقت خدا کے خوف اور محاسبۂ آخرت کی فکر کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لئے کسی بھی صاحبِ ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اُس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابلِ تحقیر سمجھتے ہو اُس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اسلئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ نے فرمایا کہ: کسی آدمی کے بُرے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

(۱۰۶) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ —— رواہ البخاری و مسلم

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان

کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی پر ———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ سے جب میں نے بیعت کی تھی تو آپ نے خصوصیت کے ساتھ تین باتوں کا مجھ سے عہد لیا تھا:۔ ایک[۱] اہتمام سے نماز پڑھنے کا، دوسرے[۲] زکوٰۃ ادا کرنے کا، تیسرے[۳] ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کے لئے خیر خواہی اور خیر اندیشی کا ———— اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی تعلق کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ نماز اور زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کے ساتھ اس کی بھی بیعت لیتے تھے۔

(۱۰۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ۔

———— رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر حال اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفۂ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے ———— (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول الاسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور اُن کے مصائب و مشکلات سے بے پرواہ نہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومتِ اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار و خیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی

زندگی کا جزو بن گئی ہو، اور اس کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے ——— خدا کیلئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

(۱۰۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی اس درجہ خیر خواہی کہ جو خیر اور بھلائی اپنے لئے چاہے وہی اس کے لئے بھی چاہے ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے، اور ایمان و اسلام کا جو مدعی اس سے خالی ہے وہ ایمان کی رُوح وحقیقت اور اس کے برکات سے محروم ہے۔

اسلامی رشتے کے چند خاص حقوق: ———

(۱۰۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:- ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں - سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کہہ کے اس کے لئے دعائے رحمت کرنا ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشو ونما بھی پاتا ہے، اسلئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے ——— ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے، ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت :———

(۱۱۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِىْ مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهٗ وَيُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ مَوْضِعٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ وَمَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِىْ مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهٖ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِىْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- جو (بے توفیق) مسلمان کسی دوسرے مسلمان بندے کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو، اور اس کی آبرو اُتاری جاتی ہو، تو

اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہشمند (اور طلبگار) ہوگا ——— اور جو (باتوفیق مسلمان) کسی مسلمان بندے کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہشمند (اور طلبگار) ہوگا ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْئٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت معاذ بن انس انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس نے کسی بددین منافق کے شر سے کسی بندۂ مومن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بددین نے کسی مومن بندے پر کوئی الزام لگایا ، اور کسی باتوفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا ۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پُل پر قید کردے گا اُس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف ہوجائے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بندۂ مومن کو بدنام و رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے)

اُس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے، جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہو جائے ۔۔۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے ہاں ناقابلِ معافی ہے، لیکن آج ہم مسلمانوں کا، ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ احفظنا وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

۔۔۔۔۔۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ:۔ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حملہ کا جواب دے (اور اس کی طرف سے مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن آتشِ جہنم کو اُس سے دفع کرے ۔۔۔ پھر (بطورِ سند کے) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (اور ہمارے ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد کرنا)۔

۔۔۔۔۔۔ (شرح السنۃ للامام محی السنۃ البغوی)

(۱۱۳) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اس کی عدم موجودگی میں مدافعت اور جوابدہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتش دوزخ سے اس کو آزادی بخشدے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(۱۱۴) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهُ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ـــــ رواه البغوى فى شرح السنة

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت وحمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت وحمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جوابدہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔

(شرح السنہ للامام محی السنہ البغویؒ)

(تشریح) حضرت جابر، حضرت معاذ بن انس، حضرت ابو الدرداء، حضرت اسماء بنت یزید اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی ان پانچوں حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کیلئے

اس کی حفاظت و حمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایتِ محمدیؐ کے اس اہم باب کو اُمت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے ——— بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے آئینہ ہے: ———

(۱۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:— ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اُس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے ——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اُس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے، اور صرف اُسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا۔ ایک مومن کے دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابلِ اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کر دے، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے ——— آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اُس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکنے اور اس کی

زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے، اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی وایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

عام انسانوں اور مخلوقات کیساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات :-

مندرجۂ بالا حدیثوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ تعلق و برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔

(۱۱۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ، قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔

رواہ احمد

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ (یعنی ایمان والے اعمال و اخلاق میں وہ کون سے ہیں جن کو فضیلت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے) آپ نے ارشاد فرمایا :- یہ کہ تمہاری محبت و مودت اور تمہاری نفرت و عداوت بس اللہ کے واسطے ہو، اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ :- اس کے علاوہ اور کیا یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا :- اور یہ کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے

اور پسند کرتے ہو اور اُس چیز اور اُس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو ——— (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں عام انسانوں کی اس حد تک خیرخواہی و خیراندیشی اور اُن کے ساتھ اتنا خلوص کہ جو اپنے لئے چاہے وہ سب کے لئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے بھی نہ چاہے، اعلیٰ درجہ کے ایمانی اعمال و اخلاق میں سے ہے۔

(۱۱۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ——— رواه البخاري ومسلم

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— اُس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی، جو (اُس کے پیدا کئے ہوئے) انسانوں پر رحم نہ کھائے گا، اور اُن کے ساتھ ترحم کا معاملہ نہ کرے گا۔ ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لئے جو دوسرے قابلِ رحم انسانوں کیساتھ ترحم کا برتاؤ نہ کریں، یعنی ان کی تکلیف اور ضرورت کو محسوس کرکے اپنے مقدور کے مطابق ان کی مدد اور خدمت نہ کریں۔ بڑی سخت وعید ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ:— ایسے لوگ خداوند رحمٰن کی رحمت سے محروم رہیں گے ——— الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے، کہ اس کو بددعا سمجھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں۔ واضح رہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور اسی طرح کے دوسرے مجرموں کو سزا دینا اور قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنا، ترحم کی اس تعلیم و ہدایت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی عوام کے ساتھ ترحم ہی کا تقاضا ہے، اگر مجرموں کو تعزیری قانون کے مطابق سخت سزائیں نہ دی جائیں تو

بیچارے عوام ظالموں کے مظالم اور مجرمین کے جرائم کا اور زیادہ نشانہ بنیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ اے اہلِ دانش قصاص کے قانون میں تمہارے لئے زندگی کا سامان ہے۔

(۱۱۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (انکے ساتھ) ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترحم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (ربُّ العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اِس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے"۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اُس کی ایک مخلوق ہے، وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے، اور

اس کی خالقیت اور اُلوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ)[1] اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالمِ اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِي الْأَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کیلئے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۱۹) عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اُس کا کنبہ) ہے، اِسلئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اُس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) آدمی کے "عیال" اُن کو کہا جاتا ہے جن کی زندگی کی ضروریات کھانے کپڑے وغیرہ کا وہ کفیل ہو۔ بلا شبہ اس لحاظ سے ساری مخلوق اللہ کی "عیال" ہے۔ وہی سب کا پروردگار اور روزی رساں ہے۔ اس نسبت سے جو آدمی اُس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اُس کی محبت اور پیار کا مستحق ہوگا۔

[1] سورۂ زخرف، آیت نمبر ۸۴

جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت :۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور آپ سے پہلے آنے والے نبیوں رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اُن سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے اُن کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اُس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذارسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے، اور اُن کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

(۱۴۰) عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اِتَّقُوا اللهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت سہیل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا، تو آپ نے فرمایا:- لوگو! ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، (ان کو اس طرح بھوکا نہ مارو) ان پر سواری ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کا پیٹ بھرا ہو) اور ان کو چھوڑو تو (اسی طرح کھلا پلا کر) اچھی حالت میں ـــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا قَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا ـــــــ رواہ احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا:- وہ شخص خدا کی رحمت سے دُور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے ـــــ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا کے بہت سے حصّوں میں گھوڑوں گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کیلئے ان کے جسم کے کسی حصّہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنادیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حسّاس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوارپنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ کو سخت دُکھ ہوا، اور آپ نے فرمایا کہ:- "لعن اللہ من فعل ھذا" (یعنی اُس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بیزاری کا کلمہ تھا، جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کیلئے آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اُس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

(۱۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَأَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ ـــــ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِى الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِىْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ ایک بدچلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہوگئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری، جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (چکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی، اور وہ ہانپ رہا تھا، اور قریب تھا کہ پیاس سے مرجائے۔ اس عورت نے (ڈول رسّی نہ ہونے کی وجہ سے) پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ :۔ کیا جانوروں (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ ——— آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ بیشک! ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس بدچلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا، بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر ترحم کا برتاؤ کیا جائے گا تو وہ خداوند قدوس کی رحمت و مغفرت کا باعث ہوگا اور بندہ اس کا اجر و ثواب پائے گا۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جس میں عورت کے بجائے ایک راستہ چلتے مسافر مرد کا اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں اب سے بہت پہلے (کتاب الاخلاق میں رحم دلی کے زیر عنوان) درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اور اس سوال کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ صرف ایک کتے کو پانی پلا دینا کیونکر ایک گنہگار آدمی کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے، اور اس میں کیا راز ہے ——— اس حدیث

ـــــــــــــــــــــــــــــــــ
[illegible] اور اس سے متعلق تشریح [illegible] معارف الحدیث (جلد ۲) کتاب الاخلاق [illegible] پر دیکھی جا سکتی ہے۔

کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ کتے جیسے جانوروں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ ترحم کا ہونا چاہئے۔

(۱۲۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ ــــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو کوئی مسلم بندہ کسی درخت کا پودا لگائے یا کھیتی کرے، پھر کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا چوپایہ اس درخت یا کھیتی میں سے کھائے، تو یہ اُس بندے کی طرف سے صدقہ اور کارِ ثواب ہوگا ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا بھی پیغام اور سبق یہی ہے کہ انسانوں کے علاوہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے سب جانوروں پرندوں اور چوپایوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے ــــــ اس کے برعکس مندرجۂ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ کسی جانور کو بلا وجہ ستانا اور اُس کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرنا سخت گناہ ہے، جو آدمی کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنادیتا ہے۔

(۱۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِىْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ۔

ــــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ایک ظالم عورت کو

ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اُس نے اس بلی کو بند کر لیا، پھر نہ تو خود اُسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اسے بھوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا۔ اس کی سزا اور پاداش میں وہ عورت عذاب میں ڈالی گئی ہے) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ چند حدیثیں یہ جاننے کے لئے کافی ہیں کہ جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور تعلیم کیا ہے۔ اور یہ اس کے بالکل منافی نہیں ہے کہ سانپ بچھو جیسے موذی جانوروں کو مار ڈالنے کا خود آپ نے حکم دیا ہے، اور حرم میں بھی ان کے مار دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی دراصل اللہ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے۔
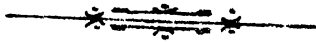
آدابِ مُلاقات

یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں اُن سے انسانوں کے مختلف طبقات اور اللہ کی عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات معلوم ہوئیں، آگے "آدابِ مُلاقات" اور اس کے بعد "آدابِ مجلس" کے سلسلہ کی جو احادیث درج کی جارہی ہیں، وہ بھی دراصل زندگی کے ایک خاص دائرے میں آپس کے برتاؤ ہی سے متعلق ہدایات ہیں۔

تحیۃُ اِسلام، سلام :—

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں مُلاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبۂ اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ہمارے مُلک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو، مُلاقات کے وقت "نمستے" کہتے ہیں، کچھ پُرانے قسم کے کم پڑھے لکھوں کو "رام رام" کہتے ہوئے بھی سُنا ہے۔ یورپ کے لوگوں میں صبح کی مُلاقات کے وقت "گڈ مارننگ" (اچھی صبح)، اور شام کی ملاقات کے وقت "گڈ ایوننگ" (اچھی شام)، اور رات کی ملاقات میں "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عمران بن حصینؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ :۔ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور "أَنْعِمْ صَبَاحًا" (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے، تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اس کے بجائے ہمیں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جا سکتا ـــــ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لئے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے، اور پھر "السّلام" اسماءِ الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السّلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے، اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے ـــــ ارشاد ہوا ہے :ـــــ سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ ۝ ـــــ سَلَامٌ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ ۝ ـــــ سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ ۝ ـــــ سَلَامٌ عَلٰى إِلْيَاسِيْنَ ۝ ـــــ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ـــــ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۝۔

اور اہلِ ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں :۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الخ" ـــــ اور ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ :۔ جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں

جو ایمان لا چکے ہیں، تو آپ اُن سے کہیں کہ: "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرما دیا ہے) ——— اور آخرت میں داخلۂ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان سے فرمایا جائے گا: "اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ" ——— اور سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

الغرض مُلاقات کے وقت کے لئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا ——— اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور آشنا ہیں اور ان میں محبت و اُخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی تعلق ہے، تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بنا پر محبت و مسرت اور اکرام و خیر اندیشی کا پورا اظہار ہے۔ اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے، تو یہ کلمہ ہی تعلق و اعتماد اور خیر سگالی کا وسیلہ بنتا ہے، اور اس کے ذریعہ ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دُعا گو ہوں، اور میرے اور تمہارے درمیان ایک رُوحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہرحال مُلاقات کے وقت "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اور "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مُبارک تعلیمات میں سے ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں ——— اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھئے!۔

سلام کی فضیلت و اہمیت: ———

(۱۲۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ، اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہونچ جاؤ گے سلامتی کیساتھ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین[۳] نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے: — ایک[۱] خداوند رحمٰن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو در اصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کو ادا کیا جائے) — دوسرے[۲] اطعام طعام یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے، اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ اخلاص و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت و الفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے) — تیسرے[۳] "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اور "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے، اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور ہے — ان تین[۳] نیک کاموں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی ہے: "تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" (تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہونچ جاؤ گے)۔

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ — رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: — ایک شخص نے

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ :"حضرت! اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟" آپ نے فرمایا:۔ (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ، اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اُس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اُس کو بھی سلام کرو ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اعمال میں اطعام طعام اور سلام کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے بعض دوسری حدیثوں میں (جو گزر بھی چکی ہیں) دوسرے بعض اعمالِ صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا والدین کی خدمت و اطاعت کو "خیر اعمال" اور "افضل اعمال" قرار دیا گیا ہے لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت و ضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے ہے، اور اسلامی نظامِ حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف جہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔

(۱۲۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

——— رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے، وہ یہ ہے کہ سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلۂ جنّت کی بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کی باہمی محبّت و مودّت بھی اس کی لازمی شرط ہے، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبّت و مودّت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں رُوح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بنا پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبّت و مودّت کا رس پیدا ہو جانے کا بہترین وسیلہ ہیں — لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

سلام کا اجر و ثواب :—

(۱۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُم فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ ——— رواہ الترمذی و ابوداؤد

حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ"۔ آپ نے اُس کے

سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں)"۔ پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: - بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں)۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے کہا: - اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ "آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا: - تیس (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری امت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا تھا، فرمایا کہ: - اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ "وَرَحْمَةُ اللهِ" کا بھی اضافہ کیا، اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ: - بیس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اور تیسرے شخص کے لئے جس نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" کے ساتھ تیسرے کلمہ "وَبَرَكَاتُهُ" کا بھی اضافہ کیا، آپ نے فرمایا کہ: - اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہوگئیں ۔۔۔۔ اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں اُن کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے اُبی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: - میں حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے، اور جس دُکاندار اور جس کباڑیئے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اُس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید و فروخت کے بغیر واپس آجاتے)۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کے کیا کریں گے؟ ۔ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں، اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھئے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں! ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ :۔ ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اُس کو سلام کریں (اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں)۔

(۱۲۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبْرِ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین رزیلہ ہے جس پر احادیث میں عذاب نار کی وعید ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا! ——

اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

عند الملاقات، سلام :——

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ۔

—— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں: —— اوّل یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ دوسرے جب وہ مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی محذور اور مانع نہ ہو) تیسرے جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب تو اُس سے دریغ نہ کرے۔ چوتھے جب اُس کو چھینک آئے، اور وہ "الحمد للہ" کہے تو یہ اُس کو "یرحمک اللہ" کہے (جو دعائیہ کلمہ ہے)۔ پانچویں جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ چھٹے جب وہ انتقال کر جائے، تو اُس کے جنازے کے ساتھ جائے —— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر

سب سے پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہے ۔۔۔ (حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث "اسلامی رشتہ کے چند حقوق" کے زیرِ عنوان) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے چند ہی ورق پہلے گزر چکی ہے وہاں ضروری تشریح بھی کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ ۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو، تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو، تو پھر سلام کرے ۔۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے ۔۔۔۔۔ اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور شریعتِ اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ یا جاؤ تو سلام کرو :۔۔۔۔۔

(۱۳۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً

عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِكَ ــــــــ رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا، اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی ــــــــ (جامع ترمذی)

(۱۳۴) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهِ وَإِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوا أَهْلَهُ بِسَلَامٍ ــــــــ رواه البیہقی فی شعب الایمان

حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو، اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کرکے نکلو ــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَهَىٰ أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُولَىٰ بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ ــــــــ رواه الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہونچے تو چاہئے کہ (اوّلاً) اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے ــــــــ اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے۔ (یعنی بعد والے رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں)۔

ــــــــ (جامع ترمذی)

سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ اُن کے لئے ذیل کی چند حدیثیں پڑھیئے ! ۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ ——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ :- چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے، اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام ——— (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہیئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے) ۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہیئے کہ وہ پیشقدمی کر کے بڑے کو سلام کرے ۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہیئے کہ وہ سلام میں پیشقدمی کرے، اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً کم آدمی ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیشقدمی کرے، اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیشقدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے ۔ اس ہدایت کی یہ حکمت ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے ۔

(۱۳۷) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مَرْفُوْعًا قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ ——— رواه البیہقی فی شعب الایمان

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرلے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے، اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے دے تو سب کی طرف سے کافی ہے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے:———

(۱۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کے لئے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا ——— (جامع ترمذی)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

(۱۳۹) عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ قَالَ فَيَجِيْئُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ . . ——— الحدیث

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے
تو آپ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے
والے سن لیتے ———— (جامع ترمذی)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے، یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہونچ جائے ———— اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مُصَافحہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبۂ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے بعض احادیث میں صراحۃً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

(۱۴۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْأَخْذُ بِالْيَدِ ۔ رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔

———— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)۔

مُصَافحہ کا اَجر و ثواب اور اُس کی بَرکتیں :-

(۱۲۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا ــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو اُن کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔

ــــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۲۲) عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ ــــــ رواہ مالک ۔ مرسلاً

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔۔ تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی ــــــ (موطا امام مالک)

(یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے، یعنی انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہونچی ــــــ ایسی حدیث کو مُرسل کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال)۔

(تشریح) یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو، جو دانہ بیجان ہو چکا اُس سے پودا نہیں اُگتا۔

معانقہ وتقبیل ——— اور قیام

محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی بُرائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ:۔ جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو، تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں، اُسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟۔ تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اُس شخص نے عرض کیا:۔ تو پھر اس کی اجازت ہو کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اسکی اجازت ہے اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اُس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ـــ ورنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

(۱۴۳) عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ بُشَیْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِيْ وَبَعَثَ اِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِيْ اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ

وَاَجْوَدَ ـــــــــــــ رواہ ابوداؤد

ایوب بن بُشَیر قبیلۂ بنو عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اُس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا :- کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے ؟- تو انھوں نے فرمایا کہ :- میں جب بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا - اور ایک دفعہ آپ نے مجھے گھر سے بُلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا، جب میں گھر آیا اطلاع مجھے بتایا گیا (کہ حضورؐ نے بُلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے سریر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنالیا جاتا تھا) آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا، اور آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا) ـــــ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنِ الشَّعْبِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَلَقّٰی جَعْفَرَ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَہٗ وَقَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْہِ ـــــــ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً

امام شعبی تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ ان کو لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (اُن کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔

ـــــــــ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

(۱۴۵) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَشْبَہَ سَمْتًا وَھَدْیًا وَدَلًّا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَۃَ کَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْہِ قَامَ اِلَیْھَا

فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا ـــــــ رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھیں) جب وہ حضورؐ کے پاس آتیں تو آپ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے، اور اپنی جگہ پر اُن کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ اُن کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں اُس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں ـــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ روایات اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اس لئے حضرت انسؓ کی اُس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم اُن مواقع کے لئے ہے جب سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ والی آخری حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضورؐ کے کھڑے ہو جانے اور حضورؐ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے تشریف لانے پر

اگر صحابۂ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

ملاقات یا گھر یا مجلس میں آنے کیلئے اجازت کی ضرورت :—

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کرے اور اجازت مانگے، اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے کہ اُس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

(۱۴۶) عَنْ كَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَجِدَايَةٍ وَضَغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ؟ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن اُمیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، یہ اُس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گیا، اور نہ میں نے پہلے سلام کیا، اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ نے فرمایا کہ: تم واپس جاؤ، اور (قاعدہ کے مطابق) "السلام علیکم أأدخل؟" کہہ کے اجازت مانگو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ صفوان بن اُمیہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسولؐ اُمیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے، اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وادی مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو مَعلیٰ کہتے ہیں۔ صفوان بن اُمیہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرن کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے، اس لئے یوں ہی حضورؐ کے پاس پہونچ گئے ——— آپ نے اس ادب کی تعلیم کے لئے اُن سے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ اور کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَ أَدْخُلُ" (السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ ۔۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اُن سے عمل بھی کرا دیا ——— ظاہر ہے کہ جو سبق اس طرح دیا جائے اُس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

(۱۴۷) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَأْذِنُ عَلَى أُمِّي؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا، أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا ——— رواہ مالک مرسلاً

عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم سے پوچھا :- کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے کے لئے بھی پہلے اجازت طلب کروں ؟ - آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- ہاں ! ماں کے پاس جانے کے لئے بھی اجازت لو ! - اُس شخص نے عرض کیا کہ :- میں ماں کے ساتھ ہی گھر میں رہتا ہوں (مطلب یہ کہ میرا گھر کہیں الگ نہیں ہے، ہم ماں بیٹے ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں بھی میرے لئے ضروری ہے کہ اجازت لے کر گھر میں جاؤں ؟) - آپ نے ارشاد فرمایا :- ہاں ! اجازت لے کر ہی جاؤ ——— اُس شخص نے عرض کیا کہ :- میں ہی اس کا خادم ہوں (اس کے سارے کام کاج میں ہی کرتا ہوں اس لئے بار بار جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں تو ہر دفعہ اجازت لینا ضروری نہ ہوگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- نہیں، اجازت لے کر ہی جاؤ، کیا تم یہ پسند کروگے کہ اس کو برہنہ دیکھو ! - اُس شخص نے عرض کیا کہ :- یہ تو ہرگز پسند نہیں کروں گا ——— آپ نے ارشاد فرمایا :- تو پھر اجازت لے کر ہی جاؤ ——— (موطا امام مالکؒ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بغیر اجازت اور اچانک اپنی ماں کے گھر میں جانے کی صورت میں، اس کا امکان ہے کہ تم ایسی حالت میں گھر میں پہونچو کہ تمہاری ماں کسی ضرورت سے کپڑے اُتارے ہوئے ہو، اس لئے ماں کے پاس بھی اجازت لے کر ہی جانا چاہئے -

(۱۴۸) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو -

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے، اُس کے بعد کہے کیا میں آسکتا ہوں اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اُس کو

اجازت نہ دو بلکہ اس کو بتادو کہ پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا دُعائیہ کلمہ کہہ کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اُخوت اور للّٰہی رشتہ کا اظہار کرے اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

(۱۴۹) عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهٖ أُخْرُجْ إِلَى هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْإِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهٗ "قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ ——— رواہ ابوداؤد

ربعی بن حراش (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت چاہی، اور عرض کیا :— أَأَلِجُ؟ (کیا میں اندر آسکتا ہوں؟) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ، اُس سے کہو کہ وہ یوں کہے :— "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" اُس شخص نے آپ کی بات خود سُن لی، اور عرض کیا :— "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" تو آپ نے اس کو اجازت دے دی، اور وہ آپ کے پاس حاضر ہو گیا ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۵۰) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ زَارَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنْزِلِنَا فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَرَدَّ أَبِيْ رَدًّا خَفِيًّا، فَقُلْتُ أَلَا تَأْذَنُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ ذَرْهُ حَتّٰى يُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ فَقَالَ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"
فَرَدَّ سَعْدٌ رَدًّا خَفِيًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"، ثُمَّ رَجَعَ، فَاتَّبَعَهُ
سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ كُنْتُ اَسْمَعُ تَسْلِيْمَكَ
وَاَرُدُّ عَلَيْكَ رَدًّا خَفِيًّا لِتُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ فَانْصَرَفَ
مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ لَهُ سَعْدٌ بِغُسْلٍ
فَاغْتَسَلَ ثُمَّ نَاوَلَهُ مِلْحَفَةً مَصْبُوْغَةً بِزَعْفَرَانٍ اَوْ وَرْسٍ
فَاشْتَمَلَ بِهَا، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى اٰلِ سَعْدٍ"، ثُمَّ اَصَابَ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمَّا اَرَادَ الْاِنْصِرَافَ
قَرَّبَ لَهُ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَّاَ عَلَيْهِ بِقَطِيْفَةٍ فَقَالَ
لِيْ سَعْدٌ اِصْحَبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِبْتُهُ
فَقَالَ لِيْ اِرْكَبْ مَعِيْ فَاَبَيْتُ، فَقَالَ اِمَّا اَنْ تَرْكَبَ
وَاِمَّا اَنْ تَنْصَرِفَ فَانْصَرَفْتُ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت سعد بن عبادہؓ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ہمارے گھر پہ تشریف لائے اور آپ نے
قاعدے کے مطابق (باہر سے) فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"
تو میرے والد (سعد بن عبادہؓ) نے (بجائے اس کے کہ آپ کے سلام کا آواز سے
جواب دیتے اور اندر تشریف لے آنے کے لئے عرض کرتے) بہت خفی آواز سے
(کہ حضورؐ سُن نہ سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ:۔ آپ حضورؐ سے
اندر تشریف لانے کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے؟۔ میرے والد نے فرمایا کہ:۔

بولو مت، ایسے ہی رہنے دو، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں! اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) ـــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" حضرت سعدؓ نے پھر (اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضورؐ نے نہیں سنا)۔ تو پھر (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ کی طرف سے کوئی جواب آپ نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے ـــــ تو حضرت سعدؓ آپ کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ: حضرتؐ! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کے ساتھ اُن کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضورؐ کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضورؐ کو ایک چادر دی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی، جسے آپ نے "اشتمال" کے طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کے اِس طرح دُعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى آلِ سَعْدٍ" (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں فرما سعد کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضورؐ کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو) واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضورؐ نے یہ فرمایا

تو میں واپس لوٹ آیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لئے جائے تو پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے، اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضورؐ کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا (جس کی وجہ سے حضورؐ کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا) بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضورؐ کی مزاج شناسی کی بنا پر انہیں یقین تھا کہ آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے اس لئے انھوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور حضورؐ نے کسی گرانی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی ۔۔۔۔ حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح کی ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضورؐ نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھو دی گئی تھی، اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ملاقات کو آنیوالے کا حق ہے کہ اُس کو پاس بٹھایا جائے :-

(۱۵۱) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا إِذَا رَآهُ أَخُوْهُ أَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ ـــــــــ رواه البیہقی فی شعب الایمان

واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ کے پاس آئے تو آپ اُن کے لئے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو اپنے پاس آتا دیکھے، تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے)۔

ـــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلم آئے تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہئے، اس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب و جانشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لئے خاص سبق ہے۔

مجلس سے کسی کو اُٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے :-

(۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا ــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کوئی آدمی ایسا نہ کرے (یعنی کسی کو اس کا حق نہیں ہے) کہ کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کے لئے) کشادگی اور گنجائش پیدا کریں (اور ان کو جگہ دے دیں)۔
ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(۱۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ ــــــ رواه مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت سے) اٹھا اور پھر واپس آ گیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حقدار ہے ــــــ (صحیح مسلم)

مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں اُن کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہئے:۔

(۱۵۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا ــــــ رواه ابوداؤد

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔
"دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو ۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں بھی روایت کی گئی ہے:۔ "لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا" (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کر دے) ۔
سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے ۔

اپنی تعظیم کیلئے بندگانِ خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے :۔

(۱۵۵) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔۔۔۔ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں، اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے ۔۔۔۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں، اور یہ تکبر کی نشانی ہے اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے، جس کے حق میں فرمایا گیا ہے: " بِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ"

(وہ دوزخ متکبرین کا بُرا ٹھکانا ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت ومحبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہوجائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے:۔

(۱۵۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَہٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُھَا بَعْضًا۔

——————— رواہ ابوداؤد

حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہوگئے آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں ——————— (سنن ابی داؤد)

(۱۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانُوْا اِذَا رَأَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاھِیَتِہٖ لِذَالِکَ۔

——————— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لئے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھی، اس کے باوجود اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضورؐ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناپسند ہے ——————— (جامع ترمذی)

صاحبِ مجلس کے اُٹھنے پر اہلِ مجلس کا کھڑا ہو جانا

(۱۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِهٖ ۔۔۔۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے، پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اُٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے، اور اس وقت تک کھڑے رہتے جبکہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں آپ داخل ہو گئے ۔۔۔۔۔۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) صحابۂ کرام کو اس طریقۂ عمل سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ اس عاجز کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہلِ مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضورؐ کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہلِ مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لئے اس کھڑے ہونے کو حضورؐ گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضورؐ کی ہدایات اور آپؐ کا طریقہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیٹنے، سونے، اور بیٹھنے کے بارے میں بھی اُمت کو ہدایات دی ہیں، اور اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند احادیث پڑھئے اور آپ کی تعلیم و ہدایت کی جامعیت کا اندازہ کیجئے! ۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت :

(۱۵۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا، جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو　(جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اُس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶۰) عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِي رِوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔ ——— رواہ ابوداؤد

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الآیۃ) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اُس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی ——— اور اگر خدانخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہونچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کے لیٹنے کی ممانعت اور اُس کی وجہ :—

(۱۶۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضورؐ کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو، تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت :

(۱۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَأٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللهُ ــــــ رواه الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

(۱۶۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّ بِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَكَضَنِیْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ یَا جُنْدُبُ اِنَّمَا هِیَ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ۔

ــــــ رواه ابن ماجه

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے

اپنے قدم مبارک سے مجھے ہلایا اور فرمایا: — اے جُندُب! یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے ———— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کسی عمل یا کسی عادت کی قباحت یا شناعت اہل ایمان کے دلوں پر بٹھانے کے لئے یہ نہایت مؤثر طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ یا اُنکی عادت ہے ——— جُنْدُب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اصلی نام ہے۔ حضورؐ نے اس تعلیم و ہدایت کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح لیٹتے تھے: ————

(۱۶۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ ———— رواہ فی شرح السنہ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے، اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے ——— (شرح السنہ للبغوی)

(تشریح) اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے تھے، پھر اگر سفر سویرے سرِشام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اُتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے ————

حضرت ابوقتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضورؐ جب ایسے وقت اُترتے اور پڑاؤ

کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اور جب آپ رات کے بالکل آخری حصہ میں اُترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اور اس طرح گویا نماز فجر کا انتظار فرماتے تھے ——— اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر اُمت کو پہونچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری اُمت کی طرف سے عطا فرمائے، اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

(۱۶۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيٰى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ ——— (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيٰى" (اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں، اور تیرے ہی نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں) اور پھر جب آپ بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے:۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جلا دیا، اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اٹھنا ہوگا) ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ داہنی کروٹ پر داہنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں سونے کے لئے لیٹنے کے وقت اور پھر جاگتے وقت کی جس مختصر دُعا کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں اس کے علاوہ بھی متعدد دعائیں ان دونوں موقعوں کے لئے روایت کی گئی ہیں ——— یہ سب حدیثیں اس سلسلۂ معارف الحدیث کی پانچویں جلد میں زیرِ عنوان "سونے کے وقت کی دعائیں" درج کی جا چکی ہیں۔

سو کے اُٹھ کر مسواک کا اہتمام:

(۱۶۶) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ اِلَّا وَالسِّوَاكُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاِذَا اِسْتَيْقَظَ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ ——— رواه احمد والحاكم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سونے کا ارادہ کرتے تو مسواک اپنے سرہانے رکھ لیتے پھر جب بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے ——— (مسند احمد مستدرک حاکم)

(۱۶۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا تَسَوَّكَ ——— رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں یا دن میں جب بھی سوتے تو اُٹھ کر مسواک ضرور کرتے ——— (سنن ابی داؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے :

(۱۶۸) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ :۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صحن میں احتبا کے طور پر (یعنی گوٹ مارے) بیٹھا دیکھا ہے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) احتبا بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرینیں اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین پر ہوں اور دونوں زانو کھڑے ہوں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا جائے، یہ اہلِ تفکر اور اصحاب مسکنت کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کو ہندی میں گوٹ مار کے بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس طرح بیٹھتے تھے۔

(۱۶۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے تھے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا تھا۔

——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احتبا کی شکل کے علاوہ چہار زانو بھی بیٹھتے تھے۔ اور حدیث کے راوی جابر بن سمرہ کے بیان کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب کے بعد تک (گویا اشراق تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں اپنی جگہ پر چہار زانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔

مجلس میں آنیوالے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے:—

(۱۷۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي۔

——— رواہ ابو داؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضورؐ کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اصولِ حدیث میں یہ بات مسلّم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضورؐ کے زمانہ میں آپ کے صحابہؓ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ کی مرضی کے مطابق اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا ———۔ اس بناء پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے ——— ہاں صاحب مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیشِ نظر اُس کو آگے بُلا لے۔

حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے :۔

(۱۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے اس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔

(جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

(تشریح) شارحین نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں :۔ ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک متکبر یا بے تمیز اور بے ادب نا آشنا آدمی لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے، بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے ——— دوسری توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنا سامنا ہے ایک آدمی آکر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بیہودہ حرکت ہے ——— تیسری توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں اُن کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت :۔

(۱۷۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ

مَالِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا:۔ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی چیز پر اظہار ناراضگی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے :۔ "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں"، یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے اور نظر نہ آنا چاہیے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپؐ اپنی حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو۔ ——— بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس ظاہری تفرق اور تشتّت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصّہ دھوپ میں ہو اور کچھ سایے میں : ———

(۱۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِی الشَّمْسِ وَبَعْضُهٗ فِی الظِّلِّ فَلْیَقُمْ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اُس پر سے سایہ ہٹ جائے اور پھر اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اُسے چاہئے کہ وہ اُس جگہ سے اُٹھ جائے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ماہرین نے بتایا ہے کہ اس طرح بیٹھنا یا لیٹنا کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو طبّی لحاظ سے مضر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت غالباً اسی لئے فرمائی ہو گی۔ واللہ اعلم۔
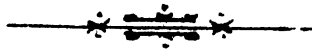
مجلس میں گفتگو، ہنسی مزاح، چھینک اور جمائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس بارے میں بھی واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے، اور ظرافت و مزاح اور کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رُویّہ اختیار کیا جائے ——— اس سلسلہ کی آپ کی ہدایات و تعلیمات کی رُوح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے، لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اور اُس کے احکام اور اپنے عمل اور رویّہ کے اُخروی انجام کو پیشِ نظر رکھے۔

زبان کے استعمال اور بات چیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا کافی حصہ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد (کتاب الاخلاق) میں درج ہو چکا ہے۔ سچ اور جھوٹ، شیریں کلامی اور بدزبانی، چغل خوری، عیب جوئی یا وہ گوئی، غیبت اور بہتان وغیرہ کے متعلق احادیث وہاں گزر چکی ہیں، اسلئے گفتگو اور زبان کے استعمال کے سلسلہ میں چند باقی مضامین کی حدیثیں ہی یہاں درج کیجا رہی ہیں۔

بے ضرورت، بات کو لمبا نہ کیا جائے :

(۱۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِي قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَأَيْتُ اَوْ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ ــــــ رواہ ابو داؤد

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی، اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ :- اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا ــــــ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- میں یہ مناسب سمجھتا ہوں ــــــ یا آپ نے فرمایا کہ :- مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ "بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے" ــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اکتا جاتے ہیں، اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر و وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا اثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلۂ فوز و فلاح بھی ہو سکتی ہے اور موجب ہلاکت بھی :

(۱۷۵) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَھَا یَکْتُبُ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا رِضْوَانَہٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنَ الشَّرِّ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَھَا یَکْتُبُ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْہِ سَخَطَہٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ ——— رواہ فی شرح السنہ وروی مالک والترمذی وابن ماجۃ نحوہ۔

بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اُس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے —— اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اسی بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے ——— (شرح السنہ للبغوی)

(اور ایسی ہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے) ———

(تشریح) حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پروا ہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا دے، اور (خدا اپنی پناہ میں رکھے) ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اس کو رضا و رحمتِ الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہونچا دے۔

———

کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے:—

کسی کی تعریف کرنا دراصل اُس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اُس آدمی میں اعجاب نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے —— افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زماننا ہمارے دینی حلقوں میں بھی بڑی بے پروائی برتی جارہی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(۱۷۶) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْکَ ثَلٰثًا —— مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ اِنْ کَانَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذَالِکَ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا۔

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کرکے) گردن کاٹ دی (یعنی ایسا کام کیا جس سے وہ ہلاک ہو جائے)۔ یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی —— (اس کے بعد فرمایا) جو کوئی تم میں سے (کسی بھائی کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں (اور میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے) اور اس کا محاسب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (جو اس کی حقیقت کو

پورا علم ہے) اور ایسا نہ کہے کہ خدا پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے (یعنی کسی کے حق میں ایسی بات نہ کہے کہ وہ بلا شبہ اور یقیناً اور عند اللہ پاک اور مقدس ہے، کیونکہ یہ خدا پر حکم لگانا ہے اور کسی بندہ کو اس کا حق نہیں ہے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۷) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم "مدّاحین" (بہت زیادہ تعریفیں کرنے والوں) کو دیکھو تو اُن کے منھ پر خاک ڈال دو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "مداحین" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ ورانہ طور پر اُن کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور اُن کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منھ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو اُن کے منھ پر خاک ڈال دو۔ ——— اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہار ناراضگی کے طور پر اُن کے منھ پر حقیقتہً خاک ڈال دو، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انھیں کسی قسم کا انعام و اکرام کچھ نہ دو گویا "منھ پر خاک ڈالنے" کا مطلب انھیں کچھ نہ دینا اور محروم و نامراد واپس کر دینا ہے۔ اور بلاشبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ ——— تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منھ میں خاک! گویا یہ کہنا ہی ان کے منھ میں خاک ڈالنا ہے۔ ——— حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو

ھوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اُٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری ــــ زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندۂ خدا کی سچی تعریف اُس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ انشاءاللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض، دوسرے صحابیوں کی جو اس طرح تعریف کبھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر و سخن :-

اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر و شاعری عام تھی اور شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی، بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا سورہ یٰسٓ شریف میں فرمایا گیا ہے :-

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ـ	ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کے لئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔
(یٰسٓ ـ ع ـ ۵)	

علاوہ ازیں جس قسم کی شعر و شاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت و کردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے ــــ ارشاد فرمایا گیا ہے :

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ـــــ (الشعراء ع ۱۱)

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بد چلن لوگ ہی اُن کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

بعض صحابہ نے شعر و شاعری کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر بُرا ہے تو وہ بُرا ہے ـــــ اور بعض موقعوں پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں ـــــ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے :۔

(۱۷۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهُ قَبِيْحٌ ـــــ رواه الدارقطنى وروى الشافعى عن عروة مرسلاً.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔ اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو بُرا ہے وہ بُرا ہے۔ ـــــ (سنن دارقطنی)

[اور امام شافعی نے اسی حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے حضرت عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔]

(۱۷۹) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً ـــــــ رواہ البخاری

حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں۔ ـــــــ (صحیح بخاری)

(۱۸۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ": (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)

ـــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ لبید زمانہ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اُس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مصرعہ "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" کو "شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ" اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" ـــــــ اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے "وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ" (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے)۔

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انھوں نے اپنے دورِ جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی ـــــــ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ،

"یَکْفِیْنِیْ الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی ــــــ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی[1] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(۱۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمَيَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَيْئٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ هِيْهِ فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ ــــــ (رواہ مسلم وزاد فی روایۃ لَقَدْ كَادَ يُسْلِمُ فِيْ شِعْرِهِ)

عمرو بن شرید اپنے والد شرید بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ ہی کی سواری پر سوار تھا، آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تمھیں امیّہ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں یاد ہیں، آپ نے فرمایا سناؤ! تو میں نے ایک بیت آپ کو سنایا، آپ نے فرمایا اور سناؤ، میں نے ایک اور بیت سنایا، آپ نے پھر فرمایا اور سناؤ، تو میں نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اُمیّہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہوگیا تھا)۔ ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) اُمیّہ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا لیکن اس کی شاعری غالب رشاد تھی،

---

[1] فتح الباری ص ۳۹ ج ۱۰

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ نے اس کے بارہ میں فرمایا: "لَقَدْ كَادَ يُسْلِمُ فِي شِعْرِهٖ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) — اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اُمیّہ بن ابی الصلت کے اشعار سن کر فرمایا: "اٰمَنَ شِعْرُهٗ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ" (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) — اُمیّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہونچی مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

ظرافت و مزاح:-

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جا سکتی — اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپؐ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

(۱۸۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا

لہ فتح الباری ص ۴۳ ج ۱۵

قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا ــــــ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں (مزاح میں بھی) حق ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔ ــــــ (جامع ترمذی)

(۱۸۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ۔

ــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں میں تم کو سواری کے لئے ایک اونٹنی کا بچہ دوں گا، ــــــ اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا۔؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ اونٹنیوں ہی کے تو بچے ہوتے ہیں ــــــ (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے، جو اونٹ بھی دیا جائے گا وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا)۔

ــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَأَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ؟ وَكَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَهَا اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا

ــــــ رواہ رزین

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ "کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی" اس (بیچاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جا سکیں گی؟ وہ بوڑھی قرآن خوان تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو "اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشو و نما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنادیں گے۔) (مسند رزین)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں حدیثیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لطیف مزاح کی مثالیں ہیں ——— بعض حدیثوں میں مزاح کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن اُن حدیثوں میں اس کا قرینہ موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوۂ حسنہ اس بارہ میں مندرجۂ بالا حدیثوں سے معلوم ہوا وہ بھی اس کا قرینہ بلکہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ممانعت اسی مزاح کی فرمائی گئی ہے جو دوسرے آدمی کے لئے ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

(۱۸۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ

——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نشانہ کرو، اور اُس سے مزاح (یعنی مذاق) نہ کرو اور اُس سے ایسا وعدہ کرو جس کی تم وعدہ خلافی کرو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس حدیث میں مزاح کی ممانعت جس سیاق و سباق میں کی گئی ہے اُس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ اسی مزاح کی ممانعت ہے جو ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)

ہنسی کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ "عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا" ہی بنا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ رویّہ اور برتاؤ اُن لوگوں کے لیے کیسی قلبی و رُوحانی مسرّت کا باعث ہوتا ہوگا اور اس کی وجہ سے اُن کے اخلاص و محبّت میں کتنی ترقی ہوتی ہوگی ـــــ اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل چند حدیثیں پڑھئے:۔

(۱۴۳) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ

ـــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے مجھے اسلام نصیب ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (خدمت میں) حاضری سے روکا ہو، اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا تو آپ نے تبسم فرمایا (یعنی ہمیشہ مسکرا کر ملے)　　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) "مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ جب بھی میں نے حاضرِ خدمت ہونا چاہا تو آپ نے اجازت عطا فرمائی اور

شرف ملاقات بخشا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے منع فرمایا ہو۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـــــــــــ رواه الترمذی

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

(جامع ترمذی)

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ ـــــــــــ رواه البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی پوری طرح (کھل کھلا تے) ہنستا ہوا نہیں دیکھا کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) بعض روایات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کو "ضحک" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپ کی عادت شریفہ تھی، یعنی مسکرانا، البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے "ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ" (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں)۔

(۱۸۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِىْ يُصَلِّىْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ فِىْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے، پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اس اثنا میں) آپ کے صحابہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں خوب ہنستے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بس مسکراتے رہتے (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بھی زمانۂ جاہلیت کی ایسی لغویات و خرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ" (یعنی اس سلسلۂ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام کے ساتھ اس طرح کا بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرتے تو ان حضرات پر آپ کا ایسا رُعب چھایا رہتا جو استفادہ میں رکاوٹ بنتا۔ حضرات مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا تنزل تھا، اس کے بغیر مقصد رسالت کی تکمیل

نہیں ہوسکتی تھی۔

صحابۂ کرام کے باہم ہنسنے ہنسانے کے اس تذکرہ کے ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک بزرگ تابعی بلال بن سعد کے دو بیان پڑھ لینا بھی انشاء اللہ موجب بصیرت ہوگا۔ یہ دونوں بیان مشکوٰۃ المصابیح میں "شرح السنہ" کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ ـــــ انھوں نے فرمایا۔

نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ۔	ہاں بے شک وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔

(یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مُردہ کر دیتا ہے)۔

اور بلال بن سعد کا بیان ہے۔

اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا۔	میں نے صحابۂ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

چھینکنے اور جمائی لینے کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات :-

چھینکنا اور جمائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے :-

(۱۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ اَخُوْهُ اَوْصَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔

رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہئے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور اس کا جو بھائی (یا آپ نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر خدا کی رحمت) اور جب یہ بھائی "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہئے کہ چھینکنے والا اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ کہے "یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)　　(صحیح بخاری)

(تشریح) چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے ابخرات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لیے صحت و اعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے اسلئے ہدایت فرمائی گئی کہ جس کو چھینک آئے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا

اس دعا دینے والے بھائی کو کہے "یَغْفِرُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ"
ذرا غور کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت نے ایک چھینک کو اللہ کی کتنی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنا دیا۔

(۱۹۱) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوهُ وَإِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوهُ

رواہ مسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو تم کو چاہئے کہ اس کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہہ کر دعا دو، اور اگر وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" نہ کہے (اور خدا کو یاد نہ کرے) تو تم بھی "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" نہ کہو (یعنی الحمد للہ نہ کہنے کی وجہ سے وہ تمہاری اس دعاء رحمت کا استحقاق نہیں رہا)۔

(صحیح مسلم)

(۱۹۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِي قَالَ إِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللّٰهَ۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہہ کر دعا دی اور دوسرے کو آپ نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" نہیں کہا، تو اس

دوسرے آدمی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان (بھائی) کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہہ کے دعا دی اور مجھے یہ دعا نہیں دی، ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ ان (بھائی) نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہا تھا اور تم نے نہیں کہا اس لئے خود تم نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کا حق کھو دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹۳) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰى فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ ـــــ رواه مسلم ـــــ

وفی روایۃ للترمذی اَنَّهٗ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ اَنَّهٗ مَزْكُوْمٌ۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے ہوئے) ایک شخص کو چھینک آئی تو آپ نے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہہ کے ان کو دعا دی، ان کو دوبارہ چھینک آئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ زکام میں مبتلا ہیں۔ (صحیح مسلم)

[اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری دفعہ چھینکنے پر یہ فرمایا تھا کہ ان کو زکام ہے۔]

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نزلہ زکام کی وجہ سے کسی کو بار بار چھینک آئے تو اس صورت میں ہر دفعہ "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہنا ضروری نہیں ـــ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس بارہ میں واضح ہدایت آرہی ہے

(۱۹۴) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا۔ ـــــ رواه ابوداؤد والترمذی

عبید بن رفاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ تو "یرحمک اللہ" کہو اور اس سے زیادہ چھینکیں آئیں تو اختیار ہے چاہے "یرحمک اللہ" کہو، چاہے نہ کہو۔
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۹۵) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔
رواہ الترمذی

حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انہوں نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مُبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا، ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا تعلیم فرمایا ہے، اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" کی بھی تعلیم دی ہے ـــــ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خاص مواقع کے لئے ذکر یا دعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے

کوئی اضافہ نہ کرنا چاہیے اگرچہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهُ بِیَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھک لیتے تھے، اور اس کی آواز کو دبا لیتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے کے وقت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیا جائے اور چھینک کی آواز کو بھی حتی الوسع دبا لیا جائے۔

(۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِهٖ عَلٰی فِیْهِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہیے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کر لے، کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بدنما انداز میں کھل جاتا ہے اور ہا ہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر

ایک بدنما ہیئت ہوجاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کرلینا چاہیئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور چہرہ کی ہیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی ـــ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہوسکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے ـــ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کردیتا ہے[1]ـــ واللہ اعلم

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۲۰۰ ج ۲ (آداب الصحبۃ)

کھانے پینے کے احکام و آداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن میں ماکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے —— دوسرے وہ جن میں خورد و نوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے، یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور اُن کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ"[1] (یہ نبی امی اچھی اور پاکیزہ چیزوں (اَلطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (اَلْخَبَائِث) کو حرام قرار دیتے ہیں)۔

---

[1] اعراف ع۔ ۱۹۔

قرآن و حدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلّت و حرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ جن چیزوں کو آپؐ نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے اُن میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے، اسی طرح جن چیزوں کو آپ نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں، اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

قرآن مجید میں پینے والی چیزوں میں سے صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے حدیثوں میں اس کے بارے میں مزید تفصیلی اور تاکیدی احکام ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ کی آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا ـــــ اور غذائی اشیاء میں سے اِن چیزوں کی حُرمت کا قرآن پاک میں واضح اعلان فرمایا گیا ہے ـــــ

مَیْتَۃ، یعنی وہ جانور جو اپنی موت مر چکا ہو، خونؔ یعنی وہ لہو جو رگوں سے نکلا ہو، خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو (وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) ـــــ یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے حالانکہ پہلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اور بار بار ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

مَیْتَۃ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرتِ سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اُس سے گھِن کرتی ہے۔ اور طبّی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے، کیونکہ جیسا کہ علماءِ طب نے کہا ہے حرارتِ غریزیہ کے گھُٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں سمیت کا اثر آجاتا ہے۔

خونؔ یعنی لہو کا بھی یہی حال ہے کہ فطرتِ سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی، اور شریعت میں اس کو قطعاً ناپاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب و جلال نے بعض سخت مجرم اور

بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (فَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث و ملعون ہیں اور خدا کی لعنت و غضب کا مظہر ہیں، اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا البتہ چونکہ بندر کو غالباً دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے، اس لئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے کہ بہت سی قوموں نے خاصکر حضرت مسیح علیہ السلام کی اُمت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنا لیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا ـــــ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (ويقتل الخنزير) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ اُن کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں "فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اسلئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ـــــ ان کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکملہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارہ میں ہدایات فرمائی ہیں:۔

(۱۹۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللهُ نَبِيَّهُ وَأَنْزَلَ كِتَابَهُ وَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا "قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً" الْآيَة ـــــ رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے عرب) کچھ چیزوں کو (طبعی خواہش اور رغبت کی بنا پر) کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو (طبعی نفرت اور گھن کی بنیاد پر) نہیں کھاتے تھے ـــــ (اسی طرح اُن کی زندگی چل رہی تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی، اور جو چیزیں عند اللہ حلال تھیں اُن کا حلال ہونا بیان فرمایا اور جو حرام تھیں اُن کا حرام ہونا بیان فرمایا ـــــ (پس جس چیز کو اللہ و رسول نے حلال بتلایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بتایا ہے وہ حرام ہے) اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے (یعنی اس کا حلال یا حرام ہونا بیان نہیں فرمایا گیا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے استعمال پر مواخذہ نہیں) اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس نے بطور سند یہ آیت تلاوت فرمائی "قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً" الآية

ـــــ (سنن ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے بعد کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار وحیِ الٰہی اور خدا و رسول کا حکم ہے۔ کسی کی پسند و ناپسند اور رغبت و نفرت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۱۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے) پرندے کے کھانے سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ نکیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں "ناب" اور اُردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین، ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بیچارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو مخلب یعنی پنجہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب کے کھانے سے منع فرمایا، یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

(۲۰۰) عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) بعض دوسری حدیثوں میں گدھوں کے ساتھ خچروں کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ہی جانوروں کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے، اور یہ بھی محرمات میں سے ہیں۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَاَذِنَ فِيْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن منع فرمایا پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے اور اجازت دی گھوڑوں کے گوشت کے بارہ میں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر اکثر ائمہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ سے کراہت کا قول نقل کیا گیا ہے ۔۔۔ غالباً اس کی بنیاد یہ ہے کہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت خالد بن الولیدؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گدھے اور خچر کے ساتھ گھوڑے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی ہے ۔۔۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت وحرمت دلائل کی بنا پر مشتبہ ہو جائے تو وہ ازراہ احتیاط ممانعت کو ترجیح دیتے ہیں، غالباً اسی لئے انھوں نے گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے کچھ دلائل ہیں۔ لیکن فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آخر میں امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور جواز کے قائل ہو گئے تھے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صحیحین کی حدیث ہے۔ واللہ اعلم

(۲۰۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرَّةِ وَاَكْلِ ثَمَنِهَا. ــــ رواه ابوداؤد والترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی

(سنن ابی داؤد و ترمذی)

تشریح ؛ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، علماء اور شارحین کے نزدیک اس ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

(۲۰۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا. ــــ رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔

(جامع ترمذی)

تشریح) کبھی کبھی بعض جانوروں اونٹ گائے، بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھانے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے، ایسے ہی جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے، اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے ــــ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ اس کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہوگا ــــ اب وہ گوشت اور دودھ "جلالہ" کا نہیں رہا۔

(۲۰۴) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَجُبُّونَ أَسْنِمَةَ الْإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ أَلْيَاتَ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ ـــــ رواه الترمذی وابوداؤد

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب (مکہ سے ہجرت فرماکے) مدینہ تشریف لائے تو یہاں (نہایت سنگدلانہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ) کچھ لوگ کھانے کے لئے اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے (جو بہت مرغوب قسم کا گوشت ہوتا ہے) اور اسی طرح دُنبوں کی چکتی کاٹ لیتے (اور پھر اُس اونٹ اور دُنبہ کا علاج کر لیتے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں فرمایا کہ کسی زندہ جانور میں سے جو گوشت کاٹا جائے گا وہ مُردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

(۲۰۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ شَرِيطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيسَى هِيَ الذَّبِيحَةُ تُقْطَعُ مِنْهُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى الْأَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتَّى تَمُوتَ ـــــ رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا "شریطۂ شیطان" کے کھانے سے ـــ حدیث کے راوی ابن عیسیٰ نے لفظ "شریطۂ شیطان" کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مُراد وہ ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کی اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔　　　(سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے، بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے، اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو "شریطۂ شیطان" کہا گیا ہے، جس کے معنی ہیں شیطان کا گھائل کیا ہوا، گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

(۲۰۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ۔

(رواه ابو داؤد)

عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے، لیکن آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کھانا ناجائز نہیں ہے، اس بنا پر دوسرے اکثر ائمہ نے اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

(۲۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهٗ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ الضَّبُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ لَا، وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ

فَاَجِدُنِیْ اَعَافُهُ، قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَاَكَلْتُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيَّ۔

——— رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے اُن سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُم المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا (راوی نے بتایا کہ حضرت میمونہ خالد بن الولید اور عبداللہ بن عباس کی بھی حقیقی خالہ تھیں، آگے حضرت خالد کا بیان ہے کہ) میں نے دیکھا کہ ان کے (یعنی ہماری خالہ میمونہ کے) پاس ایک بھنی ہوئی گوہ ہے، وہ انھوں نے کھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھادی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا، (جس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کو کھانا نہیں چاہتے) تو خالد بن الولید نے (جو کھانے میں شریک تھے) پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، (یعنی حرام تو نہیں ہے) لیکن یہ ہمارے علاقہ میں (یعنی مکہ کی سرزمین میں) ہوتی نہیں تھی اس لئے میری طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی ——— خالد نے بیان کیا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سُن کر) میں نے اس کو اپنی طرف سرکا لیا اور کھاتا رہا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے رہے (یعنی آپ نے مجھے کھاتے دیکھا اور منع نہیں فرمایا)۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جو حضرات ائمہ گوہ کی حلت کے قائل ہیں اُن کی سب سے بڑی دلیل یہی حدیث ہے، اس کے علاوہ بھی بعض حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ کا کھانا حلال ہے، امام ابوحنیفہؒ کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیثیں غالباً اس زمانہ کی ہیں جبکہ اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، اور جب تک کسی چیز کی حرمت کا حکم نہ آئے وہ مُباح ہے، بہرحال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ممانعت کی حدیث کو جو اُوپر درج ہو چکی ہے، زمانہ کے

لحاظ سے مؤخر اور ناسخ سمجھتے ہیں ــــ علاوہ ازیں ابھی کچھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کا عام دستور اور رویہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت اور حرمت کے بارہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ از راہ احتیاط حرمت کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ مَيْمُونَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ ــــ ــــ ــــ رواه البخاری

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ گھی میں چوہا گر گیا اور مر گیا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارہ میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ اس مرے ہوئے چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو، اور پھر باقی گھی کو کھا لو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ گھی منجمد ہو، لیکن اگر منجمد نہ ہو بلکہ رقیق اور سیّال ہو تو پھر وہ سارا گھی کھانے کے لائق نہیں رہے گا۔

(۲۰۹) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِدًا فَاَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَاِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوهُ

ــــ رواه احمد وابوداؤد ورواه الدارمی عن ابن عباس

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب چوہا گھی میں گر جائے (اور مر جائے) تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو ــــ اور ارد گرد کے گھی کو نکال کے پھینک دو، اور اگر گھی پتلا ہو تو پھر اُس کے پاس نہ جاؤ، (یعنی اس کا کھانا جائز نہیں ہے نہ کھاؤ)۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

[اور یہی حدیث دارمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے]

(۲۱۰) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰی حِمَارًا وَحْشِیًّا فَعَقَرَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَیْءٌ؟ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا۔

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سفر میں) ایک گورخر اُن کی نظر پڑا (وہ اچھے ماہر شکاری تھے) انھوں نے اُس کو زخمی کر کے شکار کر لیا (پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کے بارہ میں دریافت کیا کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟) آپ نے فرمایا کہ اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس ہے؟ ابو قتادہ نے عرض کیا کہ ہاں اُس کا ایک پاؤں ہے (اور وہ پیش کر دیا) آپ نے اس کو قبول فرما لیا اور تناول فرمایا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ گورخر حلال ہے اور شکار کیا ہوا جانور حلال طیب ہے۔

(۲۱۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَیْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَیْهَا فَقَبِلَهٗ

——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے مرّ الظہران کے جنگل میں ایک خرگوش دوڑا کر پکڑ لیا اور میں اس کو (اپنے مربی) ابو طلحہ کے پاس لے آیا، انھوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کی دونوں رانیں اور کولھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بطور تحفہ کے) بھیجا تو آپ نے اس کو قبول فرما لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) خرگوش جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے، اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

(۲۱۲) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ ــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۱۳) عَنْ سَفِينَةَ قَالَ أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ الْحُبَارَى ــــــ رواه ابوداؤد

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباری پرند کا گوشت کھایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) لغت کی کتابوں میں "حُبارٰی" کے ترجمے مختلف کیے گئے ہیں، بعض نے سرخاب کیا ہے اور بعض نے تغدری، بہرحال "حُباریٰ" پرندہ ہے اور معلوم ہے کہ وہ سب پرندے حلال ہیں جو ذی مخلب نہیں ہیں، یعنی جو جھپٹا مار کر پنجے سے شکار نہیں کرتے اور جو فطرت کے لحاظ سے موذی اور خبیث نہیں ہیں۔

(۲۱۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، اَلْمَيْتَتَانِ الْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ ــــــ رواه احمد وابن ماجه والدارقطنی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال قرار دی گئی ہیں ہمارے لئے دو مُردہ چیزیں اور خون کی دو قسمیں، دو مُردہ چیزیں ہیں مچھلی اور ٹڈی، اور خون کی دو قسمیں ہیں، کلیجی اور تلی (کہ در اصل یہ دونوں منجمد

خون ہیں)۔　　(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سارے حلال جانوروں کے لئے شرعی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کئے جائیں تو حلال ہیں اور اگر بغیر ذبح کئے مر جائیں تو مُردار اور حرام ہیں لیکن دو چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی کہ یہ دونوں مری ہوئی بھی حلال ہیں۔ اسی طرح کلیجی اور تلی اگرچہ یہ دونوں دراصل منجمد خون ہیں اور خون حرام ہے۔ لیکن جب وہ جم کر کلیجی اور تلی کی شکل اختیار کر لے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔

(۲۱۵) عَنْ اِبْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّا نَاْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات غزوے کیے ہیں (یعنی سات غزووں میں ہمیں آپ کی معیت و رفاقت نصیب ہوئی ہے)۔ ہم ان غزووں میں آپ کے ساتھ یہ کر ٹڈیاں بھی کھاتے تھے۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ" (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں اُن کو خود تو نہیں کھاتا لیکن حرام نہیں بتلاتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں، لوگ ان کو کھا سکتے ہیں ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ خود ٹڈی نہیں کھاتے تھے ـــ اسی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام حضورؐ کے ساتھ غزوات میں ٹڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ منع نہیں فرماتے تھے اس مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایات میں "معہ" کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں "کنا نأکل الجراد" ـــ واللہ اعلم۔

(۳۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِيْدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ وَأَطْعِمُوْنَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَأَكَلَهُ

رواه البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں "جیش الخبط" کے جہاد میں شریک تھا اور ابو عبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے، (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہوئے، تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی جو مر چکی تھی، ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا، ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینے تک کھایا، پھر ابو عبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (غالباً پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا، پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ نے فرمایا: کھاؤ، اللہ تعالیٰ کا عطیہ (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا، اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، جابر کہتے ہیں کہ ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بھیجا، تو آپ نے تناول فرمایا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح) اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ۸ھ کی ایک جہادی مہم کا واقعہ

ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قریباً تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ کو بنایا گیا تھا، پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابوعبیدہ کو دی تھیں، اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا، ابوداؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے، اور یہ اللہ کے سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے، خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منھ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے، بس یہی دن بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا ــــ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھاڑ کے اور انھیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے، اس سے سب کے منھ زخمی ہو گئے اور سوج گئے، اس لشکر کو "جیش الخبط" کے نام سے اسی لیے یاد کیا جاتا ہے، خبط کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابر ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارہ سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی کی نظر پڑی، قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے حضرت ابوعبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا، بعد میں انھوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کیلئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں، اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے، پھر اس بارے میں انھیں شرح صدر ہو گیا تو انھوں نے لشکر کو اس کے کھانے کی اجازت دے دی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق تو پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا ــــ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینے کے قریب اس علاقے میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراخدلی سے کھائی جاتی رہی

اس کے بعد واپس ہوئے اور قریباً آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے' ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا' تو جن روایات میں آدھے مہینہ تک کھائے جانے کا ذکر ہے' ان میں صرف سفر واپسی سے پہلے ہفتہ کا تذکرہ کیا گیا ہے' جبکہ پورا لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا' اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا' ان میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے' کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے کچھ نہ کچھ استعمال کیا جاتا رہا ___ واللہ اعلم

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابو عبیدہ کے شک وشبہ کا ذکر آیا' تو آپ نے یہ فرما کر کہ "كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللهُ إِلَيْكُمْ" اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے باہر نکلوایا تھا' ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہیے ___ آخر میں آپ نے ان لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اور اس عطیۂ ربانی کی قدردانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا۔

وَأَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ۔ (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ)

چنانچہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی' جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب و غریب مخلوق معلوم ہوتی ہو گی حلال طیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے' بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اسی مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هُهُنَا أَقْوَامًا حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي أَيَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا؟ قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللهِ وَكُلُوا۔ ___ رواه البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا شرک کا زمانہ قریب ہی کا ہے (یعنی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے کہ وہ مسلم ہیں) اور ابھی ان کی اسلامی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکی ہے، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ذبح کرتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں (تو اس صورت میں وہ گوشت کھائیں یا نہ کھائیں؟)

آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کا نام لو اور کھا لو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ وہم میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرتے ہوں گے اس لئے تم اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کا نام لئے بغیر ہی کافرانہ طریقہ پر ذبح کر دیا ہے تو تمہارے بسم اللہ پڑھنے سے اب وہ حلال ہو جائے گا، قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ	اور جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ، اس کا کھانا سخت گناہ ہے
(الانعام۔ ع ۱۴)	

(۲۱۸) عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ۔

——————— رواہ الترمذی

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارہ میں سوال کیا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارہ میں تمہارے دل میں

کوئی خلجان نہیں ہونا چاہیے تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہو گئے ہو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ ہُلب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ان کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس بارہ میں تمہارے دل میں کوئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہئے یعنی ہماری شریعت میں اُن کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔ قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ[1] (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے اگر تم وہی طریقہ اپناتے ہو تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔ والحمد للہ۔

مشروبات کے احکام

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارہ میں شریعت کا بنیادی اصول وہی ہے جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ اس بنا پر مشروبات میں بھی جو طیبات ہیں یعنی پاکیزہ اور مرغوب و خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ پھلوں کا رس، اچھے سے اچھے شربت نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیے گئے ہیں ——— اور ان کے برعکس جو مشروبات "خبیث" اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار

---

[1] سورہ مائدہ رکوع ۱۔

دیے گئے ہیں ۔۔۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض اُن چیزوں کی حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض طبقے کھاتے تھے جیسے کہ مُردار جانور اور خنزیر وغیرہ، اسی طرح مشروبات میں خصوصی شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس کے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ نے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

شراب کی حرمت کا حکم :-

شراب کے حرام قرار دیے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے اس جوہرِ عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ہے، اُن حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے جن کو اُن کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے ۔۔۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے، علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے دوررس اور تباہ کن فسادات برپا ہو جاتے ہیں ۔۔۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست مصلحوں اور روحانیت پسندوں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کی ہے۔

آگے جو احادیث شراب کے بارے میں درج ہوں گی اُنکا یہ پس منظر ناظرین کے ذہن میں رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے

سے عربوں میں خاص کر اہلِ مدینہ میں شراب کا بے حد رواج تھا، گھر گھر شراب بنتی اور پی جاتی تھی، اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں، اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی حاصل تھا، وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جوئے کا بھی تھا وہاں جوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ مند اور دریا دل لوگ ہی وہ جوا کھیلتے تھے، اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غرباء اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے اس لئے جوا بھی امیروں کا ایک عزیز عمل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا ـــــ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی ـــــ بہر حال شراب کا چونکہ وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارہ میں ابتداءً تو نرم تدریجی رویہ اختیار کیا گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہوگئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکلخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے، چنانچہ جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو وہ سخت احکام واپس لے لیے گئے۔ ـــــ اس تمہید کے بعد شراب کی حرمت سے متعلق [illegible]

حدیثیں پڑھئے۔

(۲۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَشْرَبُوْنَهَا وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ فَسَاَلُوْهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ الْاٰیَةَ" فَقَالَ النَّاسُ مَا حُرِّمَ عَلَیْنَا وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ صَلّٰی رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِیْنَ بِاَصْحَابِهٖ وَخَلَطَ فِیْ قِرَاءَتِهٖ فَنَزَلَتْ اٰیَةٌ اَغْلَظُ مِنْهَا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی الْاٰیَة" وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی نَزَلَتْ اَغْلَظُ مِنْهَا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الْاٰیَة" قَالُوْا اِنْتَهَیْنَا رَبَّنَا. فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَاسٌ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ کَانُوْا یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللّٰهُ رِجْسًا مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَنَزَلَ "لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا الْاٰیَة" .... (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت تدریجاً تین دفعہ میں کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے، تو ان دونوں چیزوں کے بارے میں لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ یہ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ

اسلام کی عام تعلیمات اور اُس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ واللہ اعلم) ان کے اس سوال کے جواب ہی میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ؕ

اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ انھیں بتا دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ ہے بہت، اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے، اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انھوں نے قرأت میں کچھ گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۔

اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو، تاوقتیکہ (تمہیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اس کا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا

اے ایمان والو! بلا شبہ یہ شراب اور جوا

اَلْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝

اور بُت اور پانسے جو ایک خاص قسم کے جوئے میں استعمال ہوتے تھے، یہ سب چیزیں گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں، لہٰذا ان سے کلی پرہیز کرو، پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (اور تم کو آپس میں لڑا دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو روک دے جو بارگاہِ خداوندی کی حضوری ہے، تو کیا اب تم (شراب اور جوئے سے) باز آ ؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا!" (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) —— پھر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو راہِ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (بیمار پڑ کر) انتقال کر چکے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے —— اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے، (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہِ خدا میں شہید ہو گئے تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟) تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ

اُن صاحبِ ایمان اور نیکوکار بندوں پر کوئی گناہ (اور مؤاخذہ) نہیں جو اُن کے کھانے

فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیۃ۔

پینے پر جبکہ ان کا حال یہ ہو کر وہ خدا سے ڈر کر پرہیزگارانہ زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مومن ہوں اور اعمال صالحہ کرتے ہوں الخ　(مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں جا بجا کر دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ شراب کی حرمت کے بارے میں ابتداءً تدریج کا طریقہ اختیار کیا گیا اور آخر میں سورۂ مائدہ کی آیت میں اس کے بارہ میں "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" فرما کر اس کی قطعی حرمت کا اعلان فرما دیا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ۸ھ میں نازل ہوئی۔

(۲۲۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ فَنَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ اخْرُجْ فَانْظُرْ مَا هٰذَا الصَّوْتُ؟ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هٰذَا مُنَادٍ يُنَادِي أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ لِي اذْهَبْ فَأَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قُتِلَ قَوْمٌ وَهِيَ فِي بُطُونِهِمْ قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔

رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (میرے مربی اور سرپرست) ابو طلحہ انصاری کے گھر میں مجلس قائم تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا اور میں پلانے والا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا (یعنی سورۂ مائدہ کی

وہ آیت نازل ہو گئی جس میں شراب کو "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" بتلا کر اس کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے) تو آپ نے اسی وقت ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اس کا اعلان مدینہ میں کر دے، چنانچہ اس نے (معمول کے مطابق پکار کے) اعلان کیا تو ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ انس باہر جا کر دیکھو کہ یہ کیسی پکار ہے اور کیا اعلان ہو رہا ہے؟ میں باہر نکلا اور (واپس آ کر) میں نے بتلایا کہ منادی یہ اعلان کر رہا ہے کہ "شراب حرام ہو گئی" تو ابوطلحہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور اس ساری شراب کو باہر لے جا کر بہا دو ——— چنانچہ (میں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے گھروں سے بھی شراب بہائی گئی جس کی وجہ سے) شراب مدینہ کی گلیوں سے بہنے لگی ——— انس کہتے ہیں کہ اس دن وہ شراب تھی جو "فضیخ" بولی جاتی ہے ——— پھر بعض لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی کہ بہت سے بندگانِ خدا ایسی حالت میں شہید ہوئے ہیں کہ شراب اُن کے پیٹ میں تھی (تو اُن کا کیا انجام ہوگا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب کی قطعی حرمت کے اس حکم کے آنے سے پہلے اس دُنیا سے جا چکے اور ان کی زندگی ایمان اور عملِ صالح اور تقوے والی تھی تو اس پچھلے دور کے کھانے پینے کے بارے میں اُن سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) "فضیخ" ایک خاص قسم کی شراب بنائی جاتی تھی کچی پکی کھجوروں کے باریک ٹکڑے کر کے اُن کو پانی میں ڈال دیا جاتا تھا، ایک مقررہ مدت گزرنے پر اس میں سرور اور نشہ پیدا ہو جاتا تھا، اُس زمانہ میں یہ اوسط درجہ کی ایک شراب تھی جو بہت آسانی سے بن جاتی تھی۔

(۲۲۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ اِنَّهٗ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورۂ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جسمیں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔　　(جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے — اور حضرت انس کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لیے جو ان کی سرپرستی میں تھے اُن ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی، انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ نے ان سے فرمایا "اهرق الخمر واکسر الدنان" یعنی شراب کو بہا دو پھینک دو اور جن مٹکوں میں وہ ہے اُن کو بھی توڑ دو۔

شراب کی حرمت اور شرابی کے بارہ میں وعیدیں :-

(۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ — رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز (یعنی ہر وہ مشروب جس کو پی کر نشہ آجائے) خمر (شراب) کا مصداق ہے اور حرام ہے اور جو کوئی دنیا میں شراب پیے اور اس حال میں مرے کہ برابر شراب پیتا ہو اور اس نے اس سے توبہ نہ کی ہو تو وہ آخرت میں جنت کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔　(صحیح مسلم)

(۲۲۳) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهُ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ——— اِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جس کو "مزر" کہا جاتا تھا اور وہ چینا سے بنتی تھی، آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مزید آپ نے فرمایا کہ سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" ضرور پلائے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ، یا فرمایا کہ دوزخیوں کے

جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی راوی کو شک ہے کہ "طِينَةُ الْخَبَالِ" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ" فرمایا تھا یا "عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" —— بہرحال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما لیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں طِينَةُ الْخَبَالِ ضرور پلائے گا —— اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا! ——

(۲۲۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى بَعَثَنِي رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَ أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصَّلِيْبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَحَلَفَ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِعِزَّتِي لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِي جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ —— رواہ احمد

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزّ وجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا، اور میرے رب عزّ وجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے

گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کی شراب طہور اپنے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔　　(مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں ـــــ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانۂ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا اور معازف و مزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا ـــــ معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک، طبلہ، ستار سارنگی وغیرہ۔ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ ـــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو و لعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں، اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں ـــــ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی کامیابی ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان میں دوسری خرافات کے علاوہ معازف و مزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق و فجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا ـــــ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان بزرگانِ دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روحِ نبوی کو کتنا صدمہ پہونچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور شراب پینے والوں کے بارہ میں، اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے

قدسی حوضوں کی شراب طہور سے ہمیں سیراب فرمائے۔

نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(۲۲۵) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ

رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

[قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے]۔

شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کی جائے۔

(۲۲۶) عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ

رواہ مسلم

حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض قرآئن کی بناپر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اُس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوجائے گا) شراب کے بارہ میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا اور اس سلسلہ میں بعض اُن چیزوں کو بھی منع فرمادیا تھا جن کی بعد میں آپ نے اجازت دے دی۔ اس بناپر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو، معتمد اور حاذق طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدر ضرورت استعمال کی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

شراب نوشی پر اصرار کرنے والی قوم کے خلاف اعلانِ جنگ:۔

(۲۲۷) عَنْ دَيْلَمٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا، قَالَ هَلْ يُسْكِرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ قَاتِلُوْهُمْ ــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ سرد علاقہ میں رہتے ہیں اور وہاں بڑی سخت محنت کرتے ہیں، اور ہم گیہوں سے ایک شراب بناکر استعمال کرتے ہیں اور اس سے قوت وطاقت حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے سخت محنت طلب کام بھی کرلیتے ہیں اور اپنے ملک کی سردی کا مقابلہ بھی کرلیتے ہیں ــــــ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ پیدا کرتی ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس سے بچو، بالکل استعمال نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں کے لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، (یعنی مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کہنے سننے سے اس کا استعمال چھوڑ دیں) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ کے مسلمان اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اپنے واسطے شراب کے استعمال کو ناگزیر اور ضروری سمجھیں تب بھی ان کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ یا بستی والے شراب کے استعمال پر اجتماعی طور پر اصرار کریں اور باز نہ آئیں تو اسلامی حکومت ان کے خلاف طاقت استعمال کرے — اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں شراب نوشی کتنا سنگین جرم ہے۔

شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید:-

(۲۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ

—— رواه احمد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ شراب پینے والا اگر اسی حال میں مرے گا تو خدا کے سامنے اس کی پیشی مشرک اور بت پرست کی طرح ہوگی۔ (مسند احمد)

(۲۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ شَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا

وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا ـــــــــ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دش آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور عصۂ اپنے واسطے نچوڑنے والے پر، اور اُس کے پینے والے پر، اور ساقی یعنی پلانے والے پر، اور اُس پر جو شراب کو لے کر جائے، اور اُس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اُس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر، اور اُس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ میں شراب دے اور اُس پر جو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اُس کی نگاہِ کرم سے محرومی کی بددعا، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے، خواہ اس کو بنانے والا یا بنوانے والا ہو، یا پینے والا یا پلانے والا ہو، یا خریدنے والا یا بیچنے والا ہو، کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہونچانے والا ہو، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہِ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسندِ احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات نے صحابۂ کرام کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنا دیا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے، ایک دفعہ اُن میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اُس محافظ نے جو اُن کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے اُن کی

طرف سے مقرر تھا (اور ان کا معتمد ملازم تھا) اُن کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو اگر آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کرلوں؟ ـــــــ حضرت سعد نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

اِذَا جَاءَكَ كِتَابِىْ فَاعْتَزِلْ ضَيْعَتِىْ فَوَاللّٰهِ لَا أَتَّمِنُكَ عَلٰى شَيْئٍ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔[1] (جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمینوں اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں کبھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا)

بہرحال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بنا پر الگ اور ملازمت سے برطرف کردیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کرکے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جاسکتی ہے۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۲۲۳) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ بَعَثَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اُدْعُوا النَّاسَ وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَيَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفْتِنَا فِىْ شَرَابَيْنِ كُنَّا نَصْنَعُهُمَا بِالْيَمَنِ الْبِتْعُ وَهُوَ مِنَ الْعَسَلِ يُنْبَذُ حَتّٰى يَشْتَدَّ وَالْمِزْرُ وَهُوَ مِنَ الذُّرَةِ وَالشَّعِيْرِ يُنْبَذُ حَتّٰى يَشْتَدَّ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُعْطِىَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ بِخَوَاتِيْمِهٖ فَقَالَ اَنْهٰى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ

---

[1] رواہ النسائی۔ جمع الفوائد صفحہ ۔ ج ۱

أَسْكَرَ عَنِ الصَّلٰوةِ ـــــ رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (دعوت و تبلیغ اور دوسرے دینی مقاصد کے لئے) مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور ہم لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دینا اور اُن کو (خوش انجامی کی) بشارتیں سنانا اور اُن سے ایسی باتیں نہ کرنا جن سے وہ دُور بھاگیں اور اُن کو وحشت ہو، نیز لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، اُن کو مشکلات میں نہ ڈالنا! ـــــ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہمیں دو شرابوں کے بارے میں شریعت کا حکم بتا دیجئے، جو ہم یمن میں بنایا کرتے تھے (یعنی وہاں اُن کے پینے کا عام رواج تھا) ایک وہ جسے بِتْع کہا جاتا ہے وہ شہد سے بنائی جاتی ہے (مقررہ حساب سے) شہد میں پانی ملا کر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے، اور دوسری وہ شراب جسے مِزر کہا جاتا ہے اور وہ چینا اور جَو سے بنائی جاتی ہے اسے بھی پانی میں چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے (الغرض ان دو شرابوں کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری نے شرعی حکم دریافت کیا)۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ؐ کو "جوامع الکلم اور خواتم الکلم" کی نعمت عطا فرمائی تھی، یعنی آپ کو اس کی خاص صلاحیت بخشی تھی کہ (بہت مختصر الفاظ میں) انتہائی جامع، مانع اور فیصلہ کن بات فرما دیتے تھے (چنانچہ آپ نے میرے سوال کے جواب میں) ارشاد فرمایا: "أَنْهَىٰ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ أَسْكَرَ عَنِ الصَّلٰوةِ" (میں ہر اس چیز کی ممانعت کرتا ہوں جو نشہ آور ہو اور نماز سے آدمی کو غافل کر دے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے بطور قاعدہ کلیہ کے معلوم ہو گیا کہ جس چیز کے کھانے پینے سے نشہ پیدا ہو اور نماز جیسی چیز سے غفلت ہو جائے وہ شریعتِ اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے ـــــ اس سے بھنگ وغیرہ اُن تمام نباتات کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو نشہ پیدا کرتی ہیں، اور نشہ ہی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

اُمّت کی شراب نوشی کے بارے میں ایک پیشین گوئی :-

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعتِ اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن آپ پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ کے اس سخت رویّہ کے باوجود آپ کی اُمّت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پئیں گے اور اپنے بچاؤ کیلئے بطور حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں گے اور اس نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے۔ حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جرم ہوگا۔

(۲۲۱) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا ـــــ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ میری اُمّت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (ازراہ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔

(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

شراب کے سلسلہ میں کچھ سخت ہنگامی احکام :-

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جب سُورۂ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت

ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں اس اُمّ الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پُرانی عادت کبھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں۔

(۲۳۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُّنْبَذَ فِىْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دُبّا یا حنتم یا مُزفّت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے اور حکم دیا کہ بس چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) کھجور یا منقّٰی یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آجائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں ——— عربوں میں اس کا بھی رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے ——— دُبّاء لدو کی تونبی ہوتی تھی، حَنتم اور مُزفّت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں، اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا۔ بہرحال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے، جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا ——— غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر دل میں

اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں، ___ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اندیشہ باقی نہیں رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلاکر اس کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

(۲۲۳) عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ فَإِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ___ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ إِلَّا فِي ظُرُوفِ الْأَدَمِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ أَنْ لَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا

___ رواہ مسلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو کچھ برتنوں کے استعمال سے منع کردیا تھا (اب میں اس کی اجازت دیتا ہوں) کیونکہ صرف برتن کی وجہ سے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہوجاتی ___ (ہاں یہ ملحوظ رہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہٰذا اس سے بچو) ___ اور یہی حدیث اس طرح بھی روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "میں نے تم کو منع کیا تھا کہ چمڑے کے برتنوں (مشکیزوں) کے سوا کوئی اور برتن استعمال نہ کرو، (اب میں اجازت دیتا ہوں کہ) ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو، لیکن کوئی نشہ پیدا کرنے والی چیز ہرگز نہ پی جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی قطعی حرمت نازل ہوجانے کے بعد اس کے بارہ میں کچھ زیادہ سخت احکام مذکورہ بالا مصلحت سے وقتی اور عارضی طور پر بھی دیئے تھے جو بعد میں واپس لے لیے گئے۔

(۲۳۴) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ خَلِيطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ انْتَبِذُوا كُلَّ وَاحِدَةٍ عَلَى حِدَةٍ ـــــــ رواه مسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) پکی خشک کھجوروں اور ادھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے، اور پکی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کرو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالباً یہ حکم بھی آپ نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا۔ اور آپ اُمت کی تربیت کے لئے اس بارہ میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں ۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیے گئے تھے ۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی میں ساتھ ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ نوش فرماتے تھے۔

نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔

(۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنْبَذُ لَهُ زَبِيْبٌ فَيُلْقِىْ فِيْهِ تَمْرٌ أَوْ تَمْرٌ فَيُلْقِىْ فِيْهِ زَبِيْبٌ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خشک انگوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں، یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرما لیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ شام کے وقت نوش فرما لیتے تھے۔

(۲۳۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِىْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ ——— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے (اپنے ایک پیالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے اپنے اس پیالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے والی سب چیزیں پلائی ہیں، شہد بھی، نبیذ بھی، پانی بھی اور دودھ بھی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبیذ استعمال کرتے تھے اور آپ کے واسطے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا۔

(۲۳۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدُ

رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے میں ٹھنڈا میٹھا محبوب و مرغوب تھا۔ (جامع ترمذی)

حضورؐ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام:۔

(۲۳۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنْ بُيُوْتِ السُّقْيَا۔ (قَالَ قُتَيْبَةُ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِيْنَةِ يَوْمَانِ) ــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "بیوت سُقیا" سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ امام ابوداؤد کے استاذ قتیبہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، اُن کا بیان ہے کہ یہ مقام (بیوت سُقیا) جہاں سے حضور کیلئے یہ میٹھا پانی لایا جاتا تھا، مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں ٹھنڈے میٹھے کی رغبت، یا اسی طرح کھانے پینے کی کسی اچھی چیز کی رغبت جو فطرتِ سلیم کا تقاضہ ہے، مقامِ زہد کے منافی نہیں ہے اور قلبی تعلق و محبت کی بنا پر اس کا اہتمام کرنا سعادت ہے۔

کھانے پینے کے آداب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے اشیاءِ خورد و نوش کے بارے میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے، یا اُن میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور اُن کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفسِ حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، رُوحانی و نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی گزشتہ تین قسطوں میں جو احادیث درج ہوئیں ان کا تعلق اشیاءِ خوردنی و نوشیدنی کی حلت و حرمت سے تھا، آگے وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے آداب کی تلقین فرمائی ہے۔ ان حدیثوں میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کھانے پینے کے جن آداب کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے ان کا درجہ استحباب اور استحسان کا ہے، اسلئے اگر اس پر عمل نہ ہوا تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا۔

(۲۲۹) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ

اَلْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ۔

——— رواه الترمذی وابوداؤد

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منھ دھونا باعثِ برکت ہے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منھ کا دھونا باعث برکت ہے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد)

(تشریح) قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آدابِ طعام کے سلسلے میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منھ دھو لینے (یعنی کلی کر لینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ نے بتلایا کہ یہ بھی باعثِ برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے ___ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش ہو، اور دلجمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزوِ بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور طاعت کی توفیق ملے ___ دراصل یہ سب

اُس حقیقت کے اشارے ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دافع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے"۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اور اُصول صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے ۔۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے[1]۔

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے "وضو" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے، بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے، بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

(۲۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِیْ یَدِهٖ غَمَرٌ لَمْ یَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَیْءٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ ۔۔۔۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر اور اس کی بو ہو اور اس کی وجہ سے اسے کوئی گزند پہنچ جائے (مثلاً کوئی کیڑا کاٹ لے) تو وہ بس اپنے ہی کو ملامت کرے (اور اپنی ہی غلطی اور غفلت

[1] ظاہر ہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے۔ اگر بالفرض ہاتھ نہ لگے، مثلاً چمچے ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا۔

کا نتیجہ سمجھے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کا مدعا اور تقاضا یہی ہے کہ کھانے کے بعد خاص کر جب ہاتھ میں چکنائی وغیرہ کا اثر ہو تو ہاتھوں کو اس طرح دھولیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے ——— اور اور چونکہ یہ صرف استحبابی حکم ہے اس لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی عمل فرمایا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا۔

(۲۴۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى أَنْ مَسَحْنَا أَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ ——— رواہ ابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لاکر پیش کیا، آپ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور (اُس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے یہی بات ظاہر

کرنے کے لیے (کہ کھانے کے بعد ہاتھ منھ دھونا کوئی فرض و واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے) یہ عمل کیا ہو ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے، اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا ۔۔۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بہ ظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا، صحابہ کرام بھی نماز کے لئے مسجد میں آچکے تھے، اسوقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے، ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھا لیا جائے، آپ نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرمالیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے بھر پیٹ تو کھایا نہ ہوگا، تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا ۔۔۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ ۔۔۔ راقم سطور کا خیال ہے کہ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا ۔۔۔ واللہ اعلم ۔۔۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا، اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جا سکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اُس کا نام لیا جائے۔

(۲۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللّٰهَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ ــــــــ رواه ابوداؤد والترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے " بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ "۔

(سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعث برکت ہے، اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے، اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے، جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کرلے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت اور فائدہ حاصل کر سکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربّانی اور نورانی عمل بن جاتا ہے ــــ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آجائے اسی وقت بندہ کہہ لے "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ" (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، شروع میں بھی اور آخر میں بھی)۔

(۲۴۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ــــــ رواه مسلم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کر لیتا ہے (یعنی اس کے لئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے، جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا، لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، اگرچہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چلو، یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے ــــ اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آکر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا، تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آجاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ

بھی ہے اور راشن کھانا بھی ہے ——

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہیئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور اُن کے افعال وصفات ان اُمورِ غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے، خود خدا کی ذات وصفات کا حال بھی یہی ہے مومن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر اعتماد کرے۔

کھانا داہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے

(۲۴۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

—— رواه البخاری ومسلم

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔　(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی، اور سابقین اولین

میں سے تھے، اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مومنہ تھیں، حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے، ۳ھ یا ۴ھ ہجری میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوہ اُم سلمہ سے اُن کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا، اُن کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپ کی آغوشِ تربیت میں آگئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپنے میں اُس زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا، تو حضورؐ نے مجھے بتلایا اور سکھایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو، ـــــ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے)۔

(۲۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کچھ پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) انسان اپنے ہاتھوں کو پاک و ناپاک ہر قسم کے کاموں اور چیزوں میں استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کی فطری طہارت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ نجاست و گندگی کی صفائی جیسے کاموں کے لئے ایک ہاتھ کو مخصوص کر دیا جائے اور دوسرے کاموں میں دوسرا ہاتھ استعمال ہو۔ اس فطری تقاضے کے مطابق دفع نجاست وغیرہ کے لئے بایاں ہاتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اور باقی کھانے پینے وغیرہ دوسرے سارے اچھے اور پاکیزہ کاموں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں۔ اور خلقی اور فطری لحاظ سے بائیں ہاتھ

کے مقابلہ میں داہنے ہاتھ کی فضیلت اور برتری ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ لہٰذا یہ حکم اور یہ تقسیم بالکل فطرت کے بھی مطابق ہے ـــ اس بنا پر بائیں ہاتھ سے کھانا بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی آدمی بجائے پاؤں کے سر کے بل چلے، اسی لئے آگے درج ہونے والی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ اور اس کا عمل ہے، کیونکہ شیطان کی فطرت یہی ہے کہ ہر کام الٹا کرے۔

(۲۴۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِهَا۔

ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ اس سے پیئے۔ کیونکہ (یہ شیطانی طریقہ ہے) وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

(صحیح مسلم)

جوتا اتار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے:

(۲۴۷) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرْوَحُ لِأَقْدَامِكُمْ ـــــــــ رواہ الدارمی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو اپنے جوتے اتار دیا کرو اس سے تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت ملے گی۔ (مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث میں کھانے کے وقت جوتا اُتار دینے کا حکم دیتے ہوئے اس کی جو حکمت اور مصلحت بیان فرمائی گئی ہے (کہ اس سے پاؤں کو زیادہ آرام ملے گا) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حکم شفقت کی بنا پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جوتا پہنے کھانا کوئی گناہ کی بات ہو۔

کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

(۲۴۸) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّيَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ ـــــــــــ رواہ الدارمی

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُن کا یہ طریقہ تھا کہ جب ثرید پکا کر اُن کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رکھی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرز عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کرکے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔

(مسند دارمی)

(تشریح) ثرید ایک معروف و مرغوب کھانا ہے، جس کا عہد نبویؐ میں زیادہ رواج تھا، ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا ـــــ اس روایت میں اگرچہ خاص ثرید کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجب برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی

شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے. اصول طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے اس میں برکت ہے ——— (کنز العمال ص۱۰۳ ج ۸)

ساتھ کھانے میں برکت ہے

(۲۴۹) عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ.

——— رواہ ابو داؤد

وحشی[1] بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے

---

[1] یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنھوں نے غزوۂ اُحد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتلِ سیدنا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے، یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرا دے، ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسیلمہ انہی کے نیزہ کا نشانہ بنا، ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ۱۲

عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو! اور اللہ کا نام لے کر، یعنی بسم اللہ کرکے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو، پھر تمہارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی)۔　　(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اسکا ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو، جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے، یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھالیں اور اچھی طرح کھالیں ــــ اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔

آگے درج ہونے والی حدیث کو بھی اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۲۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ ــــ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ ــــ رواه مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے: ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

[کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔]

(تشریح) کنز العمال میں معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث قریب قریب

انہی الفاظ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے فَاجْتَمِعُوْا عَلَيْهِ وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ (لہذا تم کو چاہئے کہ الگ الگ نہ کھایا کرو، بلکہ جڑ کے ساتھ کھایا کرو)۔

اس اضافہ سے معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "ایک کا کھانا دو کے لئے اور دو کا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہوجاتا ہے" ان کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے کہ لوگ اجتماعی طور پر ایک ساتھ کھایا کریں اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھائیں، لیکن شرط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے۔

(۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاكُلُوْا مِنْ وَسْطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسْطِهَا۔

——— رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید سے بھری ہوئی ایک لگن آئی، آپ نے (لوگوں کو اس میں شریک فرمالیا اور) فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ اور بیچ میں ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔　　(جامع ترمذی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ثرید آنے کا مذکورہ بالا واقعہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے،

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ　　جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے

طَعَامًا فَلَا يَاكُلْ مِنْ　　چاہئے کہ طباق کے بالائی حصہ سے (یعنی

اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاكُلُ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا.

بیچ سے) نہ کھائے بلکہ نیچے والے حصے (یعنی کنارہ سے) کھائے کیونکہ برکت بالائی حصہ سے اترتی ہے۔

(تشریح) ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ برکت دراصل ایک امرِ الٰہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ادراک ہوتا تھا اور آپ محسوس فرماتے تھے کہ برکت براہِ راست کھانے کے وسط میں نازل ہوتی ہے، اور پھر اس کے اثرات اطراف و جوانب کی طرف آتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ کھانے والے، برتن کے کناروں سے کھاتے رہیں بیچ میں ہاتھ نہ ڈالیں ـــــ کھانے وغیرہ میں برکتیں نازل ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے جو پہلے تھا لیکن یقین اور استحقاق شرط ہے۔

جو کھانا انگلیوں میں یا برتن میں لگا رہ جائے اسکی بھی قدر کی جائے:۔

(۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِىْ اَيَّةِ الْبَرَكَةُ ـــــــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کر لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جزء میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی نافعیت رکھی ہے، اس لئے کھانے کے جو اجزاء انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر

صاف کرلیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کرلیا جائے ـــــ اس میں اللہ کے رزق کی قدردانی بھی ہے اور ربِ کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی ـــــ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ — پروردگار تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ نُبَیْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِیْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ ـــــ رواه احمد والترمذی الدارمی وابن ماجة۔

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو کوئی قصعہ (طباق یا لگن) میں کھائے اور اس کو بالکل صاف کردے (کہ اس میں کچھ لگا نہ رہ جائے) تو وہ قصعہ اس آدمی کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا کر کھا لیا جائے:۔

(۲۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَانِهٖ حَتّٰى یَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْیُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِیَاْكُلْهَا وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْیَلْعَقْ

اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ فِىْ اَىِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ۔

——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سُنا کہ "تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی، شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو صاف کر کے کھا لے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے —— پھر جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی اُنگلیوں کو بھی چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد اُنگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اُوپر عرض کیا جا چکا ہے —— اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے، بلکہ ضرورت مند اور قدردان بندہ کی طرح اس کو اٹھا لے، اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اُس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھا لے —— اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے، اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

کھانے میں شیطانی تصرفات، یہ حقیقت ہے یا مجاز؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے، اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپؐ کو کبھی کبھی اُن کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا، جس طرح ہم اس دُنیا

کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) ـــــ اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے، اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ـــــ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے ـــــ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں آئے، اُن کیلئے کھانا لایا گیا، وہ کھا رہے تھے کہ اُن کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا، انھوں نے اس کو اُٹھا لینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دُور ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انھیں اس پر تعجب ہوا، اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انھوں نے جدوجہد کر کے (آخر کار) اُس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنا لیا ـــــ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنّی شیطان مسلّط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا، میں اس کے پاس پہنچا، مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا تو میں نے اس کے ہاتھ سے اُچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے، ایک گاجر اُن میں سے گر گئی، ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اٹھا کر اس کو کھا لیا، تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اُٹھا، پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اُس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجر اُٹھا کے کھالی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے وغیرہ کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور اُن کے افعال وتصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

اگر کھانے میں مکھی گر جائے:۔

(۲۵۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِىْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِىْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِى الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهُ يَتَّقِىْ بِجَنَاحِهِ الَّذِىْ فِيْهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ

——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو، کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو دفع کر کے) شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے، (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ اُن حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں، حالانکہ اگر فطرت کے اسرار اور حکمت کے اصولوں

تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلافِ قیاس یا مستبعد ہو، بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی بات ہے۔

یہ ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادّے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضا کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادّہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو، کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتہً کم زور اور کم کام دینے والا ہو، (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ)۔

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اور اعلیٰ واشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے، اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتہً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور اُن کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے انھوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ ہو تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفا کا مادہ ہو۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم بالکل اصولِ حکمت کے مطابق ہے ــــ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے، (اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو، بلکہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[ان سطور میں حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ بھی بنیادی طور پر حجۃ اللہ البالغہ ہی سے ماخوذ ہے ۔]

کھانے کے معاملہ میں حضور صلعم کی شانِ بندگی :-

(۲۵۶) عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا ـــــــــ رواہ البخاری

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔" (صحیح بخاری)

(تشریح) ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے، حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہیے۔

کنز العمال میں مسند ابو یعلی اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ — میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں،

وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ — اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون بعض دیگر صحابہ کرام کی روایات کا بھی ہے۔ ان سب احادیث و روایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے، متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے، اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔ اور جو بندہ کھانے

کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور وہ ربِ کریم حاضر و ناظر ہے اور میں اس کے سامنے اور اس کی نگاہ میں ہوں وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

(۲۵۷) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِىْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ ـــ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ؟ قَالَ عَلَى السُّفَرِ ـــــــ رواہ البخاری

حضرت قتادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی تشتری یا پیالی میں کھایا، اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی ـــ قتادہ سے پوچھا گیا، تو پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا کہ دستر خوانوں پر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) خوان (جس کا ترجمہ خوان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (مترفین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دستر خوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح امیر لوگوں کے دستر خوان پر سُکُرُّجہ یعنی چھوٹی چھوٹی تشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں ـــ خود صحابہ کرام کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہو گئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب و مدعا بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں نہایت سادگی اور مسکنت کی شان ہوتی تھی، نہ آپ نے کبھی

خوان پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی تشتریوں اور پیالیوں میں کھایا، نہ کبھی خاص طور سے آپ کے لئے گھر میں چپاتیاں بنائی گئیں، ____ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد "کتاب الرقاق" میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کس قدر سادہ اور غریبانہ بلکہ فقیرانہ تھی۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت :-

(۲۵۸) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ فِىْ اِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

______ رواه النسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن نسائی)

(تشریح) سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا دراصل اپنی دولت مندی اور سرمایہ داری کی بے جا نمائش اور ایک طرح کا استکبار ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ____ اور صحیحین کی ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ جو شخص سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو گویا وہ جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں داخل کر رہا ہے ۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

آنحضرت صلعم کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے :-

(۲۵۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهٗ وَاِنْ

كَرِهَهُ تَرَكَهُ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں یہ خرابی ہے یا یہ عیب اور نقص ہے) اگر مرغوب ہوا تو تناول فرما لیا اور نامرغوب ہوا تو نہ کھایا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آپ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں :-

(۲۶۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِي الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر مدعو کیا جو اس نے تیار کیا تھا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلا گیا (غالباً خادم کی حیثیت سے ان کو بھی مدعو کیا گیا ہوگا) تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں لوکی کے ٹکڑے تھے اور سکھائے ہوئے گوشت کی بوٹیاں تھیں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے ٹکڑے پیالے کے اطراف سے چن چن کر تناول فرماتے ہیں، تو اس دن سے لوکی مجھے بھی مرغوب اور محبوب ہو گئی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۶۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکی تر کھجوریں کھیرے کے ساتھ تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۶۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ وَيَقُولُ يُكْسَرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا —— رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ اور پکی تر کھجوریں ایک ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کھجوروں کی گرمی کا توڑ اس خربوزہ کی ٹھنڈک سے ہو جاتا ہے اور خربوزہ کی ٹھنڈک کا توڑ کھجوروں کی گرمی سے ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيدُ مِنَ الْحَيْسِ —— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی کا (اور گوشت کے شوربے) سے بنا ہوا ثرید، اور حیس والی ثرید (یعنی روٹی، کھجور اور گھی کا ملیدہ یہ دونوں چیزیں) زیادہ مرغوب تھیں۔

(سنن ابی داؤد)

(۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ —— رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) "حلوا" عربی میں ہر میٹھی چیز اور میٹھے کھانے کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر میٹھی چیز اور خاص کر شہد مرغوب تھا۔

کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اس کا شکر۔

(۲۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاكُلَ الْاَكْلَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا۔

———— رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اس عمل سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے اور اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے۔ یا کچھ پئے اور اس پر اس کی حمد اور شکر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(۲۶۶) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ۔

———— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا ساری حمد و ستائش اس اللہ پاک کیلئے

وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ ۔　　جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کھانے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر کھانے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل اور ایک بشری تقاضا ہے، نورانی اور روحانی بنا دیتا ہے، اور اس پر خدا پرستی اور عبادت کا رنگ چڑھ جاتا ہے —— اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی جلد پنجم میں کھانے سے فراغت کے بعد کی وہ متعدد دعائیں درج کی جا چکی ہیں جو کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں —— اس لئے یہاں صرف ایک ہی دعا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پینے کے آداب

ایک سانس میں نہ پیا جائے۔

(۲۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا إِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمِدُوْا إِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ ــــــــــ رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو، بلکہ دو دو یا تین تین سانس میں پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرو۔ (جامع ترمذی)

(۲۶۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا ــــــ رواه البخاری ومسلم ــــ وزاد مسلم يَقُوْلُ إِنَّهُ اَرْوٰى وَاَبْرَأُ وَاَمْرَأُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔　　(صحیح بخاری)

[اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوشگوار ہے۔]

(تشریح) اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بنا پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ ناپسندیدہ اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم

پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے:-

(۲۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ ــــــــ رواه ابوداؤد وابن ماجه

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابی داؤد وابن ماجہ)

(تشریح) بعض لوگ برتن سے پانی پیتے پیتے اسی میں سانس لیتے ہیں، اس حدیث میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے، اور اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ برتن میں پھونک ماری جائے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ اور تہذیب وسلیقہ کے خلاف ہیں اور صحت کے لئے بھی مضر ہیں۔

کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت:-

(۲۷۰) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ

نهى أَن يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا ——— رواه مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے ——— اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہوگا یا آپ نے بیانِ جواز کے لئے کیا ہوگا۔ کچھ ہی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و اولیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ کے حق میں اس وقت وہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا واللہ اعلم۔
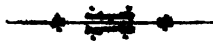
لباس کے احکام و آداب

اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد :-

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ نے واضح ہدایات دیں۔ اس باب میں آپ کی تعلیمات و ہدایات کی اساس و بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ	اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ	کپڑے عطا کیے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو
وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ	اور تجمل و آرائش کا سامان، اور تقوے والا لباس
(الاعراف - ۲۶)	تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہیے۔ اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر و نعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپ کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ یا بے تکا ہو کہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و توحش پیدا ہو ۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذا شان و شوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو، جو مقام عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے، اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

اس سلسلہ میں آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو انھیں چاہئے کہ اس طرح رہیں اور ایسا لباس پہنیں جس سے محسوس ہو کہ ان پر ان کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کا ایک شعبہ ہے، لیکن بے جا تکلف و اسراف سے پرہیز کریں، اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ غریب و نادار بندوں کی دل شکنی اور ان کے مقابلہ میں تفوق و بالاتری کی نمائش نہ ہو ــــ نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں ــــ بلاشبہ ان احکام و ہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

لباس نعمتِ خداوندی اور اس کا مقصد۔

(۲۷) عَنْ اَبِیْ مَطَرٍ اَنَّ عَلِیًّا اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِثَلٰثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ۔

——— رواہ احمد

ابو مطر تابعی سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا اور جب اُسے پہنا تو کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ	حمد و شکر ہے اس اللہ کے لئے جس نے
مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ	مجھے یہ لباسِ زینت عطا فرمایا جس سے
بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ	میں لوگوں میں آرائش حاصل کرتا ہوں
عَوْرَتِیْ۔	اور اپنی ستر پوشی کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ (کپڑا پہن کر) اسی طرح ان ہی الفاظ میں اللہ کی حمد و شکر کرتے تھے۔ (مسند احمد)

(تشریح) جامع ترمذی میں قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے معلوم ہوا کہ لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کا اصل مقصد ستر پوشی اور تجمل و آرائش ہے۔

بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت :-

(۲۷۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ أَوْ أَنْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ أَوْ يَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهِ. ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے، یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے، مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کو "اِشْتِمَالِ صَمَّاء" کہا جاتا تھا، اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے۔ اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سرینیں زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی (کیونکہ حصۂ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو احتباء کہتے تھے، اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلنے سے بھی ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ بھی وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہوگا۔

عورتوں کے لئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت

(۲۷۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِىْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ اَنْ يُرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ ــــــ رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہونچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے ــــــ ان چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں ہے ــــــ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے، اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں، اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں ــــــ ستر اور حجاب شریعت کے یہ دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماء کے حضورؐ کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماء اس طرح آپ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے موطا میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں، تو حضرت صدیقہ نے اس کو اُتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خمار اوڑھادی۔ ظاہر ہے کہ حضرت صدیقہ کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ.....

(۲۷۴) عَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيفَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَأَعْطَانِي مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اِصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ أَحَدَهُمَا قَمِيصًا وَأَعْطِ الْآخَرَ امْرَأَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهِ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ وَأْمُرِ امْرَأَتَكَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا۔ ـــــــ رواہ ابو داود

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قبطی چادریں آئیں تو آپ نے ان میں سے ایک مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لیجو ایک ٹکڑے کا تو اپنا کرتہ بنا لیجو اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دیجو وہ اس کو خمار (اوڑھنی) کے طور پر استعمال کرلے گی ـــــــ پھر جب دحیہ اٹھ کر جانے لگے تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دیجو کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ (کپڑا) نہ دیں اس کے بال اور جسم وغیرہ۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) "قباطی" سفید رنگ کی ایک بڑھیا قسم کی چادریں ہوتی تھیں جو عہد نبویؐ میں مصر سے آتی تھیں، ایک دفعہ کہیں سے وہ چادریں حضورؐ کے پاس آئیں تو آپؐ نے ان میں سے ایک حضرت

دحیہ کلبی کو بھی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے تو اپنا پیراہن (کرتا) بنا لیں اور دوسرا ٹکڑا بیوی کو دے دیں وہ خمار کے طور پر استعمال کر لے گی، اور چونکہ وہ باریک تھا، اس لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ بیوی سے کہہ دیں کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ جسم اور بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو باریک کپڑے پہننے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ اسکے نیچے دوسرا کپڑا ہو جس کے بعد جسم اور سر کے بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔

لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت

(۲۷۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ـــــــ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث میں "ثوب شہرت" سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہونچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں۔ ــــــ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے، ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کے لئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہوگا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض

صورتوں میں موجب اجر وثواب ہوگا ـــــ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لیے جائز نہ ہوگا کہ کسی کے لباس کو خود نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر اعتراض کریں، ہاں اپنے دل، اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں ـــــ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید:۔

عہد نبوی میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں پیچھے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے، گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائیں۔

(۲۷۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر ضرورت سے نیچا کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۲۷۷) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَمَا أَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ فَفِي النَّارِ، قَالَ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا ـــــ رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے کہ مومن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کے چلے گا۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح) ان حدیثوں میں فخر اور غرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے اُس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہِ رحم و کرم کا سخت محتاج اور آرزومند ہوگا، وہ اس کی نگاہِ رحمت سے محروم رہیں گے، اللہ تعالیٰ اُس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا ـــــ کیا ٹھکانا ہے اس محرومی اور بدبختی کا ـــ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو، اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر و غرور

کا جذبہ ہو، آگے درج ہونے والی حدیث میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۷۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ ـــــــ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی فخر و تکبر کے طور پر اپنا کپڑا زیادہ نیچا کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا (حضرت عبداللہ بن عمر راوی کہتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد سن کر) حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا تہبند اگر میں اس کا خیال نہ رکھوں تو نیچے لٹک جاتا ہے، حضور نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر و غرور کے جذبہ سے ایسا کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا تہبند یا پاجامہ بے خیالی کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو یہ گناہ کی بات نہیں ہے ـــــ علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پاجامہ تفاخر و استکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اسی پر جہنم کی وعید ہے، اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بناء پر ہے تو مکروہ ہے، اور اگر نادانستہ بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہو، تو اس پر کوئی مواخذہ اور عتاب نہیں، معاف ہے۔

مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت :۔

(۲۷۹) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا ـــــ رواه الترمذی والنسائی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری اُمت کی عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح) دوسری حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ مردوں کے لئے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو، اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایسا کپڑا بھی مردوں کے لئے جائز ہے جو ریشمی نہ ہو لیکن اس پر نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے ہوں، یا دو چار انگل کا ریشمی حاشیہ ہو۔

مردوں کے لئے شوخ سُرخ رنگ کی ممانعت:۔

(۲۸۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ ـــــ رواه الترمذی وابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے) ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سُرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا اس نے حضورؐ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح) شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سُرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں، اور سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضورؐ کا عتاب تھا۔ اسی حدیث کی بنا پر مردوں کے لئے شوخ سُرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض

نے مکروہ — بہرحال حضورؐ کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ کی سخت ناراضی و ناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ۔

مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس و ہیئت کی ممانعت

(۲۸۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی اُن کی کا شکل و ہیئت، اُن کا سا لباس اور اُن کا انداز اپنائیں) اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی اُن کی سی شکل و ہیئت بنائیں، اُن کا سا لباس اور طرز و انداز اختیار کریں)۔　　(صحیح بخاری)

تشریح) اس حدیث میں خصوصیت سے لباس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق تشبہ پر لعنت فرمائی گئی ہے، لیکن تشبہ کی بہت نمایاں صورت یہی ہے کہ مرد زنانہ لباس پہن کر اور عورتیں مردانہ لباس اپنا کر اپنی فطرت کے تقاضوں سے بغاوت کریں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لباس کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے۔

(۲۸۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو

ہو وہ لباس پہنیں۔ (سنن ابی داؤد)

مردوں کے لیے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ:۔

(۲۸۳) عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ ـــــــ رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو، وہ زیادہ پاک صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۲۸۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ. ـــــــ رواه ابن ماجه

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو خالص سفید رنگ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی بہتر یہ ہے کہ مرنے کے بعد قبروں میں اللہ کے حضور میں حاضری ہو تو سفید کفن میں ہو، اور مساجد میں (جو اس دنیا میں اللہ کے دربار ہیں) حاضری ہو تو سفید کپڑوں میں ہو ـــــ لیکن دوسری بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات مختلف رنگ کے کپڑے بھی پہنتے تھے ـــــ چنانچہ آپ سے سبز یا ہلکے نیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہے، اسی طرح زرد رنگ کے بھی، نیز سرخ دھاری دار چادر اوڑھنا اور سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمانا بھی ثابت ہے ـــــ اس لیے حدیث

بالا دونوں حدیثوں میں سفید رنگ کے کپڑوں کے استعمال کی جو ترغیب دی گئی ہے اس کا درجہ بس ترغیب ہی کا ہے، اور اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں کے لئے رنگین لباس ہی زیادہ پسند فرمایا گیا ہے، ازواج مطہرات کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں ہے

(۲۸۵) عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دُونٌ فَقَالَ لِي أَلَكَ مَالٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ ——— رواه احمد والنسائی

ابوالاحوص تابعی اپنے والد (مالک بن نضلہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں بہت معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں (اللہ کا فضل ہے) آپ نے پوچھا کہ کس نوع کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے، اونٹ بھی ہیں، گائے بیل بھی ہیں بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں، غلام باندیاں بھی ہیں ——— آپ نے ارشاد فرمایا جب اللہ نے تم کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام و احسان اور اس کے فضل و کرم کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہئے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

(۲۸۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ ـــــــ رواہ الترمذی

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے، اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اُس پر اُس کا اثر نظر آئے ـــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس مد میں بیجا اسراف کرتے ہیں، اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا صرف طبیعت کے گنوارپن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اُس کو اس طرح رہنا چاہیئے کہ دیکھنے والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

خوب کھاؤ، پہنو، بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو :ـــــ

(۲۸۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِيْلَةٌ ـــــــ

ـــــــ رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ اجازت ہے خوب کھاؤ، پیو، دوسر[illegible] پر صدقہ کرو، اور

کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو ——

—— (مسند احمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)۔

(تشریح) کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اِس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال غذاؤں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہونچے، اور دل میں تفاخر اور استکبار نہ ہو —— امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ ——

"کُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا	جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو،
شِئْتَ مَا اَخْطَأَتْكَ اِثْنَتَانِ	(جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں
سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ"	ایک اسراف اور دوسرے استکبار و تفاخر۔

اس باب میں یہی بنیادی اصول اور معیار ہے۔

اُول جلول، پراگندہ حال، اور میلے کچیلے رہنے کی ممانعت :——

(۲۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَرَاٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ؟ ——

—— رواہ احمد والنسائی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کی نظر ایک پراگندہ حال آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال بالکل منتشر تھے تو آپ نے فرمایا کہ :——

کیا یہ آدمی ایسی کوئی چیز نہیں پا سکتا تھا جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کرلیتا ـــ (اور اسی مجلس میں) آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو ارشاد فرمایا :- کیا اس کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کرلیتا ـــــــ (مسند احمد، سنن نسائی)

ڈاڑھی اور سر کے بالوں کی خبرگیری اور درستی کی ہدایت :ـــ

(۲۸۹) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّاسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ ـــ

ـــــــ رواہ مالک

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی مسجد میں آیا، اُس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکے) تھے۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اُس کو اشارہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرائے، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آگیا، تو آپ نے فرمایا :ـــ کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے ـــــــ (مؤطا امام مالکؒ)

(تشریح) ان حدیثوں سے اُن اہلِ تقشف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حُسن و قبح سے بے پروا ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہئے اور صفائی ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی اُن کے نزدیک گویا دنیا داری کی بات ہے ــــــ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں ــــــ ہاں صورت و لباس وغیرہ کے بناؤ سنوار کا حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول و بے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہیں، جیسا کہ آگے آنے والی بعض احادیث سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل و صورت کی اصلاح اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جیسا کہ ان کے مضامین سے ظاہر ہے، ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنھوں نے اپنے حُلیے بگاڑ رکھے تھے ــــــ آج بھی جن کا یہ حال ہو اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنا چاہئے ــــــ اس کے برعکس جو لوگ اِس بارے میں افراط میں مبتلا ہوں، اور لباس اور ظاہری شکل و صورت کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہمیت دیں، اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھنے لگیں، اُن کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ اِن حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

سادگی اور خستہ حالی بھی ایک ایمانی رنگ ہے :

(۲۹۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- کیا تم سنتے نہیں، کیا تم سنتے نہیں (یعنی سنو اور غور سے سنو اور یاد رکھو) کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے، یہ آپ نے مکرر ارشاد فرمایا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ظاہری سادگی و خستہ حالی، اور زینت و آرائش کی طرف سے بے فکری یا کم توجہی، اندرونی ایمانی کیفیت سے بھی پیدا ہوتی ہے، اور یہ ایمان ہی کا ایک شعبہ اور ایک رنگ ہے۔

لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام واکرام :

(۲۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰہِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰہُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰی يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا ——— رواہ الترمذی

معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہ تواضع وخاکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے

جو جوڑا بھی پسند کرے اُس کو زیب تن کرے ــــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ بشارت اُن بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب و نادار بندے کا دل ٹوٹے ــــــــــ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ ــــــــــ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ محشر کے سامنے انھیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہلِ ایمان جنتیوں کیلئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہوں گے فرمایا جائے گا کہ ان میں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب : ــــــــــ

اگر کسی کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہو کہ ابھی اُوپر ابو الاحوص اور عمرو بن شعیب کی دو حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں مال و دولت اور استطاعت کی صورت میں اچھا لباس پہننے کی ہدایت فرمائی گئی ہے ــــــــــ اور یہاں اس حدیث میں قدرت و استطاعت کے باوجود اچھا لباس نہ پہننے پر ایسے عظیم انعام و اکرام کی بشارت سنائی گئی ہے، اور اس سے اوپر والی ابو امامہ کی حدیث میں بہت ہی اہتمام اور زور کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ: "ان البذاذة من الایمان، ان البذاذة من الایمان" جس کا حاصل یہی ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کا ایک شعبہ ہے ــــــــــ دراصل ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ان کا محل الگ الگ ہے ــــــــــ ابو الاحوص اور

عمرو بن شعیب والی حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اللہ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لاأبالی پن کی وجہ سے پھٹے حال رہیں جیسے کہ انھیں کپڑے نصیب ہی نہیں، ایسے لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اُس کے رہن سہن اور اس کے لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے ——— اور ابو امامہ اور معاذ بن انس کی ان حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس کے مخاطب دراصل وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو زیادہ اہمیت دیتے، اور اُس کے بارے میں بہت زیادہ اہتمام اور تکلف سے کام لیتے ہیں، گویا آدمی کی قدر و قیمت کا وہی معیار اور پیمانہ ہے۔

اصلاح و تربیت کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ افراط اور غلو کے مریض ہوں اُن سے اُن کے حال کے مطابق اور جو تفریط کی بیماری میں مبتلا ہوں اُن سے اُن کے حسب حال اصلاح کی بات کی جائے۔ اگر کوئی آدمی محل اور مخاطبین کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھے گا تو بسا اوقات اُس کو مصلحین کی ہدایتوں اور نصیحتوں میں تضاد محسوس ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس: ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے بارے میں اُن حدود و احکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورۂ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اُسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اُس زمانے میں آپؐ کے علاقے اور آپؐ کی قوم میں رواج تھا۔ آپ تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کُرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے، اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا قیمتی جُبے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوشنما یمنی

چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اُس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا ——

اِس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات و ہدایات کے علاوہ آپ نے اُمت کو اپنے طرزِ عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے، اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی و قومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ اُمت کے اُن اصحاب صلاح و تقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباعِ سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے —— دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقار کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اِسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات، اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو، یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے اِسلئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں ایسے اصولی احکام دے دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔

اِن تمہیدی سطروں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھیے! ۔

(۲۹۲) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَيْنِ —— رواہ البخاری و مسلم

ابو بردہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا نے ہم کو نکال کے دکھائی ایک دبیز دوہری چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند، اور ہمیں بتایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضورؐ کا وصال ہوا تھا (یعنی آخری وقت میں حضورؐ کے جسم اطہر پر یہی دو کپڑے تھے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۳) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبَّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصُ ــــــــ

ــــــــ رواہ الترمذی و ابوداؤد

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں کُرتا زیادہ پسند تھا ــــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) کُرتے کو حضورؐ غالباً اسلئے زیادہ پسند فرماتے تھے کہ وہ جبّے اور چادر کی بہ نسبت ہلکا ہوتا ہے اور لباس کا مقصد اس سے اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے ــــــــ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے کُرتے کی آستینیں ہاتھ کے پہنچوں تک ہوتی تھیں، اور نیچے کی جانب ٹخنوں سے اُوپر تک ہوتا تھا۔

(۲۹۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبَّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهَا الْحِبَرَةُ ــــــــ

ــــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں سے حِبَرہ (چادر) کا پہننا بہت پسند تھا ــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حِبَرہ یمن کی بنی ہوئی ایک خاص سوتی چادر ہوتی تھی جس میں سُرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں، یہ اوسط درجے کی اچھی چادروں میں سمجھی جاتی تھی۔ حضرت انسؓ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادروں میں سے حِبَرہ قسم کی چادر کا استعمال زیادہ پسند فرماتے تھے۔

(۲۹۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ ــــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک (دفعہ) رومی جُبّہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں ــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت مغیرہؓ کی اسی حدیث کی اکثر دوسری روایتوں میں اس کو "شامی جُبّہ" کہا گیا ہے۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ شام اُس زمانے میں چونکہ رومی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا اسلئے وہاں کی چیزوں کو رومی بھی کہہ دیا جاتا تھا اور شامی بھی! ــــــ بہرحال اِس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ دوسری قوموں کے بنائے ہوئے اور دوسرے مُلکوں سے آئے ہوئے کپڑے استعمال کئے جا سکتے ہیں، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائے ہیں۔

(۲۹۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِىْ بِهَا ــــــ رواہ مسلم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبّہ نکال کر دکھایا اُس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان

اور جبّہ کے آگے پیچھے کے چاکوں پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماءؓ نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّۂ مُبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (اُمّ المومنین) کے پاس تھا جب اُن کا انتقال ہوگیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اِس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) اِس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح رومی جُبّہ استعمال فرمایا (جس کا ذکر اوپر والی حدیث میں گزر چکا ہے) اسی طرح آپ نے کسروانی جُبّہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہ فارس کسریٰ کی طرف کیجاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیبا کا حاشیہ بھی تھا جس کا اُس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تشریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار اُنگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے، اِس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اسلئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبّہ کا حاشیہ اس حد کے اندر رہی ہوگا ــــــ دوسری خاص بات اِس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابۂ کرامؓ ہی کے دَور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ ان کا غُسالہ (دھووَن کا پانی) شفایابی کی اُمید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا اُن پر چھڑکا جاتا تھا۔

(۲۹۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ وَقَدْ أَرْخَى طَرْفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ ــــــ رواہ مسلم

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا، اس وقت آپ سیاہ رنگ کا

عمامہ زیب سر فرمائے ہوئے تھے، اور اُس کا کنارہ (شملہ) آپ نے پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا ——— (صحیح مسلم)

(۲۹۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ ——— رواه الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی (بھی) زیب سر فرماتے تھے ——— (معجم کبیر طبرانی)

(۲۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَتِ الْحَرُوْرِيَّةُ أَتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ اِئْتِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَلَبِسْتُ أَحْسَنَ مَا يَكُوْنُ مِنْ حُلَلِ الْيَمَنِ ——— قَالَ أَبُوْ زُمَيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَجُلًا جَمِيْلًا جَهِيْرًا ——— قَالَ فَأَتَيْتُهُمْ، قَالُوْا مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَا هٰذِهِ الْحُلَّةُ ؟ قُلْتُ مَا تَعِيْبُوْنَ عَلَيَّ لَقَدْ رَأَيْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْحُلَلِ ———

——— رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج کا ظہور ہوا، تو میں حضرت علیؓ کے پاس آیا، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ:۔ تم اِن لوگوں کے (یعنی گروہِ خوارج کے) پاس جاؤ (اور اُن کو سمجھانے اور اُن پر حُجت قائم کرنے کی کوشش کرو) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حسین و نفیس قسم کا ایک یمنی جوڑا پہنا ——— واقعہ کے راوی ابوزمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس خود بہت حسین و جمیل تھے اور آواز بھی زوردار تھی ——— آگے ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ جب میں خوارج کی جماعت کے پاس پہونچا تو انھوں نے مرحبا کہہ کے میرا استقبال کیا اور ساتھ ہی

(طنز و اعتراض کے طور پر) کہا، کہ یہ بڑھیا جوڑا (جو آپ پہنے ہوئے ہیں) کیا ہے؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ بڑھیا قسم کا حسین و جمیل لباس اُسوۂ نبوی اور مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے) (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ تم میرے اِس اچھے لباس پر کیا اعتراض کرتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسین سے حسین جوڑا پہنے ہوئے دیکھا ہے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے اِس بیان سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اچھا نفیس لباس بھی استعمال فرمایا ہے، اِسلئے اُن خوارج کا یہ سمجھنا کہ اچھا اور عمدہ لباس پہننا طریقۂ نبوی یا مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے اُن کی جہالت تھی۔ ہاں اگر پہننے والے کا مقصد تفاخر و استکبار اور اپنی بڑائی کی نمائش ہو تو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہو چکا ہے سخت درجے کی معصیت اور موجب غضب خداوندی ہے لیکن اگر اظہارِ نعمت کی نیت سے یا کسی دوسری دینی مصلحت سے پہنا جائے تو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا اظہارِ نعمت کے لئے بھی تھا اور لانے والوں کی تطییبِ خاطر کے لئے بھی، اور بیانِ جواز کے لئے بھی۔

لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضورؐ کا معمول تھا: ———

بائیں اعضاء کے مقابلے میں داہنے اعضاء کو جو فضیلت حاصل ہے اور اس کی جو وجہ ہے اُس کا ذکر "آدابِ طعام" کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ اسی فضیلت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ لباس میں داہنی طرف سے ابتدا فرماتے تھے، یعنی جو کپڑا پہنتے داہنی جانب سے پہننا شروع فرماتے۔

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهِ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کُرتا پہنتے تو داہنی جانب سے شروع فرماتے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں کُرتے کا ذکر بطور مثال کے سمجھنا چاہئے ——— حضرت ابوہریرہؓ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ حضورؐ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب کپڑا پہنا جائے یا وضو کیا جائے تو داہنے اعضاء سے شروع کیا جائے"۔

کپڑا پہننے کے وقت کی حضورؐ کی دُعا: ———

(۳۰۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ ——— رواه الترمذى

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کُرتا یا چادر تو اُس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہتے کہ: "اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کُرتا یا چادر) خداوندا! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کا خیر اور جو اس کے وجود کا مقصد ہے اُس کا خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعثِ خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً اس کو پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اور اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اُس سے میری حفاظت فرما)"۔

——— (جامع ترمذی)

(تشریح) کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور مختصر دُعاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے "آداب لباس" کے بالکل شروع میں بھی درج کی جاچکی ہے ——— اور اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد پنجم) میں سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ"[1] تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے جائینگے ——— اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر حمد و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

جوتا پہننے کے بارے میں ہدایات : ———

(۳۰۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا یَقُوْلُ اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا یَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ ——— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے ایک سفر پر روانہ ہو رہے تھے، میں نے آپ کو سنا آپ ہدایت دے رہے تھے کہ۔ لوگو! جوتیاں زیادہ لے لو، کیونکہ آدمی جب تک پاؤں میں جوتا پہنے رہتا ہے تو وہ سوار کی طرح رہتا ہے ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ جو آدمی جوتا پہن کے چلتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو بغیر جوتا پہنے چلے، تیز بھی چلتا ہے اور کم تھکتا ہے۔ اس کا پاؤں محفوظ بھی رہتا ہے یہی

---

[1] اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے: "اُس اللہ کے لئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا۔"

مطلب ہے اس کا کہ "وہ سوار کی طرح رہتا ہے" ——— اور ہمارے اِس زمانہ میں تو فوجیوں کے لئے اُن کا خاص جوتا اُن کی وردی کا جزء ہے۔

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَءْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں پہنے اور جب نکالنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے نکالے (الغرض) داہنا پاؤں جوتا پہننے میں مقدم اور نکالنے میں مؤخر ہو ——— (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جوتا پہننے میں پاؤں کا اکرام واعزاز ہے اور داہنے اعضاء کو بائیں اعضاء کے مقابلہ میں جو فضیلت اور ترجیح حاصل ہے (جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اس کا حق اور تقاضا ہے کہ جوتا داہنے پاؤں میں پہنا پہلے جائے اور نکالا بعد میں جائے۔

انگشتری اور مُہر کے بارے میں حضورؐ کا طرزِ عمل اور ہدایات: ———

(۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةً فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ——— رواہ مسلم۔ (وفی روایۃ للبخاری کان نقشُ الخاتم ثلثة اسطر محمدٌ سطرٌ ورسولُ سطرٌ واللّٰهُ سطرٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ شاہِ فارس کسریٰ اور شاہِ روم قیصر اور شاہِ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھائیں (اور اُن کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمراں لوگ مُہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے، تو حضورؐ نے مُہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی، اُس میں نقش تھا: — "محمّد رسول اللہ" — (صحیح مسلم)

(اور اِسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مُہر میں تین۳ سطریں تھیں، ایک سطر میں "محمّد" دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ")

(تشریح) صحیح روایات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۶ھ کے آخر میں سفرِ حدیبیہ سے واپسی کے بعد اُس وقت کی دُنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے — اُسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور کی مُہر ہونا ضروری ہے، یہ حکمراں لوگ مُہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) — حضورؐ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس کے نگینہ میں "محمّد رسول اللہ" کندہ تھا — صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے — اس طرح (اللہ / رسول / محمد) یہی آپ کی مُہر اور یہی آپ کی انگوٹھی تھی — روایات میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی، گویا کبھی آپ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

(۳۰۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِىْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ، فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِىْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ اِنْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اس کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دی، اور ارشاد فرمایا کہ :۔ تم میں سے کسی کسی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی خواہش سے دوزخ کا انگارہ لے کر اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے (یعنی مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی گویا دوزخ کی آگ ہے جو اُس نے شوق سے ہاتھ میں لے رکھی ہے)۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے اُن صاحب سے کہا (جن کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکال کر حضورؐ نے پھینک دی تھی) کہ اپنی انگوٹھی اُٹھالو اور (کسی طرح) اپنے کام میں لے آؤ (مثلاً فروخت کردو، یا گھر کی خواتین میں سے کسی کو دے دو) اُن صاحب نے کہا خدا کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا ہے تو اب کبھی میں اس کو نہیں اٹھاؤں گا۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے دوسرے زیورات کی طرح اس کی انگوٹھی کا استعمال بھی مردوں کے لئے حرام و ناجائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مناسب اور مفید سمجھا جائے تو اپنے خاص لوگوں کے ساتھ اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ

ان کے پاس جو چیز شریعت کے خلاف ہو اُس کو چھین کر پھینک دیا جائے یا توڑ پھوڑ دیا جائے۔

ان صحابی نے لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنی سونے کی انگوٹھی نہیں اٹھائی اور وہ جواب دیا، جو حدیث میں مذکور ہوا۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام کا ایمانی مقام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

ڈاڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات:—

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور طرزِ عمل سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ظاہری ہیئت اور شکل و صورت کے بارے میں بھی اُمّت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئیے!۔

(۳۰۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ — رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ یہ پانچ چیزیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے اور دینِ فطرت کے خاص احکام ہیں —— خَتنہ، زیرِ ناف بالوں کی صفائی، مونچھیں تراشنا، ناخن لینا اور بغل کے بال لینا —— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض دوسری حدیثوں میں ان چیزوں کو انبیاء و مرسلین کی سُنّت اور اُن کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں اسلئے ہونا بھی یہی چاہئے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کا یہی طریقہ اور یہی اُن کی تعلیم ہو۔ ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ طہارت و صفائی اور پاکیزگی ہے جو بلاشبہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔

---

(۳۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِیْ قَصِّ الشَّوَارِبِ وَ تَقْلِیْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ـــــــــ رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مونچھیں ترشوانے اور ناخن لینے اور بغل اور زیرِ ناف کی صفائی کے سلسلہ میں ہمارے واسطے حد مقرر کر دی گئی ہے کہ ۴۰ دن سے زیادہ نہ چھوڑیں ـــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) کنز العمال میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ: ـــــــــ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کو نکلنے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور لبیں لیتے تھے[۱]"

اسلئے مسنون یہی ہے کہ ہر ہفتہ یہ جسمانی اصلاح و صفائی کا کام کیا جائے، اور آخری حد ۴۰ دن تک کی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ اگر اس سے زیادہ تغافل برتا تو ایک درجہ کی نافرمانی ہوگی، اور علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔

(۳۰۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰی ۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ــ مونچھوں کو خوب باریک کرو اور ڈاڑھیاں چھوڑو۔

ـــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی

---

[۱] کنز العمال ۔ (۲۵ ھ) ۔ (جلد ۴) ۔ ۲۔

یہی تھا کہ وہ ڈاڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے ۔

جیسا کہ ظاہر ہے، ڈاڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے ۔ خود مغربی اقوام میں بھی (جہاں ڈاڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے) ڈاڑھی کو قابلِ احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے ۔ کاش ! ہم مسلمان محسوس کریں کہ ڈاڑھی رکھنا ہمارے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے نبیوں، رسولوں کی سنت اور اُن کے طریقے سے وابستگی کی علامت ہے، اور ڈاڑھی نہ رکھنا اُن کے منکروں کا طریقہ ہے ۔

اس حدیث میں صرف ڈاڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ڈاڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کم نہ کرایا جائے ۔ لیکن آگے متصلاً امام ترمذی کی روایت سے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اُس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے ——— اور مندرجۂ بالا حدیث : " اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰى " کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت میں ہے کہ اُن کی ڈاڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ اُن کو ترشوا دیتے تھے ۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرزِ عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے ۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیرِ تشریح حدیث : " اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰى " کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ ڈاڑھی رکھی جائے، نہ منڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے ۔

ہمارے فقہا نے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے ——— ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے ۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے، اِس سے کم کرانا ثابت نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

(۳۰۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا ———— رواه الترمذی

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے عرض سے بھی اور طول سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے۔

———— (جامع ترمذی)

(۳۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ ———— رواه ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کے بال ہوں اُس کو چاہیئے کہ وہ اُن بالوں کا اکرام کرے ———— (سنن ابوداؤد)

(تشریح) بالوں کا اکرام یہ ہے کہ اُن کو دھویا جائے، حسب ضرورت تیل لگایا جائے، اُن میں کنگھی بھی کی جائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی یہی تھا، آپ ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے جو کبھی کانوں تک اور کبھی کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ آپ ان کو اہتمام سے دھوتے بھی تھے، ان میں تیل بھی لگاتے تھے، کنگھی بھی فرماتے تھے ———— علماء نے لکھا ہے کہ حج اور عمرہ کے سوا کبھی سر کے بالوں کا منڈوانا آپ سے ثابت نہیں۔

(۳۱۱) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ الْقَزَعِ ———— قِيلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ؟ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ۔

———— رواه البخاری ومسلم

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم) نافع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ منع فرماتے تھے قَزَع سے ـــــ نافع سے پوچھا گیا کہ قَزَع کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کہ قَزَع یہ ہے کہ بچّے کے سَر کے کچھ حصّہ کے بال مونڈ دیئے جائیں اور کچھ حصّہ کے چھوڑ دیئے جائیں ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچّہ کو دیکھا جس کے سَر کے کچھ بال مونڈ دیئے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے تھے تو آپ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ یا تو پورا سر مونڈا جائے یا پورے سر پر بال چھوڑ دیئے جائیں ـــــ اِس حکم کی وجہ ظاہر ہے، سَر کے کچھ حصّے کے بال مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا انتہائی بے ڈھنگے پن کی بات ہے اور اس سے بچّے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس حکم پر اس سے ملتی جلتی دوسری صورتوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم: ـــــ

(۳۱۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا ابْنَتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ بَايِعْنِي فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے بیعت کر لیجئے؟" آپ نے فرمایا کہ "میں تم کو اُس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلو گی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ

معلوم ہوتے ہیں" ——————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ ہند بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، اور اُسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ پہلی بیعت کی ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اِس حدیث میں ہندہ کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انھوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے، اور اسی موقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔

دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت وتعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطۂ نظر معلوم ہوگیا کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں، ظاہر ہے کہ یہ چیز اُن کے اور اُن کے شوہروں کے درمیان محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

ستر اور پردے کے بارے میں ہدایات

انسان کی معاشرتی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ اُن خصائص میں سے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے ——
خالق کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادّہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اسلئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصّے کو اور اپنے کسی فعل کو چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے، اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

بہرحال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اِسی لئے تمام اقوام وملل اپنے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہیئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معمولات میں سے ہے کہ اِس بارے میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے، گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز وتفوق حاصل ہے اسی طرح اِس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ اس کی

جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مُردوں سے کہیں زیادہ ہے، اِسی لئے اُن کے پیدا کرنے والے نے اُن میں حیا کا جذبہ بھی مُردوں سے زیادہ رکھا ہے ـــــ بہرحال اَولادِ آدم کے لئے ستر اور پردہ بُنیادی طور پر اُن کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دُنیا کے مسلمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ نے دیں وہ بلاشبہ اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ کی لائی ہوئی کتاب ہدایت قرآن مجید ہی میں دے دیئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ: ـــــ "نسلِ آدم کو ستر چھپانے کی ہدایت اسی ابتدائی دَور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا"

پھر سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں خاصکر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ اُن کی اصل جگہ اپنا گھر ہے، لہٰذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں ـــــ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جسکی اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں ـــــ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں، یا آنے جانے والے عزیزوں، قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں ـــــ اور مُردوں کو چاہیئے کہ اپنے اہلِ قرابت یا دیگر اہلِ تعلق کے گھروں میں اچانک بلا اطلاع اور اجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مُردوں کو دیکھنے تاکنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ سامنا ہو جائے تو

نگاہیں نیچی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل سلیم دی ہے اور اُن کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، وہ اگر غور کریں گے تو ان شاء اللہ انھیں اس میں شبہ نہ ہوگا کہ یہ احکام انسان کے جذبۂ حیا کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے اُن شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں، اور کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھنونے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اور اسی کی روشنی میں اس باب سے متعلق رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مندرجۂ ذیل ارشادات پڑھیئے!۔

ضروری ستر: ———

(۳۱۳) عَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت جرہد ابن خویلد سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کیا تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) سُتر میں شامل ہے (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں) ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) انسانی جسم کے جو حصّے عرف میں شرمگاہ کہلاتے ہیں اُن کے بارے میں تو ہر آدمی حتیٰ کہ خدا کے اور کسی دین و مذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا سُتر یعنی چھپانا ضروری ہے ——— رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرمگاہ اور اُس کے قریبی حصّے ہی نہیں بلکہ ران تک سُتر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری۔ یہ گویا سُتر کے بارے میں تکمیلی تعلیم اور ہدایت ہے ——— اس حدیث میں فَخِذَ (ران) کو عَوْرَةٌ فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لفظی معنی ہیں، چھپانے کی چیز،

جس کا کھلنا شرم و حیا کے خلاف ہو۔

(۳۱۴) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ ـــــ رواه ابوداؤد وابن ماجه

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ :۔ اے علی! اپنی ران نہ کھولو، اور کسی زندہ یا مُردہ آدمی کی ران کی طرف نظر نہ کرو ـــــ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ ـــــ رواه مسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نظر نہ کرے ـــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جسم کے وہ مخصوص حصے جن کو چھپانا ضروری قرار دیا گیا ہے (یعنی ناف کے نیچے سے رانوں تک) اُن کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں کے لئے بھی جائز نہیں، اور بلا شبہ حیا اور شرم کا تقاضا یہی ہے، ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوں گے۔

تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری : ـــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلا ضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے، اللہ سے اور اُس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

(۳۱۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّىْ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِى الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ ــــــــ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لوگو (تنہائی کی حالت میں بھی) برہنگی سے پرہیز کرو (یعنی بے ضرورت تنہائی میں بھی ستر نہ کھولو) کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے برابر رہتے ہیں، کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت اور میاں بیوی کی صحبت کے وقت کے، لہٰذا اُن کی شرم کرو اور اُن کا احترام کرو ــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین وغیرہ جو فرشتے انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں، وہ اُن اوقات میں الگ ہو جاتے ہیں جب آدمی اپنی فطری ضرورت سے بے پردہ ہوتا ہے۔

(۳۱۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا ــــــــ قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ ــــــــ

ــــــــ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انھوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اپنی شرمگاہ (عضو ستر) کو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی

بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ:۔
حضرت! کیا فرماتے ہیں اُس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟
(کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو)۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ اس کا
زیادہ سزاوار ہے اور اس کا زیادہ حق ہے کہ اُس سے شرم کی جائے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عورتوں کو پردہ ضروری، باہر نکلنا موجب فتنہ:

(۳۱۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا
چاہئے، اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے
تو شیاطین اُس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) عربی زبان میں "عورت" اُس چیز یا اُس حصۂ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا
اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے
"اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ" یعنی صنفِ خواتین کی نوعیت یہی ہے، اُن کو پردے میں رہنا چاہئے
آگے فرمایا گیا ہے کہ:۔ جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔
حضورؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے
تاکہ شیطانوں اور اُن کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے، اور اگر
ضرورت سے نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید

کی آیت :- "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ" میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضور ﷺ کا صریح ارشاد ہے :- "إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ" یعنی بضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نظر بازی موجب لعنت :

(۳۱۹) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ ——— رواه البیہقی فی شعب الایمان

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اُس پر جس کو دیکھا جائے ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے سِتر کو (جس کا دیکھنا حرام ہے) دیکھے، تو اُس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے، یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے۔ اور اسی طرح وہ بھی رحمتِ خداوندی سے محروم ہے جس نے قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا اور دکھایا۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے کا حکم :-

(۳۲۰) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي ——— رواہ مسلم

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟) تو آپ نے مجھ حکم دیا کہ میں اُدھر سے اپنی نگاہ پھیر لوں ——— (صحیح مسلم)

(۳۲۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ ———

——— رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ فرمایا: — اے علی! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے) تو دوبارہ نظر نہ کرو، تمہارے لئے پہلی نظر (۔جو بلا ارادہ اور اچانک پڑ گئی وہ) تو جائز ہے (یعنی اس پر مواخذہ اور گناہ نہ ہوگا) اور دوسری جائز نہیں ——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۳۲۲) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا

——— رواہ احمد

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: — جس مرد مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرلے اور (اس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت و حلاوت محسوس کرے گا ———
(مسند احمد)

(تشریح) یعنی ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ آخرت کے بے حساب اجر و ثواب سے پہلے اپنے اُس مومن بندے کو حلاوتِ عبادت کی نہایت اعلیٰ رُوحانی لذت اسی دُنیا میں عطا فرمائے گا۔

غیر عورت پر نظر پڑ جانے سے دل میں گندہ جذبہ پیدا ہو تو ......

انسان کی یہ فطرت ہے کہ کوئی کھانے پینے کی مرغوب چیز دیکھے یا خوشبو ہی آجائے تو اُس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ گرمی اور تپش کی حالت میں ٹھنڈی سایہ دار اور خوش منظر جگہ دیکھ کر وہاں ٹھہرنے اور آرام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے سے بسا اوقات شہوانی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے جو اغواءِ شیطانی سے بہت بُرے نتائج تک بھی پہونچا سکتا ہے، اور کم از کم آدمی ایک قسم کی بے چینی میں تو مبتلا ہو ہی جاتا ہے۔ نفس و رُوح کے معالجِ اعظم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی علاج بتلایا ہے۔

(۳۲۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمِدْ اِلٰى امْرَأَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذَالِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهٖ ـــــــــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت شیطان کی طرح آتی یا جاتی ہے (یعنی اُس کا ڈھنگ اور اُس کی چال آدمی کے لئے شیطانی فتنہ کا سامان بن سکتی ہے) تو اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ کوئی ایسی عورت اچھی لگے اور اُس کے ساتھ

دلچسپی اور دل میں اس کی خواہش پیدا ہو جائے تو اس آدمی کو چاہئیے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرے، اس سے اس کی اس گندی خواہش نفس کا علاج ہو جائے گا ——— (صحیح مسلم)

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت :———

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے، ایسی صورت میں اس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

(۳۲۴) عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ۔

——— رواه الترمذي

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نامحرم شخص تنہائی میں کسی عورت سے ملے گا تو شیطان ان کو معصیت میں مبتلا کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ اس لعین دشمن ایمان کو اس کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(۳۲۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔ رواه البخاري ومسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- تم (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملہ میں بہت احتیاط کرو)۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ :- شوہر کے قریبی رشتہ داروں (دیور وغیرہ) کے بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ (کیا اُن کے لئے بھی یہی حکم ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا :- وہ تو بالکل موت اور ہلاکت ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

(تشریح) شوہر کے قریبی رشتہ داروں میں اُس کے باپ اور اس کی اولاد تو بیوی کیلئے محرم ہیں، ان کے علاوہ سارے رشتہ دار حتیٰ کہ حقیقی بھائی بھی نامحرم ہیں، اُن کا بھی آزادانہ طور پر گھر میں آنا اور خلوت و جلوت میں بے تکلف اور بے پردہ ملنا اور باتیں کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق انتہائی خطرناک اور عفت و دیانت کیلئے گویا زہر قاتل ہے۔

(۳۲۶) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ وَمِنِّي وَلَكِنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ۔

رواہ الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- (خاصکر) اُن خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں، کیونکہ شیطان (یعنی اُس کے اثرات و وساوس) سب میں اِس طرح (غیر مرئی طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا :- اور کیا آپ میں بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا :- اور مجھ میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں)

خاص مدد فرمائی ہے اسلئے میں محفوظ رہتا ہوں ــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں اُن سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے کہ فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی، اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، اور اُس کے وساوس واثرات آدمی میں اس طرح دَوڑ جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دَوڑتا ہے ــــــــ اس موقع پر کسی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ:- حضرتؐ! اس بارے میں (یعنی شیطانی وساوس و تصرفات کے بارے میں) حضورؐ کا کیا حال ہے؟ - آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:- شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اُس کے وساوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں، مجھ پر اُس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی یا فتنہ میں مبتلا نہیں کرسکتا ــــــــ یہ دراصل عفت عصمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد و اعانت کا نتیجہ قرار دیا ــــــــ یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ

معارف الحدیث جلد ششم (کتاب المعاشرۃ والمعاملات) کی ضخامت اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم کردینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ پہلا حصہ ستر و حجاب کے بیان پر یہاں ختم ہوگیا۔ دوسرا حصہ "کتاب النکاح" سے شروع ہوگا اور تجارت وغیرہ تمام مالی معاملات کے متعلق احادیث اسی میں ہوں گی۔

ــــــــ ناظم کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ہفتم

کتاب المعاشرۃ والمعاملات

حصہ دوم

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹرایڈیشن : مارچ ۲۰۰۱ء
باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس : احمد پرنٹنگ کارپوریشن

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن D/437 گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

پیش لفظ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰت

اس عاجز بندے پر اس کے رب کریم کا ایک عظیم احسان اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی تالیف کی توفیق ہے۔ اس کی چھ جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد کی حیثیت **کتاب المعاشرۃ والمعاملات** کے حصہ اول کی تھی اور یہ ساتویں جلد اس کا حصہ دوم ہے۔ پہلے ارادہ ان دونوں کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے کا تھا' پھر ضخامت بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے دو حصوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد ششم میں صرف معاشرت سے متعلق سوا تین سو احادیث کی تشریح کی گئی تھی۔

پیشِ نظر جلد ہفتم میں نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات' معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے تقریباً دو سو ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور پڑھنے اور سننے والوں کو اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی جلد کے شروع میں جو دیباچہ ہے وہی اس ساتویں جلد کا بھی دیباچہ ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے مطالعہ سے پہلے اس پر نظر ڈال لی جائے۔ البتہ اتنی بات کی طرف یہاں توجہ دلانا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا ایسا عادلانہ اور فطری حل پیش کرنے والا وہ نبی امی تھا جس نے نہ کسی قدیم آسمانی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ متمدن قوموں کے قوانین اور دساتیر کا' نہ کسی استاذ کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہہ کیا بلکہ وہ حروف اور الفاظ کو پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ کیا یہ آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی ایک روشن دلیل اور آپ ﷺ کا ایک جیتا جاگتا معجزہ نہیں ہے؟ ان تعلیمات سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی اور فطرت کے تقاضوں کو کچل کر نہیں' بلکہ ان کے فطری حل کے ذریعہ اس کی روحانی ترقی کا ضامن و داعی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام خصوصاً ہم کو اس نعمت کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے
آخری گزارش یا وصیت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ
حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اَز راہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ اَدب نصیب فرمائے۔

آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۷/ شوال ۱۴۰۲ھ ۸/ اگست ۱۹۸۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نکاح وازدواج اور اس کے متعلقات

نکاح اور شادی کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اولاد سے متعلق کئی طریقے اور ضابطے رائج تھے، ان میں سے بعض نہایت گندے اور شرمناک تھے، ایک طریقہ اصولی طور پر صحیح اور شریفانہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر بس اسی کو باقی رکھا اور دوسرے سارے طریقے یکسر ختم فرمادیئے اور ان کو سنگین گناہ اور جرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے نکاح و شادی کا جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سرپرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب واستدعا کی جائے، وہ اگر رشتہ کو مناسب اور قرین مصلحت سمجھیں تو عورت کے عاقلہ بالغہ اور صاحبِ رائے ہونے کی صورت میں اس کی مرضی معلوم کرکے اور کم سن ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کرلیں اور نکاح کردیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت و حکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح و شادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ منکوحہ عورت پر عائد ہوں گی اور وہی ساری عمر کے لئے ان کی پابند ہوگی اس لئے اس کی رائے اور رضامندی لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس کے نفس کا اصل مختار خود اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کردے۔ اسی کے ساتھ عورت کے شرف نسوانیت کی رعایت سے ہدایت فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سرپرستوں ہی کے ذریعہ طے ہو اور وہی عقد و نکاح کرنے والے ہوں۔ یہ بات عورت کے مقامِ شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا

معاملہ وہ خود براہِ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دے۔ علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس وجہ سے بھی اولیاء (خاندانی بزرگوں) کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکا کھا جائے اور کسی کے دامِ فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کرلے' ان سب وجوہ کی بناء پر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح وشادی اولیاء ہی کے ذریعہ ہو۔

نکاح وشادی کے سلسلہ میں ایک رہنمائی یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اگر دیکھی بھالی بالکل نہ ہو تو اگر ہوسکے تو پیام دینے سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی خدشہ پیدا نہ ہو۔ یہ مقصد ایک درجہ میں قابلِ اعتماد عورتوں کے دیکھنے سے بھی پورا ہوسکتا ہے۔

ایک ہدایت یہ بھی فرمائی گئی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کے لئے کسی دوسرے مرد کی طرف سے پیام دیا جاچکا ہے تو جب تک اس کے لئے انکار نہ ہوجائے اور بات ٹوٹ نہ جائے اس کے لئے پیام نہ دیا جائے۔ اس کی حکمت ظاہر ہے۔

نکاح کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ خفیہ نہ ہو' کچھ لوگوں کی موجودگی میں اعلانیہ ہو جو اس کے شاہد اور گواہ ہوں' بلکہ بہتر بتایا گیا ہے کہ مسجد میں ہو' اسی طرح نکاح کے موقعہ پر خطبہ بھی مسنون ہے۔

مرد کی طرف سے عورت کے لئے مہر کا نذرانہ بھی ضروری قرار دیا گیا۔

ان سب اُمور اور نکاح کے دوسرے متعلقات سے متعلق احادیث ذیل میں پڑھیے!

مرد عورت کے جوڑ وملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے طریقے اور ضابطے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النِّكَاحَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطِبُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ اَوْ اِبْنَتَهُ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ اٰخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُ لِاِمْرَاَتِهٖ اِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا اَرْسِلِىْ اِلٰى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِىْ مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا اَبَدًا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذٰلِكَ

الرَّجُلِ الَّذِیْ تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَاِذَا تَبَیَّنَ حَمْلُهَا اَصَابَهَا زَوْجُهَا اِذَا اَحَبَّ وَاِنَّمَا يَفْعَلُ ذَالِكَ رَغْبَةً فِیْ نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هٰذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الْاِسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ اٰخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَادُوْنَ الْعَشَرَةِ فَيَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ كُلُّهُمْ يُصِيْبُهَا فَاِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا اَرْسَلَتْ اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ اَنْ يَمْتَنِعَ حَتّٰى يَجْتَمِعُوْا عِنْدَهَا تَقُوْلُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِیْ كَانَ مِنْ اَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ يَافُلَانُ تُسَمِّیْ مَنْ اَحَبَّتْ بِاِسْمِهٖ فَيَلْحَقُ بِهٖ وَلَدُهَا وَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَمْتَنِعَ مِنْهُ الرَّجُلُ وَالنِّكَاحُ الرَّابِعُ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيْرُ فَيَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَ هَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلٰى اَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُوْنُ عَلَمًا فَمَنْ اَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَاِذَا حَمَلَتْ اِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوْا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ اَلْحَقُوْا وَلَدَهَا بِالَّذِیْ يَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهٖ وَدُعِیَ ابْنَهٗ لَايَمْتَنِعُ مِنْ ذَالِكَ...... فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهٗ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ. (رواه البخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے بیان فرمایا) کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد و عورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی (اس وقت عورت میں حاملہ ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے) تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے نیوگ کرلے (یعنی اس سے تعلق قائم کرلے، اور اس کی صحبت سے حمل حاصل ہونے کی کوشش کر) اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا، پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اس طریقہ کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا [1]

---

[1] یہ شرمناک طریقہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے بعض پست قبیلوں میں رائج تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور ایک اور (تیسرا) طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی (روایت میں "رھط" کا لفظ ہے جو دس سے کم کے لئے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا) پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ ہو جاتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لئے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے یہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (یہ تیسرا طریقہ تھا)

اور چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی' یہ پیشہ ور لونڈیاں ہوتی تھیں' ان کے گھروں کے دروازے پر بطور علامت کے ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا' تو جب ان میں سے کسی کو حمل رہ جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے' پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا۔ اور اسی کا بیٹا کہا جاتا' وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے دینِ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے ان سب (شرمناک اور حیاء سوز) مروج طریقوں کو یکسر مٹادیا۔ اور نکاح وشادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جو اب جاری ہے (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کیسی گندگیوں اور تاریکیوں میں تھے' اور پھر آپ ﷺ کی ہدایت

(......گذشتہ سے پیوستہ) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست سطح کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مثلاً بہادر اور شہسوار ہو یا شکیل وجمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اس آدمی سے تعلق قائم کر لے تاکہ اس کا حمل قرار پا جائے اور پھر بیٹا انہی صفات کا اور اسی طرح کا پیدا ہو' اور خود اس وقت بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا...... عربی میں اس کو "استبضاع" کہا جاتا ہے' ہم نے اس کا ترجمہ "نیوگ" کیا ہے۔ ہندو معاشرہ میں نیوگ کا رواج رہا ہے۔ اور اس کو جائز اور درست سمجھا جاتا ہے، اس کی صورت قریب قریب یہی ہوتی ہے۔ اسکی تفصیلات کیلئے بانی آریہ سماج سوامی دیانند سرسوتی کی "ستیارتھ پرکاش" کا مطالعہ کیا جائے۔

اور تعلیم و تربیت نے ان کو آسمانِ ہدایت کا چاند اور سورج بنادیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ مُخْرِجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

جس عورت سے نکاح کرنیکا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں ' بلکہ بہتر ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَلْقَى اللّٰهُ فِىْ قَلْبِ امْرِءٍ خِطْبَةَ اِمْرَاَةٍ فَلَا بَاسَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا. (رواه احمد وابن ماجه)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے دل میں کسی عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا خیال ڈالے تو اس کے واسطے گناہ نہیں ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ (مسند احمد 'سنن ابن ماجہ)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَاَةً فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا' قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا.
(رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (یا پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک نظر دیکھ لو' یہ اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہو گا کہ تم دونوں میں الفت و محبت اور خوشگواری رہے۔
(مسند احمد 'جامع ترمذی 'سنن نسائی 'ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح و شادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لئے ایک فیصلہ اور معاہدہ ہے' یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ اندھیرے میں ہو' بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قابلِ اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہو سکتے ہیں' جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے اس کا بہر حال لحاظ رکھا جائے کہ عورت کو یا اس کے گھر والوں کو گرانی اور ناگواری نہ ہو' بلکہ اچھا ہے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو' سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کے مطابق

میں چھپ چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَنْکِحَ اَوْ یَتْرُكَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے دوسرے بھائی کے پیامِ نکاح کے مقابلہ میں اپنا پیام دے، تا آنکہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے اور بات ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لئے اپنا پیام دے دیا ہے تو جب تک ادھر کا معاملہ ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے آدمی کے لئے درست نہیں کہ وہ اپنا پیام وہیں کے لئے دے، ظاہر ہے کہ یہ بات پہلے پیام دینے والے آدمی کے لئے ایذاء اور ناگواری کا باعث ہو گی اور ایسی باتوں سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔

نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِكْرُ یَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِیْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق اور اختیار ہے اور باکرہ (کنواری) کے باپ کو بھی چاہئے کہ اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت حاصل کرے اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ، قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ اَنْ تَسْكُتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کر لیا جائے اور باکرہ

(کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا اس کی اجازت کا طریق کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ایم کے اصل معنی ہیں 'بے شوہر والی عورت' لیکن اس حدیث میں اس سے مراد ایسی عورت ہے جو شادی اور شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہو گئی ہو' خواہ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔ (اسی کو حضرت عبداللہ بن عباس کی اوپر والی حدیث میں "ثیب" کہا گیا ہے) ایسی عورت کے بارے میں ان دونوں حدیثوں میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کی رائے اور مرضی معلوم کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے' یعنی یہ ضروری ہے کہ وہ زبان سے یا واضح اشارہ سے اپنی رضامندی ظاہر کرے اس حدیث کے لفظ "حتی تستامر" کا یہی مطلب ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں "بکر" سے مراد وہ کنواری لڑکی ہے جو عاقل بالغ تو ہو لیکن شوہر دیدہ نہ ہو۔ اس کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے' لیکن ایسی لڑکیوں کو حیاو شرم کی وجہ سے چونکہ زبان یا اشارہ سے اجازت دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے دریافت کرنے اور اجازت مانگنے پر ان کی خاموشی کو بھی اجازت قرار دے دیا گیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل بالغ عورت کا نکاح خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو' اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا ولی نہیں کر سکتا' ہاں اگر کوئی لڑکی صغیر السن ہے' ابھی نکاح شادی کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہے اور کئی بہت اچھا رشتہ سامنے ہے اور خود لڑکی کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے تو ولی (جو خیر خواہی کا ذمہ دار ہے) اپنی خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق نکاح کر سکتا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضور ﷺ سے صرف اپنی صوابدید کے مطابق اس وقت کر دیا تھا جب کہ ان کی عمر ۶۔۷ سال کی تھی۔ [1]

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ.
(رواہ احمد والترمذی وابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

---

[1] اس نکاح میں فریقین کے لئے بڑی مصلحتیں اور برکتیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیق حضور پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ایسی قربانیاں دیں اور صحبت و رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ وفات سے کچھ پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جس نے جو احسان کیا تھا یا جو خدمت کی تھی میں (بقیہ اگلے صفحے پر......)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بدون نکاح نہیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) حدیث کا مقصود و مدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ عورت کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ یہ اس کے شرف اور مقامِ حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ ہاں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا اپنے بارے میں اصل اختیار عورت ہی کا ہے۔ ولی اس کی مرضی اور رائے کے خلاف اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

ضروری ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اعلانیہ ہو:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ. (رواه الترمذى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح بالاعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجو لیا کرو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہٰذا بالاعلان کیا جائے۔ اور اس کے لئے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہو گی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہو گی، گواہوں شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں نکاح وشادی کی تقریب کے موقع پر دف بجانے کا رواج تھا اور بلاشبہ اس تقریب کا تقاضا ہے کہ بالکل خشک نہ ہو، کچھ تفریح کا بھی سامان ہو اس لئے آپ ﷺ نے دَف بجانے کی اجازت بلکہ ایک گونہ ترغیب دی۔

(گذشتہ سے پیوستہ) نے سب کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابو بکر کی خدمات کا بدلہ نہیں دے سکا...... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کی کم عمری کے باوجود اُن سے نکاح اس لئے بھی کر لیا تھا کہ ابو بکر سے قرابت کا بھی خاص الخاص تعلق ہو جائے اور ان کا اور اُن کے گھر والوں کا جی خوش ہو۔ اس نکاح میں جو اور مصلحتیں اور برکتیں تھیں اُن پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

نکاح کے لئے شہادت ضروری:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا الَّتِىْ يَنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورتیں اپنا نکاح شاہد گواہ کے بغیر (چوری چھپے) کرلیں وہ حرام کار ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے جس طرح کہ یہاں نقل کیا گیا ہے' اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے' یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس کا قول اور فتویٰ ہے۔ اور سند کے لحاظ سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اگر یہ حضرت ابن عباس کا قول بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حضور ﷺ سے سنے بغیر ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے فقہا اور محدثین کے مسلمہ اصول پر یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اُمت کے قریب قریب تمام آئمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

خطبہُ نکاح:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِى اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ الَّذِىْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَ رْحَامَ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًاo يَااَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَo يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo (فى شرح السنة عن ابن مسعود فى خطبة الحاجة من النكاح وغيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو (نکاح وغیرہ) ہر اہم ضرورت (اور مواقع) کے لئے یہ خطبہ تعلیم فرمایا۔ "الحمدللّٰہ نستعینہ و نستغفرہ ...... فقد فاز فوزا عظیما۔" (ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے' ہم (اپنی سب ضرورتوں اور تمام مقاصد میں) اسی سے مدد کے طالب اور خواستگار ہیں' اور اسی

سے (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کے لئے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرمادے اسے کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار ہو۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو' وہ تمہارے اعمال درست فرمادے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا' اور جو بندہ حکموں پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے، تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ (سنن ابی داؤد' مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ یہ خطبہ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے صرف نکاح کے موقع کے ہی لئے نہیں ہے' بلکہ عمومی قسم کا ہے' اس کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ الہامی ہے' اس کی بعض روایات میں ایک دو لفظوں کا اضافہ بھی ہے۔ یہاں جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں' ابن ماجہ کی روایت میں شروع میں "الحمدللہ" کے بعد "نَحْمَدُهٗ" کا اضافہ ہے۔ اسی طرح "وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا" کے بعد "وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا" کا بھی اضافہ ہے۔ آخر میں قرآن پاک کی تین آیتیں ہیں۔ ایک سورۂ نساء کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے۔[1] "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ اسکے بعد دوسری آیت سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ ہے "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ." الاية. اسکے بعد تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ۷۰ ہے۔ "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا." الاية.

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیاز مندی و وفاداری کے اظہار کے لئے بارگاہِ خداوندی میں جو کچھ عرض کرنا چاہیئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں

---

[1] خطبہ میں یہاں حدیث کے کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے' اور سورۂ نساء کی یہ آیت اس طرح روایت کی گئی ہے "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا" حالانکہ یہاں شروع میں "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر صرف یہ ہیں...... "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ الآية

آ گیا ہے' اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لئے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقدِ نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے' ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاددہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرمادے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کے لئے کافی ہے۔

مہر کی اہمیت اور اُس کا لزوم

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے جو نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت و استطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواجِ مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں اور ازواجِ مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے' اِلّا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحتہً ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً. یعنی اپنی بیویوں کے مہر خوش دلی سے ان کو ادا کرو (النساء ع:۱)...... اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو گی۔

عَنْ مَيْمُوْنَ الْكُرْدِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ اِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ زَانٍ. (رواه الطبراني في الاوسط والصغير)

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (معجم اوسط و معجم صغیر للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداء مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے اُس نے مہر کا اقرار تو کرلیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے 'دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب اسی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے کنزالعمال میں نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے اتنی بڑی رقم کے مہر مقرر کرلیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ اَبِیْ سَلِمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صِدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ كَانَ صِدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِيَةً وَنَشٌّ. (رواه مسلم)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے لئے جو مہر مقرر فرمایا تھا وہ ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا اُس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ کے پورے پانچ سو درہم ہوتے تھے۔ یہ حساب اور تشریح خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس زمانے میں پانچ سو درہم کی رقم اچھی خاصی ہوتی تھی اُس سے کم و بیش چالیس پچاس بکریاں خریدی جاسکتی تھیں۔

عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِاللهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِیُّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ حَسَنَةَ.
(رواه ابو داؤد والنسائی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی'

وہیں حبشہ میں) ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور حضور ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کے خود ہی ان کو ادا کر دیا اور شرجیل بن حسنہ صحابی کے ساتھ ان کو حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا۔
(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہ ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں جو فتح مکہ تک کفار مکہ کے لیڈر اور حضور ﷺ کے سخت ترین دشمن رہے، پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، لیکن ان کی بیٹی بہت پہلے دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں، ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو حد سے زیادہ ستایا گیا تو حضور ﷺ کی اجازت اور ایماء سے بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ام حبیبہ اور ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی۔ پھر اللہ کی شان کچھ مدت کے بعد شوہر عبیداللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر نصرانی مذہب اختیار کر لیا جو عام اہل حبشہ کا مذہب تھا اور شراب وغیرہ کثرت سے پینے لگے، پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن ام حبیبہ استقامت کے ساتھ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عبیداللہ بن جحش کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ام حبیبہ کی قدر دانی و دلداری اور دوسرے اہم مصالح کے پیش نظر ان کو اپنے نکاح میں لے لینے کا ارادہ کیا اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیام دیا جائے۔ نجاشی نے ابرھہ نامی اپنی باندی کے ذریعہ ام حبیبہ کو پیام دیا۔ انہوں نے بہت ہی مسرت اور ممنونیت کے ساتھ اس کو منظور کر لیا اور مہاجر مسلمانوں میں سے اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاصی کو اپنا وکیل بنا دیا اور جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی کی اس زیر تشریح روایت میں ہے نجاشی نے حبشہ ہی میں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور خود ہی آپ ﷺ کی طرف سے مہر بھی نقد ادا کر دیا۔ ابوداؤد کی اس روایت میں مہر کی مقدار چار ہزار درہم بتائی گئی ہے لیکن مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں چار ہزار دینار ذکر کی گئی ہے اور اصحاب نقل و روایت نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المومنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، لیکن یہ حضور ﷺ نے نہیں بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے اس نے خود ہی ادا بھی کیا، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی' حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا' اس نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا وہ مہاجرین کے ذریعے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا ۸ھ یا ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا' رسول اللہ ﷺ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی' آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

نکاح کے بعد مبارک باد اور دعا:

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارک بادی کے مختلف طریقے رائج ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ دونوں کے لئے اللہ سے برکت کی دعا کی جائے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور خیر اور بھلائی نصیب فرمائے اور اپنے کرم کے بادل برسائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّا الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِیْ خَيْرٍ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کو جس نے شادی کی ہوتی مبارک باد دیتے تو یوں فرماتے' اللہ تم کو مبارک کرے تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً اَوِشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خدمت کرنے والا غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! اس میں جو خیر اور بھلائی ہے اور تو نے اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی رکھی ہے میں تجھ سے اسکا سائل ہوں وہ مجھے نصیب فرما۔ اور اسکے شر سے اور اسکی فطرت کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں تو اس سے میری حفاظت فرما۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) شادی اور نکاح انسان کی نفسانی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں تعلیم فرما کر اس کو بھی قرب الٰہی کا وسیلہ اور ایک نورانی عمل بنادیا۔ (یہ دونوں دعائیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی "کتاب الدعوات" میں بھی گزر چکی ہیں)

شادی جتنی ہلکی پھلکی اور آسان ہو اتنی ہی بابرکت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت بیان کر دینا نہیں ہے' بلکہ اس میں اُمت کو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں' اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں اور اس کے نتیجوں میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور خاص کر خانگی زندگی میں جو الجھنیں ہیں ان کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ نکاح و شادی کے بارے میں حضور ﷺ کی ان ہدایات سے انحراف کر کے ہم آسمانی برکات اور خداوندی عنایات سے محروم ہو گئے ہیں۔

فاطمی جہیز:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَهَّزَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِيْ خَمِيْلٍ وَّ قِرْبَةٍ وَّ وِسَادَةٍ حَشْوُهَا اِذْخِرٌ. (رواه النسائى)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں دی تھیں' ایک پلودار چادر' ایک مشکیزہ' ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔ (سنن نسائی)

(تشریح) ہمارے ملک کے اکثر اہلِ علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر "جہیز" کے طور پر دی تھیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو "جہیز" کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ تصور بھی

نہیں تھا اور "جہیز" کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں بھی کہیں کسی قسم کے "جہیز" کا ذکر نہیں آیا' حدیث کے لفظ "جھز" کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔

شادی کے بعد ولیمہ:

اپنی حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت وشادمانی کا اظہار ہو' ولیمہ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان واظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابل شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَاهٰذَا؟ قَالَ تَزَوَّجْتُ اِمْرَاَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے! ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ پوری ایک بکری کر ڈالو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضور ﷺ کے ارشاد "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کرو' چاہو تو اس ولیمہ کے لئے ایک بکری مستقل ذبح کر ڈالو۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب اور رفقاء کی تطییب خاطر کے لئے کبھی ایسی بے تکلفی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرام کو ایسا بنا دیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی حضور ﷺ کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف جو خواص اصحاب اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور حضور ﷺ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

حدیث میں عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے' اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہئے کہ نئی دلہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آجاتا تھا' رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمٰن بن عوف پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا۔ پوری ایک بکری پر ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں کے نکاح پر آپ ﷺ نے جو ولیمہ کی دعوت کی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانہ پر کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی' تو دستر خوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا' کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں' کھانے پینے کی جو بھی

مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی جائے۔ لیکن بد قسمتی کی انتہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنالیا۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہیئے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہیئے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ولیمے صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ولیمے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں لیکن جن ولیموں میں کھلا اسراف اور نمائش اور تفاخر ہو یا دوسری قسم کی منکرات ہوں ان کے لئے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھانے کے لئے شاندار دعوتیں کریں ان کے کھانے میں شرکت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور حاجتمندوں غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور

جس نے دعوت کو (بلاوجہ شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو غریبوں حاجت مندوں کو نظر انداز نہ کرے ان کو ضرور دعوت دے جس ولیمہ میں ان کو نہ بلایا جائے صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے اس کا کھانا اس لائق نہیں ہے کہ کھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ولیمہ کے علاوہ دوسری قسم کی دعوتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ حدیث کے دوسرے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی مانع یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا چاہیئے۔ اس سے دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں دوری اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے بلاوجہ دعوت کا قبول نہ کرنا اللہ و رسول کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔

مباشرت سے متعلق ہدایات اور احکام

دعا:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضُرُّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا.
(رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے۔ "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔" (بسم اللہ! اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا تو شیطان کبھی اسکا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث معارف الحدیث "کتاب الدعوات" میں بھی ذکر کی جا چکی ہے اور وہاں تشریح میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" کے حوالہ سے ان کا یہ عارفانہ نکتہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ

سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل رہ کر جانوروں کی طرح شہوتِ نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس کے آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ "اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق، عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مباشرت ایک راز ہے اس کا افشا بدترین گناہ:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْهِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّهَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں وہ آدمی بدترین درجہ میں ہوگا جو بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کا راز فاش کرے۔ (صحیح مسلم)

خلافِ وضعِ فطری عمل پر خدا کی لعنت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى اِمْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیوی کے ساتھ خلافِ وضعِ فطرت عمل کرے وہ ملعون ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوْ اِمْرَاَةً فِی الدُّبُرِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ خلاف وضع فطرت حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بے چارے حیوانات بھی جو عقل و تمیز سے محروم ہیں وہ بھی شہوت کا تقاضا خلاف فطرت طریقے سے پورا نہیں کرتے، پس جو انسان ایسا کرتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر اور "ثُمَّ

رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ○" کے مصداق ہیں۔ یہ بات قیامت اور آخرت ہی میں معلوم ہو گی کہ اللہ کی نظر کرم سے محروم ہو جانا کتنی بڑی بدبختی ہے۔

عزل:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچہ کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کی بیوی کو حمل قرار پائے' وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ مادۂ منویہ باہر خارج ہو جائے' اسی کو عزل کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے' اس کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا جس کا ذکر آگے حدیث میں آ رہا ہے اور بظاہر جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہا نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔ لیکن فی زماننا مغربی اقوام و ممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں جس طرح چلائی جاری ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے' اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی' اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے' یہ وہی گمراہانہ نقطۂ نظر ہے جس کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نو مولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں انہی سے فرمایا گیا ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ○ (الانعام' ع:۱۹)	اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

اس تمہید کے بعد عزل سے متعلق مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ. (رواہ البخاری و مسلم)

وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں) جبکہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا ہم لوگ (یعنی بعض اصحاب) عزل کرتے تھے (اور اس کی ممانعت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ

حضور ﷺ کو اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواه مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ پورے مادۂ منویہ ہی سے بچہ ہو۔ (یعنی غیر ارادی طور پر خارج ہونے والے ایک قطرہ سے بھی اللہ کا حکم ہو تو حمل قرار پا سکتا ہے) اور جب کسی چیز کی تخلیق کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے تو پھر کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ عزل کیا جائے گا تو بچہ نہیں ہوگا اگر اللہ کی مشیت ہوگی تو بچہ بہر حال پیدا ہوگا۔ یہ مضمون آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے حمل قرار پا جائے (غالباً مطلب یہ تھا کہ کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو عزل کرو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتایا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اور اس سے پہلے والی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے وجود کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہے گا۔ مثلاً ایک آدمی اس مقصد سے کہ بیوی کے حمل قرار نہ پائے عزل کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی وقت بچہ پیدا ہونے

کی ہوگی' تو ایسا ہوگا کہ وہ بروقت عزل نہ کر سکے گا اور مادۂ منویہ اندر ہی خارج ہو جائے گا یا وہ عزل کرے گا لیکن مادہ کا کوئی جز پہلے ہی خارج ہو جائے گا اور اس کو شعور بھی نہ ہوگا۔ الغرض انسانی تدبیر فیل ہوگی اور ارادۂ الٰہیہ پورا ہو کے رہے گا۔ واللہ اعلم۔

چار بیویوں تک کی اجازت:

جو لوگ انسانوں کی فطرت اور ان کے مختلف طبقات کے حالات سے واقف ہیں وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوں گے کہ بہت سے آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے اور بہت سے اپنے یا اپنی بیوی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا بڑا خطرہ ہوگا کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں' اسی لئے آسمانی شریعتوں میں جن میں زنا اشد حرام قرار دیا گیا ہے عام طور سے اس کی اجازت رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں خاص کر شادی شدہ آدمی کے لئے زنا اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کی سزا سنگساری ہے' ایسی شریعت میں اگر کسی حال میں بھی تعدد ازواج کی اجازت نہ ہو تو انسان پر قانون کی یہ بہت زیادتی ہوگی۔ جن مغربی ملکوں اور قوموں کے قانون میں تعدد ازواج کی بالکل گنجائش نہیں ہے ان میں زنا کو قانونی جواز حاصل ہے اور عملاً بھی وہاں زنا کی جتنی کثرت ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے زنا کو ختم کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی' اور دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے وجوہ و اسباب ہیں جن کا یہی تقاضا ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد کا کوئی تحدیدی ضابطہ نہ تھا' بعض لوگ دس دس اور اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھتے تھے' اسلامی شریعت میں انسانوں کی مختلف حالتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی آخری حد چار مقرر فرما دی گئی۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلاَنَ بْنِ سَلْمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهُ عَشَرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول

کیا اور اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں ان سب نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ چار بیویاں تو رکھو اور باقیوں کو جدا کردو۔ (مسند احمد)

بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل و مساوات:

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لئے بطور فریضہ کے لازم کیا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے کسی کے ساتھ ادنیٰ بے انصافی نہ ہو۔ قرآن مجید میں سورۂ نساء کی جس آیت میں چار تک کی اجازت دی گئی ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ "وَإِنْ لَمْ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" یعنی اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کی صورت میں عدل پر قائم نہ رہ سکو اور ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کر سکو تو بس ایک ہی بیوی پر قناعت کرو ایک سے زیادہ نکاح مت کرو۔

بیویوں کے ساتھ عدل نہ کرنے والے شوہروں کو آخرت میں جو خاص رسوا کن عذاب ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا تاکہ لوگ اس معاملے میں ڈرتے رہیں۔ ہاں دل کے میلان پر انسان کا اختیار نہیں اس میں بندہ معذور ہے لیکن معاملہ اور برتاؤ میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ.

(رواه الترمذى و ابو داؤد والنسائى و ابن ماجه والدارمى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کی دو (یا زیادہ) بیویاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ مسند دارمی)

(تشریح) دنیا کے گناہوں اور آخرت کی سزاؤں میں جو مناسبت اور مشابہت ہوگی یہ بھی اس کی ایک مثال ہے وہ معاملہ اور برتاؤ میں ایک بیوی کی طرف جھکتا تھا قیامت کے دن وہ اس حال میں ہوگا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا اور سب اس کو اس حال میں دیکھیں گے۔ اللہ کی پناہ کیسا منظر ہوگا اور کیسی رسوائی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ.

(رواه الترمذى و ابو داؤد و النسائى و ابن ماجة والدارمى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سب بیویوں کے ہاں باری باری رہتے تھے اور پورے عدل کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ سے عرض کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان معاملات میں اور اس عملی برتاؤ میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ پس میری سرزنش اور محاسبہ نہ فرما (دل کے) اس معاملے میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ مسند داری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جہاں تک رہن سہن اور عملی برتاؤ کا تعلق ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی اور کامل عدل فرماتے تھے، جو معاملہ اور برتاؤ کسی ایک کے ساتھ تھا وہ سب کے ساتھ تھا، لیکن قلبی محبت اور دل کا میلان ایسی چیز ہے جس پر کسی بشر کا قابو نہیں، آپ ﷺ کا بھی قابو نہیں تھا اس کا حال یکساں نہیں تھا اس کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح معذرت فرماتے تھے کہ "اے اللہ! یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں ہے، اس پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہو۔ یہ آپ ﷺ کا کمال عبدیت تھا ورنہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے..... لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط

طلاق اور عدت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ مرد و عورت یہ رشتہ قائم کر کے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ مسرت و شادمانی کی زندگی گزار سکیں اور جس طرح وہ خود کسی کی اولاد ہیں اسی طرح ان سے بھی اولاد کا سلسلہ چلے اور وہ اولاد ان کے لئے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آخرت میں حصول جنت کا وسیلہ بنے۔ اور ان مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ دونوں میں محبت اور خوشگواری کا تعلق رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شوہروں اور بیویوں کو باہم برتاؤ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا محور اور مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس کے باوجود کبھی ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جاتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ترغیب یہی ہے کہ حتی الوسع دونوں ناگواریوں کو جھیلیں، نباہنے اور تعلقات کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن آخری چارۂ کار کے طور پر "طلاق" کی بھی

اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی حالت میں بھی طلاق اور علیحدگی کی اجازت نہ ہو تو پھر یہ تعلق اور رشتہ دونوں کیلئے عذاب بن سکتا ہے۔ پھر طلاق کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ طلاق اور اس کے ذریعے شوہر وبیوی کے تعلقات کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی چاہیئے، نہ مرد خود یہ اقدام کرے نہ عورت اس کا مطالبہ کرے بس انتہائی مجبوری کی صورت ہی میں ایسا کیا جائے جس طرح کسی عضو میں بڑا فساد پیدا ہو جانے کی صورت میں آپریشن گوارا کیا جاتا ہے۔

پھر اس طلاق اور علیحدگی کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ شوہر طہر کی حالت میں (یعنی جن دنوں میں عورت کی ناپاکی کی خالص حالت نہ ہو) صرف ایک رجعی طلاق دے تاکہ زمانہ عدت میں رجعت یعنی رجوع کر لینے کی گنجائش رہے پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے اس سے رجعت کی گنجائش تو نہ رہے گی لیکن دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو تو ناجائز اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو گا، لیکن متفرق اوقات میں تین طلاقیں دینے کو بھی سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کی یہ سزا اس دنیا ہی میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ شوہر اپنی اس مطلقہ بیوی سے پھر نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا، جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آکر اس کی زیر صحبت نہ رہی ہو، پھر یا تو اس کے انتقال کر جانے سے بیوہ ہو گئی ہو یا اس نے بھی طلاق دے دی ہو۔

......الغرض صرف اسی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ سخت پابندی دراصل شوہر کو تین طلاق دینے ہی کی سزا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں پڑھیے:

طلاق سخت ناپسندیدہ فعل:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال اور

جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض "طلاق ہے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَیْئًا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَیْئًا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواہ الدارقطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہو۔" (سنن دار قطنی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْهِ رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ رہنے میں واقعی زیادہ تکلیف ہو اور وہ طلاق طلب کرے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے ہاں اگر بغیر کسی بڑی تکلیف اور مجبوری کے طلاق چاہے گی تو یہ اس کے لئے سخت محرومی اور گناہ کی بات ہو گی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطَلِّقُوا النِّسَاءَ اِلَّا مِنْ رِیْبَةٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُحِبُّ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ.

(رواہ البزار و الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینی چاہئے اِلّا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔

(مسند بزار، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد اللہ کی محبت اور پسندیدگی سے محروم ہیں جو بیوی کو اس لئے طلاق دیں کہ اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نیا ذائقہ چکھیں، اسی طرح وہ

عورتیں بھی محروم ہیں جو اس غرض سے شوہروں سے طلاق لیں کہ کسی دوسرے مرد کی بیوی بن کر نیا مزا چکھیں۔

طلاق کا وقت اور طریقہ:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَالَهُ اَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِىْ اَمَرَ اللهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَآءُ۔
(رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود انہوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام جاری تھے' طلاق دے دی تو ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا' آپ ﷺ نے اس پر بہت سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا' اور حکم دیا کہ عبداللہ بن عمر کو چاہئے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کر لے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے' یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر (یعنی پاکی کے ایام) آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں آجائے۔ تو اس حالت میں اگر وہ طلاق ہی دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے (فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے' اور اگر غلطی سے کوئی ایسا کرے تو اس کو رجعت کر لینی چاہیئے۔ پھر اگر طلاق ہی دینے کی رائے قائم ہو تو اس طہر میں طلاق دینی چاہیئے جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کی حکمت ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت قابل رغبت نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں رغبت پیدا ہو جائے اور طلاق دینے کا خیال ہی ختم ہو جائے اور اللہ ورسول کی زیادہ خوشی اسی میں ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ جو طلاق انہوں نے حیض کی حالت میں دے دی تھی وہ اس سے رجعت کر لیں' اور ایک طہر گزر جانے دیں' اور اگر طلاق دینی ہی ہو تو پھر دوسرے طہر میں دیں۔ اس کا مقصد بھی بظاہر یہی تھا کہ درمیان کے طہر کی

پوری مدت میں جب دونوں ساتھ رہیں گے تو اس کا امکان ہے کہ تعلقات میں پھر خوشگواری آجائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور طلاق دینے ہی کا فیصلہ ہو تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ دوسرے طہر میں قبل از صحبت طلاق دی جائے۔ "قبل از صحبت" کی پابندی لگانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ناپاکی کے ایام ختم ہوتے ہیں تو فطری طور پر صحبت کی رغبت ہوتی ہے اس طرح یہ پابندی بھی طلاق دینے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو رجعت کرنے کا جو حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کے ایام میں طلاق دینا اگرچہ ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے لیکن یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو رجعت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آنحضرت ﷺ رجعت کا حکم دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ:

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَ يُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَا اَقْتُلُهُ.

(رواہ النسائی)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی ہیں، تو آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا؟ (یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا اس کتاب اللہ کے ساتھ گستاخانہ کھیل اور مذاق ہے جس میں طلاق کا طریقہ اور قانون پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو کیا میری موجودگی میں اور میری زندگی ہی میں کتاب اللہ اور اس کی تعلیم سے مذاق کیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے سخت غصہ کی حالت میں یہ بات ارشاد فرمائی) تو ایک صحابی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس آدمی کو قتل ہی نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے؟

(سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ اور قرآن مجید کے بتلائے ہوئے طریق طلاق سے انحراف اور اس کے ساتھ ایک طرح کا کھیل اور مذاق ہے، لیکن جس طرح حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق سخت گناہ اور معصیت ہونے کے باوجود پڑ جاتی ہے اور

اس کی وجہ سے عورت "مطلقہ" ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں بھی جمہور آئمہ امت کے نزدیک پڑجاتی ہیں۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو "کتاب اللہ کے ساتھ کھیل اور مذاق" غالباً اسی بناء پر فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ...... اِلٰی قوله تعالیٰ" فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. " سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دینی ہوں تو اس کا طریقہ یہ۔ ہے کہ ایک دفعہ میں نہیں، بلکہ مختلف دفعات میں درمیان میں مناسب وقفوں کے ساتھ دی جائیں، جس کی شرح اور تفصیل حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے۔

حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جن صحابی نے اس غلط کار آدمی کو قتل کر دینے کے بارے میں حضور ﷺ سے عرض کیا تھا ان کو آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ بظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، اور خاموشی ہی سے یہ بتلادیا کہ اگرچہ اس آدمی نے سخت گمراہانہ کام کیا ہے، لیکن یہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا قتل ہو۔ واللہ اعلم

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر ہمارے ملک میں طلاق کے جو واقعات سامنے آتے ہیں ان میں قریباً نوے فیصد وہ ہوتے ہیں جن میں جاہل شوہر ایک ساتھ تین طلاقیں دیتے ہیں اور وہ بالکل نہیں جانتے کہ یہ سخت گناہ بھی ہے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کا مسئلہ بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

تین طلاقیں دینے کا نتیجہ اور شرعی حکم:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ.

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق کا پورا کورس ختم کر دیا (یعنی اس نے مجھے تین طلاقیں دے دیں) تو اس

کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا لیکن وہ بالکل از کار رفتہ ہے (یعنی نکاح سے جو خاص مقصد ہوتا ہے وہ اس کے قابل نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو کیا یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے نکاح میں چلی جائے؟ اس نے کہا ہاں یہی چاہتی ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم دونوں میں باہم صحبت کا عمل نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) شریعت کا یہ حکم قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے' سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ." (مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں نہ رہی ہو۔) اس کے بعد وہ دوسرا شوہر اگر انتقال کر جائے یا طلاق دے دے تو عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

پھر اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں سے اس آیت کی تفسیر تشریح یہ معلوم ہوئی کہ دوسرے شوہر کے ساتھ صرف عقد نکاح ہو جانا کافی نہیں' بلکہ وہ عمل بھی ضروری ہے جو نکاح سے خاص طور پر مقصود ہوتا ہے۔ جمہور آئمہ اُمت کا مسلک اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ زناشوئی کی پابندی نہ ہو تو نکاح ثانی کی شرط بالکل لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے۔ نکاح' طلاق' رجعت۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ہنسی مذاق میں نکاح کیا' یا اسی طرح ہنسی مذاق میں بیوی کو طلاق دی یا مطلقہ بیوی سے ہنسی مذاق میں رجعت کی' تو شریعت میں یہ سب چیزیں واقع اور معتبر ہوں گی۔ یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ طلاق پڑ جائے گی اور رجعت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہی ہنسی مذاق کا نہیں ہے۔

مغلوب العقل کی طلاق:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِهٖ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر طلاق درست ونافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل وفہم مغلوب ہو گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل و دانش غیر متوازن اور مغلوب ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل وفہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو "معتوہ" اور "مغلوب العقل" کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے تو وہ واقع نہ ہو گی جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں مانی جاتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں "مرفوع القلم" ہیں، یعنی ان کے کسی قول وفعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہو گا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو، دوسرے نابالغ بچہ اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہو گی اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہو گی۔

زبردستی کی طلاق:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیْ اِغْلَاقٍ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجة)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے "عتاق" کا اعتبار نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی اگر کسی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا (یعنی اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی) تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر آئمہ مجتہدین کا مسلک یہی ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں "طلاقِ مکرہ" کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں اور مصنفین احناف اس حدیث کی تاویل و توجیہ دوسری طرح کرتے ہیں...... ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سلف میں سعید بن المسیبؒ ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

عدت

اسلامی شریعت میں طلاق یافتہ عورت کے لئے عدت کا قانون بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی حکم ہے کہ جس بیوی کو اس کا شوہر طلاق دے دے وہ ایک مقررہ مدت تک عدت گزارے جس کی مختصر تفصیل (جو خود قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے) یہ ہے کہ اگر اس عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہوں تو ان کے پورے تین دور گزر جائیں اور اگر عمر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں اور حمل بھی نہ ہو تو تین مہینے اور اگر حمل کی حالت ہو تو پھر عدت کی مدت وضع حمل تک ہے کم ہو یا زیادہ۔

عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنے حسب خواہش فوراً نکاح کرلے تو یقیناً یہ بات نکاح کی عظمتِ شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔ ایک دوسری مصلحت خاص کر طلاق رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہوگا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کرلے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کے زندگی گزارنے لگیں۔ یہ ہی بات اللہ ورسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے کو بنانے سنوارنے کا ایسا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کرلے۔ اور طلاق بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانۂ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کرسکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑلیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچہ کے نسب میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی...... بہر حال قانون عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ ہے لیکن بعض قوموں کے قانون میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے جو بے چاری عورت کے لئے تکلیف مالایطاق

ہے..... شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً معتدل اور متوسط ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کا قانون اس وقت نازل ہوا تھا جب ایک صحابیہ اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ اَنَّهَا طُلِّقَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْعِدَّةَ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ نَزَلَ فِيْهَا الْعِدَّةُ لِلطَّلَاقِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ان کو طلاق ہو گئی تھی اور اس وقت تک مطلقہ عورت کے لئے عدت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں طلاق والی عدت کا بیان ہے' تو یہ اسماء بنت یزید وہ پہلی طلاق یافتہ خاتون ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں عدت سے متعلق جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر سورۂ بقر کی یہ آیت ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ...... الاية." اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جن کو ایام ہوتے ہیں۔ اور جن کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں یا ان کو حمل ہو تو ان کی عدت سورۂ طلاق کی آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔

عدتِ وفات اور سوگ:

شریعت اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لئے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لئے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو' اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے' ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا." (تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے کو روکے رکھیں کی چار مہینے دس دن) یہ عدت ان بیوہ عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت میں ہوں ان کی عدت دوسری آیت میں وضع حمل تک کی مدت قرار دی گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اس عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو

چیزیں زینت اور سنگھار کے لئے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل صورت و لباس و ہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو' اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج و صدمہ ہے' جیسا کہ ایک شریف و پاکدامن بیوی کو ہونا چاہیے۔ لیکن یہ حکم صرف مدتِ عدت کے لئے ہے' عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے سوگ کا طریقہ اختیار کر لے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً بھائی' باپ وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت ابتدائی صدمہ اور تاثر' سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا. (رواه البخاری و مسلم)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایمان والی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے عزیز قریب کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو' وہ کسم کے رنگے ہوئے اور اسی طرح سرخ گیروے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے' نہ زیورات پہنے' نہ خضاب (مہندی وغیرہ) کا استعمال کرے نہ سرمہ لگائے۔ (سنن ابی داؤد' سنن نسائی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو خواتین زیب و زینت کے لئے کپڑے رنگتی تھیں وہ زیادہ تر یہی دو چیزیں استعمال کرتی تھیں' کسم یا خاص قسم کا لال گیرو' اس لئے آپ ﷺ نے ان کا

خاص طور سے ذکر فرمایا' ورنہ ان دو چیزوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے' مطلب یہ ہے کہ ایسے رنگین اور شوخ کپڑے استعمال نہ کئے جائیں جو زیب وزینت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح زیورات اور سرمہ مہندی جیسی چیزیں بھی استعمال نہ کی جائیں جو زینت اور سنگھار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں' زمانہ عدت میں سوگ کے ان احکام کا مقصد یہی ہے کہ شوہر کے انتقال کا بیوی کو جو رنج وصدمہ ہو اس کا اثر دل اور باطن کی طرح ظاہر یعنی جسم اور لباس میں بھی ہو یہ جوہر نسوانیت کا فطری تقاضا ہے اور اسی میں نسوانیت کا شرف ہے۔

معارِفُ الحدیث
جلد ہفتم

کتابُ المعاملات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی معاملات' انسانوں کی فطری ضرورت

اس باب میں خداوندی ہدایت اور اسکے بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں باہمی تعاون اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں' ہر فرد اور طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے۔ مثلاً ایک مزدور جس کی زندگی کی ضرورتیں بہت مختصر ہیں' جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کرکے بس گزارہ کے پیسے حاصل کرتا ہے' اسے بھی ضرورت ہے اس آدمی کی جس سے وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے غلہ وغیرہ خرید سکے' اور غلہ پیدا کرنے والے کاشتکار کو ضرورت ہے اس مزدور کی جس سے وہ اپنی کھیتی باڑی کے کاموں میں مدد لے سکے' اسی طرح مزدور اور کاشت کار دونوں کو ضرورت ہے اس آدمی کی جو ان کے لباس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کپڑا تیار کرے' اور یہ اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کپڑا خرید سکیں اور کپڑا تیار کرنے والے کو ضرورت ہے اس آدمی یا اس ایجنسی کی جس سے وہ سوت یا ریشم اور کپڑے کی صنعت کی دوسری ضروریات نقد یا قرض اوھار خرید سکے' پھر ان میں سے کسی کو رہنے کے لئے مکان تعمیر کرانا ہو تو اس کو ضرورت ہوگی کسی سے اینٹ سیمنٹ وغیرہ تعمیری ضروریات خریدنے کی اور اس کے بنوانے کے لئے معماروں اور مزدوروں کی۔ پھر خدانخواستہ ان میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو ضرورت ہوگی حکیم ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی اور دواؤں کی دکان سے دوا خریدنے کی۔ الغرض اشیاء کی خرید و فروخت اور تجارتی مبادلہ اور محنت و مزدوری' اور صنعت و زراعت اور قرض و عاریت وغیرہ معاشی معاملات' اس دنیا میں انسانی زندگی کے لوازم ہیں' پھر ان معاملات میں کبھی کبھی تنازعات کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے ان کے حل کے لئے ضرورت ہے عدل و انصاف کے کسی نظام کی اور کسی دستور و قانون کی۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا کوئی فلسفہ یا منطق کا مسئلہ نہیں ہے' سب مشاہدہ اور ہم سب کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد

ﷺ کے ذریعے جس طرح انسانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنے آغاز و انجام کے بارے میں اپنے پیدا کرنے والے مالک و معبود کی ذات و صفات اور توحید و آخرت وغیرہ کے بارے میں کیا عقیدہ اور یقین رکھیں اور کس طرح اس کی عبادت کریں اور کون سے اعمال ان کی روحانیت اور انسانی شرافت کے لئے مضر اور مہلک ہیں جن سے وہ بچیں اور پرہیز کریں اور اخلاق اور معاشرت کے بارے میں ان کا رویہ کیا رہے؛ اسی طرح اس نے خرید و فروخت' صنعت و تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ ان معاشی معاملات کے بارے میں بھی جو انسانی شرافت و عظمت سے مطابقت رکھتے ہیں اور جن میں انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس خداوندی ہدایت اور اس شعبہ سے متعلق شریعت محمدی کے احکام کی پابندی اور پیروی کرتے ہوئے ان کاموں کا کرنا اب دنیا نہیں بلکہ عین دین اور ایک معنی کی عبادت ہے' اور اللہ کی طرف سے اس پر اسی طرح اجر و ثواب اور جنت کے درجات عالیہ کا وعدہ ہے جس طرح نماز' روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات اور اچھے اخلاق پر اور دین کی دعوت اور خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی پر۔

انسانی زندگی کے اس شعبہ یعنی معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو ہدایتیں اور جو احکام امت کو ملے ہیں ان کی بنیاد جہاں تک ہم نے سمجھا ہے چار اصولوں پر ہے۔ ایک خلق اللہ کی نفع رسانی۔ دوسرے عدل تیسرے سچائی و دیانت داری' چوتھے سماحت' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے ساتھ رعایت اور خیر خواہی کا معاملہ کرے' خاص کر کمزور اور ضرورت مند فریق کو حتی الوسع سہولت دی جائے۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام معاشی معاملات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات ذیل میں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے گنہگار بندہ کو نیز پڑھنے والوں اور سننے والوں کو ان ہدایات وارشادات کی پیروی کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ کے چند وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں معاشی معاملات کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے اور ان پر اَجر و ثواب کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرائض میں سے ہے:

عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکرو کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے اور بظاہر یہی اللہ ورسول پر ایمان اور نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ جو اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان و فرائض ہیں' درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے اور کوتاہی کرے گا تو خطرہ ہے حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ!

پھر یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اس اَجر و ثواب کا مستحق ہے جو فریضہ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہیئے۔ پس کسب حلال کی فکر و کوشش اور اس میں مشغول ہونا عین دین و عبادت اور مؤجب اَجر و ثواب ہے۔ اس میں کسب حلال کے طالب ہر تاجر' ہر مزدور' ہر کاشتکار اور ہر دست کار کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے لیکن یہ بہر حال پیش نظر رہے کہ اس حدیث میں صرف کمائی کرنے کو نہیں بلکہ کسب حلال کی تلاش و فکر کا فریضہ بتلایا گیا ہے اور اس ارشاد کا خاص مقصد اور مطمع نظر حرام سے بچانا ہے۔

بعض حالات میں روپیہ پیسہ کی ضرورت اور اہمیت:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يَكْرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَاتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَم. (رواه احمد)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے لوگوں کے لئے ایک وقت آئے گا جب روپیہ پیسہ ہی کام آئے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث کو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ایک تابعی ابو بکر بن ابی مریم ہیں' انہوں نے واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقدامؓ کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے' ان کی ایک باندی دودھ فروخت کرتی اور اس کی قیمت خود حضرت مقدام لے لیتے تھے اس پر بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ دودھ فروخت کراتے ہیں اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا

کرتا ہوں، اور اپنے طرز عمل کے جواز کی سند میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی چیز فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ روپیہ پیسہ ہی آدمی کے کام آئے گا۔ یعنی میں اسی خیال سے دودھ فروخت کرا کے روپیہ پیسہ حاصل کرتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ یہ اگر عزیمت نہیں تو رخصت ضرور ہے۔

سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والے انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ.

(راہ الترمذی والدارمی والدارقطنی، و رواہ ابن ماجۃ عن ابن عمر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن داری، سنن دار قطنی)...... اور ابن ماجہ نے یہی حدیث اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(تشریح) "الصدوق" اور "الامین" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے، قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○" (جو بندے اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت و آخرت میں) ان مقبولین و مقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں) تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کی چیز ہے، تاجر کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور دیانت داری کا لحاظ کرنے کے بجائے اس وقت وہ اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے۔ پس جو تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ

کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور ایمانداری کی پابندی کرتا ہے وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے اور اس حدیث میں ایسے تاجروں کو بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت و آخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ ان کی سچائی و دیانت داری کا صلہ ہو گا۔

تنبیہ: اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر بار بار یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ ایسی تمام بشارتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں کہ وہ آدمی ان خبیث اور مہلک باتوں سے پرہیز کرے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں۔

دستکاری، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری کی فضیلت:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ. (رواہ البخاری)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کے کھائے اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تحصیل معاش کی صورتوں میں بہت اچھی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کرے جس سے کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات پوری ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی سنت بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسی کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے دستکاری اور ذاتی محنت کو بہت بلند مقام عطا فرمادیا۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ. (رواہ احمد)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر تجارت جو پاکبازی کے ساتھ ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سب سے اچھی کمائی تو وہ ہے جو خود اپنے دستِ بازو اور اپنی محنت سے ہو، اور اس تجارت کی کمائی بھی پاکیزہ ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور دیانت داری کے ساتھ ہو "کُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ" کا یہی مطلب ہے۔

زراعت و باغبانی کا عظیم اَجر و ثواب:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ.
(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صاحبِ ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہو گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ باغات لگانے والوں اور کاشت کاری کرنے والوں کے لئے اس حدیث نبوی میں کتنی عظیم بشارت ہے کہ اگر کوئی آدمی یا چلتا پھرتا جانور یا اڑتا ہوا پرندہ ان کے درخت کا پھل یا کھیت کے دانے کھائے تو باغ والے اور کھیت والے بندہ کو فی سبیل اللہ صدقہ کا ثواب ہو گا۔ اس حدیث پاک میں باغبانی اور کاشتکاری کے لئے جن پر انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کا دارومدار ہے، کتنی بڑی ترغیب اور ہمت افزائی ہے۔

جائز مال و دولت بندۂ مومن کے لئے اللہ کی نعمت ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ اُرِیْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ عَلٰی جَیْشٍ فَیُسَلِّمَكَ اللّٰهُ وَ یُغْنِمَكَ وَاَزْعَبَ لَكَ مِنَ الْمَالِ زَعْبَةً صَالِحَةً فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَسْلَمْتُ مِنْ اَجْلِ الْمَالِ وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِی الْاِسْلَامِ وَاَنْ اَكُوْنَ مَعَكَ فَقَالَ یَا عَمْرُو نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (رواہ احمد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں، پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سالم لوٹو (اور وہ مہم تمہارے ہاتھ پر فتح ہو) اور تم کو مالِ غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام مال و دولت کے لئے قبول نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے اسلام کی رغبت و محبت کی وجہ سے اس کو قبول

کیا ہے اور اس لئے کہ آپ ﷺ کی معیت و رفاقت مجھے نصیب ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو! اللہ کے صالح بندہ کے لئے جائز و پاکیزہ مال و دولت اچھی چیز (اور قابلِ قدر نعمت) ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر نعمت اور اس کا خاص فضل ہے۔ اور زہد و رقاق کے عنوانات کے تحت متعدد وہ حدیثیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد دوم) میں ذکر کی جاچکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و مسکنت اور مال و دولت سے خالی ہاتھ رہنے کو افضلیت حاصل ہے۔ اور امت کے فقرا اغنیا سے افضل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں اگر فقر و مسکنت کے ساتھ صبر اور تسلیم و رضا اور تعفف نصیب ہو تو پھر بلاشبہ یہ فقر و مسکنت بہت بلند مقام ہے اور اس میں بڑی خیر ہے' رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے یہی پسند فرمایا تھا' اور آپ ﷺ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے (اس سلسلے کی آپ ﷺ کی دعائیں پہلے اپنے موقع پر (جلد پنجم میں) ذکر کی جاچکی ہیں)...... اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور پاک ذرائع سے مال و دولت نصیب فرمائے اور شکر کی اور صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق ملے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور بڑی قابلِ قدر نعمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت داؤد و سلیمان اور حضرت ایوب و یوسف علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا تھا اور اکابر صحابہ میں حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام وغیر ہم رضی اللہ عنہم کو بھی اس فضل خداوندی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا' بہر حال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی قابلِ قدر اور لائق شکر نعمت ہے۔ (نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ)

مالی معاملات کی نزاکت و اہمیت :

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہ

خداوندی میں پیشی ہو گی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ ایک اس کی پوری زندگی کے بارے میں کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ اور دوسرے خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا۔ اور تیسرے اور چوتھے مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر آدمی کو اپنے پورے آمد و خرچ کا بھی حساب دینا ہوگا کہ کتنا کمایا' حلال طریقہ سے کمایا یا خدانخواستہ حرام طریقہ سے؟ اور کمائی کو کن مدوں میں خرچ کیا' جائز میں یا ناجائز میں؟ الغرض اس دنیا اور اس کی زندگی میں ہم جو کچھ کماتے اور خرچ کرتے ہیں آخرت میں اس کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ وہ بندے بڑے خوش نصیب اور خوش قسمت ہیں جو قیامت کے دن کے اس حساب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمانے اور خرچ کرنے میں اور سارے مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور انکا انجام بہت خطرناک ہے جو اسطرف سے بے فکر اور بے پرواہیں۔

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ' اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُوْ السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ' اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُوالْخَبِيْثَ. (رواہ احمد و کذافی شرح السنة.)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے' تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔"
(مسند احمد، نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)

(تشریح) حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہوگا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ الخ" اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعث وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَّقَالَ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے' پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ "اے پیغمبرو! تم کھاؤ' پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح۔" اور اہل ایمان کو مخاطب کرکے اس نے فرمایا ہے کہ ...... "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو۔)" اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کرکے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا سے

اس کا نشو و نما ہوا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور پاک ہے اور وہ اسی صدقہ اور اسی نذر و نیاز کو قبول کرتا ہے جو پاک مال سے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ حرام سے بچنے اور صرف حلال استعمال کرنے کا حکم وہ امر الٰہی ہے جو تمام اہل ایمان کی طرح سب پیغمبروں کو بھی دیا گیا تھا۔ لہٰذا ہر مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اس حکم الٰہی کی عظمت و اہمیت کو محسوس کرے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حرام مال اتنا خبیث اور ایسا منحوس ہے کہ اگر کوئی آدمی سر سے پاؤں تک درویش اور قابلِ رحم فقیر بن کے کسی مقدس مقام پہ جا کے دعا کرے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام سے ہو تو اُس کی دعا قبول نہ ہو گی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرىٰ ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ قَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ "جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہو گی۔" (یہ بیان کر کے) حضرت ابن عمر نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں اور بولے "بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے نہ سنا ہو۔" (یعنی میں نے جو کہا یہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنے کانوں سے سنا ہے۔) (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ.

(رواه احمد والدارمى والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جا سکے گا جس کی نشو و نما حرام مال سے ہوئی ہو۔ اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہو گا وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔ اللهم احفظنا.

شارحین حدیث نے قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا آدمی حرام خوری کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔ ہاں اگر وہ مومن ہوگا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ و استغفار نصیب ہوگیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہوگئی یا خود رحمت الٰہی نے مغفرت کا فیصلہ فرمادیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جاسکتا ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ○

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ، مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ.
(رواه البخاری وزاد رزین عليه فاذ ذالك لاتجاب لهم دعوة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام' جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس زمانہ کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلاشبہ وہ آچکا ہے آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دین دار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پہننے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہوسکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی)

حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا' روحِ ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابہ کرام کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی' آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا' اس کے بعد اس غلام نے بتلایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا اور اس کو کچھ بتلا دیا تھا۔ جیسے کہ کاہن لوگ بتلادیا کرتے تھے' تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔

حضرت ابو بکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا' آپؓ نے اس کو قبول فرمالیا اور پی لیا' آپؓ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے' انہوں نے مجھے بھی دیا' میں نے لے لیا' یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپؓ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا یا پیا تھا چونکہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا پیا تھا اس لئے ہر گز گناہ نہ تھا لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور ﷺ سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

مقامِ تقویٰ' مشتبہ سے بھی پرہیز ضروری:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ. فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَ عِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ' اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَ اِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَ اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں' ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے' پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہِ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا۔ اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہو گا وہ (خدا نکردہ) حرام

کے حدود میں جاگرے گا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہو کر چرنے لگیں (جو قابل سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمی (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حمی (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہیئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار! انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نور ایمان، خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال و احوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم کا حال بھی خراب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال و احوال خراب ہو جاتے ہیں۔) آگاہ رہو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہاء نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے، انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے، لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہو گی، مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جاسکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندۂ مؤمن کا طرز عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ازراہِ احتیاط و تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ آگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ...... "جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔" پھر اس بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کا چرانا جرم ہے تو بعید نہیں کہ اس کے جانور کسی وقت اس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چرنے لگیں، پس جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے

قریب بھی نہ جانے دے اسی طرح بندہ مؤمن کو چاہیئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے اسطرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی' فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار' سعادت اور شقاوت کا دارومدار اس کے قلب کے حال پر ہے جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہوگا اور اس میں خدا کی معرفت کا خوف اور ایمان کا نور ہوگا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال واحوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہوگا اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہوگا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہوگا اور اس کے اعمال واحوال شیطانی و حیوانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغۂ لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقوے کی بنیادی شرط ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے قلب کے بارے میں یہ آگاہی دی اور بتلایا کہ انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح و فساد پر ہے' اس کی حفاظت اور نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قالب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَايَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَاْسٌ.

(رواه الترمذى و ابن ماجه)

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس

درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ متقیوں میں شمار ہو جب تک کہ اس کا رویہ یہ نہ ہو کہ گناہوں سے بچنے کے لئے وہ مباحات کو بھی ترک نہ کرے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بہت سی چیزیں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہ جائز اور مباح ہوتے ہیں لیکن اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی ان میں مبتلا ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لئے مقامِ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز و مباح چیزوں اور کاموں سے بھی پرہیز کرے۔ اس کے بغیر آدمی مقامِ تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

معاملات اور دوسرے ابواب میں تقوے کا جو تقاضا ہے وہ ان تین حدیثوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا.

مالی معاملات میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور رعایت:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم میں ایمان اور اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک، خاص کر کمزوروں اور حاجت مندوں کی خدمت اور اعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا یہ نہایت وسیع اور اہم باب ہے۔ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الاخلاق[1] اور کتاب[2] المعاشرہ، میں ناظرین کرام مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ پچاسوں ارشادات پڑھ چکے ہیں جن کا تعلق اسی وسیع باب کے مختلف شعبوں سے ہے۔

خرید و فروخت اور قرض وغیرہ لین دین کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مختلف عنوانات سے اس کی ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ ہر فریق دوسرے کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے، اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے، اور سخت اور بے لچک رویہ اختیار نہ کرے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ جو بندے ایسا کریں گے وہ ارحم الراحمین کی خاص الخاص رحمت کے مستحق ہونگے۔ اس سلسلہ کے حضور ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى. (رواه البخاري)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس

---

[1] معارف الحدیث جلد دوم [2] معارف الحدیث جلد ششم

بندے پر جو بیچنے میں، خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے اور وصول کرنے میں نرم اور فراخ دل ہو۔ (صحیح بخاری)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهُ فَقِيْلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِيْلَ لَهُ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَاُجَازِيْهِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ.

(رواہ البخاری و مسلم و فی روایۃ المسلم نحوہ عن عقبۃ بن عامر و ابی مسعود الانصاری فقال اللہ انا احق بذامنک تجاوز واعن عبدی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی کسی امت میں ایک آدمی تھا، جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا (اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو گیا) تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ (جو تیرے لئے وسیلۂ نجات بن سکے) اس نے عرض کیا کہ میرے علم میں میرا کوئی (ایسا) عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ (اپنی زندگی پر) نظر ڈال (اور غور کر!) اس نے پھر عرض کیا کہ میرے علم میں (میرا ایسا کوئی عمل اور) کوئی چیز نہیں سوا اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید و فروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویہ ان کے ساتھ درگزر اور احسان کا ہوتا تھا، میں پیسے والوں اور اصحاب دولت کو بھی مہلت دے دیتا تھا (کہ وہ بعد میں جب چاہیں ادا کر دیں) اور غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے جنت میں داخلہ کا حکم فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

{حضرت حذیفہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی طرح روایت کی گئی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاری سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے اور اس کے آخر میں بجائے "فَاَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ" کے یہ الفاظ ہیں فَقَالَ اللهُ اَنَا اَحَقُّ بِذَامِنْكَ، تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ. "(اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے فرمایا کہ احسان اور درگزر کا جو معاملہ تو میرے بندوں سے کرتا تھا (کہ غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا) یہ (کریمانہ رویہ) میرے لئے زیادہ سزاوار ہے اور اس کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں (کہ معافی اور درگزر کا معاملہ کروں) اور اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو (یہ معاف کر دیا گیا اور بخش دیا گیا۔)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے کسی شخص کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے‘ ظاہر ہے کہ وہ آپ ﷺ کو وحی سے ہی معلوم ہوا ہوگا‘ یہ شخص دنیا سے ایسے حال میں گیا کہ خود اس کی نظر میں اس کا کوئی عمل ایسا نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ نجات اور جنت کی امید کر سکتا‘ سوا اس کے کہ وہ کاروباری معاملات اور لین دین میں اللہ کے بندوں کے ساتھ رعایت کیا کرتا اور ان کو سہولت دیا کرتا تھا۔ اگر کسی غریب شخص کے ساتھ کوئی چیز ادھار بیچی ہوتی یا قرض دیا ہوتا اور وہ ادا نہ کر سکتا تو اس کو معاف کر دیا کرتا تھا اور پیسے والوں سے بھی فوراً ادائیگی پر اصرار نہیں کرتا تھا بلکہ ان کو مہلت دے دیتا تھا کہ آئندہ ادا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل کی بنیاد پر مغفرت فرمادی۔ اور اس کو جنت کا پروانہ عطا ہو گیا۔ تعلیم اور نصیحت کا یہ مؤثر ترین طریقہ ہے کہ اگلوں کے سبق آموز واقعات بیان کئے جائیں۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں یا بعض اشخاص و افراد کے جو واقعات اور قصص بیان فرمائے گئے ہیں ان کا خاص مقصد و مدعا یہی ہے۔ اس حدیث میں اور اس سے آگے والی حدیث میں حضور ﷺ نے نصیحت اور تربیت کا یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَکَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض ادھار دے دیا کرتا تھا (تو جب اپنے غلام کو تقاضے کے لئے اور قرض وصول کرنے کے لئے بھیجتا) تو غلام سے کہتا اور اس کو ہدایت کر دیتا کہ جب تم قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی غریب اور مفلس کے پاس جاؤ تو اس سے درگزر کیجیو‘ شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے اور معاف فرماوے۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب مرنے کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی اگلی امتوں میں سے کسی امت کا فرد تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا اس کا جز) معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اس بندہ کو نجات عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِى الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ (رواہ مسلم)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ کسی غریب تنگدست کو (جس پر اس کا قرضہ وغیرہ ہو) مہلت دے دے یا (مطالبہ کل یا جز) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهٗ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (رواہ احمد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔

(مسند احمد)

(تشریح) ان سب حدیثوں کا مضمون اور پیغام بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض کی فضیلت اور اس سے متعلق ہدایات:

ظاہر ہے کہ حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں۔

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَاٰى عَلٰى بَابِهَا مَكْتُوْبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ حضور ﷺ نے یہ کس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوا تو اس نے اس کے دروازے پر مندرجہ بالا جملہ لکھا دیکھا' ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ کسی مرد صالح کے خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود آپ ﷺ کا مشاہدہ یا مکاشفہ ہو اور آپ ﷺ نے اس انداز میں اس کو بیان فرمایا ہو اس دوسرے احتمال کی کسی قدر تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ

فقلت لجبریل مابال القرض افضل من الصدقة؟ قال لان السائل یسئل و عندہ والمستقرض لا یستقرض الا من حاجة (جمع الفوائد)

میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عفیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطرار کی حالت میں ہوتا ہے لیکن نہ وہ کسی سے سوال کرنا چاہتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے' ہاں وہ اپنی ضرورت پوری کرنے اور بچوں کو فاقہ توڑنے کے لئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ نیز خود راقم السطور کا تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا اس کے لئے اس حدیث میں خاصا سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے (جو ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجتمند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں:

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں' اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہو گا کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس کو سنگین ترین اور ناقابلِ معافی گناہ بتلایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی میت کے متعلق آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے' تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ يَّلْقَاهُ عَبْدٌ بَعْدَ الْكَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ يَّمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَدَعُ لَهٗ قَضَاءً. (رواه احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو۔
(مسند احمد' سنن ابی داؤد)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ. (رواه الشافعی واحمد والترمذی و ابن ماجة والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بیچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس پر ہے۔ (مسند شافعی' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی حالت میں دنیا سے گیا جس کو ایمان بھی نصیب ہے اور اعمال صالحہ بھی اس کے اعمال میں ہیں جو نجات اور جنت کا وسیلہ بنتے ہیں لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو وہ ادا کر کے نہیں گیا اور اس معاملہ میں اس نے غفلت اور کوتاہی کی تو جب

تک اس کی طرف سے قرضہ ادا نہ ہوجائے وہ راحت و رحمت کی اس منزل اور مقام تک نہیں پہنچ سکے گا جو مومنین صالحین کے لئے موعود ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مرد مومن کے سارے گناہ (راہ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے) بخش دیئے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں شہید ہونا ایسا مقبول عمل ہے کہ وہ آدمی کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کی برکت سے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے اور بخش دیئے جاتے ہیں' لیکن اگر اس پر کسی بندہ کا قرضہ تھا تو اس کے حساب میں وہ گرفتار رہے گا کیونکہ وہ حق العبد ہے' اس سے نجات اور رہائی کی صورت یہی ہے کہ وہ قرضہ ادا کیا جائے۔ (یا جس کا قرضہ ہے وہ لوجہ اللہ معاف کر دے) آگے درج ہونے والی دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت سے معلوم ہوگی کہ اس معاملہ میں اللہ کا قانون کس قدر بے لاگ اور سخت ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلاً غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُاللهُ عَنِّىْ خَطَايَاىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ..... فَلَمَّا اَدْبَرَ نَا دَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذَالِكَ قَالَ جِبْرِئِلُ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کر دیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کر دے گا؟ آپ ﷺ نے جواب فرمایا ہاں (اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادے گا) پھر جب وہ آدمی آپ سے یہ جواب پاکر لوٹنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو پھر پکارا اور فرمایا ہاں (تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے) سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرئیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ شہید ہونے سے بندے کے سارے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی کے قرضہ کا بار لے کر گیا ہے تو اس کی وجہ سے گرفتار رہے گا۔ میں خدا کی وحی کی بناء پر کہہ رہا ہوں جو جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ الْجَنَائِزُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ اِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاطَا بَصَرَهُ وَ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ اِلَّا خَيْرًا حَتّٰى اَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِىْ نَزَلَ؟ قَالَ فِى الدَّيْنِ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهُ.

(رواہ احمد)

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لاکر رکھے جاتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرماتے، اچانک آپ ﷺ نے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا، پھر نگاہ نیچی فرمائی، اور (ایک خاص فکر مندانہ انداز میں) اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھ کر بیٹھ گئے، اور اسی حالت میں فرمایا "سبحان اللہ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے، اس کا ہر حکم اور فیصلہ برحق) کس قدر سخت وعید اور سنگین فرمان نازل ہوا ہے" حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے (اور منتظر رہے کہ کیا ظہور میں آتا ہے، مگر) خیریت ہی رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا سخت اور بھاری چیز تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نہایت سخت وعید اور بھاری فرمان قرضہ کے بارے میں نازل ہوا ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس خداوندی فرمان اور وعید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر کوئی آدمی راہ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

(تشریح) بظاہر ان سب حدیثوں اور وعیدوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ قرضہ کے ادانہ کرنے میں بدنیتی اور غفلت ولاپروائی کا دخل ہو اگر ادا کرنے کی نیت تھی اور فکر مند بھی تھا لیکن بے چارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہو گا جیسا کہ عنقریب ہی درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں جنازوں کی نماز مسجد سے باہر میدان میں ہوتی تھی، حنفیہ کے نزدیک یہی بہتر ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى، فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک میت کا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس میت پر کسی کا قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو جائے) لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی، پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ ﷺ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اس کی نماز پڑھادیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپ ﷺ نے اس جنازہ کی بھی نماز پڑھادی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل بظاہر زندوں کو تنبیہ کے لئے تھا کہ وہ قرضوں کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں اور ہر شخص کی یہ کوشش ہو کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہے تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کرے اور دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ مطالبہ نہ ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اسی بارے میں مروی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل (کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ سے خود معذرت فرمادیتے اور صحابہ کرام سے فرمادیتے تھے کہ تم لوگ پڑھ لو) ابتدائی دور میں تھا بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور ادائیگی کا سامان نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی مسلمان کے ذمہ کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہ جائے۔

بہر حال ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض ادا نہ کرنا اور اس حال میں دنیا سے چلا جانا بڑا سنگین گناہ ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے سبق لینے کی ہم سب کو توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

قرض ادا کرنے کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ ادا کرا ہی دے گا:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَهَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَ مَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرادے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کر سکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرمادے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض ادھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو' تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کرادے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بدنیت آدمی کو لینا نہ ہوگا اور آخرت میں اس کے لئے وبال عظیم ہوگا۔ (صحیح بخاری)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ خَلِيْلِیْ وَ صَفِيِّیْ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَحَدٍ يُدَانُ دَيْنًا فَعَلِمَ اللّٰهُ اَنَّهُ يُرِيْدُ قَضَاءَهُ اِلَّا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا. (رواه النسائی)

حضرت عمران بن حصینؓ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اس کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرادے گا۔ (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ بہت قرض لیا کرتی تھیں (غالباً مصارف خیر میں صرف کرنے کے لئے لیتی ہوں گی) تو ان کے خاص اعزہ اور متعلقین نے اس بارے میں ان سے بات کی (اور اس معاملہ میں احتیاط کا مشورہ دیا) تو آپؓ نے صاف فرمادیا کہ میں اس کو نہیں چھوڑوں گی اور ان کو حضور ﷺ کا یہی ارشاد سنایا' مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر مجھے کامل یقین ہے کہ میں جو کچھ قرض لیتی رہوں گی اس کی پائی پائی اللہ تعالےٰ دنیا ہی میں ادا کرادے گا' مجھے اس کی ضمانت اور کفالت پر پورا اعتماد اور بھروسا ہے۔ بے شک ایسے اصحاب یقین کیلئے یہ طرز عمل درست ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتّٰى يَقْضِيَ دَيْنَهُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ. (رواه ابن ماجة)

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مقروض کے ساتھ ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا ہو بشرطیکہ یہ قرضہ کسی برے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اپنی صحیح ضرورت وحاجت یا کسی نیک کام کے لئے قرض لے اور وہ اس کی ادائیگی کی نیت اور فکر رکھتا ہو تو قرضہ ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مدد اس کے ساتھ رہے گی۔ سنن ابن ماجہ کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث کے راوی عبداللہ بن جعفرؓ اس حدیث کی بناء پر ہمیشہ مقروض رہتے تھے' فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کی "معیت" یعنی خاص عنایت مجھے نصیب نہ ہو۔

ان کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بہت سخی تھے اس لئے بھی ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

قرض لینے اور ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل:

رسول اللہ ﷺ کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ ﷺ قرض لیتے تھے اسی سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلموں یہودیوں سے بھی قرض لیتے تھے اور اس میں جو عظیم دینی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں وہ بھی وہاں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں صرف تین حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِىْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضٰى لِىْ وَزَادَنِىْ. (رواه ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔ (سنن ابو داؤد)

(تشریح) قرض دار کا ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ چونکہ یہ کسی شرط اور معاہدہ کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے یہ "ربوا" (سود) نہیں بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کو بتلانے اور رواج دینے کی ضرورت ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا اور سخت کلامی کی تو آپ ﷺ کے اصحاب کرام نے (جو اس وقت موجود تھے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیونکہ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے اور اس کا قرض ادا کرنے کے واسطے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔" انہوں نے واپس آکر کہا (اس شخص کا اونٹ جس حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ ملتا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا اور زیادہ بڑھیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو' کیونکہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور برتر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے سے عرب میں یہ عام رواج تھا کہ ایک آدمی اپنی ضرورت کے لئے دوسرے آدمی سے اونٹ قرض لے لیتا اور یہ معاملہ روپیہ پیسے کے

حساب سے نہ ہوتا بلکہ یہ طے ہو جاتا کہ اس عمر اور اس حیثیت کا دوسرا اونٹ اس کے بدلے مقررہ مدت تک دے دیا جائے گا۔ تو رسول اللہ نے اس رواج کے مطابق کسی وقت کسی شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ غالباً مقررہ وقت آجانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور اس نے ادب و تمیز کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا' صحابہ کرام میں سے جو حضرات اس وقت حاضر و موجود تھے انہوں نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو' اس کا ہم پر حق ہے اور صاحب حق کو سخت سست کہنے کا حق ہے۔ ہاں تم یہ کرو کہ جس عمر کا اور جس حیثیت کا اس شخص کا اونٹ تھا ویسا ہی خرید کر لادو اور اس کو ادا کردو۔ صحابہ کرام نے ویسا اونٹ تلاش کیا' لیکن کہیں نہیں ملا' ہاں عمر اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے بڑا اور بڑھیا اونٹ ملتا تھا' انہوں نے واپس آکر حضور سے یہی عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو بڑا اور بڑھیا مل رہا ہے وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زیادہ بہتر اور برتر ادا کرتا ہے وہی زیادہ اچھا ہے۔ اس حدیث میں امت کے لئے جو سبق ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں۔

کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ شخص جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اور جس نے تقاضا کرنے میں ادب و تمیز کے خلاف رویہ اختیار کیا تھا' کون تھا' غالب گمان یہی ہے کہ کوئی غیر مسلم یہودی وغیرہ ہوگا۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں اس حدیث کی تشریح میں جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ مبارک ۳۰ صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی) تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضور ﷺ یہودیوں وغیرہ غیر مسلموں سے بھی قرض لے لیتے تھے اور وہیں اس کی حکمتیں و مصلحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَیَّ وَقَالَ بَارَكَ اللهُ تَعَالٰی فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ. (رواه النسائی)

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا پھر آپ کے پاس سرمایہ آگیا تو آپ نے مجھے عطا فرمادیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور (قرض دینے والے کی) تعریف اور شکریہ ادا کیا جائے۔ (سنن نسائی)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قرض بھی لیتے تھے اور ادائیگی کے وقت "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر ادا فرماتے تھے اور دعائے خیر سے بھی نوازتے تھے۔ آخری حدیث میں چالیس ہزار قرض لینے کا ذکر ہے۔ بظاہر اس سے مراد چالیس ہزار درہم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ بڑی بڑی رقمیں بھی قرض لیتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے قرضے آپ ﷺ جہاد وغیرہ دینی مہمات ہی کے لئے لیتے ہوں گے ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کی معیشت کا حال تو یہ تھا کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی دو دن متواتر پیٹ بھر کے جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور بسا اوقات فاقوں کی نوبت آتی تھی اور مہینوں گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

رِبا (سود)

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کردیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرض داروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جس طرح ام الخبائث شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی رویہ اختیار فرمایا اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو' غریبوں کی مدد کرو' کمزوروں کو سہارا دو' ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ رحم' سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ' بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو' تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخرت کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ' قارون جیسے پرستارانِ دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم و ہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنادیا' اور فضا اس کے لئے ایسی سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربوا۔ سود) کی قطعی حرمت کا قانون نافذ کردیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورہ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح

طور پر ربوٰا (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ (یعنی "اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا" سے لے کر "وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔" تک۔

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کر دی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے میں کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی دی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرمادیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے (فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ)۔ اللہ کی پناہ!

یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا، شراب، خونِ ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوری کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے ستر گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس باب کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا، اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا اور (اپنی جان بچانے کے لئے) جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اور اللہ کی پاک دامن بھولی بھالی بندیوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کو "موبقات" فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کردینے والے) ان میں آپ ﷺ نے شرک اور سحر اور قتل ناحق کے بعد اکل ربا (سود لینے اور کھانے) کا ذکر فرمایا اور اس کو روح ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔

جس طرح اطبا اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں' دواؤں' غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی کے فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے' اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاں نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاں کافرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاں ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت اور دوزخ کا عذاب اور دنیا میں طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غور و فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی غلطی کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجب معاملہ ہے کہ حکیموں ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلا چون وچرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں' پرہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کو یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھادیا جائے۔ لیکن اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول برحق خاتم الانبیاء ﷺ مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید و خبیث کبیرہ گناہ اور "موبقات" میں سے ہے۔ خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیان عقل و ایمان کے لئے یہ کافی نہ ہو اور وہ اس کا "فلسفہ" معلوم کرنا ضروری سمجھیں۔ اللہ دلوں کو ایمان و یقین نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ

هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبٰوا. (رواه احمد و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انہوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) شبِ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو عالمِ غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ ﷺ کو "حق الیقین" کے بعد "عین الیقین" کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ ﷺ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کر سکیں، اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کہ اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل ؑ نے بتلایا کہ یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس مشاہدہ کو خود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویانِ حدیث کو ان کی محنت و عنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا۔ اللہ تعالےٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ. (رواه ابن ماجة، والبيهقي في شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے کہ جیسے اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلۂ معارف الحدیث میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی محاورہ اور قرآن و حدیث کی زبان میں "سبعون" کا لفظ خاص معین عدد (۷۰) کے علاوہ کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود خوری اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدرجہا زیادہ شدید و خبیث گناہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صرف یہی وہ گناہ ہے جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف قرآنِ پاک میں

اللہ ورسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ (فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل خبیث اور موجب لعنت ظالمانہ گناہ سود لینا اور کھانا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے روایت کئے ہوئے اس ارشاد نبوی کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ سودی کاروبار ایسا خبیث اور لعنتی کاروبار ہے کہ اس میں کسی طرح کی شرکت بھی لعنت الٰہی کا موجب ہے اس بناء پر سود دینے والا، سودی دستاویز کا کاتب اور اس کے گواہ بھی لعنت میں حصہ دار ہیں۔ اس لئے جو خدا اور رسول کی لعنت اور ان کے غضب سے بچنا چاہے وہ اس کاروبار سے دور دور رہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْحَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ. (رواه ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کو قرض دے تو اگر وہ مقروض و مدیون آدمی قرض دینے والے کو کوئی چیز بطور ہدیہ دے یا سواری کے لئے اپنا جانور پیش کرے تو چاہیئے کہ وہ اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کے جانور کو سواری میں استعمال میں نہ کرے۔ اِلّا یہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے اس کا تعلق اور معاملہ ہوتا رہا ہو۔ (سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود کا معاملہ اتنا سنگین اور خطرناک ہے کہ اس کے ادنی شبہ سے بھی بچنا چاہیئے۔ جب کسی بندہ کو آدمی قرض دے تو اس کی پوری احتیاط کرے کہ اس قرض کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ. (رواه ابن ماجة والدارمى)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورہ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات کے) آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ اس دنیا سے اُٹھا لئے گئے اور آپ ﷺ نے ہمارے لئے اس کی پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی' لہذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔ (سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

(تشریح) "ربوا" عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا اور وہ وہی تھا جو اوپر تمہیدی سطروں میں بیان کیا گیا ہے اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار (جس کا وہاں رواج تھا) حرام قرار دے دیا گیا' اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہوا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جو (آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھی "ربوا" کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے "ربوا" نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں بلکہ جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرمادی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہا کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہا و مجتہدین کی صف اول میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت وعیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نظر کی بناء پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا "فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ" یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ "ربوا" اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ربوا" کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت سی مروجہ صورتوں کا جواز نکالتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبَا وَ اِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ. (رواه احمد و ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔

(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اگر حدیث کے لفظ عاقبة سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحبِ ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہو گا، عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہو گئے، آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت ہی ان کے لئے وبال اور عذاب ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو تو اس میں شک اور کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک شبہ نہ ہو گا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا، پھر کبھی اس شخص کی زندگی ہی میں اور کبھی اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا۔ اور یہ بات سو فیصدی مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خور لوگ اس حقیقی راحت اور عزت واحترام سے یکسر محروم رہتے ہیں جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کرلے وہ دولت کے حقیقی لطف ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے، اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا" (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر دیر سویر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبَا فَاِنْ لَمْ يَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ (وَيُرْوٰى مِنْ غُبَارِهٖ)

(رواه احمد و ابو داؤد والنسائى و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا (کوئی بھی اس سے محفوظ نہ ہوگا اگر خود سود نہ بھی کھاتا ہوگا تو اس کے بخارات یا اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس ارشاد سے حضور ﷺ کا مقصد مستقبل کے بارے میں صرف ایک پیشن گوئی کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب سود کی وباء عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہوگا۔ لہذا چاہیئے کہ ہر صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ اس بارے میں چوکنا رہے اور اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتا رہے۔ یقیناً ہمارا زمانہ بھی وہی زمانہ ہے اللہ کے جو بندے سود کو لعنت سمجھتے اور بتوفیق خداوی اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی اپنا غذائی سامان یا پہننے کا کپڑا جن دکانداروں سے خریدتے ہیں ان کے کاروبار کا رشتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی سودی سلسلہ سے ضرور ہے' آج کل کسی کاروباری سلسلہ کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔ اللهم احفظنا۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَجْنَاسُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی بیع سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جو کی جو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور دست بدست ہونی چاہیئے' اور جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِيْهِ سَوَاءٌ.

(رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض دست بدست برابر سرابر بیچا خرید اجائے۔ جس نے زیادہ دیایا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمرؓ حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو بکرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا ہے (یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے (مثلاً گیہوں دے کر اس کے بدلے میں گیہوں لئے جائیں) تو یہ معاملہ جب جائز ہوگا جب برابر برابر اور دست بدست لیا جائے۔ اگر کمی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہوا بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہوگا بلکہ یہ ایک طرح کا سود کا معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجة الله البالغه" میں ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور جس کو "ربا" کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے، ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ قرض ادا کر دیں گے، پھر اگر مقررہ معیاد پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ ہو تا طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اس سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو "ربا" کہا جاتا تھا، قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربوا کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد و مدعا یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کمی بیشی نہ ہو بلکہ برابر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہوا تو

یہ ربوا اور سود کی ایک قسم ہو گی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعیش اور "رفاہیت بالغہ" یعنی زیادہ بلند معیار اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی تعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہو گا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہو گا' علاوہ ازیں معاشرہ میں زیادہ اونچ نیچ سے جو طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے اور تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے' گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے' کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں' سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائیں جس کی عملی صورت اکثر یہی ہوتی تھی کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ معمولی درجہ کی ہے تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر ان کے بدلے میں اعلیٰ معیار کی تھوڑی مقدار میں لے لی جائے' بہر حال کمی بیشی کے ساتھ ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ عموماً تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی کے تقاضے سے ہی کیا جاتا تھا تو اس کی ممانعت کے ذریعہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک حد تک اس کا سدباب کیا گیا۔ واللہ اعلم باسرار احکامہ.

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہا مجتہدین کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہا کی رایوں میں کچھ فرق واختلاف ہے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا؟ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِىَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت اچھی قسم کی (برنی) کھجوریں لائے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر یہ برنی ایک صاع خرید لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اوہ! یہ تو عین ربا ہوا' آئندہ ایسا کبھی نہ کرو' جب تم (کھجوروں سے) کھجوریں خریدنی چاہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ دو۔ پھر ان کی

قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو یقیناً اس سے ناواقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دے دیا ہے) انہوں نے جس طرح کھجوریں خریدی تھیں اس کو انہوں نے ربوا نہیں سمجھا تھا وہ "ربوا" قرض والے سود ہی کو سمجھتے تھے جس کو عام طور سے ربوا کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوروں کا تبادلہ بھی ربوا کے حکم میں ہے' بقول حضرت شاہ ولی اللہ قرض والا ربوا "حقیقی ربوا" ہے اور حضرت ابو سعیدؓ وغیرہ کی حدیثوں میں جس کو ربوا قرار دیا گیا ہے وہ "حکمی ربوا" ہے یعنی ربوا کے حکم میں ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ بِاَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ مَا اَرٰى بِمِثْلِ هٰذَا بَاْسًا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ مَنْ يَّعْذِرُنِىْ مِنْ مُعَاوِيَةَ اَنَا اُخْبِرُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُخْبِرُنِىْ عَنْ رَاْيِهٖ لَا اُسَاكِنُكَ بِاَرْضٍ اَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ اَبُوالدَّرْدَاءِ عَلٰى عُمَرَ فَذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنْ لَا تَبِعْ ذٰلِكَ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ.

(رواہ مالک فی الموطا والنسائی فی سننہ)

عطا بن یسار تابعی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ (یا جگ) اسی جنس کے اس سے زیادہ وزن کے عوض فروخت کیا' تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ آپ ﷺ اس طرح کی بیع فروخت سے منع فرماتے تھے۔ الا یہ کہ برابر برابر ہو' تو حضرت معاویہ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی مضائقہ اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے (سخت رنجیدہ ہو کر) کہا کہ مجھے معاویہ کے بارے میں معذور سمجھا جائے۔ میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا حکم بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں۔ (اس کے بعد خود حضرت معاویہ سے کہا کہ) میں تمہارے ساتھ اس سرزمین میں نہیں رہوں گا' جہاں تم ہو گے۔ اس کے بعد حضرت ابوالدرداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور آپؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اس طرح کی بیع فروخت نہ کرو' سونا' چاندی وغیرہ کا اسی جنس سے تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں طرف وزن یکساں اور برابر برابر ہو۔ (موطا امام مالک' سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ علاقہ شام کے حاکم (گورنر) تھے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قیام بھی وہیں تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا پانی کا ایک برتن (پیالہ یا جگ) بطور قیمت اسی جنس سے وزن میں کچھ زیادہ لے کر فروخت کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، حضرت ابوالدرداء نے ان سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، حکم یہ ہے کہ سونے یا چاندی کی کوئی چیز اگر اسی جنس کے عوض بیچی یا خریدی جائے تو وزن میں کمی بیشی نہ ہونی چاہئے وزن برابر برابر ہونا چاہیئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال غالباً یہ تھا کہ سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چیز (زیور یا برتن) اگر فروخت کیا جائے تو بنوائی کی اجرت کا لحاظ کر کے کچھ زیادہ لینا ناجائز نہ ہوگا، اس بناء پر انہوں نے کہا کہ "میرے نزدیک تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔"

لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے جو کچھ سنا تھا وہ اس کی روشنی میں اس رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔ بہر حال وہ ناراض ہو کر وہاں کی سکونت ترک کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعہ بیان کیا، آپؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ شرعی حکم وہی ہے جو ابوالدرداء نے بتلایا لہذا ایسی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ربا (سود) کی اس دوسری قسم (ربائے حکمی) کے بارے میں بھی صحابہ کرام میں کتنی شدت تھی اور اس بارے میں کسی کی اجتہادی غلطی بھی ان کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔

خرید و فروخت کے متعلق احکامات

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ. (رواہ البخاری و مسلم)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَامَنَ الْعَاهَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے۔" آپ ﷺ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

(تشریح) جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے بہت پہلے بھی فروخت کر دی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کر دیے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کر دیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہو جائے تو بے چارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہر حال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تَزْهِيَ، قِيْلَ

وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ حَتّٰى يَحْمَرَّ وَقَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا تھا تا آنکہ ان پر رونق آجائے' عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہو جائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہو گیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا' سب برباد ہو گیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہیئے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کردے اور اگر نہیں بلکہ کچھ نقصان ہو گیا ہے تو اس کا لحاظ کر کے قیمت میں تخفیف اور کمی کردے۔ ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

چند سالوں کے لئے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ ﷺ نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کردینے کا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں' اور باقی رہے گا یا خدانخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں بے چارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہو گا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہیئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کردے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہلِ معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے:

کاروباری دنیا میں حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کرلیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِىْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِىْ. (رواه الترمذي)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت کا کسی سے معاملہ کروں (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے' سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کرلیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کے اس کو دے دیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

اگر غلہ وغیرہ خریدا جائے تو اُٹھا لینے سے پہلے اُسکو فروخت نہ کیا جائے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غلہ (وغیرہ) خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حکم کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی جھگڑا ٹنٹا پیدا نہ ہو۔ اس حدیث میں اگرچہ صرف طعام (یعنی غلہ) کا ذکر ہے لیکن تمام اَموال منقولہ کا یہی حکم ہے۔

مضطر (سخت ضرورت مند) سے خرید و فروخت کی ممانعت:

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور "مضطر" ہوتا ہے۔ ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو "بیع مضطر" کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ (رواه ابو داؤد)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا "مضطر" کی خرید و فروخت سے اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔" (سنن ابی داود)

(تشریح) "مضطر کی بیع" کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے' اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا تاجرانہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی خدمت اور اعانت کی جائے۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے "بیع غرر" ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس کا ملنا یقینی نہیں ہے' جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن کی یا کسی پرند کی یا دریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار کر کے فراہم کردوں گا۔ یہ "بیع غرر" ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے' کیونکہ بیچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود ہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارے میں نزع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔ اس کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے۔

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ

يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا.
(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا' آپ ﷺ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر) یہ تری و گیل کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کر دیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ "وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ" (یعنی اس طرح کی دغابازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) اللهم احفظنا!

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا وَلَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ کا عذاب رہے گا... یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا... کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور ﷺ کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہو جاتا ہے تو از راہِ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ نے "لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللهِ" فرمایا تھا' یا "لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ" فرمایا تھا۔ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے اور ہر طرح کے دھوکے فریب کی ممانعت:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو، جس تاجر نے آگے جاکر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو وہ معاملہ فسخ کردے) (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لاکر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں آتے تھے، (ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا) چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کرلیتے تھے اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے۔ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جاکر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اسکو دھوکا اور نقصان ہوگیا تو اسکو معاملہ فسخ کردینے کا اختیار ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوْا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملہ بیع سے مداخلت نہ کرے اور (کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو، اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں۔ اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر

پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کردے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دے دے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جاکر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جاچکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں "وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دکاندار کو نہ چاہیئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو' ظاہر ہے کہ اس سے دکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "وَلَا تَنَاجَشُوْا" بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اسی چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہوگئے اور زیادہ قیمت لگادی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے' ظاہر ہے کہ بے چارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے "لَا تَنَاجَشُوْا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہیئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اُٹھیں گے اس وقت فروخت کریں گے' بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہیئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی، عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی۔ اور دیہات سے مال لانے والوں کو جبکہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلد ہی وہ بازار میں دوسرا مال لاسکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے "لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی' بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور

بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کردے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کردے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں "فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا۔ (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا۔) نیز "مسلم" کی اس روایت میں "صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" کے بجائے "صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَاسَمْرَاءَ" کے الفاظ ہیں' ان کی بناء پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا' ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا' اس طرح حساب گویا برابر ہوگیا۔ پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں'...... آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کردیے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں ان کے ہاتھ بیچ دیں۔　　(جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے...... کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ ﷺ سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کر کے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ سامان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ' وہ لے آئے' آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں بکتی ہیں' آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔" ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "من یزید" (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو' وہ بولے!) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ۲۔۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور ﷺ کو پیش کر دیئے تو آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں۔ اور جو دو درہم انہوں نے دیئے تھے وہ آپ ﷺ نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ' انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی خرید کے حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے' آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ یہ کلہاڑی لے کے جنگل نکل جاؤ' لکڑیاں لاؤ اور بیچو! حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہرگز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے اس سے انہوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لئے کتنی عظیم رہنمائی ہے کاش ہم اس سے سبق لیتے۔

زیادہ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

جس طرح ہمارے زمانہ میں بہت سے تاجر غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مہنگائی اور گرانی بڑھ جاتی ہے اور عام صارفین پر بوجھ پڑتا ہے اور ان کے لئے گزارہ دشوار ہو جاتا ہے' اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کچھ تاجر ایسا کرتے تھے (اور غالباً اس کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو سختی سے منع فرمایا اور گناہ قرار دیا۔ عربی زبان میں اس کو "احتکار" کہا جاتا ہے۔

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ
(رواہ مسلم)

حضرت معمر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تاجر احتکار کرے (یعنی غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کا ذخیرہ عوام کی ضرورت کے باوجود مہنگائی کے لئے محفوظ رکھے) وہ خطاکار گنہگار ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ.
(رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لا کر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسکے رزق کا کفیل ہے) اور محتکر (یعنی مہنگائی کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنے والا) ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھٹکارا ہوا اور اس کی رحمت و برکت سے محروم ہے) (سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا رُخ یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خاص کر غربا یعنی کم آمدنی والوں کو زندگی گزارنا دشوار نہ ہو تجارت پیشہ اور دولت مند طبقہ زیادہ نفع اندوزی اور اپنی دولت میں اضافہ کے بجائے عوام کی سہولت کو پیش نظر رکھے اور اس مقصد کے لئے کم نفع پر قناعت کر کے اللہ کی رضا و رحمت اور آخرت کا اَجر حاصل کرے۔ اگر ایمان یقین نصیب ہو تو بلاشبہ یہ تجارت بڑی نفع بخش ہے۔

تسعیر' یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ:

کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی بااختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ پر زیادہ نفع خوری

کی اجازت نہ دی جائے 'تاکہ عوام خاص کر غربا کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔ اسی کو عربی زبان میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد درج کیا جارہا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَلَا مَالٍ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ) مہنگائی بڑھ گئی' تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آپ نرخ مقرر فرمادیں (اور تاجروں کو اس کا پابند کردیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نرخ کم وبیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہی تنگی یا فراخی کرنے والا ہے' وہی سب کا روزی رساں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان ومال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کی طرف سے مہنگائی کی شکایت اور تسعیر (یعنی قیمتوں پر کنٹرول) کی درخواست کرنے کے باوجود اپنے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اس طرح کے حکم سے کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غلہ وغیرہ کی گرانی اور مہنگائی کبھی قحط اور پیداوار کی کمی جیسے قدرتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی تاجر اور کاروباری لوگ زیادہ نفع کمانے کے لئے مصنوعی قلت کی صورت پیدا کرکے قیمتیں بڑھادیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی گرانی قدرتی اسباب کی پیدا کی ہوئی تھی' تاجروں کی نفع اندوزی کا اس میں دخل نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے کنٹرول نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آپ ﷺ کو خطرہ ہوا کہ تاجروں پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ محسوس کرے کہ تاجروں کی طرف سے عام صارفوں پر زیادتی ہو رہی ہے اور افہام تفہیم اور نصیحت سے تاجر اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ قیمتیں مقرر کرکے کنٹرول نافذ کرسکتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ تاجروں کو

ظالمانہ نفع اندوزی کی چھوٹ دینا توفساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے[۱] ......
لیکن بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقتضیٰ یہی ہے کہ حتی الوسع اس سے بچا جائے اور یہ قدم اسی وقت اُٹھایا جائے جب تاجروں کی طرف سے نفع اندوزی کے جذبہ کے تحت عوام کے ساتھ کھلی زیادتی ہو رہی ہو اور تسعیر کی کارروائی ناگزیر ہو جائے۔

امام مالک نے مؤطا میں حضرت سعید بن المسیب تابعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خشک انگور (یعنی منقیٰ) ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نامناسب حد تک گراں ہے' تو آپ نے ان سے فرمایا:

اما ان تزید فی سعروا ما ان ترفع من سوقنا [۲] یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی قیمت مناسب حد تک کم کرو) اور یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اُٹھالو۔

شریعت کے عام قواعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر ہی کی روشنی میں علماء محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تاجروں کے استحصال سے بچانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دینی چاہئیں اور کنٹرول نافذ کر دینا چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے بعض رسائل میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار:

خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر دونوں فریق (بیچنے والا اور خریدنے والا) یا دونوں میں سے کوئی ایک یہ شرط کر لے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہو گا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کر دوں' تو شرعاً جائز ہے۔ اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کر دینے کا اختیار ہو گا۔ فقہ کی اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو "خیارِ شرط" کہا جاتا ہے' اس کا حدیث میں صراحۃً ذکر ہے اور اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک اس طرح کی شرط اور قرارداد کے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: "فان روی منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الافساد فى الارض" حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۳ ج ۲

[۲] جمع الفوائد ص ۲۶۲ ج ۱

بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے اور علیحدہ ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس کو فقہ کی زبان میں "خیار مجلس" کہا جاتا ہے' امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ اس "خیار مجلس" کے قائل نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ خرید و فروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہو گئی اور سودا پکا ہو گیا اور لین دین بھی ہو گیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کر سکتا' ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے جس کو شریعت کی اور فقہ کی زبان میں "اِقَالَه" کہا جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں کو (فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں' سوائے خیار شرط والی بیع کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فریق کی طرف سے بھی فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہیں لگائی گئی ہے تو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار صرف اس وقت تک ہے جب تک دونوں فریق جدا نہ ہوں۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ نے اس حدیث کے لفظ "مالم یتفرقا" سے خیار مجلس سمجھا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بات بالکل ختم اور طے نہ ہو جائے اس وقت تک ہر فریق کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پیش کش واپس لے لے' اس کے بعد کسی کو فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ وہ "تفرق" سے مکانی علیحدگی نہیں بلکہ معاملاتی اور قولی علیحدگی و جدائی مراد لیتے ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں یہی لفظ اس معنی میں آیت "وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ" میں طلاق کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْيَةَ اَنْ يَّسْتَقِيْلَهٗ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک باہم جدا نہ ہوں (اس کے بعد اختیار نہیں) سوائے اس صورت کے کہ (شرط لگا کے) اختیار کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اقالہ اور واپسی کے خطرہ کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث کا مدعا بھی وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں (بائع و مشتری) کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ متفرق اور جدا نہ ہوں۔ جدا ہونے کے بعد صرف اسی صورت میں فسخ کا اختیار ہوگا جب شرط کے طور پر یہ طے کر لیا گیا ہو۔ اس کے آگے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت بھی ہے کہ "فریقین میں سے کوئی بھی اس خطرہ کی وجہ سے الگ اور جدا نہ ہو کہ وہ اپنی بات واپس لے کر معاملہ فسخ نہ کر دے۔"

خیارِ عیب، یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار:

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کی اختیار کی دو صورتوں کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے (ایک "خیار شرط" دوسرے "خیار مجلس" ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا، اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِبْتَاعَ غُلَامًا فَاَقَامَ عِنْدَهٗ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهٖ عَيْبًا فَخَاصَمَهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهٗ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اسْتَغَلَّ غُلَامِىْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ.

(ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا، اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اس کے پاس رہا، پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے، تو وہ شخص اس معاملہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ ﷺ سے فیصلہ چاہا، تو آپ ﷺ نے (اس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کر دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور

فائدہ اٹھایا ہے (لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے)
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کے آخر میں آپ ﷺ کا ارشاد "الخراج بالضمان" شریعت کے ان اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہاء نے سینکڑوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مر جاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا۔ اس لئے ان دونوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اس کا حق تھا لہٰذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کردی کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو فلاں بیماری ہے جس کے بارے میں آپ نے بتلایا نہیں تھا (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہرحال یہ مقدمہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے معاملہ سن کے (اور یہ دیکھ کے کہ خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کر سکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) قانون شریعت کے مطابق حضرت ابن عمر سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دے دیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا۔ حضرت ابن عمر نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے سے معذرت کردی اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

ائمہ فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آئے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے "خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اسی کو "خیار عیب" کہا جاتا ہے۔

اِقالہ یعنی بیع کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فسخ اور واپسی:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہوا اور فریقین کی طرف سے بات بالکل ختم ہو گئی لین دین بھی ہو گیا' اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا' مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی اس کو واپس کرنا چاہا یا بیچنے والے نے اپنی چیز واپس لینی چاہی تو اگرچہ قانونِ شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے لئے راضی ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی کو "اِقالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں (یعنی اس کے گناہ) بخش دے گا۔
(سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کسی چیز کو خرید کر یا بیچ کر آدمی واپس کرنا یا واپس لینا جب ہی چاہتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی' میں اس معاملہ میں نقصان اور خسارہ میں رہا اور دوسرا فریق نفع میں رہا۔ اس صورت میں دوسرے فریق کا معاملہ فسخ کر کے واپسی پر راضی ہو جانا بلاشبہ ایثار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس ایثار ہی کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے والے کو بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ بلاشبہ بڑا نفع بخش ہے یہ سودا۔

سوداگروں کو قسمیں کھانے کی ممانعت:

بعض سوداگر اور دکاندار اپنا سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور قسموں کے ذریعے گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بہت بے جا استعمال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِى الْبَيْعِ فَاِنَّهُ يُنْفِقُ ثُمَّ يَمْحَقُ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بہت بچو کیونکہ اس سے (اگرچہ بالفعل) دکانداری خوب چل جاتی ہے لیکن بعد میں یہ برکت کھو دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں سوداگروں، دکانداروں کو زیادہ قسمیں کھانے کی بری عادت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سودا بیچنے کے لئے کثرت سے قسم کھانا اگرچہ وہ قسم جھوٹی نہ ہو سچی ہو، اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کا بہت نامناسب استعمال ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا تو ایک دفعہ بھی گناہِ عظیم ہے۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو سوداگر جھوٹی قسم کھا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے وہ ان مجرمین میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ "لا یکلمهم الله یوم القیمة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیمO (یعنی قیامت میں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کی لذت و عزت سے اور نگاہِ رحمت و نظرِ عنایت سے محروم رکھے گا اور فسق و فجور کی نجاست سے ان کو پاک نہیں کیا جائے گا، ان کا حصہ بس خدا کا دردناک عذاب ہو گا۔

دکانداری میں قسمیں کھانے اور دوسری نامناسب باتوں کا کفارہ:

عَنْ قَيْسِ بْنِ غَرْزَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ.

(رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

قیس بن غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے معشر تجار (اے سوداگرو!) بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے تو (اس کے علاج اور کفارہ کے طور پر) اس کے ساتھ صدقہ ملا دیا کرو۔"

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) واقعہ ہے کہ اپنا سودا بیچنا اور گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سے دکاندار قسمیں بھی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک لغو و لایعنی اور ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں ہدایت فرمائی کہ اس کے کفارہ کے طور پر تاجر لوگ صدقہ (یعنی فی سبیل اللہ غربا اور مساکین وغیرہ کی خدمت و اعانت) کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیں، یہ انشاء اللہ حسبِ حال کی اس بیماری کا علاج بھی ہو گا جو کاروباری لوگوں سے ناپسندیدہ باتیں اور غلط کام کراتی ہے۔

اگر تجارت نیکی سچائی اور تقوے کے ساتھ نہیں تو حشر بہت خراب:

عَنْ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَ بَرَّ وَ صَدَقَ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر لوگ سوائے ان کے جنہوں نے (اپنی تجارت میں) تقوے اور نیکی اور سچائی کا رویہ اختیار کیا۔ قیامت میں فاجر اور بدکار اٹھائے جائیں گے۔

(تشریح) اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے خوف خدا، احکام شریعت اور سچائی و نیکوکاری سے آزاد ہو کر تجارت اور سوداگری کرتے ہیں اور جھوٹ سچ، جس طرح بھی ہو سکے بس اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر "فاجروں" یعنی بدکار مجرموں کی حیثیت سے ہوگا اور اسی حیثیت سے بارگاہ خداوندی میں ان کی پیشی ہوگی۔ اللہ کی پناہ؟ اس کے برخلاف جو تجارت پیشہ بندے اپنی تجارت اور کاروبار میں آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سچائی اور دیانت داری کی پابندی کے ساتھ تجارت اور کاروبار کریں ان کو رسول اللہ ﷺ نے خوش خبری سنائی ہے کہ:

"وہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوں گے۔"

یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی وغیرہ کے حوالہ سے (اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں) کچھ ہی پہلے درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

مکان وغیرہ جائیداد کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت:

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموال منقولہ پر آتے ہیں دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اس کی بناء پر آپ ﷺ نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا اَوْ عِقَارًا قَمِنٌ اَنْ لَّا يُبَارَكَ لَهُ اِلَّا اَنْ يَجْعَلَهُ فِيْ مِثْلِهِ.

(رواه ابن ماجه والدارمی)

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے اس عمل میں برکت و فائدہ نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائداد میں لگادے تو پھر ٹھیک ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ کی ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو حضور ﷺ کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں، بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَاِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساجھے دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کرلے۔ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری معیت کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) علماء و مصنفین کی اصطلاح کے مطابق یہ "حدیثِ قدسی" ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ بلکہ باعثِ برکت بھی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زہرہ بن معبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام کو ان کے بچپن ہی میں، ان کی والدہ (زینب بنت حمید) حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "هو صغير" یعنی یہ ابھی

بہت کم عمر ہے' اور آپ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبداللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں ان کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لئے غلہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (دونوں بزرگ صحابی) ان کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو اور حصہ دار بنالو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاءاللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبداللہ ابن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کر لیتے تھے' تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھر غلہ نفع سے بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔

(صحیح بخاری کتاب الشرکۃ)

تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِى الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِىَ شَاةً فَاشْتَرٰى لَهٗ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اَحَدَهُمَا بِدِيْنَارٍ وَاَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَيْعِهٖ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرٰى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ.

(رواہ البخاری)

عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں وہ گئے اور انہوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں۔ پھر ان میں سے ایک، ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کردی اور ایک دینار بھی (اور واقعہ بتلادیا) تو آپ ﷺ نے ان کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے ان کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہوجاتا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) عروہ بن ابی الجعد بارقی نے بکریوں کی یہ خرید و فروخت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر فروخت کردی اور حضور ﷺ نے ان کے اس فعل کو غلط اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعا دی تو اس

سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وکیل اپنے مؤکل کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے اور مؤکل اگر اس کو قبول کر لے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہو گی۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ أُضْحِيَّةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهُ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى أُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِيْ اِسْتَفْضَلَ مِنَ الْأُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهُ اَنْ يُّبَارَكَ لَهُ فِيْ تِجَارَتِهِ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک دینار دے کر اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کے لئے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ تو انہوں نے اس دینار سے ایک مینڈھا (یا دنبہ) خرید لیا اور پھر وہیں اس کو (کسی خریدار کے ہاتھ) دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر لوٹے اور ان میں سے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید لیا اور آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں قربانی کے جانور کے ساتھ وہ دینار بھی پیش کر دیا جو دوسرا جانور (یعنی پہلا خریدا ہوا مینڈھا یا دنبہ) فروخت کر کے بچا لیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور حکیم بن حزام کے لئے تجارت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔
(جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(تشریح) حکیم[1] بن حزام کی اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلے والی حضرت عروہ بارقیؓ کی حدیث کا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی سے وہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا۔

اجارہ (یعنی مزدوری اور کرایہ داری)

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا، یا استعمال کے لئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا۔ شریعت اور فقہ کی زبان میں اسکو "اجارہ" کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جن پر انسانی تمدن کی بنیاد قائم ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَابَعَثَ اللهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهُ وَاَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ. (رواه البخارى)

---

[1] یہ حکیم بن حزام ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں تھے۔ دولت مند بھی تھے اور فیاض بھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قریباً ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اس کے بعد بھی قریباً ساٹھ سال زندہ رہے کچھ کم سوا سو سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہ نے عرض کیا اور حضرت آپ نے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں، میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) حضور ﷺ نے اس حدیث میں چند قیراط مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چرانے کا اپنا جو واقعہ بیان فرمایا ہے یہ غالباً ابتدائی عمر کا ہے جب آپ ﷺ اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے جس کے عوض آپ ﷺ کو چند قیراط مل جاتے تھے۔ یہی اس زمانہ میں آپ ﷺ کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک قیراط، درہم کا قریباً بارہواں حصہ ہوتا تھا۔

بکریاں چرانا بڑا صبر آزما کام ہے اور اگر آدمی میں صلاحیت ہو تو اس سے اس کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔ غرور اور تکبر جیسے رزائل کا علاج ہوتا ہے، صبر کی اور غصہ پینے کی عادت پڑتی ہے اور شفقت و ترحم کی مشق ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سب پیغمبروں نے یہ کورس پورا کیا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کی مزدوری نہ صرف جائز بلکہ سنتِ انبیاء ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ.
(رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اجیر اور مزدور جب تمہارا کام پورا کر دے تو اس کی مزدوری فوراً ادا کر دی جائے تاخیر بالکل نہ کی جائے۔

لگان یا بٹائی پر زمین دینا:

اجارہ ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کسی کو دی جائے کہ وہ اس سے کاشت کرے اور طے شدہ کرایہ نقد کی شکل میں ادا کرے جس کو زر لگان کہا جاتا ہے یا بجائے نقد لگان کے بٹائی طے ہو جائے کہ پیداوار کا اتنا حصہ زمین کے مالک کو دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا تعلق ان دونوں صورتوں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطٰی خَیْبَرًا لِیَھُوْدَ اَنْ یَعْمَلُوْھَا وَیَزْرَعُوْھَا وَلَھُمْ شَطْرُمَا یَخْرُجُ مِنْھَا۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح خیبر کے بعد) خیبر کی زمین وہاں کے یہودیوں کے سپرد کردی اور اس شرط پر کہ وہ محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ ان کا ہو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں صراحت کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ کاشت والی زمینوں کے علاوہ خیبر کے نخلستان بھی رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر وہاں کے یہودیوں کے سپرد کردیے تھے کہ ان کی پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔ یہ گویا بٹائی والا معاملہ تھا۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ لَوْ تَرَکْتَ الْمُخَابَرَۃَ فَاِنَّھُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْہُ قَالَ اَیْ عَمْرُو وَاُعْطِیْھِمْ وَاُعِیْنُھُمْ وَاِنَّ اَعْلَمَھُمْ اَخْبَرَنِیْ یَعْنِیْ اِبْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْہَ عَنْہُ وَلٰکِنْ قَالَ اَنْ یَّمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّاْخُذَ عَلَیْہِ خَرْجًا مَّعْلُوْمًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

عمرو بن دینار تابعی نے فرمایا کہ میں نے جناب طاؤس (تابعی) سے ایک بار کہا کہ آپ بٹائی (یا لگان) پر زمین اُٹھانا چھوڑ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کاشت کاروں کو کاشت کے لئے زمین بھی دیتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اور امت کے بڑے عالم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو بٹائی یا لگان پر اُٹھانے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ اپنی زمین اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کے لئے (بغیر کسی معاوضہ کے) دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی مقررہ لگان وصول کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عمرو بن دینار کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اپنی مملوکہ زمین کی بٹائی یا لگان پر اُٹھانا درست نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور فیض یافتہ طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ وضاحت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا تھا بلکہ اخلاقی طور پر فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو مقررہ لگان یا بٹائی پر زمین دینے سے بہتر یہ ہے کہ حسبۃً للہ بغیر کسی معاوضہ کے

اس کو کاشت کے لئے زمین دے دی جائے۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت اور فتوے کی روشنی میں اپنی زمینیں بٹائی یا لگان پر اُٹھاتے تھے اور ان کاشتکاروں کی کاشت کے اخراجات وغیرہ میں مزید امداد و اعانت بھی کرتے تھے۔

دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا:

اپنے عمل اور اپنی محنت کا معاوضہ لینا اجارہ ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مریض وغیرہ پر قرآن شریف یا کوئی دعا پڑھ کر دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اور صحابہ کرام نے دم کرنے کا معاوضہ لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز اور طیب قرار دیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ اِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا اَوْ سَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَءَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ. (رواه البخاری) وَفِي رِوَايَةٍ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک بستی پر گزری تو بستی کا ایک آدمی ملا اور اس نے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہماری بستی میں ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے یا کہا کہ بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ (غالباً یہ راوی کا شک ہے) تو جماعت صحابہ میں سے ایک آدمی اُٹھ کر چل دیا اور بستی میں جا کر کچھ بکریاں بطور معاوضہ مقرر کر کے اس کاٹے ہوئے آدمی پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو صاحب ٹھہرائی ہوئی بکریاں ساتھ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے۔ تو ان حضرات نے اس کو برا سمجھا اور ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھنے کا معاوضہ لے لیا۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات مدینہ آگئے۔ لوگوں نے مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہمارے فلاں ساتھی نے کتاب اللہ (سورۂ فاتحہ) پڑھ کر معاوضہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر معاوضہ لیا جائے۔" (صحیح بخاری)...... اور اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم

نے ٹھیک کیا ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

(تشریح) صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اور اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک دیوانے اور پاگل پر لوگوں نے دم کرایا ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر صبح وشام تین دن دم کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ انہوں نے بھی معاوضہ وصول کیا۔ لیکن ان صحابی کو خود تردد ہو گیا کہ میرا معاوضہ لینا جائز ہے یا نا جائز۔ چنانچہ واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کو صحیح اور جائز قرار دیا۔

انہی حدیثوں کی روشنی میں علماء وفقہا کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ اس طرح دم کرنے یا تعویز لکھنے پر معاوضہ لینا جائز ہے جس طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ ہاں اگر بغیر معاوضہ فی سبیل اللہ بندگانِ خدا کی خدمت کی جائے تو وہ بلند درجہ کی بات ہے اور انبیاء علیہم السلام سے نیابت کی نسبت رکھنے والوں کا طریقہ یہی ہے۔

عاریت (منگنی)

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لئے کسی سے کوئی چیز (بغیر اُجرت اور معاوضہ) کے استعمال کے لئے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کردی جائے اسی کو "عاریت" کہا جاتا ہے یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلاشبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر وثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطورِ عاریت کے لے کر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں ہدایات بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ اَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْئٍ وَاِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی شبہ کی بناء پر) مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی (غالباً دشمن کے لشکر کی آمد کا شبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے عوام میں گھبراہٹ اور خطرہ کے احساس کی کیفیت پیدا ہو گئی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا عاریتاً مانگا جس کو "مندوب" کہا جاتا تھا (جس کے معنی

ہیں سست رفتار اور مٹھا) اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر (اس جانب تشریف لے گئے جدھر سے خطرہ کا شبہ تھا) جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا (یعنی کوئی خطرہ والی بات نظر نہیں آئی لہٰذا لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے' اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ابو طلحہ کے اس گھوڑے کے بارے میں فرمایا کہ) ہم نے اس کو بحر رواں پایا۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتاً لے کر اس پر سواری کی۔ نیز اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور احساسِ ذمہ داری کی صفت بھی سامنے آئی کہ خطرہ کے موقع پر تحقیق و تجسس کے لئے تن تنہا تشریف لے گئے اور واپس آ کر لوگوں کو مطمئن کر دیا تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے کاموں میں لگیں۔ ضمنی طور پر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو طلحہ کا وہ گھوڑا جو اتنا سست رفتار اور مزاج کا ٹھنڈا تھا کہ اس کا نام ہی لوگوں نے "مندوب" (مٹھا) رکھ دیا تھا' رسول اللہ ﷺ کی سواری میں آ کر ایسا تیز رو اور سبک رفتار ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس کو "بحر رواں" پایا (بہترین تیز رفتار گھوڑے کو "بحر" کہا جاتا تھا)

عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَارَ مِنْهُ' أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ بَلْ عَارِيَةً مَضْمُونَةً. (رواہ ابو داؤد)

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں ان سے مانگیں (یعنی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہم کو دے دو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لئے زبردستی لے لینا چاہتے ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کے طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے
(سنن ابی داود)

(تشریح) یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں میں تھے' ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ ﷺ کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے ان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان کی درخواست کی' آپ ﷺ نے قبول فرمالی' وہ ان کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو

وہ ان کو واپس لے آئے لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا' ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہنی زر ہیں عاریتاً مانگی تھیں' تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زر ہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی' انہوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا' آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ "یہ زر ہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جارہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔" تو انہوں نے وہ زر ہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوہ حنین کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ آپ ﷺ کا غیر معمولی حسن سلوک دیکھ کر آپ ﷺ کے نبی صادق ہونے کا ان کو یقین ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال یہ صحابی ہیں اور ان سے اس واقعہ کے نقل کرنے والے ان کے بیٹے امیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابۃ اجمعین۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ (رواہ الترمذی وابو داؤد)

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے۔ اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اٹھانے کے لئے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی۔ اور قرض (حسب قرارداد) ادا کرنا ہو گا۔ اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کے لئے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے تو اس کا واپس کرنا لازم ہے' اس میں تساہل نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ "منحہ" کا لوٹانا ضروری ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لئے دوسرے کسی بھائی کو دے دیتے۔ مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لئے یا اونٹنی یا بکری

دودھ پینے کے لئے دے دیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ' یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا باغ یا کاشت کے لئے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دے دیتے۔ اس کو "منحہ" کہا جاتا تھا۔ تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو "منحہ" کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی مِلک نہ بنالے بلکہ عرف کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا کے اصل مالک کو واپس کر دے۔ بلا شبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور مٹتی جا رہی ہیں' خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ (قرض کی ادائیگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے سخت تاکیدی ارشادات اور شدید وعیدیں' اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرض کے زیرِ عنوان پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔)

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے' یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اس کو بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جاتا ہے اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ "اجارہ" ہے اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لئے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے تو وہ "عاریت" ہے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے۔ شریعت کی زبان میں اس کو "غصب" کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ. (رواه البخارى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے ایک دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسایا جائے گا اور آخری حد تک گویا تحت الثریٰ تک دھنسایا جائے گا...... اللہ کی پناہ!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارے میں روایت کیا گیا ہے۔ جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انہوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں یہ سخت وعید سنی ہے...... (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا۔ اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دکھے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کردے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنادے۔ (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا، وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جارہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه الترمذي)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اگر دل میں ایمان کا ذرہ ہو تو یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی جماعت اور آپ ﷺ کے لوگوں میں سے نہیں ہے جس کو آپ ﷺ نے اپنے سے الگ اور دور کر دیا وہ بڑا محروم اور بد بخت ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ. (رواه الترمذي و ابو داؤد)

سائب بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی لکڑی' چھڑی بھی نہ لے نہ ہنسی مذاق میں اور نہ لینے کے ارادہ سے۔ پس اگر لے لیوے تو اس کو واپس لوٹائے۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بھائی کی لکڑی اور چھڑی کی طرح کی حقیر اور معمولی چیز بھی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے نہ لی جائے' ہنسی مذاق میں بھی نہ لی جائی اور اگر غفلت یا غلطی سے لی گئی ہو تو واپس ضرور لوٹائی جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی معمولی چیز کا واپس کرنا کیا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ان ہدایات کی اہمیت محسوس کرنے کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان والدارقطني في المجتبیٰ)

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو! خبردار کسی آدمی کی ملکیت کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی' مجتبیٰ للدار قطنی)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَاَصْحَابُهُ بِامْرَاَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهِ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ اٰلِ مُعَاذٍ نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے چند اصحاب و رفقاء کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔) تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا (اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے حاضر کردیا) آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپ ﷺ حلق سے نہیں اُتار سکے "تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

(تشریح) جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آلِ معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کر کے اور کھانا تیار کر کے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے پیش کردیا گیا' لیکن آپ ﷺ نے جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو آپ ﷺ کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ ﷺ پر یہ منکشف کردیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کسیلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کو وہ ناجائز غذاؤں سے حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرمادیتا ہے کہ ناجائز غذا نہ ان سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھاسکنا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا۔ امت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔"

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی' نہ غصب کی گئی تھی' بلکہ باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کرلی گئی تھی اس کے باوجود اس میں ایسی خباثت اور خرابی پیدا ہوگئی کہ حضور ﷺ اس کو نہیں کھاسکے اور حلق سے نہیں اُتار سکے۔ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں کس قدر احتیاط کرنی چاہئے۔

ہدیہ تحفہ دینا لینا

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کردی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اسکی بڑی ترغیب دی ہے۔ اسکی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت وسکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس کے ذریعے رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ ازدیادِ محبت کا وسیلہ ہے اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو۔

ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے' دوسروں ہی کو مرحمت فرماتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کی لین دین کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں' عالموں' مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں' قریبوں' پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب

میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین وسکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا "نسخہ کیمیا" تھا۔ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھئے!

ہدیہ دِلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو، ہدیے تحفے دلوں کے کینے ختم کر دیتے ہیں۔" (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت ور نجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دلوں میں جوڑ، تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور ﷺ کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین وتذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔)

ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور آپ ﷺ کی ہدایت:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا.
(رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول و دستور تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے اُمت کو بھی اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی اور بلاشبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہے، جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اس صفت سے جو اس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو کسی محب کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے

گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ "جزاك الله" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اس کا اخفا کرے زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاك الله" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفرانِ نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہوگا۔

حدیث کے آخری جملے "وَمَنْ تَحَلّٰى الخ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرزِ عمل یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعے اپنے اندر وہ کمال (مثلاً عالمیت یا مشیخت) ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس دھوکہ باز اور فریبی بہروپیئے کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے باعزت اور باوقار لوگوں کا سا لباس پہنے۔ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے نفیس اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تاکہ اس کو معززین میں سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے، حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اسی کو "لابس ثوبی زور" کہا گیا ہے۔ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے ساتھ اس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور ﷺ کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جن کی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لئے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرزِ زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لئے ظاہر کردے تو یہ فریب اور بہروپیاپن ہوگا اور یہ آدمی اس روایتی "لابس ثوبی زور" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محسنوں کا شکریہ اور ان کے لئے دعائے خیر:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ.

(رواه احمد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ، کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔

بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گزار نہ ہوگا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہوگا۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔ (رواه الترمذی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کے لئے یہ کہہ کے دعا کی کہ "جزاک اللہ خیرا" (اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے) تو اس نے (اس دعائیہ کلمہ ہی کے ذریعہ) اس کی پوری تعریف بھی کر دی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) "جزاك الله خيرا" بظاہر صرف دعائیہ کلمہ ہے لیکن اللہ کا بندہ جب کسی احسان کرنے والے کے لئے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کا اظہار و اعتراف کرتا ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں بس میرا کریم پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے میں اسی سے عرض و استدعا کرتا ہوں کہ تمہارے اس احسان کا وہ اپنی شانِ عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اس طرح اس دعائیہ کلمہ میں اس احسان کرنے والے کی تعریف اور اس کے احسان کی قدر شناسی بھی مضمر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَأِ حَتَّى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوْا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ۔ (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور ان کے ایثار کا تجربہ کیا) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے ہاں آ کے ہم اترے ہیں (یعنی انصارِ مدینہ) زیادہ ہو تو اس کو (فراخ حوصلگی اور دریادلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے انہوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کر لیا

ہے (ان کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انہی کے حصہ میں آجائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہو گا جب تک اِس احسان کے عوض تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے اور ان کے لئے کلمۂ خیر کہتے رہو گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ ﷺ سے پہلے یا آپ ﷺ کے بعد اپنے اپنے گھر چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے، تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے لِلّٰہ فی اللہ اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غربا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے، جو دولت مند تھے وہ پوری دریا دلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غربا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے ان کی خدمت اور مہمان داری کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مہاجرین کے دِلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے اِنہی محسن میزبانوں کے حصہ میں آجائے اور ہم خسارہ میں رہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہو گا، شرط یہ ہے کہ تم ان کے اس احسان کے عوض ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے ان کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی عمل کو ان کے احسان کے بدلے اور شکریے کے طور پر قبول فرما لے گا اور تمہاری طرف سے ان کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانہ کرم سے عطا فرمائے گا۔

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدُّهُ فَاِنَّهُ خَفِيْفُ الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو بھی قبول ہی کرے رَد نہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعثِ فرحت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بے چارے پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اس کی دل شکنی ہو۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ "جس کو خوشبودار پھول کا ہدیہ دیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور ﷺ کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ "آپ ﷺ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ اور تیل اور دودھ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے۔ اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ. (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دے پھر اس کو واپس لے۔ ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لئے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر باپ کا ہر طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) جو شخص ہدیہ

اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی، یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا، پھر اپنی اسی قے ہی کو کھانے لگا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ہدیہ دے کر واپس لینے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور مؤثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَا الْإِمَامِ غُلُوْلٌ.

(رواه الطبراني في الاوسط)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت (یعنی حاکم اور فرمانروا) کے ہدیے "غلول" (یعنی ایک طرح کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے) ہیں۔ (معجم اوسط للطبرانی)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰى لَهٗ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبٰا.

(رواه ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت جابر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابل قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اُصول بنائیں۔

وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقہ و خیرات جیسے باعثِ ثواب مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ ﷺ سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے' آپ ﷺ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت' جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارف خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشاء کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارف خیر میں صرف ہوتی رہے' اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جائے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِىْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِىْ بِهٖ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهُ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِى الْفُقَرَاءِ وَفِى الْقُرْبٰى وَ فِى الرِّقَابِ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَاجُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی' تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی' آپ ﷺ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو (اسی طرح وقف کر دیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرما دیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو' اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو

فقیروں مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔ اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا' وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی' فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہِ خدا میں صرف نہ کر دو گے) اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کر لوں۔ لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ ﷺ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرما دیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورۂ توبہ' آیت: ۶۰)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لئے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے' یہ اس کے لئے جائز ہے۔

(شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی کتب فقہ میں دیکھے جائیں)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّىْ مَاتَتْ فَاَىُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے (میں ان کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقفِ عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا اور بنوادیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لئے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچا کرے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے، سفر سے واپسی پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لئے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور ان کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہو گا؟ آپ ﷺ نے ان کو کنواں بنوا دینے کا مشورہ دیا، چنانچہ انہوں نے ایسی جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی، کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی ان کے ایصال ثواب کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ بعض روایات میں باغ وقف کرنیکا بھی ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر آئمہ اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنِ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَحِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرُ بِيْرِرُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بِيْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ...... فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدَهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ

تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّيْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِيْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ، قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ اَنِّيْ شَهِيْدٌ ثَلٰثًا.

(رواہ الترمذی والنسائی)

ثمامہ بن حزن قشیری (تابعی) نے بیان کیا کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب موجود تھا (جب باغیوں کے لشکر نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا) تو انہوں نے مکان کے اوپر سے ان کو دیکھا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا، میں تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں اور تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو "بیر رومہ" کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا (اور وہ کسی شخص کی ملکیت تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے اللہ کا بندہ جو بیر رومہ کو خرید کے عام مسلمانوں کے لئے وقف کردے کہ اس کی طرح عام مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کا حق ہو اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر دے' تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا (اور وقفِ عام کردیا) اور آج تم مجھے اس کا پانی بھی نہیں پینے دیتے اور مجبور کرتے ہو کہ سمندر کا سا کھاری پانی پیوں... لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں خداوندا! (ہم کو اس کا علم ہے) اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مسجدِ نبوی نمازیوں کے لئے بہت تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ (جو مسجد کے قریب ہے) خرید کے مسجد میں شامل کردے' تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر اس کو عطا فرمائے' تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا تھا (اور مسجد میں شامل کردیا تھا) اور آج تم لوگ مجھے اس میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے ہو۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ خداوندا! یہ بھی ہمارے علم میں ہے اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و ایماء پر) تبوک کے لشکر کا ساز و سامان میں نے اپنی ذاتی رقم سے کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ خداوندا یہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ تمہارے علم میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ ایک دن مکہ کے پہاڑ ثبیر پر تھے اور آپ ﷺ کی ساتھ ابو بکر اور عمر تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ ہلنے لگا یہاں تک کہ کچھ پتھر اس کے نیچے گر گئے' تو آپ ﷺ نے اس پر اپنے قدم شریف سے ضرب لگائی اور فرمایا ثبیر ساکن ہو جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (حضرت عثمان کی اس بات کے جواب میں بھی) لوگوں نے کہا کہ خداوندا! ہاں ہم کو اس کا بھی علم ہے۔ اس وقت حضرت عثمان نے کہا "اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم یہ لوگ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں شہید ہوں۔" یہ بات حضرت عثمانؓ نے تین دفعہ فرمائی۔ (جامع ترمذی' سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب اور اپیل پر آپؓ نے کئے۔ پہلے بیر رومہ کا وقف جو غالباً اسلام میں سب سے پہلا وقف ہو گا کیونکہ وہ اس وقت عمل میں آیا جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے' اس سے پہلے مکہ معظمہ میں کسی وقف کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا وقف اس زمین کا جو انہوں نے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کی۔

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب کی ہے اور اکثر کتب حدیث میں اسی باب کے تحت درج کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں حضرت عثمان کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر کئے گئے تھے اس لئے یہاں اس کا درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔

اس حدیث میں عبرت کا بڑا سامان ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و مناقب اور ان کارناموں سے اور ان بشارتوں سے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دی تھیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ عام طور سے واقف تھے۔ اور یہ باتیں ایسی مشہور و مسلم تھیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں تھی لیکن جن لوگوں پر شیطان سوار تھا اور جن کے لئے شقاوت مقدر ہو چکی تھی انہوں نے اس سب کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت ظالمانہ طریقہ سے شہید کیا۔ اور پھر امت پر اس کا اجتماعی عذاب یہ آیا کہ باہم قتل و قتال کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا۔

وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک "وصیت" کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو' وہ یہ طے کردے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرف خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے' اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثواب آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے' یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کردینا چاہئے۔ اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوْصَى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے' مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کردیں گے۔ بلکہ ہر مرد مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے' دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ

کس وقت آجائے۔ حضرت ابن عمر سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا رواج اُمت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے' حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے' وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں' قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اُٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَ سُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰى تُقًى وَ شَهَادَةٍ وَ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَهٗ.
(رواه ابن ماجه)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں جو وصیت اس کو کرنی چاہیئے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی) تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا' اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ نِیْ وَاَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِیْ هَاجَرَ مِنْهَا' فَقَالَ يَرْحَمُ اللهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اُوْصِیْ بِمَا لِیْ كُلِّهٖ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرَ؟ قَالَ لَا' قُلْتُ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِیْ اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّكَ مَهْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ الَّتِیْ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِیْ اِمْرَاَتِكَ وَعَسَى اللهُ اَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرُّ بِكَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ يَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَتَهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں

(سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) میں نے آپ ﷺ سے (بطور استفسار کے عرض کیا کہ (حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو (فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں) صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارے میں یہ وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لئے وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کر دو، اور تہائی بھی بہت ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کے جاؤ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لئے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کرو گے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں، قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے "صدقہ" ہوگا حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہوگا) آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو اس مرض سے صحت و شفاء دے کر) مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچے گا اور بہت لوگوں کو نقصان۔ (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے) اس زمانے میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے، اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "اشفیت علی الموت" یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ جب اُن کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے "یرحم اللہ ابن عفراء" کہہ کر ان کے لئے دعا کی اور تسلی دی، پھر حضرت

سعد نے (جو دولت مند صحابہ میں سے تھے) آپ ﷺ سے اپنے مال و دولت کے بارے میں وصیت سے متعلق دریافت کیا (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے) میں اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لئے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارف خیر میں صَرف کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی، پھر آدھی دولت کے لئے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، صرف تہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمہاری آخرت کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو۔ عزیزوں، قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لئے چھوڑنا بھی عند اللہ صدقہ ہے۔ (بشرطیکہ رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت ہو، اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حتی کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دینے میں بھی تمہارے لئے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظِ نفس بھی ہے۔

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ "عسى الله ان يرفعك الخ" یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے، تم انشاء اللہ اس مرض سے صحت یاب ہو کر اُٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمہارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ۱۰ھ میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعد اپنے کو موت کے کنارے پر سمجھ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعد اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیرِ اقتدار علاقے انہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی، پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت سعد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح ظہور میں آنا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے "وصیت" کے بارے میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث

ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر کے لئے بھی اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں، اس پر امت کے آئمہ و علماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کرسکتا ہے، تہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارے میں ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "وہم" کہا جاتا ہے۔[1]

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللّٰهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.
(رواہ ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتاب پاک میں وارثوں میں سے) ہر صاحبِ حق کو اس کا حصہ عطا فرمادیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جب معاشرت وغیرہ سے متعلق احکام کا نزول شروع ہوا تو ابتداً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ (كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. الآیہ) کے ذریعے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال و دولت ہو اس کو چاہیئے کہ مرنے سے پہلے اپنے ماں باپ اور دوسرے قریبی عزیزوں کے لئے وہ مناسب طریقہ پر وصیت کر جائے۔ اس کے کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کا مفصل قانون سورۃ النساء میں نازل فرمادیا گیا، اس طرح وصیت کا پہلا حکم کم از کم شرعی وارثوں کے حق میں منسوخ

---

[1] اس کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الوصایا میں دیکھی جاسکتی ہے...... یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث کے بارہ میں مشکوٰۃ المصابیح میں بھی ایک سہو ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جامع ترمذی کی اس روایت کو جس میں اس واقعہ کو "فتح مکہ" کے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے، فصلِ اول میں درج کر دیا گیا ہے اور متفق علیہ (یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت) قرار دیا گیا ہے حالانکہ جیسا عرض کیا گیا وہ روایت صحیحین میں نہیں ہے، جامع ترمذی میں ہے۔

ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور بہت سے ضروری احکام کا اعلان فرمایا وہاں یہ اعلان بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون نازل فرما کر سب وارثوں کا حق مقرر فرما دیا ہے لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا اور "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابو امامہؓ کی مندرجہ بالا حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ اضافہ ہے۔

وَفِي رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ.

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز (اور نافذ) نہیں' الا یہ کہ دوسرے وارث چاہیں اور راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے شرعی وارث اس پر راضی ہو جائیں کہ مورث کسی وارث کے حق میں (اس کے شرعی حصے کے علاوہ مزید کی) وصیت کر دے اور ان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ وصیت جائز اور نافذ ہو جائے گی۔ (بشرطیکہ یہ دوسرے وارث عاقل بالغ ہوں)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ. (رواه احمد والترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کبھی ایسا ہوتا ہے) کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں' پھر جب اُن کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقدار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں' تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ اطاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت

سعد بن ابی وقاص کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط ہے۔ وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

نظامِ عدالت

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے اور حقداروں کو ان کا حق دِلوانے نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لئے محکمۂ قضا یعنی نظامِ عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاملات کے دوسرے اَبواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آبسے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو اس وقت نظامِ عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نبی و رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکمِ عدالت بھی تھے' نزاعی معاملات آپ ﷺ کے سامنے آتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرماتے' حدود جاری کرتے یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانونِ خداوندی کے مطابق سزائیں دِلواتے۔ قران مجید میں براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ. (المائدہ' آیت: ۴۹)

(اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ. (النساء' آیت: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی آپ کی طرف "کتاب" حق (کی ہدایت) کیساتھ تاکہ آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہنمائی کے مطابق۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نزاعات و خصومات کے فیصلے خود فرماتے تھے نیز بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے اور جب یمن کا علاقہ بھی اسلامی اقتدار کے دائرہ میں آگیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بھی وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو جو کسی علاقہ میں عدل و انصاف کے ذمہ دار (قاضی) بنائے جائیں سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے امکان اور اپنی فہم و فکر کی آخری حد تک عدل و انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دینے کی پوری کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آپ ﷺ نے خدا کی مدد اور رہنمائی کی اور آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں سنائیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے لوگوں سے نادانستہ اجتہادی غلطی بھی ہو جائے گی تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق سمجھنے کی محنت و کوشش کا ان کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کے بالمقابل آپ ﷺ نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والے حاکموں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور سخت وعیدیں سنائیں۔ نیز آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حاکم اور قاضی ایسے بندگانِ خدا کو بنایا جائے جو اس منصب اور عہدے کے خواہش مند نہ ہوں، اور جو لوگ اس کے طالب اور خواہش مند ہوں ان کو ہرگز یہ منصب اور عہدہ نہ دیا جائے۔ قضا اور عدالت کے طریقۂ کار کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے کچھ بنیادی اصول بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عادل اور غیر عادل حاکم و قاضی:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَاللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وُلُّوْا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اہلِ حکومت اور اربابِ اقتدار میں سے) عدل و انصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لیتے

ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اُن اہلِ حکومت اور اربابِ اختیار کو جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اختیارات کے استعمال اور سارے معاملات میں عدل و انصاف کا اہتمام اور اس کی پابندی کریں یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یہ اعزاز و اکرام ہوگا کہ وہ اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے۔ اس دنیا کے شاہی درباروں میں کسی کی کرسی کا تختِ شاہی کے داہنی جانب ہونا اس کے خاص الخاص اعزاز و اکرام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہوگا کہ جو بندے برسرِ حکومت اور صاحبِ اختیار ہونے کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی پوری پابندی کریں، تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے ساتھ ایسا ہی خاص الخاص اعزاز و اکرام ہوگا ان کی نورانی نشست گاہیں (منبر کہیے یا کرسیاں) اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب ہوں گی۔

حدیث کے لفظ "عن یمین الرحمٰن" (خداوند رحمٰن کے داہنی جانب) سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح ہم لوگوں کے داہنے ہاتھ کے ساتھ دوسرا بایاں ہاتھ ہوتا ہے (جو داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر ہوتا ہے) اسی طرح خداوند رحمٰن کا بھی دوسرا بایاں ہاتھ ہوگا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں یا اس طرح کی دوسری احادیث یا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو "یمین" یا "ید" (ہاتھ یا داہنے ہاتھ) کے الفاظ میں کہیں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے جیسے ہاتھ مراد نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "لیس کمثلہ شیء" (کوئی چیز بھی اللہ کی مثل یا مثال نہیں ہے) رہی یہ بات کہ پھر "ید" جیسے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں آئمہ سلف کے اس مسلک میں زیادہ سلامتی اور احتیاط ہے کہ ہم اس کا اعتراف اور اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نوعیت اور حقیقت کی دریافت سے ہم عاجز ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں "الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا" یعنی یہ بشارت ان عادل و منصف بندوں کے لئے ہے جو اپنے عدالتی اور حکومتی فیصلوں میں انصاف کریں اور اپنے اہل و عیال اور اہلِ تعلق کے ساتھ بھی ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہو، اور اگر وہ کسی کے ولی اور سرپرست ہوں یا کسی جائیداد یا ادارہ کے متولی اور ذمہ دار ہوں تو اس کے معاملات میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف کا حکم اور اس پر بشارت کا تعلق صرف اربابِ حکومت اور حاکمانِ عدالت ہی سے نہیں ہے بلکہ اپنے

اپنے دائرہ عمل میں ہر شخص اس کا مکلف ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَقْرَبَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَشَدَّھُمْ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور (اس کے برعکس) وہ اربابِ حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جو بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْہُ وَلَزِمَہُ الشَّیْطَانُ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (یعنی حاکم عدالت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد اور توفیق اس کی رفیق رہتی ہے) جب تک وہ عدل و انصاف کا پابند رہے، پھر جب وہ (عدل و انصاف کی پابندی چھوڑ کے) بے انصافی کا رویہ اختیار کرلیتا ہے تو اللہ اس سے الگ اور بے تعلق ہو جاتا ہے (یعنی اس کی مدد اور رہنمائی اس کو حاصل نہیں رہتی) اور پھر شیطان اس کا ہمدم اور رفیق ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حاکم اور قاضی کی نیت اور کوشش جب تک یہ رہے کہ میں حق و انصاف ہی کے مطابق فیصلے کروں اور مجھ سے بے انصافی سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جب خود اس کی نیت خراب ہو جائے اور ظلم و بے انصافی کا راستہ اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد اور رہنمائی سے محروم فرمادیتا ہے اور پھر شیطان ہی اسکا رفیق ور ہنما بن جاتا ہے اور وہ اسکو جہنم کی طرف لیجانے والے راستہ پر چلاتا ہے۔

قاضی اور حاکم سے اگر اجتہادی غلطی ہو جائے......

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ فَاَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ وَ اَخْطَاَ فَلَہٗ

اَجْرٌ وَاحِدٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے) غور و فکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ (ایک صحیح فیصلہ کرنے کی نیت اور کوشش و محنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کردیا تو بھی اس کو ایک اجر و ثواب ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے مطلب کی بقدرِ ضرورت تشریح ترجمہ کے ساتھ کردی گئی ہے۔

اس حدیث سے ایک بڑی اہم اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر حاکم اور مجتہد کسی معاملہ اور مسئلہ میں حق و صواب کو جاننے سمجھنے کی امکان بھر کوشش کرے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تب بھی وہ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کی نیت حق و صواب کو سمجھنے کی تھی اور اس کے لئے اس نے غور و فکر اور محنت و کوشش بھی کی۔ اور وہ اسی کا مکلّف تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نااہلوں کو اجتہاد کی اجازت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جس شخص نے قدیم یا جدید طب کا فن حاصل ہی نہیں کیا وہ اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے اور بیماروں کا علاج کرنے لگے تو مجرم اور جیل خانہ کا مستحق ہوگا۔ ہماری زبان کی صحیح مثل ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم مُلا خطرۂ ایمان" آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضروری درجہ کے علم اور اہلیت کے بغیر فیصلے کرے وہ دوزخ کا مستحق ہے۔

جنتی اور دوزخی قاضی و حاکم:

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ اِثْنَانِ فِي النَّارِ فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاضی (حاکمانِ عدالت) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت کا مستحق اور دو دوزخ کے مستحق ہیں۔

جنت کا مستحق وہ حاکم عدالت ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جس حاکم نے حق کو سمجھنے کے باجود ناحق فیصلہ کیا وہ دوزخ کا مستحق ہے' اور اسی طرح وہ حاکم بھی دوزخ کا مستحق ہے جو بے علم اور ناواقف ہونے کے باوجود فیصلے کرنے کی جرأت کرتا ہے۔
(سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

رشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت:

حاکمانِ عدالت کو حق و انصاف کے خلاف فیصلہ پر آمادہ کرنے والے اسباب میں ایک بڑا سبب رشوت کی طمع ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کو موجب لعنت گناہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيْ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه و رواه الترمذى عنه و عن ابى هريرة)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔
(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ... اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو کے علاوہ حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے)

(تشریح) کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت' اس سے انتہائی ناراضی و بے زاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند رحمٰن و رحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بے زاری اور اس کے قابل لعنت ہونے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کر دیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔ اللہ کی پناہ! رحمت للعالمین شفیع المذنبین ﷺ جس بدنصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کے لئے رحمتِ خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بدبخت کا کہاں ٹھکانہ!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ "والرائش" کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہو گا

کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلال) پر بھی رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

حاکم اور قاضی بننا بڑی آزمائش اور بہت خطرناک

ظاہر ہے قاضی اور حاکم بن جانے کے بعد اس کے بہت امکانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آدمی کی نیت اور اس کے اخلاق میں فساد آجائے اور وہ ایسے غلط کام کرنے لگے جن سے اس کا دین و ایمان برباد اور آخرت خراب ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لئے اس سے بہت ڈرایا ہے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حکومتی عہدے اور عدالتی مناصب ان لوگوں کو نہ دیئے جائیں جو ان کے طالب اور خواہش مند ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے طالب نہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ. (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قاضی (حاکم عدالت) بنایا گیا تاکہ لوگوں کے مقدمات نزاعات کا فیصلہ کرے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ ۲۔۴ منٹ میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے اس کا جلدی کام تمام نہ ہو سکے گا اور اس کی تکلیف طویل المیعاد ہو گی۔ حدیث کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ قاضی اور حاکم عدالت بننا اپنے کو بڑی آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اور اس منصب اور ذمہ داری کے قبول کرنے والے کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سر پہ کانٹوں کا تاج رکھ رہا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ تم لوگ حکومت اور اس کے عہدوں کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا باعث ہو گی۔ بڑی اچھی لگی ہے حکومت کی آغوش میں لے

کر دودھ پلانے والی اور بہت بری لگتی ہے دودھ چھڑانے والی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے منکشف فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی امت میں حکومت اور اس کے عہدے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی حرص پیدا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو آپ ﷺ نے آگاہی دی کہ یہ حکومت قیامت میں سخت ندامت اور پشیمانی کا باعث ہوگی جب ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حکومت کا حساب دینا ہوگا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکومت جب کسی کو ملتی ہے تو بڑی اچھی لگتی ہے جیسے بچہ کو دودھ پلانے والی دایہ اچھی لگتی ہے اور جب وہ ہاتھ سے جاتی ہے (خواہ موت کے وقت، یا زندگی ہی میں اس سے محروم یا دست بردار ہونا پڑے) تو بہت بری لگتی ہے جیسے کہ دودھ چھڑانے والی دایہ بچہ کو بہت بری لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کے شوقین اور طالبوں کو اس کے اُخروی انجام سے غافل نہ ہونا چاہئے، قیامت میں ان کو اپنے زیرِ حکومت لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا یہ اثر پڑا تھا کہ بہت سے صحابہ کرام حکومتی اور عدالتی عہدوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

حکومت کے طالب اللہ کی مدد و رہنمائی سے محروم:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْئَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے لئے حکومت کا عہدہ طلب مت کرو اگر تمہارے طلب کرنے پر تم کو حکومت کی ذمہ دار سپرد کی گئی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے (اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد اور رہنمائی نہیں ہوگی) اور تمہاری طلب کے بغیر تم کو کوئی حکومتی ذمہ داری سپرد کی گئی تو اللہ کی طرف سے اس میں تمہاری مدد ہوگی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.
(رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی منصب قضا کا طالب ہو گا اور درخواست کر کے اس کو حاصل کرے گا تو اس کو اس کے نفس اور اس کی قابلیت کے حوالے کر دیا جائے گا (کہ وہ خود ہی اس کی ذمہ داریوں سے نمٹے جو بہت مشکل اور بڑا خطرناک کام ہے) اور جس شخص کو مجبور کر کے قاضی اور حاکم عدالت بنایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کے لئے خاص فرشتہ نازل فرمائے گا جو اس کو ٹھیک ٹھیک چلائے گا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) دونوں حدیثوں کا مدعا اور مطلب یہی ہے کہ حکومتی عہدہ یا عدالتی منصب اپنے نفس کی خواہش سے نہیں لینا چاہئے جو کوئی اس طرح حاصل کرے گا اس کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہ ہو گی، اور جس کو بغیر اس کی ذاتی خواہش کے یہ ذمہ داری سپرد کی جائے وہ متوکلاً علی اللہ اس کو قبول کر لے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے بندوں کی مدد اور رہنمائی فرمائی جائے گی۔

قاضیوں کے لئے رہنما اصول اور ہدایات

مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو رہنما اصول مقرر فرمایا اور جو ہدایات دیں ان کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ، قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ؟ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلَا آلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُوْلُ اللهِ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد والدارمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی بنا کر یمن کے لئے روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہو گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس کے بارے میں کوئی حکم اور ہدایت) نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے) انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر

رسول اللہ (ﷺ) کی سنت میں تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے (تو کیا کرو گے ؟) انہوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان چند ممتاز صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو اپنے طالب علمانہ مزاج اور حضور ﷺ کی طویل صحبت اور خصوصی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی متعدد حدیثوں میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں ان کو یمن کا قاضی اور حکم بنا کر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے طریقہ کار کے مسلسل مطالعہ سے انؓ کو یہ اصول معلوم ہو چکا تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے تو اس کے بارے میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اگر وہاں سے ہدایت نہ مل سکے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کار سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، وہاں بھی نہ ملے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کیا جائے۔ تو جب آنحضرت نے ان کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو امتحان کے طور پر اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو معاملات اور مقدمات آئیں گے تم ان کا فیصلہ کس طرح کرو گے ؟ انہوں نے اس کا وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو شاباش دی، ان کا سینہ ٹھوکا، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوںؓ نے آپ ﷺ کی مرضی اور منشاء کے مطابق جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیم اور صحبت سے اچھا استفادہ کیا ہے۔

اس حدیث کی اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت ہے کہ دین و شریعت میں اجتہاد و قیاس کی یہ سب سے زیادہ واضح بنیاد ہے، اور امت کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اجتہاد و قیاس سے کام لیا ہے اور ان ہزاروں مسائل و معاملات کا فیصلہ کیا ہے جن کے بارے میں واضح ہدایت اور حکم کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات محدثین کے مقررہ معیار کے لحاظ سے اس

حدیث کی سند قوی نہیں ہے بلکہ اس میں ضعف ہے (جس کی تفصیل شروح حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔) لیکن اس کے باوجود امت کے آئمہ وفقہاء نے اس کو قبول کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس واجتہاد کا سلسلہ چلا ہے۔ شیخ ابن القیم وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ آئمہ فقہاء کے اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کی صحت کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی معاملہ اور مسئلہ میں قیاس واجتہاد کی گنجائش جب ہی ہے جب کہ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی حکم وہدایت نہ مل سکے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ. (رواه احمد و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مقدمہ کے دونوں فریق حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے ساتھ اس کا برتاؤ مساویانہ ہو، کسی فریق کی کسی خصوصیت یا تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، قاضی کے سامنے دونوں کی نشست یکساں ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِىْ كَيْفَ تَقْضِىْ. قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدَ هٰذَا. (رواه الترمذی)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں، تو تم پہلے ہی فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لو گے اور جان لو گے کہ تم کس طرح اور کیسا فیصلہ کرو" حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضی کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا، تو آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور راہنمائی فرمائے گا

اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا اور ساتھ ہی یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے تو جب تک تم دونوں فریقوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو اور نہ فیصلہ دو۔ جب دونوں کی بات سننے کے بعد معاملہ پر غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوگی اور صحیح فیصلہ کی توفیق ملے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں جو فرمایا تھا اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات و نزاعات کے فیصلہ کے باب میں طبقہ صحابہ میں آپؓ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپؓ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(تشریح) غصہ کی حالت میں آدمی کا ذہنی توازن صحیح نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے ایسے وقت غور فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو غصہ مقدمہ کے کسی فریق پر ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلہ میں ناانصافی ہو جائے۔)

دعوے کے لئے دلیل اور ثبوت ضروری:

اگر کوئی شخص حاکم اور قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو محض اس کے دعوے کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا اسلامی قانون میں ہر عوے کے لئے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کو دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا اور اگر وہ حلف کے ساتھ مدعی کے دعوے کو غلط قرار دے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا

اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی اور جو خود آپ ﷺ کا طریقہ کار بھی تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْيُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر محض دعوے پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جایا کرے تو لوگ دوسروں کے خلاف (بیباکی سے) خون یا مال کے (جھوٹے سچے) دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن (محض کسی کے دعوے پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ثبوت طلب کیا جائے گا اور ثبوت و شہادت نہ ہونے کی صورت میں) مدعیٰ علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) صحیح مسلم کی اس روایت کے الفاظ میں مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے، صرف مدعیٰ علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لینے کا ذکر ہے لیکن صحیح مسلم کے شارح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی اسی حدیث کو امام بیہقی نے بھی حسن یا صحیح سند سے روایت کیا ہے اور اس میں پہلے مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ "وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ" امام نووی کا یہ کلام صحیح مسلم کی اس حدیث کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح میں بھی نقل کیا گیا ہے، اسی لئے حدیث کے ترجمہ میں ہم نے قوسین میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ متعدد دوسرے صحابہ کرام سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ فَقَدَّمْتُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُوْدِيِّ اِحْلِفْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا يَّحْلِفُ يَذْهَبُ بِمَالِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِهِمْ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجه)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کر دیا اور تنہا اس کا مالک بن بیٹھا

میں اس یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا (اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہ شاہد ہے)؟" میں نے عرض کیا کوئی گواہ شاہد تو نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا، کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تم قسم کھاؤ (کہ زمین میں مدعی کا کوئی حصہ نہیں ہے تنہا میری ہے.... اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال یعنی میری جائداد ہڑپ کرلے گا...... تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ.......... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر) اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ "ثمنِ قلیل" یعنی دنیا کا تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو نہایت درد ناک عذاب ہوگا۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی مسلم اور مدعا علیہ غیر مسلم ہو تب بھی اس قانون کے مطابق کاروائی کی جائے گی اور مدعی کے پاس ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر غیر مسلم مدعا علیہ کے ساتھ انکاری بیان دے گا تو اسکو قبول کرلیا جائے گا۔ اور اگر فی الواقع اس نے بددیانتی کی ہے اور جھوٹا حلفیہ بیان دیا ہے تو آخرت میں وہ اس کی سخت ترین سزا پائے گا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ وَ رَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَ مِیُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِیْ عَلٰى اَرْضٍ لِیْ فَقَالَ الْكِنْدِیُّ هِیَ اَرْضِیْ وَ فِیْ یَدِیْ لَیْسَ لَهٗ فِیْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَ مِیِّ اَلَكَ بَیِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ یَمِیْنُهٗ؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا یُبَالِیْ عَلٰى مَاحَلَفَ عَلَیْهِ وَلَیْسَ یَتَوَرَّعُ مِنْ شَیْئٍ قَالَ لَیْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذَالِكَ فَانْطَلَقَ لِیَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِیَاكُلَهٗ ظُلْمًا لَیَلْقَیَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ. (رواہ مسلم)

علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص حضر موت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،

حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کندی نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ کندی نے (جو مدعا علیہ تھا) جواب میں کہا کہ وہ زمین فی الواقع میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدعی حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دعوے کی دلیل (گواہ شاہد) ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ شاہد تو نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ حضرمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ آدمی تو فاجر (بدکار و بد چلن اور بددیانت) ہے اس کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی (بری) بات سے اس کو پرہیز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس دعوے کے گواہ شاہد نہیں ہیں تو) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس آدمی سے قسم لے لو! تو جب وہ کندی حلف اٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کو آگاہی دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضرمی کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے حضور میں یہ اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رُخ پھیر لیں گے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بلاشبہ آخرت میں کسی بندے کی یہ انتہائی بدبختی اور بدنصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ غضب و ناراضی کی وجہ سے اس کی طرف سے رُخ پھیر لیں' یہ اس کے مردودِ بارگاہ اور ناقابل معافی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس سے پہلی اشعث بن قیس کی حدیث میں ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی (اولئك لا خلاق لهم في الاخرة ولا يكلمهم الله........ ولهم عذاب اليمo) وائل کی اس حدیث میں وهو عنه معرض اسی کی اجمالی تعبیر ہے اور آیت کا مضمون گویا اس کی تفصیل ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ایک جملہ یہ تھا "فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ.. الخ" جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "کہ جب وہ کندی حلف اٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غالباً اس کندی سے کہا گیا ہوگا کہ مسجد چل کر نماز کے بعد سب کے سامنے قسم کھاؤ' یا یہ کہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھاؤ۔ تو جب وہ قسم کھانے کے لئے اُدھر کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو آگاہی دی کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر پرایا مال ناجائز طور پر حاصل کرے گا آخرت میں اس کا یہ انجام ہوگا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ پھر اس شخص نے قسم کھائی یا قسم کھانے سے باز آگیا۔ لیکن سنن ابی داؤد میں

حضرمی اور کندی کے اسی مقدمہ سے متعلق اشعث بن قیس کی ایک حدیث ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے برے انجام کی وعید سنائی تو کندی قسم کھانے سے رُک گیا اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ زمین مدعی حضرمی ہی کی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم والوں کا ٹھکانہ جہنم:

جیسا کہ معلوم ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصاً اصل حیثیت نبی ورسول اور بشیر و نذیر کی ہے [۱] ...... وہ اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ اور اخلاق حسنہ کی دعوت و ترغیب دیتے اور ان پر خداوندی فضل و انعام اور رحمت و جنت کی بشارت سناتے ہیں۔ اور کفر و شرک اور بداعمالیوں و بداخلاقیوں اور جرائم سے بندگانِ خدا کو روکتے' ان کو برے انجام سے آگاہی دیتے اور خدا کے غضب و عذاب سے ڈراتے ہیں' یہی ان کی دعوت و ہدایت کی بنیاد اور یہی ان کا سب سے کارگر ہتھیار اور یہی ان کی اصل طاقت ہوتی ہے۔

عدالت میں جھوٹا دعویٰ کرنا اور اسی طرح ناجائز طور پر کسی کی چیز حاصل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹی قسم کھانا' بدترین اور شدید ترین گناہوں میں سے ہے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی ایسی چیز پر دعوے کرے جو فی الحقیقت اس کی نہیں ہے' تو وہ ہم میں سے (یعنی ہمارا آدمی اور ہمارا ساتھی) نہیں ہے' اور اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اپنے کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں میں شمار کرنے والے شخص کے لئے اس سے زیادہ سخت و شدید وعید کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں فرمادیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے' ہماری جماعت سے خارج ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کی پناہ!

---

[۱] سورۂ نساء میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا "رسولا مبشرین و منذرین" اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ فرقان میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا "وما ارسلناك الا مبشرا و نذیرا"

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مسلم بِیَمِیْنِہٖ فَقَدْ اوجب اللّٰہ له النار و حرم علیه الجنة فقال له رجلٌ وإن کَانَ شَیْئًا یسیرًا یَا رسُوْل اللّٰہ قَالَ وَاِنْ کَانَ قَضِیْبًا مِنْ اَرَاکٍ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا کوئی حق مارا (اور عدالتی فیصلے سے اس کی کوئی چیز حاصل کرلی) تو اللہ نے اس شخص کے لئے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت حرام۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ اگر چہ وہ چیز بالکل معمولی اور تھوڑی سی ہو (تب بھی یہی سزا ہوگی؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر چہ وہ (جنگلی درخت) پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے عدالت میں جھوٹی قسم کھا کے کسی دوسرے بندے کی بالکل معمولی اور بے قیمت چیز بھی حاصل کی تو اس نے بھی اتنا بڑا گناہ کیا جس کی سزا میں اس کو دوزخ کا عذاب ضرور بھگتنا ہوگا اور مومنین صالحین والی جنت سے محروم رہے گا۔

حدیث میں "من اقتطع حق امرءٍ مسلم" فرمایا گیا' یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہی تھا اور آپ ﷺ کے سامنے عموماً مسلمانوں ہی کے باہمی مقدمات آتے تھے۔ ورنہ کسی غیر مسلم کی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر حاصل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی چیز حاصل کرنا۔ اس کی واضح دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس کا حوالہ خود رسول اللہ ﷺ نے (ایک حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے) جھوٹی قسم کے عذاب ہی کے سلسلہ میں دیا ہے۔ یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط۔" (آل عمران ۷۷)

خود حضور ﷺ کے فیصلہ سے بھی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہو سکتی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چالاک مقدمہ باز آدمی دوسرے کی چیز پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے کہ قاضی اس کو برحق سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعا علیہ اپنی چرب زبانی سے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی سچائی کا قاضی کو یقین دلا دیتا ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے' تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ سے وہ چیز اس جھوٹے مدعی یا مدعا علیہ کے لئے حلال و جائز نہیں ہو جاتی' حرام ہی رہتی ہے اور

جھوٹا مقدمہ لڑانے اور جھوٹی قسم کھانے سے وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور کسی مقدمہ باز کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مجھ سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے تو میرے فیصلہ سے بھی وہ چیز اس کے لئے حلال نہ ہو گی حرام ہی رہے گی۔ حدیث یہ ہے:

عن ام سلمة ان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال انما انا بشرٌ و اِنكم تَخْتَصِمُوْنَ اليَّ و لعل بعضكم اَنْ يكون اَلحن بِحُجَّتَه من بعض فاقضى له على نحوما اسمع منه فمن قضيت له بشيئٍ من حق اخيه فلا ياخذنه فانما اقطع له قطعة من النار. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں، اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور بہتر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دیے دوں تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہر گز نہ لے (اس کے جھوٹے دعوے یا جھوٹی قسم کے نتیجہ میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میں ایک انسان اور بندہ ہوں عالم الغیب نہیں ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی مدعی یا مدعا علیہ کی تقریر و استدلال سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں اور فی الواقع وہ اس کا حق نہ ہو تو میرے فیصلہ سے بھی دوسرے فریق کی چیز اس کے لئے حلال اور جائز نہ ہو گی بلکہ وہ اس کے حق میں دوزخ ہو گی۔

جھوٹی قسم شدید ترین گناہِ کبیرہ:

عن عبدالله بن اُنيس قال قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ من اكبر الكبائرِ الشركُ بالله وعقوقُ الوالدين واليمين الغموس وما حلف بالله حالفٌ يمينِ صبرفادخل فيها مثل جناح بعوضةٍ اِلَّا جُعلتْ نكتة فى قلبه اِلى يوم القيٰمة. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ

گناہوں میں سب سے بڑے (اور سب سے خبیث) گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ اور ماں باپ کی نافرمانی۔ اور (حاکم کے سامنے) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ اور عدالت میں جو قسم کھانے والا قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر گڑبڑ کرے (یعنی ذرہ برابر بھی جھوٹ یا خیانت شامل کرے) تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے دِل میں قیامت تک کے لئے ایک داغ بنا دیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کا وَبال قیامت میں ظاہر ہوگا) (جامع ترمذی)

عَنْ خُرَیْم بن فاتكٍ قَالَ صلی رسول الله صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صلوٰۃ الصبح فلما انصرف قام قائمًا فقال عُدِلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مَرَّاتٍ ثم قرأ فاجتنبوا الرِّجْسَ من الاوثانِ وَاجتنبوا قول الزورِ حنفاء لله غیر مشرکین به (رواه ابو داؤد)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو (اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، پھر آپ ﷺ نے (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھی "فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غیر مشرکین به" (اے لوگو! بت پرستی کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی گواہی سے بچو، یکسوئی کے ساتھ بس اللہ ہی کے ہو کے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہو۔" (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ نے جو آیت اس خطاب میں تلاوت فرمائی اس میں شرک و بت پرستی کے ساتھ "قولِ زور" سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دونوں کے لئے اَمر کا ایک ہی صیغہ اور ایک ہی کلمہ "اجتنبوا" استعمال فرمایا گیا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا اور مخاطبین کو سمجھایا کہ شہادتِ زور (جھوٹی شہادت) ایسا ہی گندہ اور خبیث گناہ ہے جیسا کہ شرک و بت پرستی اور ایمان والوں کو اس سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہیئے جتنا کہ شرک و بت پرستی سے۔

کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں:

عن عمروؓ بن شعیب عن ابیه عن جدّه عن النبی صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قال لا تجوز شهادةُ خائنٍ ولا خائنَةٍ ولا زانٍ ولا زانیةٍ ولا ذی غِمرٍ علی اخیه وردّ شهادةَ القانع لاهل البیت. (رواه ابو داؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور (اسی طرح) خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابلِ قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابل قبول نہیں) اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے اس کی دشمنی ہو قابلِ قبول نہیں اور جو شخص (اپنی روزی اور ضروریات زندگی کے لئے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو کر پڑ گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے نا قابلِ قبول قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں پہلے خیانت اور زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ان دونوں گناہوں کو بطور مثال کے سمجھنا چاہیئے' اصول اور قانون یہ ہو گا کہ جو شخص ایسے کبائر اور فواحش کا مرتکب ہو' دوسرے لفظوں میں فاسق و فاجر ہو اس کی شہادت قبول نہ ہو گی کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اس کی سچائی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی دشمنی رکھنے والے کی مخالفانہ گواہی کے قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ ہے۔ اسی طرح جو آدمی کسی گھرانے سے وابستہ ہو' اس کا رہنا سہنا' کھانا پینا انہیں کے ساتھ ہو وہ گویا اسی گھرانے کا ایک فرد ہے اس لئے اس گھرانے کے حق میں اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی' اس سے معلوم ہو گیا کہ گھر والوں کی بدرجہ اولیٰ قابل رد ہو گی۔

نظامِ حکومت...... خلافت وامارت

جیسا کہ معلوم ہے "اسلام" انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ عقائد و ایمانیات' عبادات' اخلاق' آدابِ معاشرت اور معاملات کی طرح نظامِ حکومت کے بارے میں بھی اپنے پیرووں کی رہنمائی کرتا اور احکام و ہدایات دیتا ہے' بلکہ سلطنت و حکومت کا شعبہ اس کا اہم ترین شعبہ ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ اور اسی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے اس شعبہ کے بارے میں بھی امت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو غیر رسمی طور پر ایک چھوٹی سی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ اس حکومت کے سربراہ اور فرمانروا بھی تھے' ہجرت کے بعد قریباً دس سال آپ ﷺ اس دنیا میں رہے' اس مدت میں اس حکومت کا دائرہ اقتدار برابر وسیع ہوتا رہا اور تیزی سے وسیع ہوا یہاں تک کہ حیاتِ مبارک کے آخری دور میں پورا عرب بلکہ یمن اور بحرین کے علاقے بھی اس حکومت کے زیرِ اقتدار آگئے۔ ان دس سالوں میں اس دور کے معیار کے مطابق وہ سب ہی کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے کرائے جو حکومت کے سربراہوں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں' آپ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی دشمن طاقتوں سے جہاد بھی کیا' اس سلسلے میں فوجی مہمیں اور فوجی دستے بھی بھیجے۔ صلح کے معاہدے بھی کئے' جزیہ اور خراج اور زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی قائم فرمایا۔ زیرِ اقتدار آجانے والے علاقوں میں قاضی' والی اور عامل بھی مقرر کئے اور ان سب کاموں کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایات میں اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے لئے اصولی درجہ میں پوری رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خواص واصحاب ورفقاء میں سے جو چار حضرات یکے بعد دیگرے اس حکومتی نظام کو چلانے میں آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ (حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان ذی النورین' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم) انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کی کہ حکومت سے متعلق سارے معاملات میں رسول اللہ

ﷺ کے طور طریقوں اور آپ ﷺ کی ہدایات کی پوری پابندی اور پیروی کی جائے' ان کا یہی وہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے ان کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے۔ "خلافتِ راشدہ" وہی حکومت ہے جس میں آپ ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی حتیٰ الامکان پوری پابندی و پیروی کی جائے۔

اس تمہید کے بعد نظامِ حکومت و امارات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔ انہیں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت اور اس کے سربراہ کی کیا خاص ذمہ داریاں ہیں اور عام مسلمانوں کا رویہ ان کے ساتھ کیسا رہنا چاہیے۔

عوام کو امیر کی اطاعت اور امیر کو تقویٰ اور عدل کی ہدایت:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام (یعنی اسلامی حکومت کا سربراہ) سپر اور ڈھال ہے' قتال کیا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے' پس اگر وہ خدا ترسی اور پرہیزگاری کا حکم کرے اور عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرے تو اس کے لئے اس کا بڑا اجر و ثواب ہے اور اگر وہ اس کے خلاف بات کرے تو اس پر اس کا وبال و عذاب پڑے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) کیونکہ اللہ کے رسول جو احکام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے اس لئے ان کے احکام کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ پھر چونکہ اللہ ہی کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس کا حکم مانا جائے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) تو امیر کی اطاعت رسول اللہ

ﷺ کی اطاعت ہوگی اور اس کی نافرمانی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہوگی) ملحوظ رہے کہ عربی میں خاص کر قرآن وحدیث کی زبان میں "امیر" کے معنی حکمراں کے ہیں۔

بظاہر حضور ﷺ کے اس ارشاد کا خاص مقصد ومدعا امیر (حاکم وقت) کی اطاعت فی المعروف کی اہمیت جتلانا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی اللہ کے رسول کی، اور بالواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امیر بمنزلہ سپر اور ڈھال کے ہے، سپر اور ڈھال کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دشمن کے حملہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طرح امام وقت (اسلامی حکومت کا سربراہ) مسلمانوں کا اور دین کا محافظ اور پاسبان ہے، یہ حفاظت اور دفاع اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں جہاد وقتال کی نوبت آئے گی۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وفاداری اور اطاعت کریں اس کے حکم کو مانیں، اس کے بغیر وہ دفاع اور حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔

حدیث مذکور میں امراء (اصحاب حکومت) کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اور عدل وانصاف کو لازم پکڑیں یعنی ہمیشہ یہ بات ان کے پیش نظر رہے کہ خدا ہر وقت اور ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے اور قیامت میں اس کے حضور میں پیشی ہوگی اور امیر وحاکم کی حیثیت سے جو کچھ ہم نے یہاں کیا ہوگا اس کا بڑا سخت محاسبہ ہوگا، اس سے کبھی غافل نہ ہوں اور عدل وانصاف پر قائم رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو آخرت میں بڑا اجر پائیں گے اور اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا شدید عذاب ووبال بھگتنا پڑے گا۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ، قَالَ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّىْ مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حَتّٰى ابْتُلِيْتُ. (رواه احمد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو خوف خدا اور عدل وانصاف کو اپنا شعار بنانا معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ غالباً میں حکومت کی لائن کے کام میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ منجانب اللہ اس میں مبتلا کیا گیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) پہلی حدیث کی طرح اصحاب حکومت کو اس حدیث کا پیغام بھی یہی ہے کہ وہ خداترسی اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ

پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ معاویہؓ صاحب امر اور حاکم ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں وہ شام کے گورنر رہے۔ اس کے بعد حضرت حسن سے صلح کے بعد ایک وقت آیا کہ وہ پوری اسلامی مملکت کے امیر و سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ وَ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک نرم خو، رحم دل اور عادل و منصف سربراہ حکومت ہوں گے، اور بدترین درجہ میں سخت دل اور ظالم و غیر منصف سربراہ حکومت ہوں گے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ اور امیر کو خدا ترس اور عادل و منصف ہونے کے ساتھ نرم خو اور رحم دل بھی ہونا چاہئے، جیسا کہ حکومت کے معاملہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رویہ تھا۔

امیر کو عوام کی خیر خواہی کی تاکید:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگراں بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حکمران کا فرض ہے کہ جو لوگ اس کے زیرِ حکومت ہیں ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اگر عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحبِ حکومت کو "راعی"

اور اس کے زیرِ حکومت عوام کو "رعیت" کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگہبان کے ہیں اور "رعیت" وہ ہے جس کو وہ چرائے ور جس کی حفاظت و نگہبانی اس کے ذمہ ہو۔ صرف یہ دو لفظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت و امارت کا کیا تصور ہے اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ فرض شناس چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے سرسبز چراگاہوں میں لے جاتے ہیں' درندوں اور چوروں رہزنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں' اس طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔

اہلِ حاجت کے لئے امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہیئے:

عَنْ عَمرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهٗ دُوْنَ ذَوِى الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ اِلَّا اَغْلَقَ اللّٰهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَحَاجَتِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ. (رواه الترمذى)

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت' اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کرلے گا (یعنی اس کی ضرورت مندی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوگی) (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی طریقہ یہ تھا کہ اصحابِ حاجت بلا روک ٹوک پہنچ کر مل سکتے تھے اور اپنے مسئلے پیش کرسکتے تھے' ان کے لئے دروازہ بند نہیں رہتا تھا۔ لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگادی' اسی موقع پر حدیث کے راوی حضرت عمرو بن مرہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا۔ اسی روایت میں آگے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے دروازہ پر ایک خاص آدمی مقرر کردیا جو لوگوں کی حاجات و

ضروریات معلوم کر کے حضرت معاویہ تک پہنچاتا تھا۔

امیر کا حکم اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو بہر حال اس کی اطاعت کی جائے لیکن معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصحاب امر کے احکام سننا اور ماننا ہر مرد مومن کے لئے ضروری ہے ان امور میں بھی جو پسند ہوں اور ان امور میں بھی جو ناپسندیدہ ہوں، جب تک کہ کسی کے گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن جب کوئی صاحب امر کسی خلاف شریعت بات کا حکم دے تو پھر سمع و اطاعت (سننے اور ماننے) کا حکم نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسی بات کا حکم دے جو آپ کی طبیعت یا آپ کی ذاتی رائے کے خلاف ہو لیکن شریعت کے خلاف نہ ہو تو اپنی طبیعت کے رجحان اور رائے کو نظر انداز کر کے اس کی اطاعت کرنی ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر اختلاف و انتشار ہو گا۔ ہاں اگر شریعت کے خلاف امیر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اللہ کا اور اس کی شریعت کا حکم مقدم اور سب سے بالا ہے۔

ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے:

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ. (رواه الترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کافر دشمنوں سے قتال کرنے میں اگرچہ شکست اور اپنی موت کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن فتح اور کامیابی کی امید بھی ہوتی ہے۔ مگر ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں اپنی جان کا یا کم سے کم سزا کا خطرہ ہی ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے اس کو افضل الجہاد فرمایا گیا ہے۔

عورت کو سربراہِ حکومت بنانا صحیح نہیں:

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَھْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَاَۃً۔
(رواہ البخاری)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت ذات کو اپنا حکمراں اور فرمانروا بنایا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت میں جو کھلا ہوا فرق ہے وہ اس کی روشن دلیل ہے کہ عورت کی تخلیق ملک و قوم پر حکمرانی جیسے کاموں کے لئے نہیں ہوئی ہے اگر کہیں کبھی اس کے خلاف عمل میں آتا ہے تو وہ یقیناً فطرت کے خلاف ہے اور ان خلاف فطرت کاموں میں سے ہے جو دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا ہے اور اہلِ حل و عقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے

دورِ حاضر کے مغربی نظامِ جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجہ میں جو کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہِ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے اگر خلیفہ وقت (موجودہ سربراہِ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانتداری کے ساتھ سو فیصدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کرلیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لئے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں صدیق اکبر کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ ﷺ پر انکشاف و یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین صدیق اکبر ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا تو آپ ﷺ نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرض وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر

اس طرف کھلا اشارہ فرمادیا۔

الغرض اگر خلیفہ برحق دین اور اُمت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اس کو اس کا حق ہے اور اس طرح وہ نامزد شخص خلیفہ برحق ہوگا۔ اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے اربابِ حل وعقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اور اگر کسی وقت انتخاب کے دائرہ کو امت کے عام اہلِ دین وفہم کی حد تک وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابلِ لحاظ چیز مقصد ہے استخلاف اور انتخابِ امیر کا کوئی خاص طریقہ اور ضابطہ متعین نہیں ہے اور وہ دینی مقاصد اور شرعی حدود واحکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ مَرَضِهٖ ادْعِىْ لِىْ اَبَا بَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں مجھ سے فرمایا کہ (اے عائشہ!) اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلوادو تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) تحریر لکھوادوں، مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت کی) تمنا رکھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہوں اس کا مستحق اور وہ نہیں ہوگا مستحق اور اللہ تعالیٰ کو اور مومنین کو ابو بکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمادیں اور "خلافت نامہ" تحریر کرا دیں اور اس کی تکمیل کے لئے حضرت ابو بکر اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ انکشاف ویقین ہوگیا کہ مشیت الٰہی میں یہی طے ہو چکا ہے اور میرے بعد اہلِ ایمان ابو بکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہلِ ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے سوچا تھا اور

اس کا اظہار فرما دیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہی ارادہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے عمل سے روشنی حاصل کی۔ الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف و نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صرف ۳۰ سال:

عَنْ سَفِينَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلافۃ النبوۃ (یعنی نبوی اصول و طریق کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف کردی گئی تھی کہ آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی ممکن حد تک آپ ﷺ کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بادشاہی اور حکمرانی دور آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپؓ کے بعد آپؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؓ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے، لیکن انہوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے یہ چند مہینے شامل کرلئے جائیں تو پورے تیس سال ہوجاتے ہیں۔ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافتِ راشدہ، جس کو اس حدیث میں "خلافۃ النبوۃ" کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی۔ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہوگیا اور شدہ شدہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آگیا۔

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا، جس کے علم کا

کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی اطلاع دی اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ:

عَنْ عَيَاضِ بْنِ غُنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْصَحَ لِذِىْ سُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَا يُبْدِهٖ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَاْخُذْ بِيَدِهٖ فَيَخْلُوْ بِهٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَ اِلَّا كَانَ قَدْ اَدَّى الَّذِىْ عَلَيْهِ. (رواہ احمد)

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اعلانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کرلے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) بے شک حکمت نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہل حکومت اور اصحاب وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرز عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اعلانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا رد عمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ رازدارانہ خط و کتابت کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

حکمرانوں کا ظلم و تشدد ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے لہٰذا ارباب حکومت کو کوسنے کے بجائے خدا کی طرف رجوع ہو اور اس سے دعا کرو!

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِىْ يَدِىْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ

وَإِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنْ اشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ. (رواه ابو نعيم فى الحلية)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں' میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں' بادشاہانِ عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں' پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح و زاری میں' تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

(تشریح) اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جن کو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں اور کچھ غیبی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات ان کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں۔ سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لئے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بدکرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حکاموں کے قلوب میں ان کے لئے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں' تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے' تمہارے حکام صرف آلۂ کار ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لئے بددعائیں نہ کرو' ان کو نہ کوسو' اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کر کے میری فرمانبرداری والی

زندگی اختیار کرو' آہ وزاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو' اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پا سکو گے۔

جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا اور دلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت' کے عارف حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے فرمایا تھا۔

"شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت"